تاریخ المدینۃ المنورہ

طٰہٰ

محمد
عبدالمعبود

مکتبہ رحمانیہ
اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ
اردو بازار
لاہور

Marfat.com

Marfat.com

3784

اَللّٰھُمَّ
حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃ

تاریخی
المدینۃ المنورۃ

مسجدِ نبویؐ اور روضۂ انور کی چودہ سو سالہ مکمل تاریخ

محمد عبدالمعبود

مکتبہ رحمانیہ ◉ اردو بازار ○ لاہور

Marfat.com

87027

69627

مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور

نقش ثانی — کامل تاریخ المدینۃ المنورہ

تالیف — محمد عبدالمعبود

صفحات — ۶۸۲

کتابت — منظور احمد

تعداد — ایک ہزار

قیمت

لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

Marfat.com

3784

میری انتہائے نگارش یہی ہے تیرے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

Marfat.com

عرضِ ناشر

الحمد للہ! مکتبہ رحمانیہ عرصہ سے دینی کتب کی طباعت واشاعت کے ذریعہ علم وادب کی ترویج کی خدمت انجام دینے میں مصروف ہے۔ عربی کا مقولہ مشہور ہے "خیر الجلیس فی الزمان کتاب" دنیا میں سب سے بہترین ساتھی، دوست اور رفیق عمدہ کتاب ہوتی ہے۔ اس حقیقت کا ہر صاحبِ علم کو اعتراف ہے کہ بزرگانِ دین کی ایمان افروز تصانیف کا مطالعہ کرنے سے ایمان کو حلاوت، قلب کو سرور حاصل ہوتا ہے، اخلاقی اور مذہبی قدروں کو جلا ملتی ہے اور دینی وملی افکار پروان چڑھتے ہیں۔

اس دینی جذبہ سے سرشار ہوکر ہم اسلامی لٹریچر کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی خدمت میں منہمک ہیں اور نامور مصنفین کی گراں قدر کتابوں کی اشاعت کو عام کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس سلسلہ میں علم وادب کا ایک تابناک مرقع "کامل تاریخ مدینۃ المنورہ" جو مولانا محمد عبد المعبود کی مشہور زمانہ تالیف ہے۔ کی اشاعت کا شرف حاصل کررہے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی اس نعمت بے پایاں پر بجا طور پر فخر ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر کی ایک جامع ومانع اور مکمل تاریخ شائع کررہے ہیں اور ہم مولانا موصوف کے بھی سپاس گذار ہیں جنہوں نے اپنی فقید المثال کتاب کی اشاعت کا ہمیں موقع فراہم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ مولانا کی اس مخلصانہ کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور تمام مسلمانوں کے دلوں کو اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے محبوب شہر کی محبت سے لبریز فرمادے۔ آمین۔

منصور الرحمٰن عفی عنہ

Marfat.com

مکتبہ حبیب احمد شرفپوری نقشبندی
ذخیرہ
لاہور پاکستان

آئینہ کتاب

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	نقوشِ زندگی	۱۱
۲	نقش ثانی بہ ترتیب نو	
	باب اول	۲۲
۳	شہر خوباں	
۴	مدینہ منورہ کا محل وقوع	۲۳
۵	آب وہوا	۲۶
۶	یثرب سے مدینہ تک	۳۱
۷	اسماء مدینہ منورہ	۳۷
۸	منقبت وفضیلت مدینہ باسکینہ	۴۹
۹	تفصیل مدینہ کریمہ	۵۵
۱۰	شفاعت کی بشارت	۶۰
۱۱	اہالیان مدینہ کے بدخواہ کا عبرت ناک انجام	۶۹
۱۲	ترابِ مدینہ	۷۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۳	خصائص مدینہ	۷۵
۱۴	آبادکاری شہر خوباں اور اس کے باشندے	۷۹
۱۵	قوم عمالقہ کا سلسلہ نسب	۸۲
۱۶	مدینہ میں عمالقہ کی آمد	۸۵
۱۷	مدینہ میں بنی اسرائیل کی آمد	۸۷
۱۸	اوس وخزاج کی مدینہ میں آمد	۹۱
۱۹	قبائل اوس وخزاج	۹۸
۲۰	دورِ حاضر کے قبائل	۱۰۰
۲۱	مدینہ میں اسلام کی ابتدا	۱۰۱
۲۲	ہجرت مدینہ	۱۱۲
۲۳	تاریخ ورود قبا	۱۱۶
	باب دوم	
۲۴	تہذیب وتمدن	۱۱۹

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۵	مذہب	۱۲۱
۲۶	اخلاق و عادات	۱۲۸
۲۷	طرز معاشرت	۱۳۷
۲۸	شاہ تبع کا محل	۱۳۹
۲۹	قدیم قبائل کے محلات	۱۴۳
۳۰	شاہی محلات یعنی امہات المومنین کے مکانات	۱۴۶
۳۱	مدینہ کے محلے	۱۵۲
۳۲	مدنی شاہراہ	۱۵۶
۳۳	شہر پناہ	۱۵۷
۳۴	ہوٹل	۱۵۹
۳۵	زبان	۱۶۲
۳۶	قصر الافراح	۱۶۵
۳۷	جنت البقیع	۱۶۷
۳۸	جبل اُحد	۱۷۷
	باب سوم	
۳۹	سیادت و قیادت	۱۸۱
۴۰	عدالتی نظام	۱۸۲
۴۱	اجتماعی نظامت	۱۹۲
۴۲	امرائے مدینہ	۱۹۷
۴۳	مشاہیر فضلا	۲۰۱
	باب چہارم	
۴۴	علم و ادب	۲۲۹
۴۵	تعلیم و تعلم	۲۳۱
۴۶	نصاب تعلیم	۲۴۱
۴۷	درجہ تخصیص	۲۴۲
۴۸	تعلیم بالغاں	۲۴۳
۴۹	وفود کے ذریعہ تعلیم	۲۴۹
۵۰	تعلیم اُمّہ	۲۵۱
۵۱	تعلیم نسواں	۲۵۳
۵۲	تعلیم اطفال	۲۵۷
۵۳	غلاموں کی تعلیم	۲۶۱
۵۴	عربوں کا مخیر العقول حافظہ	۲۶۵
۵۵	سیدہ عائشہ کا علمی مقام	۲۶۷
۵۶	ابی بن کعب کا مکتب	۲۶۹
۵۷	زید بن ثابت کا علمی مقام	۲۷۰
۵۸	غیر مسلم مورخین کا اعترافِ حقیقت	۲۷۲
۵۹	تعلیمی عروج و زوال	۲۷۴
۶۰	جامعہ اسلامیہ	۲۷۸
۶۱	درس گاہیں علوم جدیدہ	۲۸۲

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	باب پنجم	
۵۵-	مسجد نبوی کا تعمیری ارتقا	۲۹۱
۵۶-	تاریخ تعمیر مسجد نبوی	۲۹۳
۵۷-	تعمیر دوم	۳۰۸
۵۸-	فضائل مسجد نبوی	۳۱۱
۵۹-	اداب مسجد نبوی	۳۱۴
۶۰-	توسیع سیدنا فاروق	۳۱۹
۶۱-	بطیحا	۳۲۶
۶۲-	تعمیر فاروقی کی خصوصیات	۳۲۸
۶۳-	توسیع عثمانی	۳۳۱
۶۴-	امام کے لئے مقصورہ	۳۴۱
۶۵-	تعمیر عثمانی کی خصوصیات	۳۴۲
۶۶-	ولید بن عبدالملک کی تجدید	۱۰
۶۷-	تعمیر ولید کی خصوصیات	۳۵۲
۶۸-	توسیع خلیفہ مہدی	۳۵۳
۶۹-	خصوصیات	
۷۰-	پہلی آتش زدگی	۳۵۶
۷۱-	شاہان مصر کی تعمیری خصوصیات	۳۵۸
۷۲-	دوسری آتش زدگی	۳۶۰
۷۳-	خلافت عثمانی کی تعمیری خدمات	۳۶۶
۷۴-	خصوصیات	۳۶۷
۷۵-	آل سعود کی تعمیری خدمات	۳۷۰
۷۶-	سعودی تعمیر و توسیع کی تفصیلات	۳۷۳
۷۷-	مصارف کی تفصیلات	۳۷۵
۷۸-	سعودی تعمیر کی خصوصیات	۳۷۸
۷۹-	تعمیرات مسجد نبوی تاریخ کے آئینہ میں	//
۸۰-	توسیعی مراحل اور ان کی پیمائش	۳۸۱
	باب ششم	
۸۱-	ملحقات مسجد نبوی	۳۸۳
۸۲-	ریاض الجنۃ	۳۸۵
۸۳-	ستونہائے رحمت	۳۸۹
۸۴-	منبر نبوی ؐ	۳۹۷
۸۵-	محراب نبوی ؐ	۴۱۹
۸۶-	مسجد نبوی کے دروازے	۴۲۳
۸۷-	آذان کی ابتداء	۴۲۹
۸۸-	مقصورہ مبلغین	۴۳۵
۸۹-	مینار پرانوار	//
۹۰-	صفہ اور اصحاب صفہ	۴۳۷
۹۱-	مسجد نبوی کے خدمت گار	۴۴۴

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۲	اغوات	۴۴۷
۹۳	مسجد نبوی میں روشنی کا انتظام	۴۴۹
۹۴	مسجد نبوی میں خوشبو کا انتظام	۴۵۳
	باب ہفتم	
۹۵	مساجد مدینہ	۴۵۷
۹۶	مدینہ کی قدیم وجدید مساجد	۴۵۹
۹۷	منقبت مسجد قبا	۴۶۷
۹۸	تعمیر مسجد قبا	۴۷۱
۹۹	تاریخ تعمیر مسجد قبا	″
۱۰۰	محراب مسجد قبا	۴۷۵
۱۰۱	ستون مسجد قبا	۴۷۷
۱۰۲	مسجد نبوی سے مسجد قبا کا فاصلہ	۴۷۸
۱۰۳	مسجد جمعہ	۴۷۹
۱۰۴	مسجد غمامہ	۴۸۲
۱۰۵	منبر مسجد غمامہ	۴۸۵
۱۰۶	مسجد الفضیح	۴۸۷
۱۰۷	مسجد البحیر یا مسجد سجدہ	۴۸۸
۱۰۸	مسجد بنی حرام	۴۹۰
۱۰۹	مسجد اجابہ	۴۹۲
۱۱۰	مسجد قبلتین	۴۹۴
۱۱۱	مسجد بنی ظفر	۴۹۶
۱۱۲	مسجد ذباب یا مسجد رایہ	۴۹۹
۱۱۳	مسجد السقیا	″
۱۱۴	مسجد ذی الحلیفہ	۵۰۱
۱۱۵	مسجد فتح	۵۰۴
۱۱۶	مساجد فتح	۵۰۷
۱۱۷	مسجد بنو قریظہ	۵۰۹
۱۱۸	مسجد مشربہ ام ابراہیم	۵۱۲
۱۱۹	مسجد ابوبکر صدیق	″
۱۲۰	مسجد علی	″
۱۲۱	مسجد ضرار	۵۱۴
۱۲۲	مسجد ضرار کی منصوبہ بندی کے شرکاء	۵۱۶
۱۲۳	نو تعمیر شدہ مساجد	″
	باب ہشتم	
۱۲۴	گنبد خضراء کا تاریخی پس منظر	۵۲۱
۱۲۵	لحد سے گنبد خضراء تک تدریجی مراحل	۵۲۲
۱۲۶	سانحۂ ارتحال	۵۲۴
۱۲۷	تجہیز وتکفین	۵۲۸

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۸	نماز جنازہ کی کیفیت	۵۳۲
۱۲۹	مزارات طاہرات کی ترتیب	۵۳۶
۱۳۰	روضہ انور کی جالی	۵۴۷
۱۳۱	گنبد کی تعمیر	۵۵۲
۱۳۲	مواجہہ شریف	۵۵۸
۱۳۳	روشنی کا ایمان افروز انتظام	〃
۱۳۴	روضہ اقدس میں نقب زنی	۵۶۳
۱۳۵	خسف کا عبرتناک واقعہ	۵۶۸
۱۳۶	ایک اور ناپاک جسارت	۵۷۰
۱۳۷	زیارت گنبد خضراء	۵۷۳
۱۳۸	لاتشد الرحال	۵۷۹
۱۳۹	خیر القرون میں زیارت	۵۸۳
	قبر اطہر کا ولولہ	
۱۴۰	سوئے دیار حبیب	۵۸۸
۱۴۱	آداب زیارت اور	
۱۴۲	دربار گوہر کا ادب و احترام	۵۹۲
۱۴۳	ہدیہ سلام بحضور خیر الانام	۵۹۶
۱۴۴	باشندگان مدینہ کا احترام	۶۰۱
۱۴۵	الوداعی سلام	۶۰۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	باب نہم	
۱۴۶	نظارت نافعہ	۶۰۹
۱۴۷	تاریخی کنویں	۶۱۱
۱۴۸	بیر رومہ	〃
۱۴۹	بیر اریس	۶۱۷
۱۵۰	بیر حاء	۶۲۲
۱۵۱	بیر غرس	۶۲۳
۱۵۲	بیر بصہ	۶۲۵
۱۵۳	نظام آب رسانی	۶۲۷
۱۵۴	خیر و برکت کی فراوانی	۶۳۵
۱۵۵	ندی نالے	۶۳۷
۱۵۶	وادی عقیق	۶۳۸
۱۵۷	وادی رانونا	۶۴۰
۱۵۸	وادی بطحان	〃
۱۵۹	بُنبُد	〃
۱۶۰	ذریعہ معاش	۶۴۲
۱۶۱	مدینہ کے بازار	۶۵۱
۱۶۲	زراعت	۶۵۲
۱۶۳	مدینہ کی کھجوریں	۶۵۷

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۶۴	بلدیہ	۶۶۳
۱۶۵	صفائی کا انتظام	۶۶۴
۱۶۶	فائر بریگیڈ	۸
۱۶۷	ادارہ اوقاف مساجد	۱۱
۱۶۸	شفاخانے	۶۶۵
۱۶۹	ناپ تول کے پیمانے	۶۶۶
۱۷۰	مصادر و ماخذ	۶۶۸

Marfat.com

نقوشِ زندگی

راولپنڈی سے جنوب کی جانب علاقہ پوٹھوار کے ایک چھوٹے سے گاؤں "باغ فقیریہ" میں مقیم راجپوت خاندان کی ایک نامور شخصیت مولوی محمد شفیع رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں ۵ جولائی ۱۹۳۶ء/۱۳۵۵ھ ایک نونہال پیدا ہوا۔ جس کا نام "عبدالمعبود" رکھا گیا۔ موصوف کے یہ تیسرے اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔

مولوی صاحب موصوف قطب الاقطاب سیدی ومولائی حسین علی نوراللہ مرقدہٗ واں بھچراں ضلع میانوالی سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت تھے، شیخ کی تعلیمات اور روحانی فیض سے اللہ تعالیٰ نے شرکت وبدعت سے سخت متنفر بنا دیا اور اتباع سنت عادت ثانیہ بن گئی۔ سخت مخالفت اور نامساعد حالات کے باوجود توحید وسنت کی تبلیغ میں مصروف ومنہمک رہے اور لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو راہِ راست پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

مؤلف علّام نے ناظرہ قرآن مجید اپنے والد بزرگوار سے پڑھا اور مڈل تک تعلیم ہائی سکول بندہ

Marfat.com

تحصیل راولپنڈی میں حاصل کی۔ ۱۹۵۱ء/۱۳۷۱ھ میں علاقہ سواں کے موضع ٹھٹھہ کی معروف علمی شخصیت فقیہی زماں مولانا احمد الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں علوم دینیہ کے حصول کی غرض سے حاضر ہوئے، دو سال ان سے علمی استفادہ کیا۔ فارسی نظم کے علاوہ صَرف میں قانونچہ اور فقہ میں نور الایضاح پڑھی، مولانا موصوف نے بڑی محنت اور حسنِ تدبر سے قانونچہ مرتب فرمایا تھا جس میں صرف کے علاوہ نحو کے بھی بہت سے اہم اور مفید قواعد حسنِ انداز سے سموئے تھے۔ موصوف نے اپنے ہونہار طالب علم کے لئے ایک طرف علوم متداولہ کے حصول کے لئے نہایت مضبوط بنیاد فراہم فرمادی اور دوسری طرف عادات و اخلاق کی ایسی عمدہ تربیت فرمائی، جس کے انمٹ نقوش تا زیست تابندہ رہیں گے۔

۱۹۵۴-۵۵ء/۱۳۷۳-۷۴ھ موضع بھیں تحصیل چکوال میں مولانا خلیل الرحمٰن ہزاروی سے فنون کی تعلیم حاصل کی۔ بعدازاں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان برد اللہ مضجعہ سے دورۂ تفسیر قرآن پڑھا۔ ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ میں دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی سے سند فراغ حاصل کی۔ ۱۹۶۰ء/۱۳۷۹ھ میں قطب الزمان، مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری طیب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ الفردوس ماواہ کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔

۱۹۶۴ء/۱۳۸۳ھ سے جامع مسجد پھولوں والی رحمٰن پورہ راولپنڈی میں امامت و خطابت کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اسی اثناء میں ۱۹۶۸ء/۱۳۸۷ھ میں جمعیت علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی اور اسی سال علوم جدیدہ میں میٹرک اور علوم شرقیہ میں فاضل فارسی کے امتحانات میں کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ جمعیت علماء اسلام میں شمولیت کے بعد ملک میں بپا ہونے والی تمام مذہبی اور سیاسی تحاریک میں بھرپور حصہ لیا۔ مثلاً ۱۹۶۸ء/۱۳۸۸ھ بحالی جمہوریت ۱۹۷۴ء/۱۳۹۴ھ تحریک ختم نبوت ۱۹۷۸ء/۱۳۹۸ھ تحریک نظام اسلام وغیرہ۔

Marfat.com

۱۹۷۴ء/۱۳۹۴ھ میں پہلی مرتبہ اللہ تعالیٰ نے حرمین شریفین کی زیارت باسعادت سے سرفراز فرمایا۔جس کے باعث ان مقدس مقامات کی تاریخ لکھنے کا شوق دل میں شعلہ نوا ہوا۔ چنانچہ پہلے سفرحج سے واپسی پر تاریخ "مدینۃ المنورہ" تالیف کی۔ تھوڑے سے عرصہ میں جس کے تین ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔ ۱۹۷۸ء ۱۳۹۸ھ دوسری مرتبہ حرمین شریفین کی حاضری کے دوران بعض مقتدر شخصیات سے مکہ مکرمہ اور حرم شریف سے متعلق تاریخی اور دستاویزی معلومات حاصل کیں۔ اور اس موضوع پر نادر تاریخی کتب ہمراہ لائے۔ اور تاریخ مکۃ المکرمہ کی تدوین میں مصروف ہو گئے جس کی دو ضخیم جلدیں بعونہ تعالیٰ قارئین کی خدمت میں پیش کر کے تاریخ اسلام میں ایک سنہری باب کا اضافہ کیا۔

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ فقید المثال تاریخی کانفرنس میں پاکستان کے پانچ صد جید علماء کرام کی جماعت کے ساتھ ہندوستان کا سفر اختیار کیا۔ جہاں کانفرنس میں شرکت کے علاوہ دارالعلوم دیوبند، سہارن پور اور دہلی کی شہرہ آفاق اسلامی درس گاہوں میں حاضری دی۔ دہلی کے عجوبہ روزگار تاریخی مقامات دیکھے۔ متعدد اولیاء کرام کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے اور بعض قابل قدر تاریخی کتابوں کا علمی ذخیرہ بھی حاصل کیا۔

۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء اور ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء میں بھی اللہ رب العزت نے حرمین شریفین کی حاضری سے سرفراز فرمایا۔ چنانچہ بعض قدیم اور نایاب تاریخی کتب حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ جن کی روشنی میں "کامل تاریخ مدینۃ المنورہ" کی تدوین جدید میں مصروف ہو گئے جسے نادر اضافات اور بیحد مفید معلومات کے ساتھ مکمل کیا، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء کو دہلی میں "شیخ الہند سیمینار" میں شرکت کی اور آگرہ کے تاریخی مقامات بھی دیکھے ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء فروری

Marfat.com

ہیں پھر زیارت حرمین شریفین کو گئے اور مسجد نبوی شریف کی تعمیر جدید اور توسیع عدیل کے مناظر دیکھے۔ جن کا تذکرہ کامل تاریخ مدینۃ المنورہ میں جا بجا کیا ہے۔

علاوہ ازیں مؤلف موصوف کی چند دیگر تالیفات نہایت مدلل اور نادر الوجود علمی دستاویزات پر مشتمل ہیں۔ جن میں "مسواک کی فضیلت" "مسائل رمضان" اور تذکرہ سید الشہداء سیدنا حمزہ" خاص کر قابل ذکر ہیں۔ بارگاہ خداوند قدوس میں دستِ بدعا ہوں کہ مؤلف کی سعی مشکور کو مسلمانوں کے لئے فیض بار بنائے اور موصوف اور ان کے والدین کے لئے ذخیرہ آخرت بنائے ع

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

محمد عبد الواحد اختر

کاتب تاریخ مکۃ المکرمہ

یکم ذی القعدہ ۱۴۰۸ھ

۱۶ جون ۱۹۸۸ء

Marfat.com

دعائیہ کلمات

"یثرب" کی بستی جسے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے "دارالھجرت" ہونے کا ہی شرف حاصل نہیں ہوا بلکہ تا قیام قیامت آپ کے مسکن آخری ہونے کی لازوال سعادت حاصل ہوئی اپنے مکین مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنی عظیم تاریخ رکھتی ہے۔ ہجرت نبوی کے بعد اس شہر مقدس کو "مدینۃ النبی" کہا گیا اور پھر "مدینہ" اسی شہر کا نام قرار پایا

اس شہر میں دنیا کا سب سے عظیم اور خدا کا سب سے مقرب و محبوب بندہ آرام فرما ہے اور اس ذات اقدس کی مبارک زندگی کے کامل دس سال اس شہر کی گلیوں میں بسر ہوئے، اس کے ساتھ اس "عبد کامل" کے رفقاء ازواج و بنات اور عقیدت مندوں کی زندگی کی ہزاروں داستانیں اس شہر سے متعلق ہیں۔

دنیا کی مختلف زبانوں میں "نبی امی" کی سیرت و کردار پر اتنا کچھ لکھا گیا کہ تاریخ انسانی اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے اور پھر ہر داستان اور ہر تذکرہ "مدینہ" کے ذکر سے معمور ہے کہ اس کو "صاحب نسبت" سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں مستقل تذکروں کی بھی کمی نہیں لیکن اردو کا دامن اس سے خالی تھا۔ برادر دین جناب مولوی عبدالمعبود صاحب سلمہ نے گہرے اور وسیع مطالعہ کے بعد جو ارمغان تیار کیا ہے اس پر بے ساختہ دل سے دعائیں نکلیں اللہ تعالیٰ برادر موصوف کی صحت، عمر اور علم میں برکت عطا فرمائے اور انہیں حدیث نبوی "خیر الناس من ینفع الناس" کا صحیح مصداق بنائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

احقر عبید اللہ انور

۱۷-۴-۸۷

Marfat.com

شرفِ انتساب

خلف الرشید قطب الزماں، مفسرِ قرآن

سیدی مولانا عبیداللہ انور

نوّر اللہ مرقدہٗ۔ جن کی مبارک دعاؤں

سے یہ خدمت انجام دینے کی توفیق نصیب ہوئی

Marfat.com

نقشِ ثانی بہ ترتیبِ نو

الحمدُ للہ تاریخ المدینہ المنوّرہ کے نقشِ اوّل کو بحید پذیرائی اور قبولیّت کا شرفِ نصیب ہوا، برِصغیر کے علاوہ متعدّد دوسرے ملکوں میں بھی شمعِ رسالت کے پروانوں نے فرطِ محبّت اور جوشِ عقیدت کے ساتھ اسے دل کی گہرائیوں سے پڑھا۔ مشاہیر علماء، صحافی اور دانشور طبقہ نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا۔ کیونکہ اردو زبان میں پہلی مرتبہ مدینۃُ المنوّرہ کی تاریخ منظرِ عام پر آئی تھی۔

تاہم میری علمی کم مائیگی کے باعث پہلا تجربہ اور کاوش کامیابی کے اوجِ کمال کو حاصل کرنے سے قاصر رہی، کتنے ہی اہم مضامین کتاب کی زینت بننے سے محرومیت کا شکار ہوئے، گردُوں کے دبیز پردوں میں مخفی تاریخی حقائق آشکارا و ہویدا ہونے کے لیے چشمِ براہ رہے اور بہت سے اہم گوشے ہنوز تشنۂ تکمیل تھے۔

اگرچہ مدینہ منوّرہ کے مشاہیر وقائع نگار علما نے بیش بہا تاریخی نوادرات پر مشتمل عربی زبان میں مبسوط کتابیں یادگار چھوڑیں اور جزیرۃ العرب کے نامور مؤرّخین نے بھی اپنی شاہکار تالیفات کو مدینہ منوّرہ کے ذکرِ جمیل سے تابناک بنایا۔ لیکن مجھ ایسے "طفلِ مکتب" کا اس منجدھار سے گوہرِ مقصود حاصل کرنا مشکل ہی نہیں بلکہ محال تھا۔ جہاں اس مُقدّس موضوع پر مشتمل کتب کی فراہمی کا مسئلہ لاینحل تھا، وہاں انشاء پردازی کی نزاکتوں سے ناآشنا ہونے کے باعث بھی مدینہ منوّرہ کی شایانِ شان خدمت انجام دینے سے قاصر رہا۔ لیکن مشیّتِ ایزدی نے ان نامساعد و ناسازگار حالات کو موافق اور سازگار بنا دیا اور دستِ غیبی نے تاریخ کے

Marfat.com

انمول خزینہ سے معمور کتب کا انبار لگا دیا اور قلم کو قدرت نے ایسی روانی اور جولانی سے سرشار کیا کہ مضامین کی وسعتوں کو سمیٹنا دشوار ہو گیا، بادلِ نخواستہ کتنے ہی مضامین کو نظر انداز اور بعض میں اختصار سے کام لینا پڑا۔ یہ سب حق تعالےٰ شانہ کی رحمت کی کرشمہ سازی ہے۔

ورنہ

من کہ باشم کہ بر آید ز دو جو دم کارے
کارِ ہر مردے و ہر مرد برائے کارے
مدد حضرت حق دست دہد گر آرے
کاہ پرکوہ شود۔ تار شود دستارے

چنانچہ طے پایا کہ چمن زار مدینہ سے گلہائے رنگا رنگ کی نگہتوں اور رعنائیوں سے "نقش ثانی" کا گلدستہ سجایا جائے، جس کا اسلوب نگارش دل نشین اور وجد آفریں ہو۔ جس کی بہاروں میں اضافات جدید سے نکھار پیدا ہو۔ ادبی لطافتوں اور رنگینیوں سے ایمان میں کیف و سرور اور روح میں تازگی و بالیدگی شعلہ نوا ہو۔ اور نقشِ ثانی اس مثال کا صحیح مصداق اور آئینہ دار ثابت ہو۔

ع نقاش نقش ثانی، بہتر کشد ز اوّل

مدینۃ المنورہ زاد اللہ تنویرا مسلمانانِ عالم کا دینی و روحانی مرکز اور رشد و ہدایت کا گہوارہ ہے جس کی درخشندگی و تابندگی کو فخر کون و مکان سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دوشِ مہتاب بنا دیا۔ اس "دیار یارؐ" کی محبت موجب تسکین و طمانیت قلبی اور جزوِ ایمان ہے اور اس کی عظمتوں کی پاسداری موجبِ نجات و فلاحِ اخروی ہے۔

اس منبعِ فیوض و معارف سے روحانی وابستگی کے باعث ہر مسلمان کے دل میں تحقیق و تجسس کا جذبہ شعلہ بار ہے کہ اس شہر کے معرضِ وجود میں آنے کے اسباب و عوامل کیا تھے؟ کس نیک سرشت انسان کی کاوشوں سے یہ غنچۂ بہاراں گل و گلزار بنا

Marfat.com

کتنی اقوام وملل کی آماجگاہ بننے کا اسے فخر حاصل ہوا۔ اس سرچشمہ رشد وہدایت نے دنیا کے ویرانے کو ابدی بہاروں اور سرمدی شادابیوں سے کیسے سرفراز کیا۔ اسی اجمال کی تفصیل سے قارئین کو روشناس کرانے کی خاطر جدتوں اور رعنائیوں کا حسین وجمیل مرقع " کامل تاریخ المدینۃ المنورہ " کا نقش ثانی تاریخ کے انمول موتیوں سے مرصع اور مزین پیش کیا جاتا ہے۔ جو دس ابواب پر مشتمل اور ۷۰۰ صفحات پر محیط ہے، جس میں تہذیبی تمدنی، ارتقائی، سیاسی، سماجی، معاشرتی۔ جغرافیائی اور تاریخی وقائع پوری شرح وبسط کے ساتھ سپرد قلم کر دیئے گئے ہیں۔

"کامل تاریخ المدینۃ المنورہ" نئی آب وتاب اور جاذبِ نظر اور دل رُبا اندازِ نگارش کے باعث بیحد مفید اور فیض بار ثابت ہوگی۔ اور قارئین کو اس موضوع کی دوسری تمام کتابوں سے انشاء اللہ بے نیاز کر دے گی۔

کہاں میں اور کہاں نکہت گل
نسیم صبح یہ تیری مہربانی

راقم اثم علم وعقل، فہم وادراک اور تحقیق وتجسس کے اعتبار سے مدینہ منورہ کے مورخین خاکِ پا کے برابر بھی نہیں اور نہ ہی کسی خوبی یا بھلائی کا صدور مجھ ایسے سراپا خطاکار سے ممکن ہے۔ کسی صاحبِ ذوق شاعر نے میرے سوز دروں کی کس عمدگی سے عکاسی کر دی ہے۔

نہ گلم نہ برگِ سبزم نہ درختِ سایہ دارم
درحیرتم کہ دہقان بچہ کارکشت مارا

یہ حقیری خدمت محض اس اُمید سے انجام دی ہے کہ سرور کونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر معظم کے وقائع نگار اور مورخین کی گردِ راہ بن کر میری عاقبت درخشاں ہو جائے اور محشر کی ہولناکیوں میں محبوب آقاؐ کے دامانِ رحمت کا سایہ میسر آجائے۔

Marfat.com

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

حوالہ جات کے نقل و اخذ میں بیحد احتیاط سے کام لیا گیا ہے تاہم سہو ولغزش انسان کے خمیر میں شامل ہے۔ اس لیے اہل علم حضرات سے مؤدبانہ استدعا ہے کہ میری خامیوں، کوتاہیوں اور غلطیوں سے مربیانہ اور ناصحانہ انداز میں نشاندہی فرمائیں. تاکہ ان کی اصلاح کی جاسکے اور میری تقصیرات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے تاریخی حقائق سے استفادہ فرمائیں۔

اِعْمَلْ بِعِلْمِیْ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰی عَمَلِیْ یَنْفَعُکَ قَوْلِیْ وَلَا یَضُرُّکَ تَقْصِیْرِیْ

اللہ جل شانہٗ اس خدمت کو شرفِ قبولیت سے نوازے، مسلمانوں کے لیے فیض بار بنائے اور احقر کے لیے صدقۂ جاریہ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔

بندۂ بے نوا

محمد عبدالمعبود عفی اللہ عنہ

جامع مسجد پھولوں والی رحمٰن پورہ گلی نمبر ۱۶ راولپنڈی

Marfat.com

باب اوّل

شہرِ خوباں

اَلمُدِینَۃ المَنوّرہ

Marfat.com

محل وقوع
یثرب سے مدینۃ طیبہ تک
اسماء مدینۃ المنورہ
منقبت وفضیلت مدینۃ المنورہ
آبادکاری شہر خوباں اوراس کے باشندے
مدینۃ المنورہ میں اسلام کی ابتدار
ہجرت مدینۃ المنورہ

B7027

69827

Marfat.com

مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کا محل وقوع

مدینہ منوّرہ، مکہ معظمہ کے شمال میں ۴۵۵ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، مغرب میں ایک سو تیس میل دور سمندر اور اس علاقہ کی بندرگاہ ینبوع ہے۔ یہ شہر مکہ معظمہ اور شام کے تقریباً وسط میں پایا جاتا ہے[1]۔ مدینہ کریمہ سطح سمندر سے ۶۱۹ میٹر بلندی پر آباد تہامہ و حجاز کا صحت پرور مقام سمجھا جاتا ہے۔ یہاں جاڑا اور گرمی دونوں سخت ہوتے ہیں، موسم گرما میں درجہ حرارت عموماً ۴۵ سنٹی گریڈ رہتا ہے۔ جبکہ موسم سرما میں رات کے وقت ۶ سنٹی گریڈ تک گر جاتا ہے[2]۔ لیکن جزیرہ نمائے عرب کی ہوا میں رطوبت کی کمی موسم کو زیادہ خشک بنا دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے گرمی کی شدت زیادہ محسوس ہوتی ہے[3]۔

---

[1] جزیرۃ العرب ندوی: ۷۰ [2] رحلۃ الحجازیہ: ۲۵۲۔ [3] جزیرۃ العرب ندوی: ۲۲۹

Marfat.com

مدینہ منورہ کے طول البلد اور مکہ مکرمہ کے طول البلد میں تقریباً یکسانیت پائی جاتی ہے۔ یعنی ۳۹ ۱/۲ درجہ مشرقی ہے۔ البتہ اس کا عرض البلد ۲۴ درجہ شمالی ہے۔ جبکہ مکہ معظمہ کا عرض البلد ۲۱ درجہ شمالی ہے۔ یہ مقدس شہر ایک ایسے میدان میں آباد ہے۔ جس کے شمال کی جانب ایک ہلکی سی پہاڑی ڈھال پائی جاتی ہے اور مشرقی و مغربی سمتوں سے دو حرّوں[1] اور شمال و جنوبی اطراف سے دو پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے۔ مشرق میں حَرَّۃُ الوَاقِمُ اور مغرب میں حَرَّۃُ الوَبْرَہ واقع ہیں[2]۔

علامہ فرید وجدی کی تحقیق کے مطابق ۱۶۰۰ قبل المسیح ۲۲۱۲ قبل الہجرت النبویؐ قوم عمالقہ نے مدینہ کریمہ آباد کیا تھا[3]۔

محقق عصر حاضر علامہ سید سلیمان ندوی المتوفی ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۴ء رقمطراز ہیں۔

یہ شہر ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیانی زمانہ میں معرضِ وجود میں آیا کیونکہ معتبر تاریخی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں سب سے پہلے عمالیق آباد ہوئے اور یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ عمالیق ۳۲۰۰ ق م میں مصر کے حکمران تھے، وہ ۱۶۰۰ ق م میں وہاں سے نکال دیے گئے۔ بنا بریں اس شہر کی تعمیر کا زمانہ ۱۶۰۰ ق م اور ۲۲۰۰ ق م کے درمیان ثابت ہوتا ہے۔[4] لیکن حسبِ ذیل تاریخی روایات کی بنا پر اَغْلَب تو یہ ہے کہ تقریباً ۲۲۰۰ قبل المسیح میں "یثرب" کا شہر دنیا کے نقشہ پر نمودار ہوا۔ جس کی آبادکاری کے اسباب اس طرح رونما ہوئے۔

"قوم عمالقہ اور جرہم یمن میں آباد تھے جو قحط کی جاں گداز مصیبت سے نجات حاصل کرنے کی غرض سے پانی، چارہ اور سرسبز و شاداب علاقوں کی تلاش میں تہامہ کی طرف نکل گئے۔ انہی کے چند خاندان "یثرب" کے مقام پر

---

[1] حرّہ، پتھریلی زمین کو کہا جاتا ہے۔ [2] دائرۃ المعارف ج ۸: ۵۲۹ [3] ایضاً [4] ارض القرآن ج ۱: ۲۱۰

Marfat.com

آباد ہوئے"[1]

قبائل عمالقہ اور جرہم ایک ساتھ یمن سے ترک وطن کر کے کچھ اطراف مکہ مکرمہ میں اور بعض مدینہ منورہ کے مقام پر آباد ہوئے جیسا کہ مورخین کا بیان ہے۔

"بنو جرہم بن عبیل بن قحطان بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح مکہ مکرمہ کے قریب آباد ہوئے"[2]، جبکہ مدینہ منورہ کے مقام پر آباد ہونے والے قبائل بنو عبیل بن مہلائیل بن عوض بن عملیق بن لاذر بن سام بن نوح علیہ السلام تھے[3]

اس شہر کے آباد کرنے والے شخص کا نام "یثرب" تھا جس کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

"یثرب بن عبیل بن مہلائیل بن عوض بن عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام"[4]

بعض مورخین نے نسب اس طرح بھی بیان کیا ہے۔

یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوض بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام[5]،

اور یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ ۲۲۰۰ ق م میں جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام شیر خوارگی کے عالم میں مکہ مکرمہ جاتے ہیں تو وہاں قبیلہ بنو جرہم پہلے سے موجود تھا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مدینہ منورہ کی آبادکاری بھی اسی زمانہ کے قریب عمل میں آئی تھی، علاوہ ازیں "بنو سام کی حقیقی ترقی کا زمانہ ۲۲۰۰ ق م یا ۲۰۰۰ ق م سے ۵۰۰ ق م تک کا ہے"[6]۔ اس سے ظاہر ہے کہ ترقی کے زمانہ سے پہلے ہی نامساعد حالات کے باعث ترک وطن کیا تھا۔

---

[1] مروج الذہب ج ۲ عنوان ذکر مکہ و اخبارہا : ۹ [2] تاریخ ابو الفدا : ۹۹ [3] سبائک الذہب : ۱۲ [4] مرجع الذہب ج ۱۱ : ۵۲
کتاب المحبر : صہ ۳ کتاب العبر ج ۲ : ۱۹ انساب الاشراف ، ۶ ، ۷ ، ۸ [5] سبائک الذہب : ۱۲ [6] مروج الذہب ج ۲ : ۱۲۷
وفاء الوفا ج ۱ : ۱۰۹ [7] ارض القرآن : ۱۰۷

Marfat.com

علامہ سہدانی المتوفی ۳۳۴ھ/۹۴۶ء لکھتے ہیں۔

ارض مدینہ، قبا، فضا، احد، عقیق، بطحان، سلع، حرّہ، لابتان، سبخہ حریفہ اور رحابہ واجبہ پر مشتمل ہے [۱]

ہجرتِ نبویؐ کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کی آبادی پہلے پانچ سو تھی۔ کچھ عرصہ بعد پندرہ سو ہو گئی تھی [۲] جن میں مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے اور غلام سب شامل تھے [۳]

علاوہ ازیں عہدِ نبوی میں بنو قینقاع اور بنو قریظہ کی مجموعی تعداد پانچ ہزار کے قریب تھی۔ بنو قینقاع میں سات سو جنگجو اور قریظہ میں چھ سو بہادر سپاہی تھے [۴]

علامہ فرید وجدی اپنے دور کی آبادی کے متعلق لکھتے ہیں۔

اس وقت آبادی ۶۰،۰۰۰ نفوس پر مشتمل ہے۔ ان میں اکثریت دوسرے ممالک سے آئے ہوئے لوگوں کی ہے۔ جو ہند، ترکی، شام اور مصر وغیرہ سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں [۵]

۱۳۹۸ھ/۱۹۷۸ء کی مردم شماری کے مطابق آبادی ۲،۰۰،۰۰۰ افراد پر مشتمل تھی [۶]

آب و ہوا

اسلام سے قبل جزیرہ نما عرب میں آب و ہوا کی خرابی کے لحاظ سے مدینہ مشہور تھا۔

---

[۱] صفۃ الجزیرۃ العرب ۱۲۴۱ [۲] صحیح بخاری کتاب الجہاد، باب کتابۃ الامام الناس ج ۱ ۴۰۱ [۳] فتح الباری ج ۶ : ۱۷۸ حدیث مذکورہ [۴] دائرۃ المعارف اردو ج ۱۹ : ۵۴۵ [۵] دائرۃ المعارف ج ۸ : ۵۲۹ : ۵۲۶ [۶] منجد لفظ مدینہ ۸۶۴۔

Marfat.com

چنانچہ جب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم وباؤں، بیماریوں اور مہلک امراض کے شہر میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو وہاں کی آب و ہوا صحابہ کو موافق نہ آئی اور اکثر مسلمان بیماری میں مبتلا ہو گئے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتی ہیں۔

"جب ہم مدینہ منورہ میں آئے تو وہ اللہ کی زمین میں سب سے زیادہ وباؤں والا شہر تھا۔ اس میں بُطحَان نامی ایک نالہ میں ہر وقت بدبو دار پانی بہتا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو بد دعا دیتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ شیبہ بن ربیعہ۔ عتبہ بن ربیعہ اور امیہ بن خلف پر لعنت کرے۔ جنہوں نے ہمیں ہمارے وطن سے وبا کی زمین کی طرف دھکیل دیا ہے۔ یا اللہ تو مدینہ کی محبت سے ہمارے دلوں کو لبریز فرما دے"[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔

جب رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما ہوئے۔ تو سیدنا ابو بکر صدیق اور سیدنا بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہما بخار میں مبتلا ہو گئے (بلکہ اکثر صحابہ بیمار پڑ گئے تھے) میں دونوں کی خدمت میں مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوئی۔ میرے والد گرامی قدر کو جب بخار آتا تو یہ شعر پڑھتے تھے۔

كُلُّ امْرِئٍ مُصَبَّحٌ فِي أَهْلِهِ ۔ وَالْمَوْتُ أَدْنَى مِنْ شِرَاكِ نَعْلِهِ

ہر آدمی اپنے اہل و عیال میں صبح کرتا ہے ۔ حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی قریب ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے ان دونوں کی حالت سے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا جس پر آپ نے یوں دعا فرمائی۔

"یا اللہ مکہ مکرمہ کی محبت سے کہیں زیادہ مدینہ باسکینہ کی محبت سے ہمارے دلوں کو بھر دے۔ اور اس کی آب و ہوا کو صحت افزا بنا دے۔ اور اس کے مُدّ اور صباع

---

[1] بخاری شریف ج ۱ : ۲۵۳

Marfat.com

میں ہمارے لیے برکت عطا فرما۔ اور اس کے بخار کو یہاں سے منتقل کر کے جُحفہ میں بھیج دے میرے"

ایک روایت میں جحفہ کی بجائے خُمّ کا لفظ مروی ہے۔ یہ دونوں قریب قریب واقع یہود کی دو بستیاں تھیں۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ خواب میں بکھرے ہوئے بالوں والی ایک سیاہ فام عورت دیکھی جو مدینہ منورہ سے نکل کر بھاگ رہی ہے اور پھر جُحفہ جا ٹھہری۔ آپ نے اس خواب کی تعبیر اس طرح ارشاد فرمائی کہ مدینہ طیبہ کی وباؤں کو جُحفہ میں پہنچا دیا گیا۔[۲]

ایک مرتبہ قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں آئے۔ لیکن آب و ہوا کی خرابی کے باعث بیمار ہو گئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے چند اونٹنیاں مقرر کر دیں کہ مدینہ سے باہر چراگاہ میں ان کا دودھ پیتیں۔ چنانچہ جب وہ لوگ تندرست ہو گئے تو ارتداد اختیار کر لیا اور آپ کے چرواہے کو قتل کر کے تمام اونٹ لوٹ کر لے گئے۔[۳]

الغرض ابتدائے ہجرت میں مہاجرین پر مدینہ کی آب و ہوا کا ایسا مضر اثر پڑا کہ تقریباً سب بیمار ہو گئے۔ صرف چند اشخاص صحت مند تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک نماز ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے محض حفظان صحت کے خیال سے "حمی اور عرض" کی طرف منتقل ہو جانا چاہا، اسی ضمن میں آپ نے فرمایا "اگر حمی میں سانپوں کی کثرت نہ ہوتی تو کتنا بہتر مقام تھا" اور عرض کے متعلق فرمایا کہ "وہ مدینہ

---

[۱] بخاری شریف ج ۱: ۲۵۲، ۵۵۹ [۲] الترغیب والترہیب ج ۳: ۱۲۷

[۳] صحیح بخاری کتاب التفسیر ج ۲: ۶۶۳

Marfat.com

سے بہت زیادہ صحت بخش مقام ہے۔

لیکن خداوند تعالیٰ نے اس تھوڑی سی آزمائش کے بعد مدینہ کو آپ کی برکت سے نہایت صحت بخش مقام بنا دیا اور اس کی آب و ہوا کو بیحد لطیف، صحت افزا اور خوشگوار بنا دیا[1]

آپ کی مقدس دعاؤں کی بدولت دنیا جہان کی نعمتیں اور برکتیں سمٹ کر اس شہر خوباں میں جمع ہو گئیں اور مہلک امراض اور وباؤں نے رخت سفر باندھ لیا۔

بعد میں ہر زمانہ کے مؤرخین اور جغرافیہ نولیسوں نے مدینہ طابہ کی صحت پرور آب و ہوا کی تعریف وتحسین کی ہے کہ علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء لکھتے ہیں۔

مدینہ طیبہ کی خصوصیات میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ اس کی ہوا نہایت پاکیزہ ہے اور اس شہر میں عطر کی خوشبو میں ایک ایسا نفیس اضافہ ہو جاتا ہے جو مدینہ طابہ کے سوا کسی شہر میں نہیں پایا جاتا۔ اور اس کی صیہانی کھجور کی مثل کسی دوسرے شہر میں کھجور نہیں پائی جاتی[2]

ابن فقیہ ہمدانی نے کتاب البلدان میں مدینہ باسکینہ کی آب وہوا کی تعریف کس عمدگی کے ساتھ کی ہے۔ "مدینہ کی خاکِ پاک اور مدینہ کی ہوا دوسرے شہروں کی خوشبو دار چیزوں سے زیادہ خوشبو دار ہے اور مدینہ منورہ میں کھانا بہت زیادہ کھانے والے آدمی کو بھی دو روٹیاں کافی ہو جاتی ہیں جبکہ مدینہ کے علاوہ اسے پانچ روٹیاں بھی کافی نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس غذا میں کسی قسم کی کثافت پائی جاتی ہے۔ یا اس کے غلہ میں کوئی خرابی ہوتی ہے یا وہ اچھا پسا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر یہ نقائص ہوتے تو یقیناً سوءِ ہضم کا عارضہ لاحق ہو جاتا۔

---

[1] تاریخ حرمین ندوی ۲۶۲۔ [2] معجم البلدان ج ۷: ۲۶۴ ذکر مدینہ یثرب

Marfat.com

بلکہ یہ قدرتی برکات اور آب و ہوا کی نفاست کا اثر ہے۔"[1]

علامہ محمد لبیب ابتنونی اپنے تاثرات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"یقینی طور پر مدینہ کریمہ کی آب و ہوا نہایت صحت بخش ہے اور اہل مدینہ کے اخلاق و عادات میں جو نرمی اور لطافت پائی جاتی ہے اس میں بھی اس کی آب و ہوا کا لازماً اثر ہے، مدینہ پاک کا پانی نہایت شیریں اور خوشگوار ہے جتنا پیا جائے ہضم ہو جاتا ہے۔ خوب ٹھنڈا اور مسکن ہے۔ مدینہ طیبہ کی آب و ہوا معتدل اور غذائے روح ہے۔ یہاں کسی قسم کی متعدی بیماری نہیں ہے۔ نہ ہیضہ واسہال اور نہ ہیضہ وطاعون کی وبا ہے بلکہ جو لوگ مکہ مکرمہ یا راستہ میں ہیضہ کے عارضہ میں مبتلا ہو کر مدینہ کریمہ پہنچتے ہیں وہ بھی یہاں آکر صحت یاب ہو جاتے ہیں۔ صبح و شام ٹھنڈی ہوا چلتی ہے۔ مدینہ طیبہ کی رات خنکی میں مشہور ہے۔"[2]

مورخ عصر حاضر علامہ محمد رابع ندوی لکھتے ہیں۔

"اس شہر کا قدیم نام یثرب تھا جو قوم عمالقہ سے شروع ہوا۔ چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل بیماری کا اثر جلدی ہو جایا کرتا تھا۔ اس لیے یہ نام اسی مناسبت سے پڑ گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں تشریف فرما ہونے کی وجہ سے اسے مدینۃ الرسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شہر کہا گیا۔ لہٰذا عام طور پر المدینہ کہا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی بدولت یہاں کی گرمی اور لُو کے اثر سے پیدا ہونے والی بیماریاں بھی تقریباً ختم ہو گئیں۔"[3] اس وقت یہ شہر تہامہ اور حجاز کا صحت پرور شہر سمجھا جاتا ہے۔"[4]

---

[1] رحلۃ الحجازیہ ۲۶۵ [2] رحلۃ الحجازیہ ۲۶۵ [3] جزیرہ العرب ۲۴۳ [4] ایضاً - ۲۴۰ -

Marfat.com

یثرب سے مدینہ تک

اس شہر کا قدیم نام یَثْرِبْ تھا۔ بعدازاں رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدومِ میمنت لزوم سے مشرف ہونے پر مدینۃ المنورۃ جیسے دل آویز نام سے شہرت پذیر ہوا جس کا تاریخی پس منظر پیشِ خدمت ہے۔

یَثْرِبْ، ثَرَابَ، ثَرَّبَ اور اَثْرَبَ سے بنا ہے جبکہ ان سب کا مادہ ایک ہی ہے اور اَلتَّثْرِیْبْ، اَلتَّانِیب وَالتَّعْیِیر وَالِاسْتِقْصَاءِ فِی اللوم۔ ملامت کرنا، گناہ پر عار دلانا، لعن طعن کرنا اور کسی جُرم پر ذلیل کرنا وغیرہ معنوں میں استعمال ہوتا ہے [1]

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ [2] آج تجھ پر کوئی الزام نہیں۔

علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں۔

یثرب مصری زبان کا لفظ ہے اور یہ "اتریبس" کی تعریب ہے [3]

---

[1] لسان العرب ج ۱: ۲۳۴، ۲۳۵ تاج العروس ج ۱: ۱۶۲، ۱۶۳ [2] دائرۃ المعارف ج ۸: ۵۲۹

Marfat.com

امام زبیدی المتوفی ۲۰۵ھ/۱۷۹۱ء فرماتے ہیں۔ یَثْرِبْ، یَضْرِبْ کے وزن پر ہے، یہ ایک چھوٹی سی بستی کا نام تھا۔ جس سے مدینہ منورہ مشہور ہوا۔ یا مدینہ منورہ ہی کے ایک حصہ کا نام تھا۔[1]

امام زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں۔

یَثْرِب دراصل اس شہر کے غربی حصہ کی ایک بستی کا نام تھا جو پورے شہر کے لیے استعمال ہونے لگا، جب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس شہر میں رونق افروز ہوئے تو اسے مدینۃ النبیؐ جیسے مبارک نام سے پکارا جانے لگا اور پھر مختصر ہوکر "مدینہ" زبانِ زد عام ہوگیا۔ قدیم زمانہ میں اس کا محل وقوع "عیون حمزہؓ" تھا جسے آج کل "مشہدِ حمزہ" کہا جاتا ہے۔[2]

چونکہ اس شہرِ خوباں کو پردۂ اخفا سے منصۂ شہود پہ لانے اور اسے آباد کرنے والا سیدنا نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے یَثْرِبْ نامی ایک فرد فرید تھا۔ جس کے سر پہ اس کی آبادکاری کا سہرا سجایا گیا۔ اس لیے شہر اسی کے نام کی مناسبت سے یَثْرِبْ شہرت پذیر ہوا۔ (الوفاء الوفاج ج ۱: ۷)

محدث شہیر امام یحیی بن شرف الدین المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء تحریر فرماتے ہیں۔

"یَثْرِب" لفظ تَثْرِیب سے بنا ہے جس کے معنی توبیخ اور ملامت کے ہیں، چونکہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عمدہ نام محبوب و مرغوب اور برے ناموں سے نفرت تھی۔ اس لیے خالق کائناتؐ نے محبوب کائناتؐ کی ناز برداری کرتے ہوئے اس مکروہ نام کو محبوب نام سے بدل دیا۔[3]

امام شہاب الدین احمد بن محمد القسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ/ لکھتے ہیں۔

---

[1] تاج العروس ج ۱، ۱۹۳۰ [2] معالم دار الہجرت، ۲۲۰ [3] شرح مسلم ج ۱: ۴۴۴

Marfat.com

یَثْرِب، التَّثْرِیْب سے ہے جس کے معنی توبیخ اور ملامت کرنے کے ہیں۔ یا اَلثَّرْب سے بنا ہے جس کے معنی فساد کے ہیں۔ جبکہ دونوں لفظ قبیح اور برُے ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ برُے ناموں کو اچھے ناموں سے بدل دیتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے یثرب کی جگہ اس کا نام طَابَۃ رکھ دیا۔[1]

چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے۔

یقولون یثرب وھی المدینۃ[2]

منافق لوگ اسے یثرب کہتے ہیں حالانکہ اس کا نام مدینہ ہے۔

اور اللہ کریم نے بھی اسی مکرم نام سے بار بار یاد فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

ماکان لاھل المدینۃ[3] دوسری جگہ فرمایا ومن اھل المدینۃ[4]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء فرماتے ہیں۔

مدینہ کے مادہ کے متعلق دو قول ہیں (۱) یہ لفظ دَانَ سے مشتق ہے جس کے معنی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مدینۃ، مَدَنَ سے مشتق ہے، جس کا معنی اقامت اختیار کرنا ہے اور شہر آباد کرنا وغیرہ، اس کی جمع مُدُنٌ، مُدُن اور مُدَائِنُ ہے۔[5]

علامہ جمال الدین محمد بن مکرم ابن منظور المتوفی ۷۱۱ھ/۱۳۶۹ء تحریر کرتے ہیں۔

مدینہ، زمین کے اس معزز خطہ کو کہا جاتا ہے، جہاں محفوظ محل یا قلعہ تعمیر کیا جائے اور المدینۃ کی نسبت صرف فخر کون و مکان سرور زمین و زماں رحمتِ

---

[1] ارشاد الساری ج ۳: ۳۲۲ [2] صحیح بخاری ج ۱ ۲۵۲ صحیح مسلم ج ۱ ۴۴۱ [3] سورہ توبہ: ۱۲۰
[4] سورۃ توبہ: ۱۰۱ [5] شرح مسلم شریف ج ۱ ۴۴۱

Marfat.com

کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والاصفات کے مبارک شہر کی طرف ہے اور اسی نسبت کے باعث اللہ تعالیٰ نے اسے عزت و تکریم سے نوازا ہے۔

بنا بریں اس محترم شہر کے باشندوں کو جب "مدینۃ الرسولؐ کی نسبت سے یاد کیا جاتے گا تو وہ "مَدَنِیّ" کہلائیں گے، اس کے برعکس مدینۃ المنصور کے رہنے والوں کو "مَدِینِیّ" اور مدائن کسری کے باشندوں کو "مدائنی" کہا جاتا ہے[1]

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ سمی المدینہ طابۃ[2] ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نام مدینہ طابہ رکھ دیا ہے۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ امرنی ان اسمی المدینۃ طیبۃ[3]

اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا کہ میں اس شہر کا نام مدینہ طیبہ رکھ دوں۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

کانوا سمون المدینہ یثرب فسماھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طیبۃ[4] لوگ مدینہ کو یثرب کہتے تھے پھر حضور نے اس کا نام طیبہ رکھ دیا۔ اس کے بعد بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ یہ نام استعمال ہونے لگا۔ جیسا کہ سیدنا ابو حمید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے۔ جب مدینہ کے

---

[1] لسان العرب ج ۳: ۴۰۲ [2] مسلم شریف ج ۱: ۴۴۵ [3] مسند ابو داؤد طیالسی ج ۲: ۲۰۴ [4] کنز العما ج ۱۲: ۱۲۶

Marfat.com

قریب پہنچے تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ ھذہ طابۃ [1]

جب اس شہر خوباں کا مکروہ اور غلط نام، مبارک و مسعود نام سے بدل دیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

"اب جو آدمی مدینہ منورہ کو یثرب کہے گا تو اس کے نامہ اعمال میں ایک گناہ لکھا جائے گا" [2] ایک روایت میں ہے۔

"جو آدمی مدینہ منورہ کو یثرب کہے تو اسے اللہ تعالےٰ سے استغفار کرنی چاہیے کیونکہ یہ طابہ ہے" [3]۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ آدمی تین مرتبہ استغفار کرے۔

امام بخاری المتوفی ۲۵۶ھ/۸۷۰ء نے اپنی تاریخ میں یہ روایت بیان کی ہے۔

"جو شخص ایک دفعہ یثرب کہے تو اس کی تلافی اور تدارک کے لیے اسے دس دفعہ مدینہ کہنا چاہیے" [4]

ایک روایت میں ہے کہ جو آدمی مدینہ منورہ کو یثرب کہے تو اس غلطی کا کفارہ یہ ہے کہ وہ دس دفعہ مدینہ کہے [5] اس طرح لفظ "یثرب" "شجر ممنوعہ" قرار دیا گیا اور پھر یہ شہر خوباں "مدینۃ المنورہ" جیسے پاکیزہ نام سے ایسی آب و تاب اور آن بان سے آفاقِ عالم میں جگمگایا کہ تا ابد اس کی تابندگی و درخشندگی قائم رہے گی۔

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۲۵۲ ج ۲: ۶۲۷ [2] مسند امام احمد [3] کنز العمال ج ۱۲: ۲۳۸

[4] وفا الوفا ج ۱: ۸۰۱۔ [5] کنز العمال ج ۱۲: ۲۸۹

Marfat.com

بہارِ مدینہ

سراپا چمن ہے دیارِ مدینہ — دوام آشنا ہے بہارِ مدینہ
مدینہ کے پھولوں کو کیا پوچھتے ہو — رگِ گل ہے ہر نوک خارِ مدینہ
دلوں پر ہے جس کی حکومت کا سکہ — زہے شوکتِ تاجدارِ مدینہ
کسی چیز کی اس کو حسرت نہیں ہے — میسر ہو جس کو غبارِ مدینہ
یہ مسجد، یہ منبر، یہ روضہ، یہ گنبد — ہے فردوس ہر یادگارِ مدینہ
وہاں کی زمین عرش سے بھی ہے اعلیٰ — جہاں دفن ہیں تاجدارِ مدینہ
تہجد، تلاوت، تضرّع، دعائیں — خوشا سعیِ شب زندہ دارِ مدینہ
حُنین و تبوک اور بدر و اُحد میں — صف آرا ہوئے شہسوارِ مدینہ
کبارِ مدینہ تو یوں بھی بڑے ہیں — بڑوں سے بڑے ہیں صغارِ مدینہ
تمنا ہے عمرِ رواں اپنی گذرے — بہ ہمرازِ لیل و نہارِ مدینہ

فریدی چلو چل کے روضہ پہ کہنا

سلام آپ پر تاجدارِ مدینہ

Marfat.com

اسماء مدینہ منورہ

جس طرح مکہ مکرمہ زاد اللہ تعظیماً وتکریماً رشد وہدایت کا منبع اور باعث صد تعظیم وتکریم ہے ۔ اسی طرح مدینہ منورہ زاد اللہ تنویرا بھی مسلمانوں کا ملجاء و ماوی اور مرکز ایمان و ایقان ہے ، یہ شہر خوباں بے مثل شرف ومجد اور عظمت و جلالت کا حامل ہے ۔ محبوب انس وجاں صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب شہر بے شمار ناموں سے موسوم اور بے پناہ خوبیوں کا حامل گلشنِ سدا بہار ہے ۔

علامہ سید سمھودی المتوفی ۸۸۱ھ/۶، ۱۴ء بیان کرتے ہیں ۔

اس مقدس شہر کے ناموں کی کثرت اس کی شرافت اور عظمت کی واشگاف دلیل ہے ۔ میں نے اس قدر زیادہ نام کسی بھی دوسرے شہر کے نہیں پائے ۔ شیخ المشائخ علامہ شیرازی اللغوی نے تیس نام لکھے تھے ۔ حالانکہ وہ اس فن میں مہارت تامہ کے مالک تھے ۔ جبکہ میں نے اپنی لسباط کے مطابق ان سے کہیں زیادہ نام جمع کیے ہیں ۔ جن کی مجموعی تعداد ۹۴ ہے اور حروف تہجی کے مطابق ان کی تفصیل اس طرح ہے ۔

۱۔ اثرب بروزن مَسْجِدْ ، ہمزہ پر فتح ثا ، ساکن ، ر مکسور اور اسی سے یثوب بھی ہے ، اس نام کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ

Marfat.com

جب سیدنا نوح علیہ السلام کی اولاد مختلف شہروں میں آباد ہوئی۔ ان میں سے جو شخص اس مقام پر آباد ہوا، اس کا نام یَثْرِبْ تھا۔

پھر اس میں بھی تین قول ہیں، ابی عبید کہتے ہیں یہ اس حصّہ کا نام ہے جس سے مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم پھیلا اور بڑھا ہے، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ یہ مدینہ منورہ ہی کا نام ہے اور اسی قول کو امام زمخشری نے اپنایا ہے اور تیسرا قول حضرت امام مالک کے جلیل القدر تلمیذ محمد بن الحسن کا ہے جسے امام ابن زبالہ کی تائید بھی حاصل ہے کہ یثرب امام قری المدینہ ہے جو کہ قناۃ، حرف، البرقہ اور زبالہ کے درمیان کا خطہ ہے

۲۔ ارض اللہ، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا [1] امام مقاتل اور امام ثعلبی کا قول ہے کہ اس آیت میں ارض سے مدینہ منورہ مراد ہے۔ جو اس شہر کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے۔

۳۔ ارض الھجرت۔ حدیث شریف میں ہے۔ المدینہ قبۃ الاسلام و دارالایمان و ارض الھجرۃ [2]

۴۔ محالۃ البلدان، یعنی ساری دنیا کے شہروں پر تسلط رکھنے والا اور سب سے بلند مقام کا مالک۔

۵۔ محالۃ القری، حدیث شریف میں ہے۔ اُمِرْتُ بقریۃ تاکل القری [3]۔ یعنی مجھے ایسے شہر میں ہجرت کرنے کا حکم ملا جو دوسرے شہروں کو کھا جائے گا۔

۶۔ الایمان، ارشاد باری تعالیٰ ہے، وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ

---

[1] النسآء: ۹۷ [2] کنزالعمال ج ۱۲: ۲۳۰ جمع الفوائد ج ۱: ۲۰۱ [3] بخاری شریف ج ۱: ۲۵۲

Marfat.com

والایمان من قبلہم یحبون من ھاجر الیھم[1]

اور امام ابنِ زبالہ نے یہ روایت نقل کی ہے سمی اللہ المدینۃ الدار والایمان[2] اللہ تعالےٰ نے مدینہ کا نام الدار اور الایمان قرار دیا ہے اور امام بیضاوی نے اپنی تفسیر میں اس کی تائید میں لکھا ہے کہ مسمی اللہ المدینۃ بالایمان ، اللہ تعالےٰ نے اس شہر کا نام ایمان رکھا ہے کیونکہ یہ شہر ایمان کی تشہیر اور اظہار کا سبب بنا ہے۔

۷۔ البارہ (۸) الطیبۃ - یہ دونوں نام اس مقدس شہر کے رہنے والوں کے نیک اعمال کی کثرت کی دلالت کرتے ہیں اور یہ شہر منبع اسرار و برکات اور انوار و فیوضات ہے ،

۹۔ اَلْبَحْرَۃُ - (۱۰) اَلْبُحَیْرَۃُ - جو کہ بحرۃ کی تصغیر ہے

۱۱۔ البحیرہ (۱۲) البلاط - ہموار زمین (۱۳) اَلْبَلَدُ - اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَآ اُقْسِمُ بِھٰذَا الْبَلَدِ[3] اس ایت میں بلد سے مراد مدینہ یا یکسنہ بھی ہے جس کے باعث اللہ تعالےٰ نے آپ کے شرف و مجد کو چار چاند لگا دیئے۔

۱۴۔ بیت الرسول صلی اللہ علیہ وسلم - جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کما اَخْرَجَکَ رَبُّکَ مِنْ بَیْتِکَ بِالْحَقِّ[4] مفسرین نے بیت کو مدینہ کریمہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔

۱۵ قذر (۱۶) تذر (۱۷) الجابرۃ ، حدیث شریف میں آتا ہے

انھا تجبر الکسیر وتغنی الفقیر (۱۸) جبار

---

[1] سورۃ الحشر: ۹ [2] کنز العمال ج ۱۲: ۲۳۰ [3] سورۃ البلد [4] سورہ انفال: ۵

Marfat.com

۱۹- الجبارۃ ، تورات میں جابرہ اور جبورہ دونوں نام پائے جاتے ہیں۔

۲۰- جزیرۃ العرب ، امام ابن زبالہ کا قول ہے کہ مدینہ باسکینہ کو جزیرۃ العرب بھی کہا گیا ہے، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہ برّأ ھذہ الجزیرۃ من الشرک ۔اس میں جزیرہ سے مراد مدینہ منورہ ہے اور ہروی نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ۔ اخرجوا المشرکین من جزیرۃ العرب اس میں مدینہ کو صراحتاً جزیرہ العرب کہا گیا ہے۔

۲۱- الجنۃ الحصینۃ حدیث میں آتا ہے کہ غزوہ اُحد کے موقع پر آپ نے فرمایا ۔ انا فی جنۃ حصینۃ یعنی المدینۃ دعوھم یدخلون نقاتلوھم (۲۲) الحبیبۃ ، یہ نام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب شہر ہونے کی نسبت سے رکھا گیا ہے جیسا کہ آپ نے فرمایا۔ اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد

۲۳- الحرم ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المدینۃ حرم اور ایک روایت میں ہے۔ انھا حرم آمن[1] (۲۴) حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَنْ اخافَ اھل حرمی اخافہ اللہ اور امام ابن زبالہ نے ایک روایت اس طرح بیان کی ہے۔ حرم ابراھیم مکۃ وحرمی المدینۃ۔

۲۵- حَسَنَۃ ، سیئۃ کے مقابل میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ نَبْلُوْھُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّیِّاٰتِ ۔ مفسرین کرام کا ارشاد ہے کہ اس آیت میں حسنہ مدینہ کریمہ کو کہا گیا ہے۔

---

[1] کنز العمال ج ۴ : ۱۳۳، ج ۱۲ : ۲۳۰

Marfat.com

۲۶۔ الخیّرۃ (۲۷) الخَیْرۃ ۔ جس کے معنی بہت زیادہ بھلائی کے ہیں ۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے ۔ والمدینۃ خیرلھم لوکانوا یعلمون (۲۸) الدار اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ۔ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ ۔ دار سے مراد مدینہ منوّرہ ہے ۔

۲۹۔ دارالابرار (۳۰) دارالاخیار، سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین جیسے قدسی نفوس کا دارلاقامت ہونے کی نسبت سے اسے اس نام سے پکارا گیا۔

۳۱۔ دارلایمان ۔ حدیث شریف میں ہے المدینۃ قبلۃ الاسلام و دارالایمان[۱] کیونکہ اسی مقدس شہر سے اسلام ظاہر ہوا اور پھیلا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ الایمان یارز الی المدینۃ کما تارز الحیۃ الی جحرھا[۲]

۳۲۔ دارلسنۃ (۳۳) دارالسلامۃ (۳۴) دارالفتح ۳۵ دارالہجرہ جیساکہ سیدنا عبدالرحمٰن نے سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا حتی تقدم المدینۃ فانھا دارالہجرۃ والسنۃ[۳] اور علامہ سمہودی کی روایت میں السلامۃ کے الفاظ بھی مروی ہیں ۔ اس مبارک شہر ہی سے مکہ معظمہ اور دوسرے شہر اور ممالک فتح ہوئے ۔ یہی ذی شان شہر انصار و مہاجرین کا مسکن اور رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کا دارالہجرت تھا اور اسی سے اطراف وکناف عالم میں سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پھیلا ۔

---

[۱] مجمع الفوائد ج ۱: ۲۰۱ کنزالعمال ج ۱۲: ۲۳۰ [۲] بخاری ج ۱: ۲۵۲
[۳] بخاری شریف ج ۱: ۵۵۹

Marfat.com

۳۶۔ ذات الحجر، حجرات والا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کہ مہاجرین جب مدینہ باسکینہ میں آئے تو انصار نے انہیں مکانات عنایت کئے۔

۳۷۔ ذات الحوار یہ حَرَّۃ کی جمع ہے جہاں حرّے کثرت سے پائے جاتے ہوں (پتھریلا علاقہ) جیسے ایک روایت میں ہے۔ یثرب ذات النخل والحرۃ

۳۸۔ ذات النخل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اُدیت دار ھجرتی ذات نخل وحَرَّۃ۔

۳۹۔ السلقۃ، وسیع وعریض زمین ہونے کی وجہ سے اور اس شہر میں مصائب و آلات اور گرمی کی شدت کے باعث یہ نام مشہور ہوا، پھر اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اہالیان مدینہ کو تمام ممالک پر مسلط کر دیا اور انہوں نے ساری دنیا کو فتح کر کے زیرنگین بنا لیا۔

۴۰۔ سیدۃ البلدان: امام دیلمی نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً روایت نقل کی ہے کہ آپ نے مدینہ کریمہ کے متعلق فرمایا، یا طیبۃ یا سیدۃ البلدان [1]

۴۱۔ الشافیۃ حدیث شریف میں ہے۔ ترابھا شفاء من کل داء وذکر الجذام والبرص [2]

۴۲) طابۃ (۴۳) طَیْبَۃ (۴۴) طیبۃ (۴۵) طَائِبَۃ، جیسے کاتب ہے یہ چاروں اسما لفظاً ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، مگر معنی کے اعتبار سے مختلف ہیں، حدیث شریف میں ہے۔

ان اللہ سمی المدینہ طابۃ ایک اور حدیث میں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ

---

[1] کنز العمال ج ۴: ۱۳۷، ج ۱۲: ۲۵۹: ج ۱۴: ۱۳۶
[2] ایضاً ج ۱۲: ۲۳۶

Marfat.com

وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ امرنی ان اسمی المدینۃ طَابَۃ
ابن شبہ وغیرہ نے یہ روایت بیان کی ہے کہ اس شہر کا پہلا نام یثرب تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بدل کر طیبہ رکھ دیا۔ اسی طرح ایک حدیث میں آپ کا یہ ارشاد پایا جاتا ہے۔ للمدینۃ عشرۃ اسماء ھی المدینۃ وَطیبہ وطابۃ اور صاحب نواحی نے طابۃ کی جگہ طابت نقل کیا ہے۔
علاوہ ازیں وہب بن مُنبّہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے توراۃ میں مدینۃ المنورہ کے دس نام بیان فرمائے ہیں۔ جن میں طیبۃ۔ طابہ اور مطیبۃ بھی ہیں اور طیبۃ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اس مقدس ومتبرک شہر کو شرک کی نجوست سے پاک کر دیا ہے یا اللہ تعالےٰ کے اس فرمان صریح طیبۃ کی موافقت سے اسے طیبہ کہا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود عنبرین کی مہک اور نفیس خوشبو کی مناسبت سے اسے طیبہ کہا گیا ہو۔ اور طَیْبَۃ اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہاں کے تمام امور پاکیزہ ہیں اس شہر کی ہوا میں پاکیزگی اور لطافت پائی جاتی ہے۔ ابن بَطّال کہتے ہیں جو آدمی اس شہر خوباں میں سکونت اختیار کرے تو اسے اس کی مٹی اور در و دیوار سے نہایت نفیس اور عمدہ خوشبو محسوس ہوگی۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں۔ مدینہ منورہ زادہ اللہ تنویرا کی مٹی میں کچھ ایسی لطیف سی مہک پائی جاتی ہے جو دنیا جہاں کی خوشبوؤں سے نرالی اور عجائبات قدرت کا نفیس شہکار ہے
یوں ہی علامہ یاقوت حموی فرماتے ہیں کہ مدینہ کریمہ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ اس کی ہوا میں پاکیزگی اور بارش میں ایسی روح پرور مہک پائی جاتی ہے جو نرالی اور امتیازی شان کی حامل ہے۔

بطیب رسول اللہ طاب نسیمھا فَمَا المسک مَا الکافور مالمندل الرطب

Marfat.com

(۴۶) طیبانا

(۴۷) العاصمہ : کیونکہ یہ مہاجرین کی پناہ گاہ تھی، یا بمعنی المعصومہ کے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اس شہر کو جابر اور ظالم بادشاہوں کے دست تصرف سے محفوظ رکھا اور یہ مقدس شہر دجال اور طاعون کی کربناک مصیبت سے بھی مامون رہے گا۔

(۴۸) الحذراء : دشمنوں کے قہر وغضب سے مامون ومحفوظ ہے۔

(۴۹) العرا (۵۰) العروض : جس طرح صیود ہے اس مقدس شہر کی وادیوں اور پہاڑی دامنوں کی نسبت سے یہ نام مشہور ہوا۔

(۵۱) الغراء : اس شہر خوباں کی مقدس علامات اور مکارم کا آشکارا ہونا۔ اس کی نورانی شعاؤں، پاکیزہ مہک، کثرت باغات دوسرے شہروں پر اس کی برتری اور اس کے مکینوں کی عظمت نیز اس کے محل وقوع کی رفعت شان کے باعث اس نام سے موسوم ہوا

(۵۲) غلبہ: اس شہر میں جو قوم وارد ہوئی غلبہ اس کا مقدر بن گیا۔ جیسے جب یثرب آباد ہوا تو اسے غلبہ حاصل ہوا۔ پھر یہود کو عمالیق پر اور اوس وخزرج کو یہود پر اور پھر مہاجرین کو اوس وخزرج پر غلبہ نصیب ہوا۔

(۵۳) الفاضحہ : فاسد اور غلط عقیدہ والے کا ظاہر ہو جانا یا خبث کا دور کر دینا۔

(۵۴) القاصمۃ : یہ نام تورات کے ناموں میں سے ہے جس کے معنی ہیں جبار وقہار لوگوں کو ہلاک کرنا اور سرکش عناصر کو سرنگوں کر دینا اور اس شہر کے باشندوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرنے والوں کو تباہ کر دینے والا۔

(۵۵) المدینہ قبۃ الاسلام[1] : جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، المدینہ قبۃ الاسلام[1]

---

[1] کنز العمال ج ۱۲: ۲۳۰

Marfat.com

(۵۶) قریۃ الانصار، ہر چھوٹی بڑی بستی کو عربی میں قریہ کہا جاتا ہے اور انصار وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے فخر کون ومکاں سرور زمین وزماں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی نصرت کا اعزاز حاصل کیا اور ان پر تن من دھن سب کچھ نچھاور کر دیا۔ جس پر اللہ تعالےٰ نے انہیں اس لقب سے نوازا وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اور حدیث شریف میں ہے ان اللہ قد طھر ھذہ القریۃ من الشرک۔

(۵۷) قلب الایمان (۵۸) المومنۃ: امام ابن زبالہ نے یہ حدیث نقل کی ہے۔ وَالذی نفسی بیدہ ان تربتھا المومنۃ ایک روایت کے مطابق تورات میں اس شہر کا نام مومنۃ مذکور ہے۔

(۵۹) المبارکۃ: اللہ تعالےٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے اس شہر کو خصوصی برکات سے نوازا ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔ اللھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ما جعلت بمکۃ من البرکۃ

(۶۰) مبدء الحلال وَالحرام (۶۱) مبین الحلال وَالحرام حلال اور حرام کے احکامات اسی شہر سے صادر ہوئے۔

(۶۲) المجبورۃ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات اور آپ کی دعا کی وجہ سے اس کے مُدّ: صاع اور دیگر اشیا میں برکت کی فراوانی کے باعث یہ شہر دوسرے شہروں پر شرف افتخار رکھتا ہے۔

(۶۳) المحبۃ (۶۴) المحبوبۃ (۶۵) المحیوبۃ: یہ تینوں نام پہلی آسمانی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دعا کی وجہ سے یہ شہر ان ناموں سے موسوم ہوا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ انھا احب البقاع الی اللہ تعالیٰ، اور اس وجہ سے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

Marfat.com

کے لئے بھی اسے پسند فرمایا۔ اس طرح یہ شہر اللہ جل شانہ، محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کا محبوب بن گیا۔

(۶۶) المحبورۃ۔ اگر یہ لفظ حبر سے بنا ہو تو معنی سرور ہوگا اور اگر الحبرۃ سے ہو تو نعمت ہوتا ہے۔

(۶۷) المحرمۃ (۶۸) المحفوفۃ: برکات سمیٹنے والا اور فرشتوں کا اس حدود پر پہرہ دینا۔ تاکہ دجال اور طاعون وغیرہ داخل نہ ہو سکیں۔ حدیث شریف میں ہے۔ المدینۃ ومکۃ محفوفات بالملائکۃ علی کل نقب منہا ملک لایدخلہا الدجال ولا الطاعون

(۶۹) المحفوظۃ: ایک حدیث میں ہے۔ القری المحفوظۃ اربع اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے دجال اور طاعون سے محفوظ فرما دیا ہے۔

(۷۰) المختارۃ: کیونکہ اللہ جل شانہ، نے اس شہر کو اس مقدس ہستی کے لئے اختیار فرمایا جو ساری کائنات میں ممتاز ہیں۔

(۷۱) مُدْخَلَ صِدْقٍ ارشاد باری تعالےٰ ہے وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ اس آیت مبارکہ میں مُدْخَلَ صِدْقٍ سے مدینہ باسکینہ مراد ہے اور مُخْرَجَ صِدْقٍ سے مکہ مکرمہ جبکہ سلطانا نصیرا سے مراد انصار مدینہ ہیں۔

(۷۲) المدینۃ (۷۳) مدینۃ الرسول (۷۴) المرحومۃ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقام اور ارحم الراحمین کی رحمتوں کی اماج گاہ۔

(۷۵) المرزوقۃ: کیونکہ اس شہر میں اللہ کریم نے سرور کائنات کو رزق اور سکون فراہم فرمایا۔ یا پھر اس کے باشندوں کو حسی اور معنوی اعتبار سے رزق میں اس قدر

Marfat.com

فراوانی عطا فرمائی کہ وہ دنیا جہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

(۷۶) مسجد الاقصیٰ (۷۷) المسکینۃ حدیث شریف میں وارد ہوا کہ ان اللہ تعالیٰ قال للمدینۃ یا طیبۃ یا طابۃ یا مسکینۃ لا تقبلی الکنوز ارفع اجاجیرک علیٰ اجاجیر القریٰ ۔ اللہ تعالیٰ نے اس متبرک شہر میں خضوع وخشوع کو غالب کر دیا اور اس کے باشندوں کو نرم مزاج اور خندہ روی کی وصف سے نوازا۔

(۷۸) السلمۃ یہ لفظ مومنۃ کی مانند ہے۔ یعنی اس شہر کے باشندے اللہ تعالیٰ کے مطیع وفرمانروا ہیں اور اس نام کا اطلاق اس وجہ سے بھی ہے یہ شہر قرآن مجید کے ذریعہ فتح ہوا۔ اسے جنگ وجدال اور تلوار سے فتح نہیں کیا گیا۔

(۷۹) مضجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا المدینۃ مہاجری ومضجعی فی الارض

(۸۰) المقدسہ: اس شہر کی نفاست وپاکیزگی اور شرک کی نحوست سے پاک ہونے کی نسبت سے یہ نام مشہور ہوا۔

(۸۱) الطیبۃ (۸۲) المقریہ لفظ قرار سے ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اللھم اجعل بنا بہا قرار ورزقنا ھنا۔

(۸۳) المکتان اہالیان مکہ معظمہ کا اس شہر میں منتقل ہونے اور غالب ہونے کی وجہ سے اسے مکتان کہا گیا۔

(۸۴) المکینۃ (۸۵) مہاجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: آپ کا ارشاد گرامی ہے المدینۃ مہاجری

(۸۶) الموفیۃ: اس شہر میں آنے والوں کے حقوق کو پورا پورا ادا کرنا

(۸۷) الناجیۃ: طاعون اور دجال سے اسے نجات حاصل ہے (۸۸) نیلاء اس

Marfat.com

کی فضیلت اور بزرگی کی وجہ سے (۸۹) الحر گرمی کی شدت کے باعث
(۹۰) الحمن را، امام ابن نجار نے یہ لفظ الحمن را لکھا ہے یہ نام بھی گرمی کی شدت
کی مناسبت سے ہے (۹۱) یثرب (۹۲) بیل (۹۳) بین[1]۔

نظم کے گلدستہ میں سجائے ہوئے اسما مدینہ باسکینہ

نحن جملہ یاماح من اسماء ۔۔۔ مدینۃ الھادی من الاسواء
محمد نبینا المشرف ۔۔۔ الھاشمی المصطفی البرالوفی
فَطَیبۃ طیبۃ ووَطَابہ ۔۔۔ وطائب تعرف بالاطابہ
حبیبۃ بیت الرسول وَالحرم ۔۔۔ وحرم الرسول فَاحفظ ما انتظم
ودار الایمان وادار السنۃ ۔۔۔ وَدار فتح مع دارالھجرۃ
دارالسلامتہ ودارالابرار ۔۔۔ وَدارالاخیار لنفی الاسرار
حَسَنۃِ مختارۃ مرزوقۃ ۔۔۔ مؤمنہ مسکینۃ محفوظۃ
مُدَّخَلَ صِدْقِ قُبَّۃ الاسلام ۔۔۔ شافیۃ من حبلۃ الالام
اکالۃ القری مع المقدسہ ۔۔۔ وَھی المبارکۃ خذ ماتبسہ
من نور اسماء مکان المصطفی ۔۔۔ نظم بہ ارجو مواردالصفا[2]

---

[1] الوفا الوفا ج ۱: ۱۷ تا ۱۹ [2] بلوغ الارب ۱۸۹

Marfat.com

منقبت و فضیلت مدینہ باسکینہ

مدینہ باسکینہ جسے ہادیٔ سبل، ختمِ رُسل، مولائے کل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دارالھجرت مسکن اور استراحت گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جو کہ منبعِ فیوض و برکات۔ مرکزِ کمالات سرچشمہ انوار و تجلیات اور فقید المثال فتوحات کا مبداء بھی ہے۔

اس کی خاکِ پاک کے تابناک ذرّات کو اس اعزاز پہ بجا طور پہ ناز ہے کہ فخرِ کون و مکاں سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود باجود انہی سے معرضِ وجود میں آیا اور اسی خاک کو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گوہرِ عنصر شریف کا صدف بننے کا شرف نصیب ہوا۔

اس شہرِ خوباں کے دل رُبا تذکرہ سے ایمان میں تر و تازگی، روح کو فرحت و سرمستی اور قلب کو سرور و شادمانی نصیب ہوتی ہے۔ آیئے دیارِ یار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منقبت و فضیلت کے ایمان افروز ذکر سے کیف و سرور حاصل کریں۔

محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلبِ اطہر اس دیس کی محبت سے لبریز تھا جس

Marfat.com

کا اظہار آپ کے اعمال و اقوال سے ہوتا رہتا تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ جب کسی سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ کریمہ کے در و دیوار نظر نواز ہوتے ہی بے تابانہ طور پر سواری کو خوب تیز کرتے۔ تاکہ فراق کی جاں گداز گھڑیاں ختم ہو کر وصل کی روح پرور ساعت جلد نصیب ہو۔[1]

آپ کے قلب اطہر میں اس ارض مقدس کی گرد و غبار اور ریگ زاروں کے ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ اگر آپ کے چہرۂ پُر ضیا پر لگ جاتے تو انہیں صاف نہیں فرماتے تھے۔[2]

اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی فرد چہرہ یا سر گرد و غبار سے چھپاتا تو آپ ایسا کرنے سے منع فرماتے اور یہ ایمان افروز خوش خبری سناتے کہ اُس ذاتِ پاک کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے، مدینہ منورہ زادھا اللہ تنویرا کی خاک میں ہر بیماری کی شفا ہے۔ حتیٰ کہ کوڑھ اور برص جیسے موذی اور لاعلاج امراض کے لئے بھی باعث شفا ہے۔[3]

امام بغوی نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً۔[4] ہم انہیں دنیا میں عمدہ ٹھکانا ضرور عطا کریں گے۔

اس فرمان باری تعالیٰ میں جس عمدہ ٹھکانے کا وعدہ ہے اس سے مدینہ باسکینہ مراد ہے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے۔

"اے اللہ بے شک تُو نے مجھے میرے محبوب شہر مکہ سے ہجرت کا حکم دیا سو مجھے اپنے پسندیدہ شہر میں سکونت نصیب فرما دے۔[5]

دربار صمدیت میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوں دست بدعا ہوتے۔

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۲۵۳ [2] مسلم شریف ج ۱: ۳۷۰ [3] جمع الفوائد ج ۱: ۲۰۱، الترغیب والترہیب ج ۳: ۱۱۸ [4] سورۃ النحل: ۱۱۸ [5] مستدرک حاکم

Marfat.com

اللھم حبب الینا المدینۃ کحبنا مکۃ او اشد [1]

اے اللہ! مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں جاگزیں فرما جس طرح ہمیں مکہ محبوب تھا۔ یا اس سے بھی مدینہ کی محبت زیادہ عطا فرما۔

حضور انور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

امرت بقریۃ تاکل القریٰ [2] یقولون یثرب وھی المدینۃ

مجھے اس شہر کی طرف ہجرت کرنے کا حکم ملا جو شہروں کو کھا جانے والا ہے۔ لوگ اسے یثرب کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ مدینہ ہے۔

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ ۱۲۷۷ء فرماتے ہیں۔

مدینہ منورہ کی تعریف میں "تاکل القریٰ" کہنے کی دو وجوہ ہو سکتی ہیں۔ اول یہ شہر اسلامی لشکر کا مرکز ہے اور اسی مرکز سے تمام ممالک فتح کئے جائیں گے، نیز اموال غنیمت اسی میں جمع ہوں گے یا اس شہر کے باشندے تمام شہروں پر غلبہ حاصل کریں گے [3]

ایک روایت میں ہے"

المدینۃ محلقۃ بالجنۃ "[4]

مدینہ منورہ جنت میں آویزاں ہے یعنی جنت میں داخل ہے۔

حضرت نعمان سے روایت ہے دنیا میں چار شہر جنت کے ہیں جن میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ بھی شامل ہیں [5]

امام ابو داؤد طیالسی نے مسند میں سیدنا شعبہ سے روایت بیان کی ہے۔ اس شہر کو لوگ یثرب کہا کرتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام طابۃ رکھ دیا۔ اس روایت کو نقل کر کے علامہ عسقلانی لکھتے ہیں کہ طاب اور طیب دونوں کا

---

[1] بخاری شریف ج ۱ : ۲۵۳ ۔ موطا امام مالک باب فضل مدینہ [2] بخاری شریف ج ۱ : ۲۵۲ ۔ مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۴ [3] شرح مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۴ [4] کتاب البلدان : ۲۳ [5] ایضاً ۳۷

Marfat.com

مادہ طیب ہے اور یہ نام رکھنے کی کئی وجوہ پائی جاتی ہیں۔ جیسا کہ اس کے باشندے لطیف و نظیف طبیعت کے مالک ہیں۔ اس کی پاکیزہ مٹی کی نسبت سے یہ نام رکھا گیا۔ وہاں کے پاکیزہ ماحول اور صاف ستھری بود و باش کی بنا۔ پر اس نام سے موسوم ہوا۔ بعض اہلِ علم کا کہنا ہے کہ مدینہ کریمہ کی مٹی اور در و دیوار میں ایسی نفاست پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے ان سے کچھ ایسی روح پرور مہک آتی ہے، جو کسی بھی دوسرے شہر میں نہیں پائی جاتی۔ جو لوگ وہاں قیام پذیر ہیں وہ اس فرحت انگیز خوشبو سے لطف اندوز ہوتے ہیں[1]

امام ابن حوقل ایک روایت نقل کرتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو آدمی مدینہ کریمہ میں اقامت گزیں ہوتا ہے وہ اس کی مٹی اور ہوا میں بے حد نفیس خوشبو محسوس کرتا ہے جو اس مقدس و متبرک مٹی میں قدرتی اور حقیقی جوہر لطیف پایا جاتا ہے"[2]

حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :

ان الایمان لیارز الی المدینۃ ایمان بالآخر سمٹ کر مدینہ منورہ میں آجائے گا۔
کما تارز الحیۃ الی جحرھا[3] جس طرح سانپ اپنے بل میں سمٹ آتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں۔

ایمان کی ہوائیں مدینہ باسکینہ سے چلیں اور اقصائے عالم تک پھیل گئیں۔ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے باعث ہر مومن کے دل میں مدینہ کی کشش پائی جاتی ہے۔ اس کی کیفیات کو کئی ادوار پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جیسے یہ کشش آپؐ کے مبارک زمانہ میں تعلیم دین کے باعث تھی۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کے دور میں ان کی پیروی کی وجہ سے تھی۔

---

[1] فتح الباری ج ۴ : ۸۹ کتاب البلدان : ۷۵ [2] کتاب صورت الارض ۱۳۰۔

[3] بخاری شریف ج ۱ : ۲۵۲ - مسلم شریف ج ۱ : ۸۴ ۔

Marfat.com

ان کے بعد کے زمانہ میں روضہ انور کی زیارت کے اشتیاق اور مسجد نبوی میں نماز کی خاطر اور اس مقدس شہر کے اطراف میں واقع آپؐ کے صحابہ کبار کے انوار سے تبرک حاصل کرنے کی غرض سے پیدا ہوئی۔ علاوہ ازیں آپ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اہالیانِ مدینہ اسلام پر قائم و دائم رہیں گے اور بدعات و خرافات سے محفوظ و مامون رہیں گے [1]

فخر کون و مکاں سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جب مدینہ باسکینہ میں ورودِ مسعود ہوا تو یہ الفاظ وردِ زبان تھے:

اللھم اجعل لنا بھا قراراً وّرزقاً حسناً [2] اے اللہ کریم ہمیں اطمینانِ قلب اور عمدہ رزق عطا فرما۔

آپؐ نے اپنی مقدس دعاؤں سے مدینہ کریمہ اور اہالیانِ مدینہ کو بے پناہ نعمتوں سے مالامال کر دیا۔

آپ کی آہ سحر گاہی نے اہل مدینہ کے مستقبل کو تابناک بنا دیا۔ آپ نے دعا فرمائی۔

اے اللہ کریم تو مدینہ طیبہ کے مد، صاع اور ناپ کے پیمانہ میں برکت مرحمت فرما [3]

اے اللہ! ہمارے پھلوں میں، ہمارے شہر میں، ہمارے صاع اور ہمارے مُدّ میں برکت عطا فرما، بے شک حضرت ابراہیم تیرے معزز بندے، خلیل اور نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ مکرمہ کے لئے دعا فرمائی تھی جبکہ میں تجھ سے مدینہ کے لئے ویسی ہی دعا کرتا ہوں اور اس کے مانند مزید بھی [4]۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اللھم اجعل بالمدینۃ ضِعفَی ما بمکۃ من البرکۃ [5] اے اللہ! مکہ معظمہ کی نسبت مدینہ منورہ کو دوچند برکات عطا فرما۔

---

[1] فتح الباری ج ۴: ۹۴ [2] کنز العمال ج ۴: ۱۳۵ [3] مسلم شریف کتاب الحج باب فضل مدینہ ج ۱:
[4] ایضاً [5] بخاری شریف ج ۱: ۵۳۴ مسلم شریف ج ۱: ۴۴۲

Marfat.com

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول تھا کہ جب موسم کا نیا پھل آتا تو اسے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرتے، آپؐ وہ پھل لے کر دعا فرماتے ؛

"یا اللہ! تو ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما، ہمارے شہر کو بابرکت بنا اور ہمارے صاع اور مُدّ میں بھی برکت عطا فرما۔

یا اللہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے خلیل اور نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ جس طرح انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے دعا فرمائی تھی۔ ویسی ہی میں مدینہ طابہ کے لئے دعا کرتا ہوں۔ بلکہ اس سے دوچند کی دعا کرتا ہوں۔"

دعا کے بعد پھل کسی بچے کو عنایت فرما دیتے تھے۔[1]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے بھی یہ حدیث مروی ہے اس میں دعائیہ جملوں کو دو مرتبہ کہنا مذکور ہے اور آخر میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

اللھم اجعل مع البرکۃ برکتین یا اللہ دوگنا برکتیں عطا فرما۔[2]

ابن عساکر نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ روایت نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

"اے اللہ مدینہ والوں کو رزق عطا فرما مِنْ ھھنا و ھھنا آپ نے مدینہ طیبہ کے چاروں طرف اشارہ فرمایا۔[3]

آپ کی مسلسل اور پیہم دعاؤں نے مدینہ باسکینہ کو قابل رشک اور مثالی شہر بنا دیا۔ اس ویرانہ میں ایسی بہار آئی کہ دنیا جہاں کی نعمتیں اور برکتیں سمٹ کر اس شہر خوباں میں جمع ہو گئیں اور انوار و تجلیاتِ ربانی نے اسے بقعۂ نور بنا دیا۔

---

[1] مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۲ [2] ایضاً [3] کنز العمال ج ۱۲ : ۲۴۵

Marfat.com

تفضیل مدینہ کریمہ

قرنِ اُولیٰ ہی سے محدثین، مفسرین، فقہا اور مورخین کے مابین یہ معرکتہ الارا بحث جاری ہے کہ حرمین شریفین میں سے افضلیت کس شہر کو حاصل ہے۔ بعض اکابرین مکہ معظمہ کو افضل قرار دیتے ہیں، جبکہ بعض عمائدین کے نزدیک مدینہ مشرفہ افضل ہے۔ جانبین سے دلائل کی بھرمار ہے۔ مگر ہم بلانکیر انہیں قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

امام ابی محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم المتوفی ۴۵۶ھ/۱۰۶۳ء تحریر فرماتے ہیں۔

"مکہ مکرمہ حرم اور اس کی حدود سمیت اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے افضل ہے اس کے بعد دوسرا درجہ مدینتہ النبیؐ کو حاصل ہے۔ بمعہ حرم شریف اور اس کی حدود کے اس کے بعد مسجد اقصیٰ کا درجہ ہے اور یہ قول جمہور علماء کا ہے۔ جبکہ امام مالک کے نزدیک مدینہ مشرفہ مکہ معظمہ سے افضل ہے۔

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجتہ الوداع کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

اتدرون ای یوم اعظم حرمة، فقلنا، کیا تمہیں معلوم ہے کہ سب سے زیادہ یومنا هذا، قال فای بلد اعظم حرمة، فقلنا، بلدنا هذا حرمت والا دن کونسا ہے۔

ہم نے عرض کیا۔ آج کا دن۔ ارشاد ہوا۔ سب سے زیادہ حرمت والا شہر کون سا ہے۔ تو ہم نے عرض کیا ہمارا یہ شہر مکہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے جواب میں صحابہ کبار کا مکہ معظمہ کو تمام بلاد سے زیادہ عزت و حرمت والا قرار دینا اور اس پر مہر تصدیق ثبت کرنا۔ اس بات کی واضح دلیل ہے۔

هذا اجماع من جميع الصحابة یہ تمام صحابہ کرام کا اجماع ہے کہ مکہ مکرمہ افضل

Marfat.com

فی اجابتهم ایاه علیه السلام بانه بلدهم ذلك وهم بمكة

ترین شہر ہے۔ کیونکہ یہ بات انہوں نے مکہ میں موجود ہوتے ہوئے کہی تھی۔

لہٰذا اجماع صحابہ سے ثابت ہو گیا کہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے حرمت و عزت میں اعظم ہے، بنا بریں بلاشک و شبہ یہی افضل ہے۔ کیونکہ حرمت میں اعظم ہونا افضلیت ہی کی بنا پر ہو سکتا ہے۔[1]

محدث شہیر امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ / ۱۲۷۷ء فرماتے ہیں۔

امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب ہے کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے اور مکہ معظمہ کی مسجد، مدینہ طیبہ کی مسجد سے افضل ہے لیکن امام مالک اور علماء کی ایک جماعت کا مسلک اس کے برعکس ہے

اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بعض صحابہ، امام مالک اور اکثر علماء مدینہ مکہ مکرمہ پر مدینہ منورہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔ جبکہ اہل مکہ، اہل کوفہ، امام شافعی اور مالکیہ میں سے ابن وھب، ابن حبیب وغیرہ مکہ معظمہ کی افضلیت کے معترف ہیں۔

ہمارے علماء نے مکہ معظمہ کی افضلیت کو ان احادیث سے ثابت کیا ہے۔ مثلاً

سیدنا عبداللہ بن عدی بن الحمراء سے روایت ہے۔

انه سمع النبی صلی اللہ علیه وسلم وهو واقف علی راحلته بمكة يقول والله انك لخير ارض الله و احب ارض الله الی الله ولولا انی اخرجت منك ما خرجت،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔ جبکہ آپ مکہ میں اونٹنی پر سوار تھے، فرمایا۔ اللہ کی قسم بیشک تو (مکہ معظمہ) اللہ کی زمین میں سے بہترین ہے اور اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ پسندیدہ ہے۔ اگر مجھے یہاں سے نکالا نہ جاتا تو میں تجھے نہ چھوڑتا۔

---

[1] المحلی ج ۷ : ۲۸۸

Marfat.com

یہ روایت ترمذی اور نسائی نے بھی بیان کی ہے اور اسے ترمذی نے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

میری اس مسجد میں ایک نماز ہزار نمازوں سے افضل ہے۔ باقی مساجد کے مقابلہ میں۔ مگر مسجد حرام میں ایک نماز میری مسجد سے بھی ایک سو گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

اس روایت کو امام احمد بن حنبل نے مسند میں اور بیہقی وغیرہ نے حسن سند کے ساتھ نقل کیا ہے[1]۔

محدث کبیر علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء مساجد ثلاثہ میں نماز کے ثواب کی زیادتی والی حدیث بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

اس حدیث سے مدینہ منورہ پر مکہ معظمہ کی تفضیل پر استدلال کیا گیا ہے۔ کیونکہ مکہ مکرمہ میں دوسرے مقامات کی نسبت عبادت کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے اور یہی جمہور کا قول ہے جو کہ امام مالک اور ان کے اصحاب ابن وھب، مطرف اور ابن حبیب سے بھی منقول ہے لیکن امام مالک کا مشہور قول اور اکثر صحابہ کرام تفضیل مدینہ منورہ کے قائل ہیں۔ ان اکابرین نے اس حدیث طیبہ سے استدلال کیا ہے۔

ما بین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ	میری قبر شریف اور میرے منبر شریف کے درمیان کا حصہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

لیکن امام ابن عبدالبر کہتے ہیں۔ اس حدیث سے مدینہ منورہ کی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔ جبکہ ابی سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث جس میں ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

---

[1] شرح مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۶

Marfat.com

مکہ معظمہ میں حزورہ کے مقام پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا۔

خدا کی قسم بیشک تو اللہ کی زمین میں سب سے بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساری زمین سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے یہاں سے نکلا نہ جاتا تو میں تجھے ہرگز نہ چھوڑتا۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ اصحاب السنن نے اسے بیان کیا ہے۔ ترمذی ابن خزیمہ اور ابن حبانؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

اسی طرح اس حدیث سے بھی مدینہ منورہ کی تفضیل پر استدلال کیا گیا ہے۔

اللّٰھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ماجعلت بمکۃ من البرکۃ — اے اللہ! مکہ معظمہ کی نسبت مدینہ منورہ کو دوچند برکات عطا فرما۔

ظاہراً اس حدیث سے مدینہ باسکینہ کی فضیلت مکہ مشرفہ پر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس میں بھی کسی مفضول چیز کی فضیلت لازم نہیں آتی۔ جبکہ مکہ مشرفہ کی افضلیت علی الاطلاق ثابت ہے۔[2]

امام المحدثین حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء فرماتے ہیں۔

جمہور کے نزدیک مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے۔ جبکہ قبر اطہر اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس موضوع پر جمہور علماء نے طویل دلائل پیش کئے ہیں۔ امام مالک مدینہ منورہ کی افضلیت کے قائل ہونے میں منفرد ہیں دیگر آئمہ ثلاثہ مکہ معظمہ کی افضلیت کے قائل ہیں۔[3]

محدث جلیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء رقمطراز ہیں۔

مالکیہ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے افضل ہے اور یہ حضرات ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری ج ۳ : ۶۷، ۶۸ [2] فتح الباری ج ۴ : ۹۸۔

[3] البدایہ والنہایہ ج ۳ : ۲۰۵۔

Marfat.com

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ المدینۃ خیر من مکۃ۔ لیکن یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن عبدالبر نے لکھا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

اللھم انک اخرجتنی من احب البقاع الی فاسکنی احب البقاع الیک

اے اللہ تو نے میرے پسندیدہ شہر سے مجھے نکالا ہے۔ پس تو اپنے پسندیدہ شہر میں قیام نصیب فرما۔

یہ روایت بھی مرسل اور ضعیف ہے۔

اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا صحیح روایت سے ثابت ہے۔

اللھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ما بمکۃ من البرکۃ

اس سے مدینہ منورہ کی فضیلت پر دلالت تو ضرور ہوتی ہے۔

مگر اس سے بھی افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔

اس کے برعکس مکہ مکرمہ کی افضلیت پر متعدد صحیح احادیث پائی جاتی ہیں، جیسا کہ،

واللہ انک لخیر ارض اللہ واحب ارض اللہ الی اللہ

ما اطیبک واحبک الی ولولا ان قومی اخرجونی منک ماسکنت غیرک

اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت فرمایا۔

ای بلد تعلمون اعظم حرمۃ تمہارے علم میں سب سے زیادہ حرمت والا شہر کونسا ہے۔

اس کے جواب میں صحابہ کرام نے عرض کیا "مکۃ المکرمۃ"

بنابریں اس بات پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجماع ثابت ہوگیا کہ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ سے افضل ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کا صحابہ

Marfat.com

سے اقرار بھی کرایا[1]

البتہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر اطہر مکہ معظمہ، کعبہ مشرفہ بلکہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے[2]

علاوہ ازیں بعض اکابرین امت مذکورہ دو نظریات کے سوا ایک اور نظریے کے قائل بھی ہیں۔ جیسا کہ شیخ الاسلام محمد بن علی الشوکانی المتوفی ۱۲۵۵ھ فریقین کے دلائل تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔

فالفضل ثابت للفریقین ولا یلزم من ذلک تفضیل احدی البقعتین[3]

اور امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی المتوفی ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء فرماتے ہیں۔

اصح المحتملات عندی ان یتوقف فیہ[4]

مزید تفصیلات کے لئے امام ابن حزم کی تصنیف المحلی جلد ۷ اور علامہ محمد یوسف بنوری کی معارف السنن جلد ۳ باب ماجاء فی ای المساجد افضل کی طرف رجوع فرمائیں۔

شفاعت کی بشارت

اس مقدس و متبرک شہر کے بیشمار اوصاف حمیدہ اور خصائل شریفہ میں سے یہ بھی ایک انتہائی قابل رشک وصف ہے کہ رحمتِ کائنات، منبع فیوض و برکات فخر کون و مکاں سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بلدہ طیبہ میں سکونت کی ترغیب و تحریص دلا تاکہ اس پاک سرزمین کے انوار و تجلیات سے فیض بار ہو کر محشر کے ہولناک دن میں شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے سرفراز ہو سکیں۔ جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

---

[1] مرقاۃ المصابیح ج ۲: ۱۹۰ [2] ایضاً ج ۶: ۳۰ [3] نیل الاوطار ج ۴: ۲۴۹ [4] المسوی ج ۲:

Marfat.com

"روئے زمین پر مدینہ منورہ کے سوا کوئی ایسا خطہ نہیں جس میں مجھے دفن ہونا پسند ہو۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رحمت کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا۔

"جو آدمی مدینہ منورہ میں مرنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اسے چاہیئے کہ اسی جگہ مرے وہ خوش نصیب قیامت کے دن میری شفاعت اور شہادت باسعادت سے مشرف ہوگا"۔[2]

آپؐ کا ارشاد ذی شان ہے۔

"مدینہ منورہ میری ہجرت گاہ اور آرام گاہ ہے اور اسی خاک پاک سے میں قیامت کے دن اٹھایا جاؤں گا۔ لہٰذا میری اُمت کا حق ہے کہ وہ میری ہمسائیگی اختیار کرے۔ اگر میرے پڑوس میں رہ کر گناہوں سے اجتناب کیا تو میں قیامت کے دن ان کے لئے شفیع اور گواہ بنوں گا۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شفیع المذنبین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص مدینہ منورہ کی تکالیف اور مصائب کو خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور صبر و قناعت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے، تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا۔"[4]

"سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی یہ حدیث مروی ہے اور اس میں شفاعت کا اعزاز حاصل کرنے کے لئے مسلمان ہونے کی شرط بیان ہوئی ہے۔"[5]

---

[1] موطا امام مالک ج ۲ : ۵۵۰۔ المحلی ج ۷ : ۲۸۶۔ [2] مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۴ ترمذی شریف ج ۲ : ۲۲۹

[3] کنز العمال ج ۱۲ : ۲۴۶۔ [4] مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۳

[5] ترمذی شریف باب فضل مدینہ ج ۲ : ۲۳۰۔ [6] مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۳

Marfat.com

شفیع یا شہید کی توجیع اس طرح ہو سکتی ہے کہ خطا کار کے لئے شفاعت فرمائیں گے اور نیکو کار اور ابرار کے حق میں شہادت دیں گے۔ یا جو مسلمان آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں انتقال فرما گئے تھے ان کے حق میں شہید ہوں گے اور جو آپؐ کی رحلت کے بعد دنیا سے رخصت ہوتے ان کے لئے شفیع ہوں گے اور ممکن ہے کہ شَفِیعاً سے قیامت کے دن مدینہ والوں کے لئے درجات کی بلندی حساب میں تخفیف اور محشر میں ان کی تکریم و تعظیم مثلاً عرش عظیم کے سایہ میں راحت وغیرہ کی سفارش کرنا مراد ہو۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جو آدمی مکہ مکرمہ یا مدینہ طیبہ میں فوت ہوا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے امن والے لوگوں میں اٹھائیں گے۔"[1]

دوسری روایت میں ہے کہ اس کی شفاعت کرنا مجھ پر لازم ہو جاتا ہے۔[2]

سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"قیامت کے دن میری امت میں سے جنہیں سب سے پہلے میری شفاعت کا شرف حاصل ہوگا۔ وہ مدینہ کریمہ کے خوش بخت لوگ ہوں گے۔ ان کے بعد اہل مکہ اور پھر طائف والوں کی شفاعت کی جائے گی۔"[3]

تاج دارِ مدینہ، شاہِ حرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمنا اور آرزو قابل تقلید ہے کہ آپ مدینہ باسکینہ میں سفرِ آخرت کی دعا کرتے ہیں۔ اسی کی خاکِ پاک کو اپنی قبر مبارک کے لئے پسند فرماتے ہیں۔

سیدنا یحییٰ بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں:

---

[1] سنن الکبریٰ ج ۵ : ۲۴۵ - کنز العمال ج ۱۲ : ۲۷۱ - [2] کنز العمال ج ۱۲ : ۲۷۱ - [3] جامع الصغیر ج ۱ : ۱۱۱ -

Marfat.com

"ایک مرتبہ جنت البقیع میں قبر کھودی جارہی تھی۔ جہاں مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اسی اثنا میں ایک صاحب وارد ہوئے اور قبر دیکھ کر کہنے لگے مومن کے لئے یہ کیسی بُری جگہ ہے۔ آپؐ کو اس کی بات ناگوار گزری۔ آپؐ نے فرمایا: تم نے کیسی بُری بات کہی ہے (غالباً آپؐ کی مراد یہ تھی کہ مومن کی قبر تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتا ہے اور تم اسے بُری جگہ کہہ رہے ہو) وہ صاحب عرض کرنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ ان کی موت اپنے گھر میں واقع ہوئی ہے۔ انہیں اللہ کی راہ میں جامِ شہادت نوش کرنا چاہیئے تھا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ شہادت کے برابر تو کوئی چیز نہیں ہوسکتی لیکن ساری روئے زمین پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مجھے اپنی قبر بنانا پسند ہو سوا مدینہ کریمہ کے۔" آپؐ نے یہ الفاظ تین مرتبہ ارشاد فرمائے [1]

اللہ اللہ! وہ دھرتی کس قدر قابل رشک اور پُر شکوہ ہے۔ جس کے ریگ زاروں کو مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنا اوڑھنا بچھونا اور مسکن بنانے کے لئے مضطرب اور بے تاب رہے۔

ان جذبات کا اظہار کوئی اتفاقیہ بات نہ تھی۔ بلکہ مدینہ کریمہ کی خاکِ پاک کے ساتھ اُنس و محبت تو ایک فطری تقاضا تھا۔ کیونکہ رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کا خمیر اسی خاک سے بنا تھا اور آپؐ کا فرمان والا شان ہے۔

"جس مٹی سے انسان کی تخلیق ہوتی ہے اسی میں اس کی تدفین ہوتی ہے" [2]

اور آپؐ نے واشگاف الفاظ میں فرمایا:

"جس مٹی سے مجھے پیدا کیا گیا ہے، اسی مٹی سے ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کو بھی پیدا کیا گیا اور پھر اسی میں ہم دفن کئے جائیں گے" [3]

---

[1] موطا امام مالک ج ۲: ۵۵۰ [2] فتح الباری ج ۳: ۶۸، نیل الاوطار ج ۴: ۲۴۹ [3] وفاء الوفا ج ۱: ۲۳

Marfat.com

مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ عنبریں کی تخلیق جس خاکِ پاک سے ہوئی اور پھر جس کے افق پر رسالت کا آفتاب عالمتاب طلوع ہوا اور بالآخر اسی کی گود میں راحت گزیں ہوا۔ اس خاک کی رفعت شان اور بلندی مقام کا کیا کہنا۔

امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے دل میں یہ ولولہ اور جذبہ ہر وقت شعلہ زن رہتا تھا کہ مدینہ باسکینہ کی خاک نصیب ہو مگر شہادت فی سبیل کا اعزاز بھی حاصل ہو بنا بریں آپ اکثر یہ دعا فرماتے :

اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک[1]

اے اللہ مجھے اپنی راہ میں شہادت نصیب فرمانا! اور اپنے حبیبؐ کے شہر میں موت عنایت فرمانا

کس قدر مبارک اور قابل رشک دعا تھی۔ اگرچہ اجتماع ضدین محال نظر آتا تھا کہ شہادت فی سبیل اللہ کا رتبہ بھی حاصل ہو اور عالم بقا کی جانب رحلت بھی مدینہ کریمہ میں نصیب ہو۔ کیونکہ جامِ شہادت نوش کرنے کے لئے محاذ جنگ یا میدان کارزار ہوتا ہے جبکہ مدینہ باسکینہ سکون و طمانیت کا مرکز ہے، محاذ جنگ نہیں۔ مگر اللہ جل جلالہ کی شانِ کریمی پر قربان جائیں جس نے سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دونوں دعاؤں کو مکمل طور پر شرفِ قبولیت سے نوازا۔ بلکہ اس پر مستزاد یہ کہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آسودہ خواب ہونا بھی نصیب فرمادیا۔

این سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد، خدائے بخشندہ

ایک شقی ازلی کے ہاتھوں عین اس وقت جامِ شہادت نوش کیا جس وقت نماز صبح کے لئے آپ مسجد نبوی شریف میں داخل ہو چکے تھے۔

علامہ بدرالدین عینی المتوفی ۸۵۵ھ ۱۴۵۱ء فرماتے ہیں۔

"سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کو شرفِ شہادت سے بھی مشرف کیا گیا اور

---

[1] بخاری شریف ج ۱ : ۲۵۳

Marfat.com

اپنے دو محبوب رفقاء کے ساتھ ایسی جگہ دفن کیا گیا جو بے حد اشرف و اکرم ہے [۲]
ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ ۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ [۳]

یہ تڑپ، شوق، عشق، جذبہ اور ولولہ ہر مسلمان کے دل میں جاگزیں ہے اور ہر کسی کی یہ تمنا اور آرزو ہے کہ مدینہ باسکینہ میں جینا اور مرنا نصیب ہو۔ مگر قسّامِ ازل کی تقسیم تبدیل نہیں ہو سکتی۔ ایسے عشاق کی کمی نہیں جو اس جذبہ سے سرشار اور اس عظمت کے حصول کے لئے بے قرار ہیں۔ افسوس کہ یہ مختصر سی تالیف اس عظیم الشان اور طویل تذکرہ کی متحمل نہیں ورنہ دیارِ محبوب پہ تن، من، دھن قربان کرنے والوں کے عبرت انگیز واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جاتے۔ محض نمونہ کے طور پر کچھ سپردِ قلم کیا جاتا ہے۔

امام دارالھجرۃ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خاکِ طیبہ کے ساتھ اس قدر عشق اور فریفتگی تھی کہ آپ نے تمام عمرِ عزیز مدینہ کریمہ میں بسر فرمائی اور شہر سے باہر کہیں بھی نہیں جاتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مدینہ طیبہ سے نکل جاؤں اور میری موت آجائے اور میں مدینہ باسکینہ کی خاکِ پاک میں دفن ہونے سے محروم رہ جاؤں۔ صرف ایک مرتبہ فریضہ حج ادا کرنے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے۔ بالآخر شادکام ہوئے اور آج جنت البقیع میں آسودہ خواب ہیں۔ [۱]

آپ کا قلبِ مبارک عشقِ رسولؐ سے اس قدر معمور تھا کہ ضعف، پیری اور کبرسنی کے باوجود مدینہ منورہ میں کبھی سوار ہو کر نہیں چلتے تھے۔ آپ کا کہنا تھا کہ جس ارض مقدس میں جسم عنبریں صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہو اس زمین پر سوار ہو کر چلنا گستاخی ہے۔

آپ ساری عمر قضاء حاجت کے لئے مدینہ طابہ کے حرم محترم سے باہر تشریف لے جاتے رہے۔ البتہ بیماری یا کسی مجبوری کی وجہ سے بیت الخلاء استعمال کر لیتے تھے۔ آپ

---

[۱] عمدۃ القاری ج ۵ : ۱۲۱، آخر فضل مدینہ [۲] سورۃ الحدید: ۲۱ [۳] جذب القلوب : ۲۵

Marfat.com

تین دن میں صرف ایک مرتبہ بیت الخلاء جاتے اور فرماتے کہ بار بار جانے سے مجھے شرم آتی ہے [1]

اللہ کریم اپنی رحمت سے ہمیں بھی مدینہ کریمہ میں موت نصیب فرمائے اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کی قیامت کے دن شفاعت سے نوازے۔

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کی گوناگوں خوبیوں کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ پیشن گوئی بھی فرمائی کہ بعض لوگ دنیوی فوائد اور ذاتی اغراض کی بنا پر اس شہر کی سکونت ترک کر دیں گے۔ جیسا کہ سیدنا سفیان بن ابی زُہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"یمن فتح ہوگا اور بعض لوگ وہاں کے حالات دریافت کریں گے، پھر اپنے اہل وعیال کو اور جو لوگ ان کے کہنے میں آئیں گے، انہیں ساتھ لے کر وہاں چلے جائیں گے۔ حالانکہ ان کے لئے مدینہ ہی بہتر تھا، اگر وہ سمجھ سے کام لیتے۔ پھر جب شام فتح ہوگا تو لوگ وہاں کے خوش کن حالات سن کر اپنے اہل وعیال اور جو کوئی ان کا کہا مانے گا، ساتھ لے کر وہاں منتقل ہو جائیں گے۔ حالانکہ ان کے لئے مدینہ ہی بہتر تھا، اگر وہ سمجھ سے کام لیتے۔ اسی طرح جب عراق فتح ہوگا تو لوگ وہاں کے حالات سن کر اپنے اہل وعیال کے ساتھ وہاں جا کر آباد ہو جائیں گے، حالانکہ ان کے لئے مدینہ ہی بہتر تھا۔ کاش وہ اس بات کو سمجھتے" [2]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اہل یمن مدینہ پر ایک وقت ایسا آنے والا ہے کہ یہاں سے لوگ خوشحال زندگی کی

---

[1] تذکرہ محدثین سید احمد رضا بجنوری ج ۱: ۱۲۹

[2] بخاری شریف ج ۱: ۲۵۲ مسلم شریف ج ۱: ۴۴۵

Marfat.com

تلاش میں سرسبز وشاداب مقامات پر چلے جائیں گے اور وہ اپنی مطلوبہ خوشحالی پالیں گے اور پھر اپنے اہل وعیال کو بھی ساتھ لے جائیں گے۔ حالانکہ ان کے حق میں مدینہ ہی بہتر ہے اگر وہ سمجھ سے کام لیتے۔" [1]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسی طرح پورا ہوا اور مذکورہ شہر اسی ترتیب سے فتح ہوئے، نیز اس حدیث سے مدینہ منورہ کی دوسرے شہروں پر فضیلت بھی ثابت ہوتی ہے کیونکہ یہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم، آپ کا پڑوس، مہبط وحی اور نزول برکات کا مرکز ہے۔ یہاں دین کے دائمی اور ابدی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ جبکہ بعض لوگ ناپائیدار اور ناقابلِ اعتبار دنیوی فوائد کی خاطر دوسرے شہر میں چلے جائیں گے۔ [2]

امام منذری المتوفی ۶۵۶ھ/۱۲۵۹ء رقمطراز ہیں۔

جب اسلام کی نورانی شعاعیں حجاز سے دوسرے ممالک تک پھیل گئیں اور اسلامی فتوحات کے ذریعہ بہت سے سرسبز وشاداب علاقے مسلمانوں کے زیرنگیں آئے تو طبعی طور پر بہت سے لوگوں نے حجاز کی خشک اور بنجر زمین کے مقابلہ میں شام وعراق وغیرہ کے ہرے بھرے اور نعمائے دنیا سے مالامال خوشحال وشاداب علاقوں میں رہنا پسند کیا اور وہ مدینہ منورہ چھوڑ کر ان علاقوں میں منتقل ہونا شروع ہوگئے۔ اس طرح وہ شیرازہ بکھرنا شروع ہوگیا جو دس سال کی پیہم جانی ومالی قربانیوں سے معرض وجود میں آیا تھا۔" [3]

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مدینہ منورہ کی یہ خصوصیت بھی ہے کہ یہ بُرے آدمی کو اس طرح نکال کر باہر پھینک

---

[1] الترغیب والترہیب ج ۳: ۱۳۰، فتح الباری ج ۴: ۹۲، ۹۳ [2] فتح الباری ج ۴: ۹۲، ۹۳۔

[3] الترغیب والترہیب ج ۳: ۱۳۱

Marfat.com

دیتا ہے جس طرح آگ کی بھٹی لوہے کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔[1]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ ایک بدوی جو مدینہ طیبہ میں رہتا تھا اسے ایک مرتبہ سخت بخار آیا جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں رہنے سے دل برداشتہ ہو گیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا، میری بیعت توڑ دیں۔ میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ آپؐ نے بیعت توڑنے سے انکار فرمایا۔ اس نے دوبارہ بلکہ سہ بارہ آکر اصرار کیا۔ مگر آپ مسلسل انکار فرماتے رہے۔ بالآخر وہ مدینہ منورہ سے بھاگ گیا۔

اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مدینہ منورہ بھٹی کی مانند ہے۔ یہ بُرے آدمی کو نکال دیتا ہے اور اچھے آدمی کو خالص کر دیتا ہے[2]۔ یعنی نکھار دیتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، "آگاہ رہو کہ مدینہ لوہار کی بھٹی کی مانند ہے۔ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہو گی جب تک مدینہ منورہ شریر اور بدکار آدمیوں کو نہ نکال دے جس طرح بھٹی لوہے کا میل نکال دیتی ہے"[3]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں

"مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے سوا دجال ہر شہر میں داخل ہو گا لیکن اللہ تعالیٰ کے فرشتے ان دونوں شہروں کی حفاظت کریں گے اس وقت مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا جس کے خوف سے ہر کافر اور منافق مدینہ سے نکل کر بھاگ جائے گا"[4]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں: ہر وہ آدمی جس کا ایمان خالص نہیں ہو گا وہ مدینہ سے نکل جائے گا اور صرف مخلص مومن

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۲۵۳۔ [2] ایضاً مسلم شریف ج ۱: ۴۴۴، ۴۴۵
[3] ایضاً۔ [4] بخاری شریف ج ۱: ۲۵۳۔

Marfat.com

ہی باقی رہ جائیں گے جن پر دجال مسلط نہیں ہو سکے گا۔[1]

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ اطہر جو اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمتوں اور برکتوں کا منبع ہے۔ اہالیانِ مدینہ ان برکات سے ہمہ وقت مستفید ہوتے رہتے ہیں۔ تزکیہ و تطہیر اس مقدس شہر کی خصوصیات میں سے ہے! اللہ کریم ہم سب مسلمانوں کو اس کے فیوضات و برکات سے بہرہ یاب فرمائے اور گنبد خضرا کے ظلِ عاطفت میں سکونت نصیب فرمائے اور جنت البقیع میں دفن ہونا نصیب فرمائے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اہالیان مدینہ کے بدخواہ کا عبرت ناک انجام

رحمتُ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب پڑوسی اور اہل وطن، باشندگانِ مدینہ کریمہ کے ساتھ اگر کوئی بدنصیب دھوکہ، فریب یا برائی کی جسارت کرے تو پھر وہ ربِ ذوالجلال کی گرفت اور اپنے عبرتناک انجام سے بچ نہیں سکتا۔ محبوب انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کی نگری کے مکینوں کو اذیت پہنچانے والا خود بھی چین و سکون کی نعمت سے محروم ہی رہے گا۔ چنانچہ سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں۔

"جو آدمی اہالیانِ مدینہ کے ساتھ مکر و فریب کرے گا تو وہ ایسا گھل جاتے گا جیسا پانی میں نمک گھل جاتا ہے"[2]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص مدینہ منورہ والوں کے ساتھ کسی قسم کی برائی کا ارادہ کرے گا تو حق تعالیٰ شانہ، اسے آگ میں اس طرح پگھلا دیں گے جس طرح آگ میں سیسہ پگھل جاتا ہے یا پانی میں نمک گھل جاتا ہے"[3]

---

[1] فتح الباری ج ۴ : ۹۶

[2] بخاری شریف ج ۱ : ۲۵۲

[3] مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۱

Marfat.com

حضور اقدس سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو ظالم اہالیانِ مدینہ کو خوف زدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن خوفزدہ کریں گے، ایسے بدبخت پر اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو اور نہ ہی اس سے مال اور بدلہ قبول کیا جائے گا۔" [1]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فتنہ پرداز سرداروں میں سے ایک سرکش سردار مدینہ طیبہ آیا۔ اس وقت حضرت جابر بڑھاپے کی وجہ سے بینائی سے محروم ہو چکے تھے، ان سے کہا گیا کہ مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس ظالم کے مقابلہ سے چند دنوں کے لئے کنارہ کشی اختیار کر لیجئے تاکہ ابتلاء سے محفوظ رہیں۔

چنانچہ آپ دونوں بیٹوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر شہر سے باہر تشریف لے جا رہے تھے کہ ضعفِ پیری اور بینائی نہ ہونے کے باعث گر گئے اور زبان سے یہ الفاظ نکلے "ہلاک ہو وہ شخص جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا" بیٹا عرض کرنے لگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ڈرایا جا سکتا ہے۔ جبکہ وہ تو اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو تشریف لے جا چکے۔

"سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان خود سنا ہے کہ جس شخص نے مدینہ والوں کو ڈرایا، اس نے درحقیقت مجھے ڈرایا ہے۔" [2]

آقا کے ان ارشادات کی روشنی میں زائرین کو بالخصوص اور ہر مسلمان کو بالعموم اس بات کا اہتمام اور خیال رکھنا لازم ہے کہ اس کے قول و فعل سے ان لوگوں کی دل آزاری نہ ہو۔ انہیں کوئی اذیت نہ پہنچنے پائے، خرید و فروخت اور لین دین میں ان سے

---

[1] کنز العمال ج ۱۲ : ۲۴۶ [2] مسند امام احمد

Marfat.com

قطعاً چالبازی یا مکر و فریب نہ کیا جائے۔ نیز اپنے وطن میں رہتے ہوئے بھی اہالیانِ مدینہ باسکینہ کی غیبت، عیب جوئی بدگمانی اور انہیں بدنام کرنے کی مکروہ جسارت ہرگز نہ کی جائے، ان کے ساتھ صفائی اور سچائی کا معاملہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ مذکورہ بالا وعید کے بموجب قہرِ الٰہی سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔

مدینہ منورہ کے باشندوں کی صحبت کو حرزِ جاں بنائیں۔ بالخصوص علماء صلحاء سادات اور مسجد نبوی شریف کے خدام سے حسبِ مراتب محبت اور عقیدت رکھی جائے۔ حتیٰ کہ وہاں کے عوام اور غلام جنہیں چنداں کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے بھی واجب الاحترام ہیں۔ کیونکہ انہیں جو شرفِ ہمسائیگی رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حاصل ہے، اس سے دنیا جہاں کے مسلمان محروم ہیں، اگر ان کے اعمال میں کچھ نقص اور کمی ہو، تب بھی وہ شرفِ سکونت اور ہمسائیگی خیر الخلق صلی اللہ علیہ وسلم کے باعث ہمارے لئے واجب التعظیم و تکریم ہیں۔

تُرابِ مدینہ باسکینہ

وہ ارضِ مقدس جہاں پہنچ کر مریضانِ عشق اور مہلک روحانی امراض کے بیمار شفایاب ہوتے ہیں۔ وہاں حکیم مطلق اور کارسازِ عالم نے جسم و جاں اور ظاہری امراض کے لئے مدینہ کریمہ کی خاکِ پاک کو اکسیر بنا دیا ہے۔ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بیمار کو جھاڑ پھونک کرتے تو اپنے مقدس کلام کے ساتھ مدینہ کی خاکِ پاک بھی شامل کر لیتے تھے۔ جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے کہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کو ان الفاظ کے ساتھ جھاڑ پھونک کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تُرْبَۃُ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا اللہ کے نام کے ساتھ! ہمارے ملک کی

Marfat.com

یُشْفٰی سَقِیْمُنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا [1] مٹی سے ہم میں سے بعض کے تھوک کے ساتھ، ہمارا مریض اللہ کے حکم سے شفایاب ہو جائیگا۔

سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہو جاتا یا کسی کو زخم لگتا تو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کلمہ کی انگلی (انگشت شہادت) زمین پر رکھ کر یہ دعا پڑھتے۔

بِسْمِ اللّٰہِ تُرْبَۃُ اَرْضِنَا بِرِیْقَۃِ بَعْضِنَا یُشْفٰی بِہٖ سَقِیْمُنَا [2]

ایک روایت میں ہے کہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ نے انہیں دم کیا۔ پھر بُطحان کی مٹی ایک پیالہ میں ڈالی اور پانی ڈال کر بیمار پر چھینٹے مارے [3]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ ۱۲۷۷ء فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں ارض سے مدینہ طیبہ مراد ہے جو مخصوص برکات کی حامل ہے۔ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگشت شہادت کو لعابِ دہن لگا کر زمین پر رکھتے تاکہ مٹی لگ جائے پھر مذکورہ دعا پڑھ کر زخم والی جگہ یا بیمار پر پھیر دیتے تھے۔ [4]

مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قبیلہ بنو الحارث کے بعض بیماروں کی مزاج پرسی کو تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے بتایا ہم بخار میں مبتلا ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس صہیب موجود ہے (مدینہ منورہ میں واقع وادی بُطحان کی ایک خاص جگہ کا نام ہے) وہ لوگ عرض کرنے لگے، حضورؐ ہم صہیب کو کیا کریں؟

---

[1] بخاری شریف ج ۲ : ۸۵۵ [2] مسلم شریف ج ۲ : ۲۲۳ [3] ابو داؤد شریف کتاب الطیب باب ما جاء فی الرقی ج ۲ : ۹۶ [4] شرح مسلم شریف ج ۲ ۲۲۳

Marfat.com

آپؐ نے ارشاد فرمایا اس کی مٹی لے کر پانی میں ڈالو اور یہ دعا پڑھ کر دم کرو اور لعاب ڈال کر بیمار پر چھینٹے مارو۔

بِسْمِ اللّٰہِ تُرَابُ اَرْضِنَا بِرِیْقِ بَعْضِنَا شِفَاءُ الْمَرِیْضِنَا بِاِذْنِ رَبِّنَا

چنانچہ ان لوگوں نے جب اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخار جاتا رہا [1]

سیدنا ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ کا غبار مرض جذام کے لئے شفاء ہے [2]

سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

" اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مدینہ منورہ کی خاک میں ہر ایک بیماری کی شفا ہے " [3]

جن علماء کرام کے نزدیک حرم شریف سے مٹی لینا جائز نہیں۔ انہیں بھی اس خاص جگہ کی مٹی کی خصوصیت کا انکار نہیں ہے۔ جیسا کہ امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ / ۱۲۴۵ء لکھتے ہیں۔

اس جگہ سے لوگ آج تک برابر مٹی لے جاتے رہتے ہیں اور تجربہ کر کے آپؐ کے ارشادات صحیح پاتے ہیں۔ اب وہاں گڑھا بن گیا ہے۔ میں نے بھی وہ گڑھا دیکھا اور مٹی حاصل کی، [4]

شیخ مجدد الدین فیروز آبادی اپنا تجربہ بیان کرتے ہیں کہ میرا غلام ایک سال تک مسلسل بخار میں مبتلا رہا۔ بالآخر میں نے اس جگہ سے مٹی حاصل کی اور پانی میں ڈال کر اس پر چھینٹے مارے۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے ایک ہی دن میں شفا عطا فرمادی۔ [5]

---

[1] اخبار مدینہ : ۲۸۔ [2] کنز العمال ج ۱۲: ۲۳۶، الوفا ابن جوزی ج ۱: ۲۵۳

[3] جمع الفوائد ج ۱: ۲۰۱ الترغیب والترہیب ج ۳: ۱۱۶ [4] اخبار مدینہ، ۲۸ [5] وفاء الوفا ج ۱: ۴۸

Marfat.com

شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں کہ اس علاج اور تجربہ اور مشاہدہ سے میں بھی شرف بار ہوا جس زمانہ میں مدینہ باسکینہ کے قیام سے سرفراز ہوا میرے پاؤں میں ایسا مہلک ورم آگیا کہ اطباء نے اتفاق رائے سے اسے ہلاکت کی علامت قرار دیا۔ مگر میں نے اس پاک مٹی سے اپنا علاج شروع کر دیا اور تھوڑے ہی دنوں میں آسانی اور سہولت کے ساتھ اس مہلک مرض سے چھٹکارا مل گیا [1]

مولانا عاشق الٰہی میرٹھی المتوفی ۱۳۴۶ھ / ۱۹۲۷ء بیان کرتے ہیں۔

شیخ المشائخ علامہ خلیل احمد انبہٹوی کو عرب کے آدمیوں ہی سے نہیں بلکہ ہر چیز سے بے حد محبت تھی، بالخصوص مدینہ طیبہ کی مٹی آپ کو بہت محبوب تھی، زائرین کو ابیار سبعہ (سات کنویں) کا پانی اور تراب مدینہ لے جانے کی ترغیب دیا کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان میں شفا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے کہ مٹی کھانا نہیں۔ کیونکہ ناجائز ہے۔ ہاں لیپ وغیرہ میں استعمال کریں۔

موصوف فرماتے ہیں کہ ایک سفر حج میں میرے چچا بھی رفیق سفر تھے۔ مدینہ طیبہ پہنچ کر وہ مرض ماشرہ میں مبتلا ہو گئے (منہ کا مہلک ورم) طبیب نے حرکت کرنا اور ہوا لگنا سخت مضر بتایا۔ لیکن اتفاق سے قافلہ کی روانگی کا وقت آگیا اور عم بزرگوار مصر تھے کہ قافلہ کے ساتھ ہی روانہ ہونا ہے۔ بعد میں مشکلات پیش آئیں گی۔

ڈاکٹر رفاقت علی مرحوم جو فوجی ڈاکٹر تھے۔ ان سے مناسب ادویات لے لیں لیکن ڈاکٹر صاحب نے سخت تاکید کی کہ منہ پر ہر وقت روئی لپیٹی رہے اور ہوا نہ لگنے پائے۔ ورنہ جان جانے کا خطرہ ہے۔

مولانا موصوف فرماتے ہیں۔ میں نے یہ تمام پریشان کن حالات اور اضطراب کی کیفیت شیخ المشائخ مولانا انبہٹوی کی خدمت میں عرض کیں کہ اتنا دور دراز کا

---

[1] جذب القلوب : ۲۹

Marfat.com

سفر اونٹوں پر اور پھر بیماری کی شدت کا یہ عالم اور چچا جان مُصر ہیں۔ فرمایا۔ بھتی! اللہ کی مشیت میں کسی کو دخل نہیں اور غیب کی خبر کسی کو نہیں کہ کیا ہوتا ہے۔ ہاں اس کا مجھے بھی فکر ہے کہ سفر میں ہوا سے بچنا بہت مشکل ہے اور تیمار داری اس سے زیادہ مشکل۔ مگر گھبراؤ نہیں اللہ سب آسان فرمائے گا۔ فرمایا کہ آستانہ شریفہ کی مٹی لے لو اور وہ منہ پر ملو۔

مولانا موصوف کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ حضرت وہاں مٹی کہاں سے آئی فرمایا۔ روضہ شریف کے قریب قالین کے نیچے جو بھی گرد و غبار ہو ہاتھ کو مل لیجیو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کہ نماز ظہر سے فارغ ہو کر مٹی حاصل کی اور چچا کے چہرہ پر مل کر روئی لپیٹ دی۔ رات کو عشا کی نماز سے فارغ ہو کر جب گھر آیا تو چچا کو بہت مسرور پایا۔ کہنے لگے ذرا میرا منہ کھول کر دیکھو تو سہی مجھے تو یوں لگتا ہے کہ آدھا مرض ختم ہو گیا ہے نہ وہ سوزش ہے اور نہ کرب۔ اس تراب مدینہ نے تو اکسیر سے زیادہ کام کیا ہے۔ دوسری دفعہ اس مقدس مٹی کے استعمال سے شافی مطلق نے کلیتہً شفا عطا فرما دی [1]

امام ابن حوقل ایک حدیث بیان کرتے ہیں:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مدینہ باسکینہ کا غبار جذام جیسے لاعلاج مرض کے لئے باعثِ امن و سکون ہے۔" [2]

خصائص مدینہ یا سکینہ

مدینہ باسکینہ کو اللہ کریم نے بے انتہا خصائص و فضائل سے نوازا ہے، عظمت و شان میں منفرد حیثیت کا حامل ہے، اس کی بعض خصوصیات کا ایمان افروز تذکرہ قارئین

---

[1] تذکرۃ الخلیل، ۳۹۶، ۳۹۷ [2] کتاب صورۃ الارض: ۳۱

Marfat.com

کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے

۱۔ تمام اسلامی ممالک بزور شمشیر فتح ہوئے۔ لیکن مدینہ کریمہ صرف قرآن کے ذریعہ فتح ہوا۔

۲۔ تمام اسلامی ممالک حتیٰ کہ مکۃ المکرمہ بھی مدینہ ہی کے ذریعہ اسلام کے زیر نگیں ہوئے اور اللہ کریم نے اسے دین اسلام کا مظہر بنایا ہے۔

۳۔ اللہ جل مجدہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت و امداد کے لئے اہالیان مدینہ کو منتخب کیا۔

۴۔ سید الکونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس مقدس شہر کو قرار و سکون اور دار الھجرہ بنا دیا۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کی سرزمین کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً [1] کیا خدا کی زمین کشادہ نہ تھی۔

۶۔ اللہ کریم نے اس شہر کو محبوبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر قرار دے کر اسے ان کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ [2] اللہ کریم نے آپ کو آپ کے گھر سے حق کے ساتھ نکالا۔

۷۔ اللہ رب العزت نے اس مبارک شہر کی قسم کھائی ہے۔

لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ۔ قسم ہے اس شہر کی۔

امام قرطبی فرماتے ہیں ھٰذا البلد سے مراد مدینہ شریف ہے جسے آپ کے

---

[1] النسا: ۹۷ [2] انفال: ۵

Marfat.com

اقامت گزین ہونے سے مشرف کیا اور آپ کی قبر اطہر کے ذریعہ سے برکتوں سے نوازا[1]

۸۔ نیز فرمایا۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ[2]

اے پروردگار مجھے داخل ہونے کی سچی جگہ میں داخل کر اور نکلنے کی سچی جگہ سے نکال۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مدینہ کو مُدْخَلَ صِدْقٍ "فرما کر مقدم کیا اور مُخْرَجَ صِدْقٍ" سے مکہ مراد ہے جسے موخر کیا۔ اگرچہ اصولی طور پر مُخْرَجَ صِدْقٍ کو یعنی مکہ کا ذکر مقدم ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ ترتیب کے اعتبار سے بھی نکلنا داخل ہونے سے پہلے واقع ہوا تھا۔ لیکن مدینہ منورہ کی خصوصیت کو ظاہر کرنے کے لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا۔

۹۔ مدینہ منورہ کی سرزمین پاک ہی میں ایک ایسا مقدس خطہ پایا جاتا ہے۔ جس کے دنیا کی تمام جگہوں سے افضل ہونے پر علماء امت کا اجماع ہے، یعنی قبر اطہر سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔

۱۰۔ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اسے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

۱۱۔ راہ خدا میں جانِ عزیز کا نذرانہ پیش کرنے والے شہداء محفوظ خزانہ کی طرح اس سرزمین پاک میں مدفون ہیں۔ سیدنا امام مالک مدینہ باسکینہ کی عظمت اور فضیلت بیان کرتے ہوئے فرماتے تھے۔ یہ دار الھجرۃ ہے۔ یہ دار السنۃ ہے اور شہداء سے لبریز ہے۔

۱۲۔ فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شہر کو حرم قرار دیا۔

۱۳۔ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ اطہر سے اس میں مسجد تعمیر فرمائی۔

---

[1] قرطبی ج ۲۰: ۶۰ سورہ البلد

[2] سورہ بنی اسرائیل۔

Marfat.com

۱۴۔ مدینہ کریمہ کو یہ شرف بھی نصیب ہے کہ اس سرزمین میں حجرۂ نبوی اور منبر نبوی کے درمیان جنت کا ایک باغ واقع ہے۔

۱۵۔ مدینہ منورہ ہی کی مسجد میں وہ ذی شان منبر پایا جاتا ہے جس کے پائے جنت میں ہیں

۱۶۔ مسجد نبوی میں نماز کا ثواب دنیا بھر کی تمام مساجد سے پچاس ہزار گنا زیادہ ملتا ہے۔ صرف مسجد حرام کا ثواب اس سے فزوں تر ہے۔

۱۷۔ اسی مسجد کے متعلق تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس آدمی نے میری مسجد میں چالیس نمازیں پڑھیں اللہ اسے جہنم کی آگ، عذاب جہنم اور نفاق سے بری کر دیتا ہے۔[1]

۱۸۔ مسجد نبوی شریف میں تعلیم و تعلم کا خصوصی حکم صادر ہوا ہے۔

۱۹۔ انبیاء علیہم السلام کی تعمیر کردہ مساجد میں سب سے آخری مسجد مدینہ کریمہ ہی میں تعمیر ہوئی اور اس کی زیارت کے لئے سفر کا اہتمام کرنے کی اجازت بھی ہے

۲۰۔ مدینہ طابہ میں مشاہد و مزارات بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام مالکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ مدینہ طیبہ میں قیام پذیر ہونا پسند کرتے ہیں یا مکہ معظمہ میں؟ تو انہوں نے کہا۔ "مدینہ منورہ" میں کیوں کہ اس شہر کا کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نہ چلے ہوں اور آپؐ کے پائے مبارک کے نقوش نہ ثبت ہوئے ہوں۔

۲۱۔ آپؐ کے ارشاد کے مطابق یہ شہر ہمیشہ ہمیشہ دارالسلام رہے گا۔

۲۲۔ دنیا کے تمام اسلامی ممالک اور شہروں میں یہ شہر قیامت کے قریب سب سے آخر میں ویران ہوگا۔

۲۳۔ ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ مدینہ منورہ کے علماء سے زیادہ علوم دینیہ کا ماہر دنیا میں نہیں ملے گا۔

۲۴۔ قیامت کے دن امتِ محمدیہ کے اشراف لوگوں کا حشر اسی شہر سے ہوگا۔[1]

مزید تفصیل کے لئے وفاء الوفا ج ۱ فصل سابع ملاحظہ ہو۔

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۵۲۔

Marfat.com

آبادکاری شہر خوباں

اور

اس کے باشندے

وہ شہر خوباں جو مقصود و مطلوب مومن اور روحانی و ایمانی مرکزیت کا حامل ہے۔ کس طرح اور کب معرضِ وجود میں آیا۔ اسے کس نے آباد کیا اور کتنی اقوام و ملل کی آماجگاہ رہا۔ یہ تاریخی حقائق اور تدریجی کوائف ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ تاریخی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہر ۲۲۰۰ قبل المسیح میں معرضِ وجود میں آیا تھا۔ کیوں کہ ۲۱۸۹ ق م میں جب حضرت اسماعیلؑ شیر خوارگی کے عالم میں والدہ ماجدہ کے ہمراہ مکہ مکرمہ جاتے ہیں، تو قبیلہ بنو جرہم کو پہلے سے وہاں موجود پاتے ہیں۔ اور اسی زمانہ کے قریب عمالقہ میں سے یثرب بن قانیہ نے یہ شہر آباد کیا تھا۔

عمدۃ المورخین امام سید شہاب الدین بن عباس احمد السمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء لکھتے ہیں۔

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کہ کشتی نوح سے اترنے والے افراد کی تعداد اسّی تھی۔ بابل کے اطراف میں جس جگہ یہ لوگ آباد ہوئے، اس بستی کا نام "سوق الثمانین" (اسی لوگوں کا بازار) مشہور ہوا۔ ان میں مختلف بہتر زبانیں بولی جاتی تھیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی کا فہم وادراک عطا فرمایا اور وہ عربی بھی بولنے لگے جب ان کی تعداد زیادہ ہوگئی۔ تو انہوں نے نمرود بن کنعان بن حام کو اپنا بادشاہ مقرر کردیا۔ ان ہی میں سے عادا اور عبیل بھی تھے۔ جو عوص بن ارم بن سام کے بیٹے تھے۔ جب کہ عبیل کے بیٹے یثرب نے یہ شہر آباد کیا تھا۔[1]

امام ابو جعفر محمد بن حبیب ابن امیہ بن عمرو الہاشمی البغدادی المتوفی ۲۴۵ھ/۸۵۹ء بیان کرتے ہیں۔ کشتی نوحؑ سے اترنے کے بعد ان لوگوں نے اسّی مکانات رہائش کے لئے بنالئے پھر جب ان کی تعداد میں اضافہ ہوگیا۔ تو انہوں نے "بابل" شہر آباد کرلیا جو ۹۶ مربع کلومیٹر میں تھا، ان کی افزائش نسل کا سلسلہ جاری رہا۔ حتیٰ کہ ایک لاکھ کی آبادی ہوگئی، پھر انہوں نے نمرود بن کنعان بن سحاریب بن نمرود بن کوش بن حام بن نوح کو اپنا بادشاہ مقرر کرلیا۔ ابتداء میں ان کی زبان سریانی تھی۔ پھر ۷۲ مختلف زبانیں بولی جانے لگیں۔ اسی اثناء میں اللہ تعالیٰ نے انہیں عربی زبان کا فہم بھی نصیب فرمادیا اور سب سے پہلے عادا اور عُبیل نے عربی زبان میں کلام کیا۔ یہ دونوں عوص بن ارم بن سام بن نوح کے بیٹے تھے۔ اسی طرح ان قبائل میں ثمود اور جدیس، جاثر بن ارم بن سام کے بیٹے، عملیق، طسم اور امیم، لوذ بن ارم بن سام کے بیٹے تھے،

جب یہ لوگ بابل سے نکل کر متفرق مقامات پر آباد ہوئے تو بنو عاد "شحر" کے مقام پر قیام پذیر ہوئے۔ جو بعد میں اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں ہلاک ہوگئے، بنو عبیل

---

[1] الوفا الوفاج ۱:

Marfat.com

"مدینہ منورہ" کے مقام پر آباد ہوئے۔ بنو ثمود "الحجر" اور اس کے گرد و نواع میں جا بسے۔ لمسم اور جدیس "الیمامہ" میں۔ اور عمالیق "صنعا" کے مقام پر بنو امیم "مکہ مکرمہ" کے قریب جوار میں آباد ہوئے۔ بعدازاں عمالیق نے بنو عبیل کو مدینہ منورہ سے بیدخل کر کے خود وہاں قابض ہو گئے، بنو عبیل وہاں سے نکلنے کے بعد "الجحفۃ" کے مقام پر آباد ہوئے مگر کچھ عرصہ بعد سیلاب میں غرق ہو گئے اسی بنا پر اس مقام کا نام الجحفۃ "مشہور ہوا۔[1]

ابوالقاسم الزجاجی فرماتے ہیں۔ کہ مدینہ طیبہ میں پہلے پہل آباد ہونے والا شخص یثرب بن قانیہ بن مہلائیل بن ارم بن عبیل بن عوض بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام تھا اور اسی کے نام کی مناسبت سے بستی کا نام یثرب مشہور ہوا۔[2]

امام مسعودی المتوفی ۳۴۶ھ نے بھی "یثرب" کا سلسلہ نسب اسی طرح بیان کیا ہے۔[3] اور امام سہیل المتوفی ۵۸۱ھ فرماتے ہیں کہ نسب نامہ کے بعض اسماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بنا بریں سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

یثرب بن قانین بن عبیل بن مہلایل بن عوض بن عملاق بن لاوذ بن ارم[4]

مدینہ منورہ میں آباد ہونے والی سب سے پہلی قوم "عمالقہ" تھی۔ جس کا اصل وطن یمن تھا۔ وہاں سے نکل کر مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دوسرے علاقوں میں آباد ہو گئی تھی۔ وہ لوگ قوی ہیکل اور دیو پیکر تھے۔ شام اور شمالی حجاز کی زبردست طاقت ور اور مضبوط قوم تھی۔ جنہوں نے اپنی قوت بازو سے ان علاقوں کی ساری

---

[1] کتاب المجر: ۳۸۴: ۳۸۵۔
[2] وفاء الوفا ج ۱: ۱۰۹، ۱۱۰۔
[3] مروج الذہب ج ۲: ۱۲۷۔
[4] روض الالف ج ۲: ۱۶۔

Marfat.com

حکومتوں کو زیر نگیں کرلیا تھا۔

قوم عَمَالقہ کا سلسلہ نسب

عرب العاربہ نو[۹] قبائل پر مشتمل اِرَم بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔
عَاد، ثمُود، اُمیَم، عَبیل، طَسم، جَدیس، عِملیق، جُرہُم اور وَبار
ان اقوام وقبائل میں سے طَسم اور عملیق دونوں حقیقی بھائی لاَوذ بن سام بن نوح علیہ السلام کے بیٹے تھے[۱] عِملیق اور عَمَالِقَہ ایک ہی قوم کے دو نام ہیں۔ جن کا تعلق قوم عاد سے تھا۔ اور متفرق علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ عِملیق مثل قندیل یا عملاق مثل قِرطَاس کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ عملیق بن

بن لاوذ بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام[۲]

مساکن قوم عمالقہ

قوم عمالقہ کا اصل وطن یمن اور اطراف یمن تھا۔ قرآن مجید میں اس علاقہ کو "احقاف" کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ یمن کے مشرقی پہلو میں واقع صحرائی ریگستان کو احقاف کہا جاتا تھا۔ جس کے جنوب میں حضرموت واقع تھا۔ تقریباً دو ہزار سال قبل المسیح یہ قوم وہاں آباد تھی۔ قوم عمالقہ عظمت وجلالت، جسمانی اور سیاسی برتری میں مشہور تھی۔ عالیشان اور خوبصورت عمارتیں بنانے میں بیحد ماہر، باغبانی اور زراعت میں بھی خاصی دلچسپی رکھتے تھے۔ ان کی آبادیوں کا مشرقی پہلو صحرائی اور ریگستانی تھا۔ جب کہ

---

[۱] نہایت الادب ج ۲: ۲۹۲، جَمہَرَۃُ انساب العرب: ۴۶۲۔ [۲] تاج العروس ج ۷: ۲۵
"عملق"، تاریخ ابوالفداء ج ۱: ۸۹ کتاب العبر ج ۲: ۸۷، ۸۸،

Marfat.com

مغربی وجنوبی علاقہ یمن وحضرموت کے شاداب پہاڑوں اور سبزہ زار سے معمور تھا. گویا کہ ایک طرف کے حالات جفاکشی اور محنت کا مزاج پروان چڑھاتے اور دوسری طرف کے حالات ان کے لئے عیش وعشرت اور لطف ونشاط کے ذرائع فراہم کرتے تھے.

چونکہ یہ واقعات قدیم ترین تاریخ سے تعلق رکھتے ہیں. جن کا قطعی ثبوت فراہم کرنا مورخین کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، علامہ ابن حزم اندلسی جیسے محقق اور شہرہ آفاق مورخ کو بھی اس تلخ حقیقت کا اقرار کرنا پڑا۔

وھذا کلہ دعوی لا یدریھا الا اللہ[1]

تاہم روایات میں شدید اختلاف واضطراب کے باوجود چند مؤرخین کے اقوال پر دقرطاس کئے جاتے ہیں. چنانچہ علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ لکھتے ہیں.

سام بن نوح علیہ السلام حجاز کے وسط اور اس کے گرد ونواح میں نیز یمن حضرموت اور عمان وغیرہ میں آباد تھے، قوم عاد کا مسکن احقاف تھا، طسم اور جدیس دونوں اوذ بن ارم بن سام بن نوحؑ کے بیٹے تھے اور یمامہ میں مقیم تھے، اُن کے بھائی عملیق بن لاوذ کا قبیلہ حجاز اور شام میں آباد تھا۔

فمنھم العمالیق امم تفرقوا فی البلاد ومنھم فراعنۃ مصر والجبابرۃ[2]	ان ہی میں سے عمالیق تھے، وہ متعدد قومیں تھیں جو مختلف ممالک میں منتشر ہوگئی تھیں اور ان ہی میں سے مصر اور بابل کے بادشاہ تھے۔

علامہ ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ / ۱۴۰۵ء لکھتے ہیں

یقال انھم انتقلوا الی جزیرۃ	کہا جاتا ہے کہ بنو حام کی مزاحمت کی

---

[1] جمہرۃ انساب ۴۶۲

[2] معارف ابن قتیبہ: ۱۳ زیر عنوان "سام بن نوحؑ"

Marfat.com

العرب من بابل لما ان حمهم فيها بنوحا م [1]

وجہ سے عمالقہ بابل سے بھاگ کر جزیرۃ العرب میں آباد ہو گئے تھے۔

ان قوم عاد والعمالقة ملكوا العراق۔ [2]

قوم عاد اور عمالقہ نے عراق پر بھی بادشاہی کی تھی۔

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں۔

نزلوها (الحجاز) ايام خروجهم من العراق امام النمارذة من بني حام۔ [3]

بنوحام کے بادشاہ کے خوف کی وجہ سے عمالقہ عراق سے بھاگ کر حجاز میں مقیم ہو گئے تھے۔

"قوم عمالقہ عراق سے نکلنے کے بعد حجاز میں تہامہ میں قیام پذیر ہوئی۔" [4]

امام احمد بن ابی یعقوب المتوفی ۲۹۲ھ/۹۰۵ء بیان کرتے ہیں۔

جب مصریوں نے عنانِ حکمرانی عورتوں کے ہاتھ میں دے دی۔ تو شام کے عمالقہ بادشاہ ولید بن دومغ نے مصر پر حملہ کر کے اسے تباہ و برباد کر دیا۔ باقی ماندہ اہل مصر نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور اس طرح ولید زمانہ دراز تک سلطنت کرتا رہا۔ پھر اس کے بعد عمالقہ کا دوسرا بادشاہ ریان بن ولید تخت نشین ہوا جو سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کا فرعون تھا۔ [5]

یہ قوم زبردست طاقت ور، جابر اور دیو پیکر تھی۔ امام لیث کا قول ہے، یہی جبابرہ قوم ملک شام میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے عہد میں آباد تھی اور امام ابن اثیر کا کہنا ہے کہ یہ جبابرہ قوم عاد کی بقیہ نسل تھی۔ جو ملک شام میں اقامت گزین تھے۔ امام

---

[1] کتاب العبر ج ۲: ۱۹۔ [2] ایضاً ج ۲: ۲۹۵۔ [3] ایضاً: ۲۷۔

[4] کتاب العبر ج ۲: ۲۷۔ [5] تاریخ یعقوبی ج ۱: ۱۵۱۔

Marfat.com

ابن الجوانی کہتے ہیں۔ عملیق ابوالعمالقہ، فراعنہ اور بابل، مصر اور شام میں مقیم تھے، امام سہیلی کے بقول ولید بن مصعب بن اشمیز بن لھو بن عملیق مصر کے عمالقہ بادشاہوں میں سے تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بادشاہ تھا اور الریان بن الولید بھی مصر کے عمالقہ بادشاہوں میں سے سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ کا فرعون تھا[1]

عملاق مثل قرطاس کا معنی ہے، لوگوں کو دھوکہ دینے والا مکار، مکر و فریب کی کہاوت سنانے والا اور عملیق جور و ظلم اور زبردستی کرنے والا[2]

شاہان عمالقہ میں سے شام میں ولید بن دومغ اور بقول بعض مورخین کے ثوران بن ارشہ بن نادان بن عمرو بن عملاق مصر کے بادشاہ سے قبطی قوم کو غلام بنا لیا اس کے بعد مصر کے عمالقہ بادشاہوں میں سے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں سنان بن الاشل بن عبید بن عوج بن عملیق، سیدنا یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں الریان بن فوران اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ولید بن مصعب بن ابی الھون بن الھلوان تھے[3]

مدینہ منورہ میں عمالقہ کی آمد

مورخین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ ۱۶۰۰ قبل المسیح اور ۲۲۰۰ قبل المسیح کے درمیانی زمانہ میں قوم عمالقہ نے آباد کیا تھا[4] اگرچہ غالب خیال یہ ہے کہ ۲۲۰۰ ق م میں یہ شہر منصۂ شہود پر آیا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ قوم عمالقہ کا اصل وطن یمن کا شہر صنعا تھا۔ جب ان میں متعدد زبانیں بولی جانے لگیں تو وہ مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے۔ کچھ قبائل "مکۃ المکرمہ" میں آباد ہوئے اور بہت سی قوموں

---

[1] الصحاح للجوھری "عمق" ج ۴: ۵۳۳، تاج العروس "عملق" ج ۷: ۲۵ [2] تاج العروس "عملق" ج ۷: ۲۵
لسان العرب "عملق" ج ۱۰، ۲۷۱ [3] کتاب العبر ج ۲: ۸۲۔ [4] دائرۃ المعارف فرید وجدی ج ۸: ۲۹۵۔

Marfat.com

کو تباہ و برباد کر کے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا۔ ان ہی میں سے یثرب۔ خیبر اور گرد و نواح کا بادشاہ تھا۔[1]

بعض روایات کے مطابق قوم عمالقہ اور جرہم یمن میں آباد تھے۔ جہاں شدید قحط میں مبتلا ہو جانے کی وجہ سے پانی، چارہ اور سرسبز و شاداب علاقوں کی تلاش میں تہامہ کی طرف چلے گئے۔ ان ہی کے چند خاندان "یثرب" میں آباد ہوئے تھے۔[2]

علاوہ ازیں ایک مرتبہ پھر قوم عمالقہ عراق میں بنو حام کے ظلم و تشدد کا شکار ہونے کی وجہ سے ترکِ وطن پر مجبور ہو گئی اور حجاز میں جا کر پناہ لی۔ اور تیسری مرتبہ قبائل عمالقہ مدینہ منورہ میں اس وقت وارد ہوئے جب مکہ مکرمہ میں سمیدع بن لاوذ بن عملیق اور قحطانی قبائل کے درمیان زبردست جنگ ہوئی، سمیدع ظفر یاب ہوا اور قحطانی قبائل کو مکہ چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں آباد ہونا پڑا۔ ان میں سے بنو عُبَیل بن مہلائل بن عوض بن عملیق مدینہ منورہ میں مقیم ہوئے۔[3]

امام ابوالفرج الاصبہانی لکھتے ہیں

مدینہ منورہ میں بنی اسرائیل سے پہلے قوم عمالقہ آباد تھی۔ جو بڑی طاقت ور اور سرکش قوم تھی۔ دور دور تک ان کی بستیاں آباد تھیں۔ چند قبائل بنو ھف، بنو سعد بنو الازرق اور بنو مطروق، مدینہ منورہ (یثرب) میں بھی آباد تھے۔ ان ہی میں سے "الارقم" حجاز کا بادشاہ تھا۔ عمالقہ تیماء سے فدک تک تمام سرسبز و شاداب علاقوں پر قابض تھے مدینہ میں باغبانی اور زراعت ان کا پیشہ تھا۔[4]

---

[1] تاریخ ابوالفداء ج ۱: ۹۸، [2] مروج الذہب ذکر مکہ واخبارھا ج ۲: ۴۶۔
[3] کتاب العبر ج ۲: ۲۷ قلب جزیرۃ العرب: ۲۱۶ [4] کتاب الاغانی ج ۱۹، ۹۵۔

Marfat.com

مدینہ منورہ میں بنی اسرائیل کی آمد

امام ابوالفرج الاصبہانی بیان کرتے ہیں۔

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے مختلف ممالک میں آباد سرکش اور جابر و ظالم قوم عمالقہ سے جہاد کرنے کے لئے فوج کشی کی تو ایک لشکر حجاز میں آباد عمالقہ کو قتل کرنے پر بھی مامور کیا اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ سمیت تمام مرد و زن قتل کر دیئے جائیں۔ چنانچہ اسرائیلی فوج نے بھرپور حملہ کر کے سب کو موت کی نیند سلا دیا۔ مگر ایک حسین و جمیل شہزادے کو قتل نہ کیا۔ اور طے پایا کہ اس کے متعلق سیدنا موسیٰ علیہ السلام جو فیصلہ کریں گے اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن اس فوج کی واپسی سے پہلے ہی سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا وصال ہو چکا تھا اور قوم نے فوج کی اس غلطی کو ناقابل معافی جرم قرار دے کر ملک میں داخلے پر پابندی لگا دی۔ بالآخر وہ لشکر حالات سے مجبور ہو کر اپنے مفتوحہ علاقوں میں لوٹ گیا اور ان میں سے ایک قبیلہ مدینہ منورہ میں بھی آباد ہوا۔

وکان ذلک الجیش اول سکنی الیھود المدینۃ	اور یہ یہود کا پہلا لشکر تھا جو پہلی مرتبہ مدینہ میں آباد ہوا۔

امام موصوف مزید لکھتے ہیں۔

وہ لوگ زمانہ دراز تک مدینہ منورہ میں عیش و عشرت اور امن و سکون کی زندگی گزارتے رہے، انہوں نے کئی قلعے بنا لئے، جاگیریں بنائیں اور زراعت کو فروغ دیا، پھر جب شاہ روم نے بنی اسرائیل کی شان و شوکت کو تاخت و تاراج کر دیا۔ یہودیوں کے ملک شام پر قبضہ کر لیا، بنی اسرائیل کو بیدردی سے قتل کیا اور ان کی عورتیں لونڈیاں بنا لیں۔ تو کٹے پٹے بنی اسرائیل کے قبائل بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو بہدل ذلیل و خوار ہو کر کس مپرسی کے عالم میں۔

Marfat.com

هاربین منهم الی من بالحجاز من بنی اسرائیل

رومیوں سے بھاگ کر حجاز میں مقیم بنی اسرائیل کے پاس جاکر پناہ لی۔

وہاں کی سبزہ زار زمین اور لہلہاتے باغات دیکھ کر منہ میں پانی آگیا، اس طرح بنو نضیر اور ان کے ہمنوا لوگ بطحان میں اور بنو قریظہ، بنو مہدل اور ان کے ساتھی مہزور میں آباد ہو گئے۔[1]

امام موصوف کی تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ یہودی قبائل دو مختلف زمانوں میں مدینہ منورہ میں آباد ہوئے ہیں، پہلی مرتبہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے وصال کے فوراً بعد ۱۴۰۰ ق م میں چند قبائل اور دوسری مرتبہ بخت نصر کی غارت گری کے بعد ۵۸۶ ق م میں کچھ قبائل وارد ہوئے تھے۔

امام اسماعیل ابوالفداء المتوفی ۷۳۲ھ/۱۳۳۲ء لکھتے ہیں۔

عمالقہ کی ایک قوم ملک شام میں آباد تھی۔ جس سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بعد سیدنا یوشع علیہ السلام نے جہاد کیا۔ اسی قوم سے مصر کے فراعنہ اور یثرب، خیبر اور نواحی علاقوں کا بادشاہ بھی تھا، سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ملک حجاز کے بادشاہ اور اس کی قوم کو قتل کر کے نیست و نابود کر دو۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے عمالقہ کے ساتھ جنگ کر کے سب کو فنا کر دیا۔ لیکن ایک شہزادے کا قتل حضرت موسیٰ علیہ کے مشورہ تک مؤخر رکھا۔ جب فاتحانہ شان سے شام واپس پہنچے، تو معلوم ہوا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو چکا ہے اور بنی اسرائیل نے شہزادے کو قتل نہ کرنے کے جرم میں اس لشکر کو ملک بدر کر دیا۔

چنانچہ انہوں نے باہمی مشورہ سے اپنے مفتوحہ علاقوں میں واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس طرح بنی اسرائیل یثرب، خیبر اور حجاز کے دوسرے علاقوں میں آباد ہو گئے۔

---

[1] کتاب الاغانی ج ۱۹: ۹۵۔

Marfat.com

یہودی ان شہروں میں زمانہ دراز تک آباد رہے، یہاں تک کہ سیلِ عرم کے باعث اوس وخزرج یمن سے نکل کر یثرب میں قیام پذیر ہوئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ بنی اسرائیل بُخت نصر کے ظلم وتشدد کے باعث یثرب میں آباد ہوئے تھے[1]

علامہ ابن خلدون نے قدرے اختصار کے ساتھ ان واقعات کو اسی طرح بیان کیا ہے[2]

علامہ احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری المتوفی ۲۷۹ھ/۸۹۲ء لکھتے ہیں۔

جب بُخت نصر نے بیت المقدس کو تاخت وتاراج کر دیا اور بنی اسرائیل میں سے بعض کو جلا وطن اور بعض پابند سلاسل کر دیئے، تو جلاوطن بنی اسرائیل کی ایک جماعت حجاز میں وادی القریٰ، تیماء اور یثرب میں آباد ہو گئی۔ یثرب میں جرہم اور عمالیق پہلے آباد تھے، جن کا پیشہ کھیتی باڑی اور باغبانی تھا۔ بنی اسرائیل بھی ان کے ساتھ رہنے سہنے لگے۔ اور ان سے شیر وشکر ہو گئے۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد بڑھتی گئی اور جرہم وعمالیق کی طاقت کمزور ہوتی گئی۔ بالآخر انہیں بزور بازو شہر سے نکال کر بنی اسرائیل قابض ہو گئے[3]

اس روایت کے اعتبار سے یہود کا مدینہ منورہ میں آباد ہونے کا واقعہ ۵۸۶ قبل المسیح کا ہے۔ کیونکہ بُخت نصر نے یروشلم پر حملہ کر کے یہود کو ۵۸۶ ق م میں تباہ وبرباد کیا تھا[4]

عمالقہ جیسی قوی ہیکل اور ناقابل تسخیر قوم پر بنی اسرائیل نے کیسے غلبہ حاصل کیا، اس کی تفصیل امام ابن زبالہ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ علیہ سے اس طرح بیان کرتے ہیں

"قوم عمالقہ مختلف شہروں میں پھیل گئی اور مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور حجاز کے دیگر شہروں میں سکونت اختیار کر لی۔ پھر یہ لوگ سرکشی اور فسق وفجور میں مبتلا ہو گئے، اسی اثنا میں

---

[1] تاریخ ابوالفداء ج ۱: ۱۹۸
[2] کتاب العبر ج ۲: ۸۷، ۸۸۔
[3] فتوح البلدان
[4] دائرہ معارف اسلامیہ اردو ج ۴، عنوان بخت نصر: ۱۲۹

Marfat.com

جب موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرعون پر فتح عطا فرمائی، تو انہوں نے شام پر لشکر کشی کی۔ وہاں بھی فتح و کامرانی نے آپ کی قدم بوسی کی۔ اس کے بعد حجاز میں مقیم قوم عمالقہ کی سرکوبی کے لئے بھی ایک لشکر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ بادشاہ اور رعایا سب کو تہہ تیغ کر دیں۔

چنانچہ وہاں پہنچ کر اسرائیلی فوج نے قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ یہاں تک کہ عمالقہ کے بادشاہ الارقم بن الارقم کو بھی موت کی نیند سلا دیا۔ البتہ شاہی خاندان کے ایک نوجوان کی قابلِ رشک جوانی اور حسن و جمال کو دیکھ اسے قتل کرنے میں توقف کیا اور طے پایا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اس کے متعلق مشورہ کیا جائے اگر وہ اس پری پیکر نوجوان کو قتل کرنے کا ہی حکم دیں تو قتل کر دیا جائے گا۔

جب یہ لشکر فاتحانہ شان و شوکت کے ساتھ ملک شام واپس لوٹا۔ تو اس وقت سیدنا موسیٰ علیہ السلام رحلت فرما چکے تھے۔ تاہم ان کی کامرانی اور ظفر یابی کے باعث لوگ بڑی خوشی اور گرمجوشی سے ان کے استقبال کو نکلے۔ لیکن جب فوج نے اس بات کا انکشاف کیا کہ ایک جواں سال شہزادے کے قتل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ پر موقوف رکھا گیا ہے۔ تو یہ سنتے ہی قوم سیخ پا ہو گئی اور سخت برہم ہو کر کہنے لگی کہ تم نے نبی کے حکم کی صریح نافرمانی کی ہے۔ لہٰذا تمہیں اس ملک میں داخل ہونے کی اجازت ہرگز نہیں دی جائے گی۔ قوم کی ہٹ دھرمی سے مجبور ہو کر وہ لوگ حجاز کی طرف لوٹ گئے اور اپنے مفتوحہ علاقوں میں جا کر برباد ہو گئے۔

چونکہ بنی اسرائیل علم تورات سے بہرہ یاب تھے۔ جس میں انہوں نے خاتم النبیین رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دارالہجرت کے اوصاف میں یہ بھی پڑھا تھا، کہ وہ سرسبز و شاداب شہر ہو گا۔ اس لئے ان کی ایک جماعت نے پہلے تیما میں قیام کیا۔ لیکن جب اسے مذکورہ اوصاف کے مطابق نہ پایا تو کچھ لوگ وہاں مقیم رہے اور باقی خیبر

Marfat.com

میں آباد ہو گئے۔ لیکن وہاں بھی ان اوصاف کا فقدان پا کر ایک جماعت یثرب چلی گئی جس کا محل وقوع تورات کی تصریحات کے مطابق سبزہ نخلستان اور پتھروں کے درمیان دیکھ کر یقین کر لیا کہ یہی مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرت ہو گا۔ یہ نو وارد لوگ خاندان قریظہ اور نضیر سے تعلق رکھتے تھے، جنہوں نے یثرب میں سکونت اختیار کر کے زراعت اور باغبانی کے کام کو فروغ دیا۔ بنو نضیر وادی مُذنیب میں اور بنو قریظہ وادی مَہرو زمیں آباد ہوئے۔[1]

اوس وخزرج کی مدینہ میں آمد

اوس وخزرج کا سلسلہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن حارثہ بن امرئ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن عبداللہ بن الازد بن الغوث بن نبت بن مالک ابن زید بن کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان[2]

امام سہیلی المتوفی ۵۰۸ھ/ نے بھی یہی نسب نامہ بیان کیا ہے[3] اور امام ابن خلدون نے اسی کو اصح قرار دیا ہے[4]

امام عبدالکریم بن ابوبکر السمعانی المتوفی ۵۶۲ھ/۱۱۶۶ء لکھتے ہیں۔

اوس وخزرج اور اہل یمن کا سلسلہ نسب قحطان سے جا ملتا ہے۔ اور وہ سب یعرب بن یشجب بن قحطان کی نسل میں سے تھے۔[5]

اوس وخزرج کے قبائل بھی متعدد بڑے بڑے خاندانوں پر مشتمل تھے اور ہر ایک

---

[1] اخبار مدینہ ۱۲ تا ۱۴۔ روض الانف ج ۲: ۱۹

[2] کتاب الاغانی ج ۱۲: ۱۰۵ جمہرۃ انساب العرب ۳۳۲، ۴۸۴

[3] روض الانف ج ۱: ۱۴۔

[4] کتاب العبر ج ۲: ۲۸۶

[5] الانساب للسمعانی ردیف "ق" ۴۴۴۔

Marfat.com

قبیلہ کثیر التعداد افراد پر مبنی پانچ پانچ خاندانوں پر مشتمل تھا۔ اوس کے پانچ قبائل حسب ذیل تھے۔

عوف بن مالک، عمرو بن مالک اور اسی کو النبیت کہا جاتا تھا۔ مرۃ بن مالک، جُشم بن مالک اور امراؤ القیس بن مالک، ان سب کی والدہ ہند تھی جو اوس کے بھائی فزرج کی بیٹی تھی [1]

خزرج بھی پانچ بڑے قبائل پر مشتمل تھے۔

عمرو بن الخزرج، عوف بن الخزرج، جُشم بن الخزرج، کعب بن الخزرج اور الحارث بن الخزرج اور ان کی نسلیں بھی عظیم خاندانوں میں منقسم ہو چکی تھیں [2] جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ ملک یمن میں "سدِ مآرب" ایک عظیم الشان ڈیم تعمیر کیا گیا تھا جس سے قوم سبا کے باغات اور کھیت سیراب ہوتے اور بے پناہ پھل و غلہ کی پیداوار تھی، ایک روز کا ذکر ہے کہ عمرو مُزیقیا بن عامر بن حارثہ بن ثعلبہ بن امرالقیس بن مازن بن الازد بن غوث بن مالک بن زید کہلان بن سبا بن یشجب بن یعرب بن قحطان نے بند کی دیوار میں چوہے کو سوراخ کرتے دیکھا۔ جس پر اسے بند کے ٹوٹنے کا خطرہ لاحق ہوا۔ اس لئے جان و مال کی حفاظت کے پیش نظر اس نے خفیہ طور پر ہجرت کرنے کی تیاری شروع کر دی طے شدہ پروگرام کے مطابق وہ اپنی آل اولاد کے ساتھ یمن سے چل نکلا اور قبیلہ ازد بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ یہ لوگ عک، نجران اور پھر مکہ مکرمہ میں جا کر آباد ہوئے اس وقت مکہ مکرمہ میں قوم جرہم آباد تھی۔

پھر معاش کی تنگی کے باعث ثعلبہ بن عمرو مزیقیا بن عامر اپنی اولاد حارثہ اور اس کے بیٹوں اوس و خزرج اور دیگر لوگوں کے ہمراہ یثرب میں آ گیا۔ جہاں یہود آباد تھے، یہ لوگ شہر کے باہر اقامت گزین ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعداد میں افزائش بخشی اور انہیں

---

[1] جمہرۃ انساب العرب ۲۳۲، [2] ایضاً ۳۴۶۔

Marfat.com

عزت سے سرفراز کیا۔ ان کی شکوت وسطوت میں اس قدر اضافہ ہوا کہ انہوں نے اپنی قوت بازو سے یہود کو شہر سے نکال دیا اور خود قابض ہو گئے [1]

ابتدا میں اوس وخزرج مدینہ کے باہر قیام پذیر تھے۔ لیکن وہاں بھی معاشی مشکلات سے دوچار ہوئے، نہ تو ان کے قبضہ میں باغات تھے نہ زراعت، نہ ہی ان کے پاس اونٹ تھے اور نہ ہی کوئی اور چیز تھی۔ وہ یہودیوں کے دست نگر ہو کر مظلومیت کے ساتھ وقت گزارتے تھے۔ بالآخر مالک بن عجلان کی حکمت عملی اور خرد و دانش کے باعث شاہ غسان ابو جبیلہ کے ہاتھوں یہود کی بربریت اور معاشی تنگی سے نجات حاصل ہو سکی [2]

علامہ احمد بن ابی یعقوب المتوفی ۲۹۲ھ/ اور علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/ نے بھی یہ روایت نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ عمرو بن عامر یا اس کی بیوی کا ثمن تھی اور اس نے بند کے ٹوٹنے کی پیشین گوئی کی تھی۔ جس کے باعث انہوں نے قلب مکانی کا فیصلہ کیا تھا [3]

امام ابوالولید محمد بن عبداللہ بن احمد الازرقی المتوفی ۲۲۳ھ/ ۸۳۸ء نے بھی اسی طرح یہ روایت بیان کی ہے [4]

امام ابی محمد عبدالملک بن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء مذکورہ واقع بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عمرو بن عامر اور قبیلہ ازد یمن سے نکلنے کے بعد پہلے بلاد عک میں آباد ہوئے وہاں کے باشندوں سے جنگ ہوئی نتیجتاً یہ لوگ مغلوب ہو کر مختلف شہروں کی طرف چل دیئے۔ چنانچہ آل جفنہ بن عمرو بن عامر ملک شام، اوس اور خزرج یثرب میں بغرض امرار میں، ازد السراۃ، سراہ میں اور ازد عمان، بلاد عمان میں آباد ہو گئے تھے [5]

---

[1] فتوح البلدان تاریخ یعقوبی ج ۱: ۱۶۵، اخبار مدینہ: ۱۶ کتاب الاغانی ج ۳: ۱۳ مروج الذہب ج ۲: ۷۰ تا ۷۲

[2] تاریخ یعقوبی ج ۱: ۲۰۳، البدایہ والنہایہ ج ۲: ۱۶۰، ۱۶۱ [3] اخبار مکہ ج ۱: ۹۲ [4] سیرت ابن ہشام نیز اخبار مکہ ج ۱: ۹۴ میں بھی یہ روایت پائی جاتی ہے۔ [5] کتاب الاغانی ج ۱۹: ۹۵-۹۶۔

Marfat.com

جدید تحقیقات کے مطابق مذکورہ ڈیم ٹوٹنے کا واقع ۱۱۵ قبل المسیح کے قریب پیش آیا تھا۔ کیونکہ ملوکِ سبائی ابتدا نویں صدی قبل المسیح اور انتہا ۱۱۵ قبل المسیح ہے[1]۔ بنا بریں اوس وخزرج کا مدینہ میں ورود ۱۱۵ ق م کے قریب ثابت ہوتا ہے۔ جس زمانہ میں قبائل اوس وخزرج یثرب میں وارد ہوئے تو وہاں یہود کے حسب ذیل قبائل آباد تھے۔ بنو قریظہ، بنو نضیر، بنو محم، بنو زعورا، بنو قینقاع، بنو ثعلبہ، بنو عکوہ، بنو ماعصہ، اھل زہرہ، اھل زبالہ، اور اہل یثرب[2]، بنو ماسلہ، بنو لقمعہ، بنو مزایہ، بنو زید اللات اور اہل یثرب جنہیں اہل العیص کہا جاتا ہے[3]۔

امام ابی الفرج الاصبہانی نے جن قبائل کا ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:۔

بنو عکوہ، بنو ثعلبہ، بنو محم، بنو زعورا، بنو قینقاع۔ بنو زید، بنو نضیر، بنو قریظہ، بنو بہدل بنو عوف اور بنو الفصیص[4]، یثرب سے شام تک تمام سرسبز و شاداب بستیوں میں یہود آباد تھے خیبر، فدک، تبوک، تیما، مدین، وادی القریٰ اور حجر وغیرہ، تجارت زرگری، مہاجنی، لین دین اور سودی کاروبار ان کے اہم پیشے تھے[5]۔

یہود نے یثرب میں علمی درسگاہیں بھی قائم کر رکھی تھیں۔ جو "بیت المدارس" کے نام سے مشہور تھیں اور ان میں توراۃ کی تعلیم دی جاتی تھی[5]۔

پُرشکوہ اور مستحکم قلعوں میں محفوظ، جاہ وجلال کے مالک یہود پر مظلوم و مقہور اوس اور خزرج کو کیسے غلبہ حاصل ہوا؟ یہ انقلاب آفرین اور حیرت انگیز داستان قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔

---

[1] ارض القرآن ج ۱ : ۱۸۹ - [2] اخبار مدینہ ۱۷۰ [3] عمدۃ الاخبار : ۲۱ -

[4] ارض القرآن ۳۱۴ - ۳۱۵ [5] بخاری شریف ج ۲ : ۱۰۲۷

[6] کتاب الاغانی ج ۱۹ : ۹۵ - ابن اثیر ج ۱ : ۲۷۵

Marfat.com

یہود صاحب ثروت وصاحبِ اقتدار تھے۔ مال ودولت کی فراوانی نے انہیں درندہ صفت بنا دیا تھا۔ شرافت واخلاق سے بے نیاز ہوکر اوس وخزرج کی مظلوم عورتوں کی عزت وناموس سے کھیلنا ان کا محبوب مشغلہ تھا اور اپنے اس فعل بد پر فخر محسوس کرتے تھے۔ ان کا ایک رئیس فطیُون سخت بدکار اور بدمعاش تھا۔ اوس وخزرج کی کوئی دوشیزہ شبِ زفاف اس کے پاس بسر کئے بغیر اپنے شوہر کے گھر نہیں جا سکتی تھی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اوس وخزرج کے سردار مالک بن عجلان کی بہن عین شادی کے دن گھر سے بالکل ننگی ہو کر بھائی کے سامنے سے گزری۔ یہ منظر دیکھ کر مالک شرم کے مارے پانی پانی ہوگیا۔ اور غیض وغضب سے آگ بگولا ہو کر بہن کے پاس آیا۔ اسے ملامت کرنے لگا۔ لیکن بہن نے جواب میں کہا کہ کل جو کچھ میرے پیش آنے والا ہے کیا اس سے بھی میری یہ حرکت زیادہ بری ہے

مالک بن عجلان نے بہن کا جواب سن کر دل ہی دل میں فطیون کے قتل کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ دوسرے روز حسب دستور جب اس کی بہن دلہن بن کر فطیون کی خلوت گاہ میں گئی تو وہ بھی زنانہ لباس پہن کر سہیلیوں کے ساتھ اندر چلا گیا اور موقع پا کر فطیون کو قتل کر دیا۔[1]

علاوہ ازیں اوس اور خزرج کے قبضہ میں نہ کاشت کاری تھی اور نہ ہی چراگاہیں، جس کی وجہ سے ان کی گذران سخت تنگ تھی۔ چنانچہ اس واقعہ کے بعد مالک بن عجلان نے ایک وفد اپنے ہم نسب شاہ غسان ابوجبیلہ بن جفنہ بن عمرو بن عامر کے پاس اردن بھیجا۔ جس نے شاہ کو اپنی قوم کی معاشی زبوں حالی اور یہود کے جور وستم کی دلگداز داستان سنائی اور اس سے مدد طلب کی۔ بعض روایات میں ہے کہ مالک بن عجلان، فطیون یہودی کو قتل کر کے وفد کے ساتھ خود شاہ غسان کے پاس گیا اور اسے واقعات سے آگاہ کیا تھا۔

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱: ۱۲۶: ۱۲۷ کامل ابن اثیر ج ۱: ۲۷۶۔

Marfat.com

مالک بن عجلان کی درد بھری داستان سن کر شاہ غسان نے اسے بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور یہود کو نیست و نابود کرنے کی تیاری میں مصروف ہو گیا، چند دن بعد ایک لشکر جرار کے ساتھ مدینہ منورہ کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچ کر شہر سے باہر جبل اُحد کے شمال مغرب میں "ذی حُرُض" کے مقام پر خیمہ زن ہوا۔

ادھر یہود لشکر کی آمد کی اطلاع ملتے ہی قلعہ بند ہو گئے۔ مگر ابو جبیلہ نے کمال دانشمندی اور عقلمندی سے کام لیا اور یہود کو دام فریب میں پھنسانے کے لئے ایک عالیشان مکان بنوایا جس میں بے حد پُرتکلف دعوت کا انتظام کیا اور اوس و خزرج کو بیشبہا قیمتی تحفے عطا کئے۔ پھر یہود کے رؤسا کو بھی دعوت دی وہ لالچ و طمع کا شکار ہو کر شاہ غسان کے دام میں خود آ گئے۔ اس نے ایک ایک سردار کو چن چن کر قتل کیا۔ اس طرح تین سو پچاسی نامور سردار موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، جس سے یہود کی شان و شوکت خاک میں مل گئی[1]

بچے کھچے سرداروں کو مالک بن عجلان نے تہ تیغ کر دیا۔ اور عام لوگ جو زندہ بچے انہوں نے مدینہ سے بھاگ جانے میں عافیت سمجھی اور بعض نے اوس و خزرج سے امان طلب کی اور ان کے دست نگر ہو کر مدینہ میں رہنا گوارا کر لیا۔

اس طرح مدینہ میں اوس و خزرج کی حکومت کا سورج طلوع ہوا۔ اور انہیں ہر لحاظ سے سکون و طمانیت نصیب ہوئی، یہود کی کمر ٹوٹ گئی اور ان کی تعداد انتہائی کم ہو گئی۔ اب جو گردشِ ایام نے پلٹا کھایا تو ذلت و رسوائی، تباہی اور بربادی یہود کا مقدر بن گئی اور عزت و ثروت اور شکوت و توانائی اوس و خزرج کے قدم چومنے لگی۔

ان ہر دو خاندانوں نے متعدد قلعے تعمیر کر لئے اور عرصہ تک اتفاق و اتحاد اور یگانگت کے ساتھ خوشحالی اور فارغ البالی سے پُرلطف زندگی گزارتے رہے۔ لیکن بعد میں وہ بھی انتشار

---

[1] معجم البلدان ج ۷ : ۴۲۸، وفاء الوفا ج ۱ : ۱۲۶-۱۲۷-

Marfat.com

افتراق اور خانہ جنگی کا شکار ہو گئے۔ اپنی تمام تر توانائی اور نامور سردار باہمی جنگ و جدال میں تباہ کر دیئے۔ ان کی سب سے آخری اور انتہائی تباہ کن جنگ "بعاث" کے نام سے مشہور ہے، جس میں دونوں خاندان تباہ و برباد ہوئے، بالآخر جنگ سے چور چور بچے کھچے لوگ آپس میں صلح کرنے پر مجبور ہو گئے اور طے پایا کہ کسی ایک سردار کو دونوں خاندان متفقہ طور پر بادشاہ تسلیم کر کے امن و آشتی اور راحت و رافت کی زندگی بسر کریں چنانچہ قبیلہ عوف بن خزرج کے رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول پر دونوں قبائل متفق ہو گئے۔ اور اس کی تاج پوشی کے لئے جشن منانے کی تیاریاں کرنے لگے۔[1]

اوس وخزرج میں بھی تاج پوشی کا رواج تھا اور رئیس تاج کے ساتھ کچھ پٹیاں بھی استعمال کرتا تھا۔ جیسا کہ سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیان سے واضح ہوتا ہے۔

"اس شہر کے باشندوں نے فیصلہ کر لیا کہ اس (ابن ابی) کو تاج پہنا دیں اور اسے سلطنت کی پٹی باندھیں۔[2]

امام ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

"یعنی رئیس کو مصعب کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سر پر ایک پٹی علامت کے طور پر ہوتی تھی جو دوسرے نہیں باندھ سکتے تھے۔[3]"

علامہ عینی اس روایت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

"پٹی باندھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے بادشاہ ہونے کا عمامہ باندھا جائے۔"[4]

اوس اور خزرج اگرچہ مشرک اور بت پرست تھے۔ مگر یہود کے ساتھ میل جول کی وجہ سے کتب آسمانی اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے تذکرہ سے آشنا تھے، یہود سے

---

[1] سیرت ابن ہشام عنوان یثرب میں اسلام کا آغاز [2] صحیح بخاری ج ۲: ۶۵۶ باب قولہ ولتسمعن اوتوا الکتٰب [3] فتح الباری ج ۸: ۱۷۴ [4] عمدۃ القاری ج ۸: ۵۳۴۔

Marfat.com

رقابت و عداوت کے باوجود ان کے علمی فضل و کمال کے قائل تھے۔ یہود کا جب کبھی اوس و خزرج سے جھگڑا ہوتا تو وہ دھمکی دیتے کہ عنقریب نبی آخر الزمان مبعوث ہونے والے ہیں پھر ہم ان کے ساتھ مل کر تمہیں قوم عاد و ارم کی طرح تباہ و برباد کر دیں گے[1]

امام زین الدین مراغی لکھتے ہیں کہ اوس اور خزرج کے درمیان ایک سو بیس سال تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا[2]

قبائل اوس و خزرج

مدینہ منورہ میں اوس و خزرج کے قبائل کی تعداد بہت زیادہ تھی جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

اوس کے قبائل:- بنو عبدالاشہل بن جشم بن الحارث اور بنو حارثہ بن الخزرج الاصغر بن عمرو بن مالک بن اوس حرہ شرقیہ کی سمت مقیم تھے، جہاں ان کے مکانات اور قلعے پائے جاتے تھے۔

بنو ظفر جو کعب بن الخزرج الاصغر میں سے تھے بقیع کے مشرق میں آباد تھے جہاں ان کی مسجد البغلہ مشہور ہے۔ ان کے قریب ہی بنو خیم زعور بن جشم آباد تھے۔

بنو عمرو بن عوف بن مالک بن الاوس قبا میں آباد تھے اور ان کی بہت سی شاخیں تھیں، بنو معاویہ بن مالک بقیع الغرقد کے پیچھے مسجد اجابہ کے قریب آباد تھے، امراء القیس بن مالک بن اوس کے بیٹے واقف اور بنو اسلم مسجد فضیخ کے قبلہ سمت آباد تھے اور بنو سعد بن مرہ بن مالک بن اوس رانج میں آباد تھے[3]

---

[1] سیرت ابن ہشام عنوان یثرب میں اسلام کی ابتدا۔ [2] معالم دار الہجرہ: ۲۴۔

[3] عمدۃ الاخبار: ۲۶ تا ۲۸۔

Marfat.com

خزرج کے قبائل بنو حارث بن خزرج الاکبر، وادی بطحان کے مشرق میں جبکہ حارث کے بیٹے جشم اور زید شنخ میں آباد تھے، بنو حطمہ وادی بطحان کے مغرب میں، بنو حدارہ بن عوف بن الحارث، جرار سعد شامی میں، بنو حدرہ بن عوف بن حارث، بصہ کے قریب (بصہ کا موجودہ نام بوصہ ہے اور باب العوالی کے قریب واقع ہے) بنو سالم اور بنو غنم بن عوف بن عمر بن عوف بن الخزرج الاکبر حرہ غربیہ کی جانب مسجد جمعہ کے قریب آباد تھے، اس جگہ ان کا ایک قلعہ القوافل کے نام سے مشہور تھا، جو مسجد نبی عطیہ کے پاس قبا میں واقع تھا۔

بنو سلمہ بن سعد بن علی بن اسد بن شاردہ بن تزید، مسجد قبلتین اور اطم بنی حرام کے درمیان آباد تھے۔ بنو سواد بن غنم بن سلمہ مسجد قبلتین کے پاس آباد تھے، اور بنو عبید بن عدی بن غنم بن کعب بن سلمہ، مسجد خربہ کے قریب پہاڑ کی جانب اور بنو حرام بن کعب بن غنم بن کعب بن سلمہ، قاع کے مقام پر آباد تھے، بنو وقش اور بنو عنان جو ثعلبہ بن ظریف بن الخزرج کی شاخیں تھیں، مسجد رأیہ کے قریب آباد تھے۔ بنو مالک بن النجار اور بنو غنم بن مالک مسجد نبوی کے مشرق میں آباد تھے۔[1]

تفصیل کے لئے عمدۃ الاخبار اور وفاء الوفا جلد اول فصل پنجم کی طرف رجوع فرمائیں۔

مہاجرین کے قبائل بنو غفار بن ملیل بن ضمرہ بن عبدِ مناف بن کنانہ، بنو غفار بن لیث بن بکر۔ بنو عمر بن معمر بن لیث۔ بنو رحیل بن نعیم۔ بنو عتوارہ بن لیث، بنو ضمرۃ بن بکر، بنو الدیل بن بکر۔ بنو اسلم و بنو مالک جو اقصی بن حارثہ بن عمرو بن عامر کی اولاد سے تھے۔ بنو امیہ، بنو سہم، بنو ھذیر بن لاطم بن عثمان بن عمرو۔ بنو مزینہ بنو ذکوان۔ بنو اوس بن عثمان بن مزینہ، بنو عامر بن ثور بن ثعلبہ۔ بنو جہینہ بن زید بن السود

---

[1] عمدۃ الاخبار: ۲۹ تا ۳۲۔

Marfat.com

بن الحرث، بنو جشم بن معاویہ، بنو مالک بن حماد۔ بنو کعب بن عمرو اور بنو المصطلق وغیرہ[1]

مزید تفصیل کے لئے وفاء الوفاء جلد اول فصل ۳۷۔ اور المدینہ میں الماضی والحاضر عنوان ساحل المھاجرین ملاحظہ فرمائیں۔

دور حاضر کے قبائل

مدینہ کریمہ میں اس وقت حسب ذیل قبائل آباد ہیں۔

قبیلہ مطیر، قبیلہ عتیبہ، قبیلہ جہینہ، قبیلہ بنی تمیم، قبیلہ بنی عطیہ، قبیلہ نبی شہر، قبیلہ زہران اور قبیلہ غامد۔ ان کے علاوہ قبیلہ حرب کی بہت سی شاخیں بھی آباد ہیں[2]

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۵۴۷۔

[2] المدینہ ۱۰۰۰۰ الیوم: ۳۱۲۔

Marfat.com

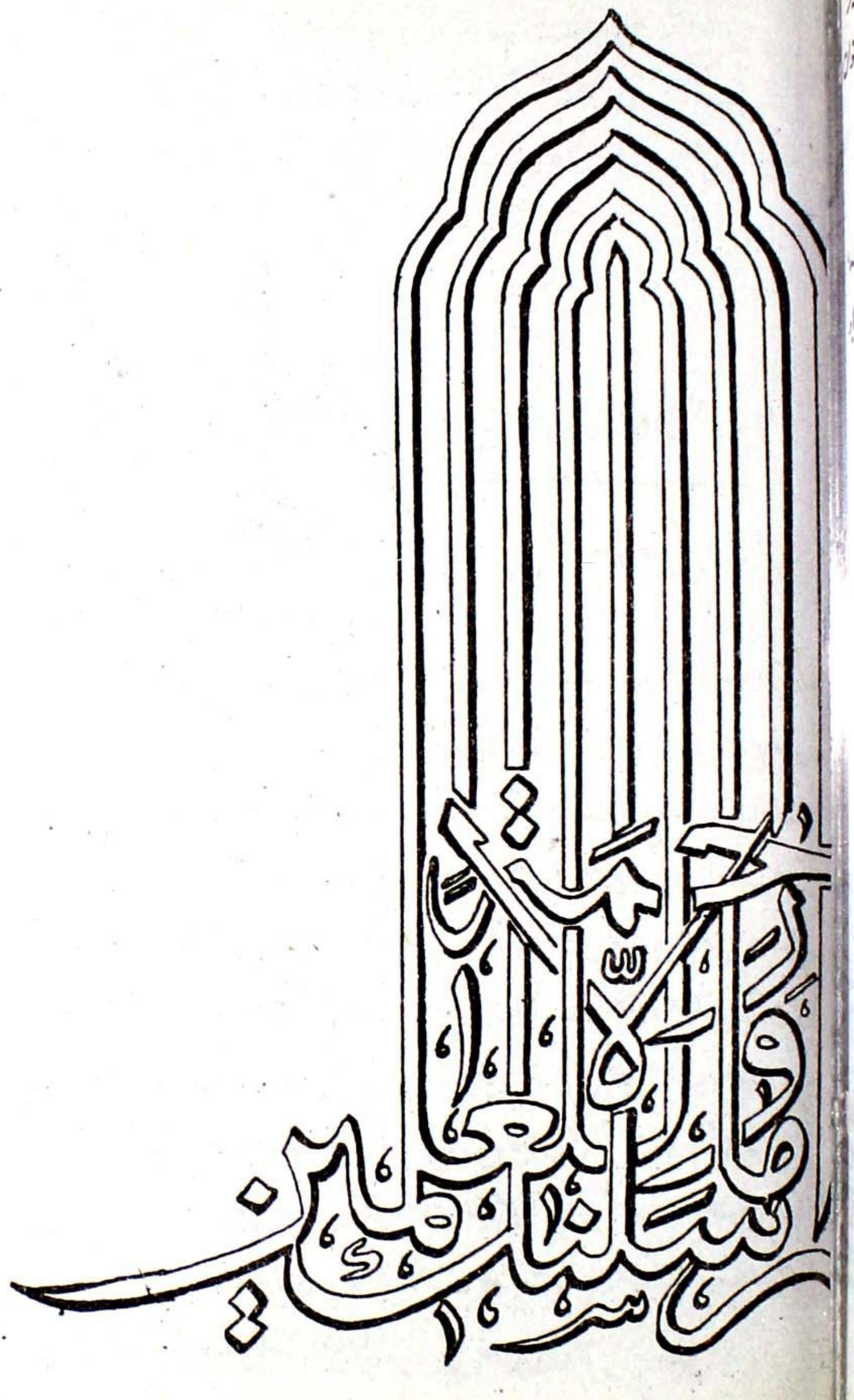

Marfat.com

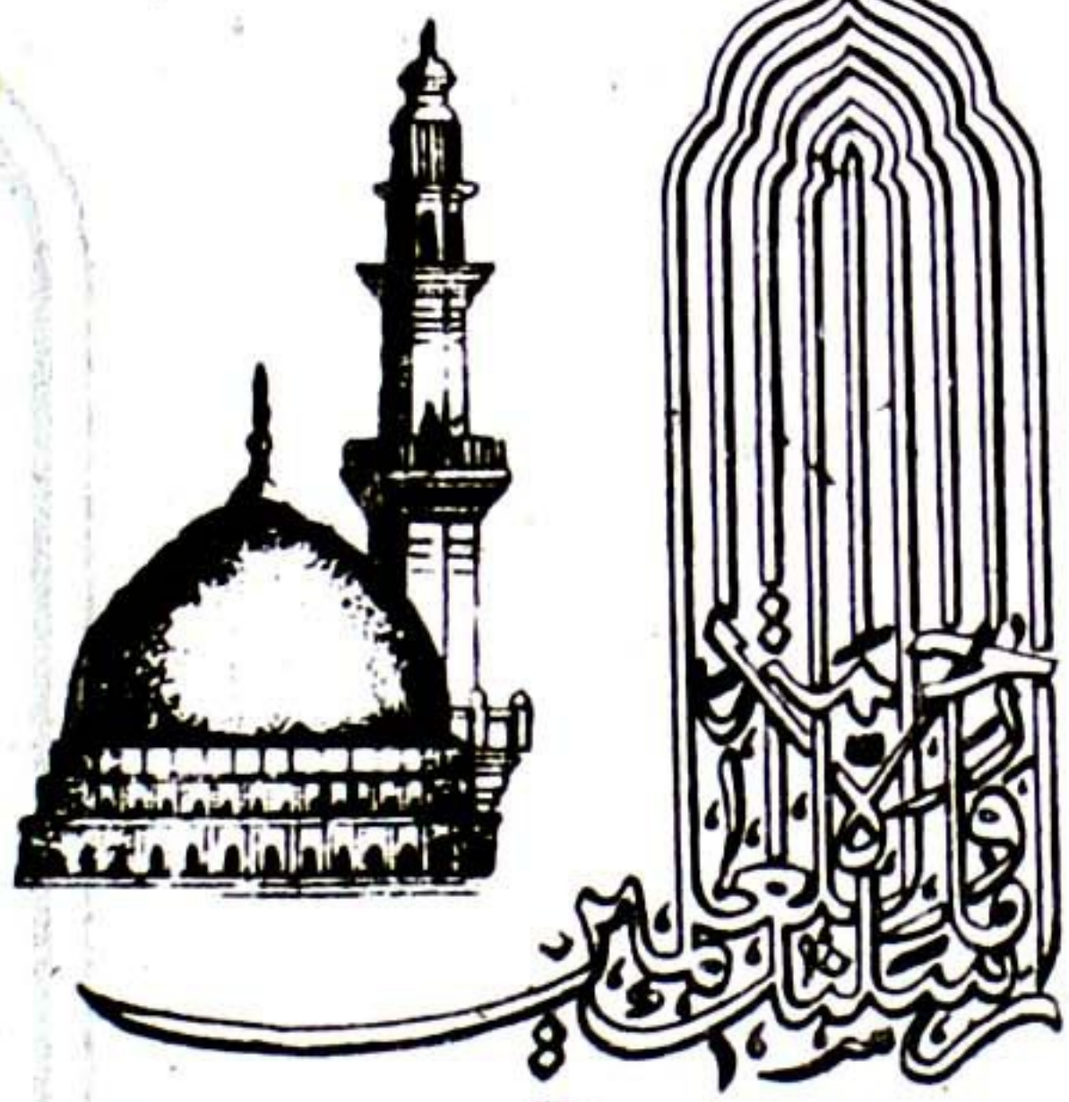

مدینہ منورہ زادھا اللہ تنویرا

میں اسلام کی ابتدار

رحمتِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت کفر و شرک اور پرستش غیر اللہ کی تاریکی نے فہم و فراست کے چراغ گُل کر رکھے تھے، انسانی ذہن عجائباتِ عالم کی رنگینیوں میں گم تھے. نگارستانِ عالم کی چمک دمک نے چشمِ بصیرت کو خیرہ کر رکھا تھا. غور و فکر کی جولانیاں محسوسات کی چار دیواری میں بند تھیں اور عقل کی بلند پروازیاں، ادراکِ ماوراء سے ناآشنا اور حریمِ معرفت سے کوسوں دور تھیں. قریش ہی نہیں پوری دنیا پر جہالت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں کہ دفعتہً افقِ مکہ پر برقِ تجلی کی تابانی نے نورِ حق کا اجلا کر دیا. لیکن ابھی آفتاب عالمتابِ رسالت کی کرنیں پھوٹی ہی تھیں کہ خیرہ چشموں کی آنکھیں تاب نظارہ نہ لا سکیں اور ہر جانب سے ظلم و ستم کے بادل اُمڈ آئے، تاکہ نورِ حق کی روح پرور روشنی کو کفر و شرک کے سیاہ اندھیروں میں چھپا دیں. یعنی رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ توحید کی ابتداء ہی سے مخالفت کے طوفان بپا ہو گئے. مگر سیلِ صداقت برابر بڑھتا گیا جس نے سرزمین عرب کے گوشے گوشے کو بقعۂ نور بنا دیا

Marfat.com

لطافتِ طبع، رقتِ قلب اور اثر پذیری نیک سرشت انسان کے اصلی جوہر ہیں اور انہی کے ذریعہ وہ نید ونصائح تعلیم وتربیت اور ارشاد وہدایت قبول کر سکتا ہے. جس طرح پھول کی پنکھڑیاں نسیم صبح کی خاموش حرکت سے بھی ہل جاتی ہیں مگر تناور درخت کو باد صرصر بھی ہلا نہیں سکتی. شعاع نگاہ آئینہ کے اندر سے گزر جاتی ہے. لیکن پہاڑ میں فولادی تیز بھی نفوذ نہیں کرتا. بعینہ یہی حال انسان کا بھی ہے مکہ کے سنگدل، غلیظ القلب اور جاہل لوگوں پر بڑے بڑے معجزات بھی اثر انداز نہ ہو سکے. لیکن روس اور خزرج جنہیں قدرت نے لطافتِ طبع، رقت قلبی اور جبلی اثر پذیری کے جوہر تابدار سے نوازا تھا. رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر نے انہیں نکھارا. اور آن واحد میں انہیں کائنات کی آنکھ کا تارا بنا دیا.

رحمت للعالمین فخرِ کون ومکاں سرورِ زمین وزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی ایمان پرور صدا جہار وانگ عالم میں پہنچانے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار فرمائی. حج کے عالمی اجتماع سے بھی آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا. اور دور دراز شہروں اور ملکوں سے آئے ہوئے مختلف قبائل کی قیام گاہوں میں جاکر انہیں توحید وتفرید اور صدق واخلاص کی دعوت دینے کا معمول بنا رکھا تھا.

اسی دوران مدبّر عالم اور کارساز تکوینیات نے اوس وخزرج کو معاشی اور اقتصادی پس ماندگی سے دوچار کر دیا. جس کے باعث وہ قریش سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گئے. نبوت کے گیارہویں سال کا تذکرہ ہے کہ قبیلہ بنو عبدالاشہل کے کچھ لوگ حج کے موقع پر مکہ مکرمہ آئے. اور قریش سے مذاکرات شروع کیئے. اسی اثنا میں ایک رات رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم گھٹاٹوپ اندھیرے میں شمع رسالت فروزاں کرنے کی غرض سے عَقَبَہ کے مقام سے گزرے جہاں کچھ دل کش ودل آویز آوازیں سنائی دیں، وہ لوگ یثرب سے آئے ہوئے خزرج کے چشم وچراغ تھے. حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے. چند تعارفی جملوں کے بعد ہادیٔ کل، ختم رسل، دانائے سُبل صلی اللہ علیہ وسلم نے آیاتِ قرآنیہ کی پُرکیف ووجد آفریں تلاوت

Marfat.com

سے ان کے قلوب کو گرمایا اور دعوت اسلام پیش فرمائی.

یہ لوگ اپنے ہم وطن یہود سے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور فضل و کمالات کا ذکر سنتے رہتے تھے. ان کے دل ضد و عناد، تمرد و مخالفت سے خالی اور ان کی زمین قلب توحید و رسالت کی تخم ریزی کے لئے ہموار اور تیار تھی.

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین سن کر تھوڑی سی دیر کے لئے استعجاب میں پڑھ گئے. کیا یہی وہ سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں. جن سے یہود ہمیں ڈرایا کرتے ہیں. کہ امروز و فردا آفتاب رسالت طلوع ہونے کو ہے جس کے سایہ عاطفت میں ہم اوس و خزرج کو تہس نہس کر دیں گے، پھر باہم مخاطب ہو کر کہنے لگے اس دولت غیر مترقبہ کو حاصل کرنے کے لئے سوچ و بچار اور تاخیر سے قطع نظر نور اسلام اور متاع ایمان حاصل کرنے میں جلدی کرنی چاہیے. تاکہ یہود ہم سب سے پہلے ایمان کی دولت سے مالا مال نہ ہونے پائیں. یہ کہتے ہوئے سب یک زبان ہو کر توحید خداوندی کی نغمہ سرائی کرنے لگے.

یہ لوگ قریش کے ساتھ مادی اور معاشی معاہدہ کر کے دنیوی جاہ و جلال اور مال و منال سے بہرہ یاب تو نہ ہو سکے. لیکن تاجدار مدینہ، جنت کے والی صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست پر ایمان کی بیعت کر کے دو جہاں کی شاہی کی لازوال نعمت سے سرفراز ہو گئے[1]

اس تاریخ ساز و انقلاب انگیز موقع پر سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اپنے آقا کے ہم رکاب تھے. فلک رسالت پہ طلوع ہونے والے درخشندہ و تابندہ ستارے ان ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں.

(۱) ابو امامہ بن اسعد بن زرارہ بن عدس بن عبید بن ثعلبہ بن غنم بن مالک بن النجار

(۲) عوف بن الحارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک بن غنم بن مالک بن النجار

---

[1] سیرت ابن ہشام طبقات ابن سعد ج ۱، ۲۱۷، ۲۱۹

Marfat.com

(۳) رافع بن مالک بن العجلان بن عمرو بن سریق

(۴) قطبہ بن عامر بن حدیدہ بن عمرو بن غنم بن سواد بن غنم بن کعب بن سلمہ

(۵) عقبہ بن عامر بن نابی بن زید بن حرام بن کعب بن سلمہ السلمی

(۶) جابر بن عبداللہ بن رئاب بن النمان بن سنان[1]

یہ قدسی نفوس قافلہ جب وطن مالوف پہنچا تو ہر کس وناکس کو یہ ایمان افروز مژدہ سنایا کہ وہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں۔ جن کے انتظار میں سارا عالم چشم براہ تھا ہم نے ان کے چہرۂ انور کے نورِ تاباں سے اپنی آنکھیں منور کیں۔ ہمارے دلوں کو ان کے رخِ زیبا کے دیدار سے سرور نصیب ہوا اور ہمارے کان اُن کے معجز نما کلام سے لطف اندوز ہوئے۔ جب ان حضرات نے اہل وطن کو اس روح پرور اور فرحت انگیز بشارت سے روشناس کیا۔ تو پھر گھر گھر میں آپ کا ذکر خیر ہونے لگا۔ ان کی شبانہ روز تبلیغ سے آمدہ سال دوگنی تعداد میں شمع رسالت کے پروانے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

بیعت عقبہ سنہ ۱۲ نبوی

جب دوسرا سال آیا تو اوس وخزرج کے بارہ نقباء سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر بار میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ ان حضرات نے ایمان کی سعادت سے بہرہ یاب ہو کر دین حق کی حمایت اور اعانت کا عہد کیا[2]

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھی ان نقیبوں میں شامل تھا محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دستِ حق پرست پر عقبہ کی شب بیعت سے مشرف ہوئے۔ کہ ہم آپ سے جنت کے وعدہ پر بیعت کرتے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ چوری اور زنا نہیں کریں گے۔ قتل وغارت گری کے قریب نہیں جائیں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ : ۱۴۹ [2] ایضاً

Marfat.com

گے اور آپ کی نافرمانی نہیں کریں گے اگر ہم اس پر کاربند رہے تو جنت کی ابدی نعمتیں ملیں گی اور خلاف ورزی کی صورت میں فیصلہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے[1]

مدینہ منورہ کے نومسلم حضرات کی تعلیم و تربیت اور مسائل کی رہنمائی کے لئے آپؐ نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وفد کے ساتھ روانہ فرمایا۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ مکہ مکرمہ کے مسلمانوں میں سے سب سے پہلے سیدنا مصعب بن عمیر اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما مدینہ باسکینہ میں تشریف فرما ہوئے جو لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے[2]

مورخین نے اس واقعہ کی تفصیلات اس طرح بیان کی ہیں۔

ان بارہ نجباء میں پانچ حضرات وہی تھے جو گزشتہ سال ایمان لانے والی چھ انصاری صحابہ کی جماعت میں شامل تھے اور سات نئے افراد تھے۔ جن کے اسماء حسب ذیل ہیں۔

(۱) اسعد بن زرارہ (۲) عوف بن الحارث (۳) رافع بن مالک (۴) قطبہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس سال جابر بن عبداللہ بن رباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف نہیں لائے تھے۔ (۶) ذکوان بن عبدالقیس بن خلدہ بن مخلد بن عامر بن زریق (۷) عبادہ بن صامت بن قیس بن اصرم بن فہر (۸) یزید بن ثعلبہ بن خزمہ بن اصرم بن عمرو (۹) عباس بن عبادہ بن نضلہ بن مالک بن عجلان (۱۰) ابوالہیثم بن التیہان (۱۱) عویم بن ساعدہ (۱۲) معاذ بن حارث بن رفاعہ بن سواد بن مالک۔

جب یہ لوگ بیعت سے مشرف ہو کر وطن واپس ہونے لگے تو معلم اعظم ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآنی تعلیمات اور اسلامی احکامات سکھانے کے لئے ان کی طلب پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمراہ کیا۔ موصوف ہاشم کو پوتے اور سابقین اول

---

[1] بخاری شریف ج ۱ : ۵۵۰ [2] ایضاً : ۵۵۸

Marfat.com

مہاجرین میں سے تھے۔ غزوہ بدر میں اسلامی لشکر کے یہی علمبردار تھے۔۔

مدینہ منورہ پہنچ کر سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر فروکش ہوئے۔ سیدنا مصعب بن عمیر نے تبلیغ اسلام شروع کر دی۔ اور مسلمانوں کی نماز باجماعت کا انتظام بھی کیا۔ اس طرح مدینہ منورہ کی تاریخ میں مسلمانوں کی "امامت" کا اعزاز سب سے پہلے انہی کو نصیب ہو۔

حضرت مصعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تبلیغ کا حلقہ روز بروز بڑھتا گیا۔ اسلام کے محاسن بیان کرتے اور قرآن مجید کی دل آویز تلاوت سے لوگوں کے دلوں کو مسحور کرتے۔ قبا تک گھر گھر اسلام کا چرچا ہونے لگا۔ اور روزانہ ایک دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے۔ آپ کی تقریر دل پذیر سن کر قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی اسلام کے شیدائی بن گئے۔ جن کے اثر و رسوخ سے ان کا پورا قبیلہ عبدالاشہل حلقہ بگوش اسلام ہوا[1]

مدینہ منورہ میں جمعہ کا قیام

مدینہ باسکینہ میں جب نماز باجماعت کا انتظام ہو گیا۔ تو نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نماز جمعہ ادا کرنے کی ترغیب دی۔ جیسا کہ امام ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ھ دار قطنی کے حوالہ سے سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نقل کرتے ہیں۔ کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک تحریر کے ذریعہ ارشاد فرمایا کہ مدینہ کے مسلمانوں کو یکجا جمع کر کے نماز جمعہ پڑھانا شروع کر دیں[2]

لیکن امام سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء فرماتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ سیدنا اسعدؓ بن زرارہ نے جمعہ قائم کیا اور یہی قول صحیح ہے[3]

---

[1] سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد

[2] الروض الانف ج ۱ : ۲۶۹

[3] البدایہ والنہایہ ج ۳، ۱۵۱

Marfat.com

اور دوسری روایات سے بھی اس قول کی تائید ہوتی ہے. جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔

"ابتداء میں جب سیدنا اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ شروع کیا تو عموماً چالیس صحابہ اس میں شرکت کرتے تھے. بعد میں یہ تعداد بتدریج بڑھتی گئی. سیدنا اسعد بن زرارہؓ کے اس ناقابل فراموش کارنامہ پر سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تازیست انہیں نیک دعاؤں سے نوازتے رہے. نماز جمعہ کا اولیں قیام نقیع کے علاقہ میں حرہ بنی بیاضہ میں ہوا جسے "الخضمات" کہا جاتا ہے[1]

بعد ازاں جب رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کریمہ میں جلوہ افروز ہوئے تو آپ نے پہلی مرتبہ نماز جمعہ قبیلہ بنو سالم میں ادا فرمائی. جبکہ عرب کی تاریخ میں آپ کے اجداد میں سے کعب بن لوی نے ابتداءً مکہ مکرمہ میں جمعہ قائم کیا اور خطبہ دیا جس میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت سنائی تھی[2]

بیعت عقبہ ثانیہ

سن ۱۳ نبوی میں سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی سال بھر کی کارگزاری بارگاہ رسالت مآب میں پیش کرنے اور حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ۷۳، قدسی نفوس کے جلو میں مکہ مکرمہ تشریف لائے. وہاں پہنچ کر اپنی آمد کی اطلاع کے ساتھ دیدارِ رخِ زیبا کی درخواست بھی پیش کی. سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق میں منیٰ کی اس مبارک گھاٹی پر شب کو ملنے کا وعدہ فرمایا. جہاں گزشتہ سال بارہ نقباء بیعت سے شرف بار ہوئے تھے. چنانچہ یہ لوگ حسب وعدہ ۱۲ ذوالحجہ کو دو تہائی شب گزر جانے پر مقام موعود پر پہنچ گئے[3]

---

[1] السنن الکبریٰ ج ۳ ، ۱۷۷ / دار قطنی ج ۲ ، ۶

[2] روض الانف ج ۱ : ۲۶۹

[3] البدایہ والنہایہ ج ۳ : ۲۰۷

Marfat.com

اور طلوع جمالِ جہاں آرا سید الانبیاء علیہ التحیات والثناء کا انتظار کرنے لگے. تھوڑی ہی دیر میں محبوب انس وجان صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عمِ مکرم عباس کی معیت میں رونق افروز ہوئے. حضرت عباس اگرچہ اس وقت تک مشرف باسلام نہیں ہوئے تھے. لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت وحمایت کو بے حد محبوب رکھتے تھے. بیٹھتے ہی انصار سے مخاطب ہو کر کہنے لگے. کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی قوم میں نہایت عزت اور وقعت والے ہیں. اور ہم ان کے حامی اور مددگار ہیں، اب وہ تمہارے یہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اگر تم لوگ ان کی پوری طرح حمایت اور حفاظت کا حق ادا کر سکو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہنے کا وعدہ کرو، تو بہتر ورنہ ابھی سے صاف جواب دے دو.

انصار بادِ وقار نے جواباً عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم بسر وچشم حاضر ہیں. آپ اپنے لئے اور خداوند تعالیٰ کے لئے جو چاہیں ہم سے عہد لیں.

آپ نے فرمایا، میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں. پھر اسلام پیش کیا اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا. کہ اللہ تعالیٰ کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ اس کی عبادت اور بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ[1]

اپنے اور اپنے جانثار صحابہؓ کے لئے یہ چاہتا ہوں کہ ہمیں ٹھکانہ دو اور جس طرح تم اپنی اور اپنے بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح ہماری بھی حفاظت کرو. اور خوشی ہو یا رنج، راحت ہو یا کلفت، افلاس ہو یا تونگری ہر حال میں میری اطاعت کرو. اور جو کچھ میں کہوں اسے سنو،

انصار ابرار نے عرض کیا. اگر ہم یہ سب کچھ کر گزریں تو ہمیں اس کا صلہ کیا ملے گا؟ اس کے جواب میں سرورِ کون ومکان سلطانِ زمین وزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. اس کے بدلے تمہیں جنت کی لازوال نعمتیں ملیں گی، انصار بادِ وقار نے یہ سب کچھ بسر وچشم قبول کیا اور بیعت

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳ : ۱۶۰

Marfat.com

سے شرف بار ہوئے[1]

اس موقع پر ابو الہیثم بن تیہان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔ یہود کے ساتھ ہمارے تعلقات پہلے سے چلے آرہے ہیں۔ مگر اس بیعت کے بعد وہ منقطع ہو جائیں گے۔ اس لئے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ فتح و نصرت سے ظفر یاب فرمائے، تو آپ ہمیں تڑپتا چھوڑ کر مکہ مکرمہ واپس ہو جائیں۔ یہ سن کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ تمہاری جان میری جان ہے۔ جس سے تمہاری جنگ ہے اس سے میری جنگ ہے۔ جس سے تمہاری صلح ہوگی اس سے میری صلح۔ اب تم میرے اور میں تمہارا ہوں[2]

اس پر سب نے نہایت رضا اور رغبت کے ساتھ بیعت کر لی۔ اوس اور خزرج کے اس فقید المثال تعاون اور نصرت کے باعث رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں "انصار" کے لقب سے نوازا۔

نقباء کا انتخاب

بیعت سے فارغ ہو کر فرمایا کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل میں سے بارہ نقیب منتخب کئے تھے۔ میں بھی جبرئیل آمین کے کہنے پر تم میں سے بارہ نقیب چنتا ہوں۔ انتخاب کے بعد نقباء سے فرمایا۔ تم اپنی قوم کے کفیل اور ذمہ دار ہو۔ جیسے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین کفیل تھے۔ نقباء کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

اسعد بن زرارہ، عبد اللہ رواحہ، سعد بن الربیع، رافع بن مالک، ابو جابر عبد اللہ عمرو، براء بن معرور، سعد بن عبادہ۔ منذر بن عمرو، عباد بن صامت، السید بن حضیر، سعد بن خیثمہ اور رفاعہ بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم[3]

---

[1] ایضاً، مسند احمد ج ۱۹: ۲۷۲، ۲۷۳

[2] ۲۷۳ تا ۲۷۴ الدرر المنتثرہ ج ۲: ۱۹

[3] طبقات ابن سعد، البدایہ والنہایہ ج ۳: ۱۶۱ مسند احمد ج ۱۹

Marfat.com

یہ عظیم المرتبت اور جلیل القدر قافلہ بیعت وارشاد اور عہد و پیماں سے فارغ ہو کر وطن واپس ہونے لگا۔ تو بے حد ادب و احترام کے ساتھ یہ درخواست مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ معارف پناہ میں پیش کی۔ کہ اگر آپ ہمارے ہاں قدم رنجہ فرما ہوں تو "چشم ما روشن دل ما شاد" ہم دل و جان سے آپ پر فدا ہیں۔

آپ یوں شگفتہ دہن ہوئے۔

"ابھی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکہ معظمہ چھوڑنے کی اجازت نہیں ملی۔ اور نہ ہی ہجرت کی جگہ صراحتاً بتائی گئی ہے۔ جس وقت اور جس جگہ کا حکم ہو گا۔ میں ہجرت کروں گا" انہی الفاظ کے ساتھ انصار باوقار کو الوداع کیا[1]

دُرفشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا
دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا
خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

(اکبر الہ آبادی)

[1] طبقات ابن سعد

Marfat.com

ہجرت مدینہ باسکینہ

تیرہ سال کا جاں گداز عرصہ کفار نابکار کے ظلم و تشدد سہتے گزر گئے، دعوت حق کے جواب میں، ہر سو تلواروں کی جھنکار سنائی دے رہی تھی۔ بالآخر مسلمانوں کو "دارالاما مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا" میں ہجرت کرنے کی اجازت مل گئی۔ اگرچہ مکہ معظمہ کے اطراف میں بعض صاحب ثروت مسلمان حضرات آپ کی حفاظت اور تصرف کے لیے اپنی جاں نثارانہ خدمات کی پیش کش کرتے رہے لیکن آپ ان کے شکریہ کے ساتھ ا مسترد فرما دیتے، کیونکہ کارسازِ قضا و قدر نے اس شرف سے انصار کو مشرف کرنے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ جس طرح نبوت کی ابتدا رویائے صالحہ سے ہوئی۔ اسی طرح ہجرت سے پہلے بھی رویائے صالحہ کا ظہور ہوا۔ ابتداً آپ کو خواب میں ہجرت کی جگہ دکھائی گئی۔ جو انتہائی سرسبز و شاداب مقام تھا۔ مگر جگہ کا نام نہیں بتایا گیا۔ آپ کا خیال تھا کہ شاید وہ مقام یمامہ یا ہجر ہو۔ ابھی آپ اسی تردد میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کو ہجرت کے لیے مختص کر دیا[1]

---

[1] بخاری شریف ج ۱ : ۵۵۱

Marfat.com

ادھر نبوت کے تیرھویں سال کا آغاز ہو چکا تھا، خوش آئند سال اپنی ابر نو بہاری کا جوبن دکھا رہا تھا۔ آسمان مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا پہ شبنم افشانی میں مصروف اور آفتابِ عالم تاب سالت جو کہ مکہ کے افق پر طلوع ہو چکا تھا۔ اب مدینہ باسکینہ کو مستنیر کرنے اور نبوت کی نورانی شعاؤں سے دنیا جہاں کو بقعہ نور بنانے کا عزم عظیم لے کر ایک عالمگیر انقلاب کا آغاز کرتا ہے۔

۲۷ صفر المظفر ۱۳ نبوت بروز پنج شنبہ، ۱۲ ستمبر ۶۲۲ء کا ذکر ہے کہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، کی معیت میں کفار نابکار کے محاصرہ کے دوران در دولت سے تشریف لائے اور رات کی تاریکی میں سفر باسعادت سوئے مدینہ باسکینہ کا آغاز فرمایا۔ کعبۃ اللہ کو حسرت بھری نگاہوں سے الوداع کہتے ہوئے فرمایا۔

"مکہ تو مجھے ساری دنیا سے عزیز تھا لیکن تیرے فرزند مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت میں جبلِ ثور کی چوٹی پر تین دن غارِ ثور کو رونق بخشی اور منزل بمنزل سوئے مدینہ گامزن ہو گئے۔

دیوانگانِ نبویؐ کا انتظار و اضطرار

مدینہ باسکینہ کے گلی کوچوں میں یہ فرحت انگیز خبر گونج رہی تھی کہ فخرِ کون و مکاں سرورِ زمین و زماں رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سایۂ عاطفت و شفقت اس شہر پہ جلوہ فگن ہونے کو ہے۔ شاہِ دوسرا کی سواری مکہ معظمہ سے سوئے بطحا رواں دواں ہے۔ مدینہ باسکینہ کے پیر و جواں، صغیر و کبیر، عورتیں اور بچے حتیٰ کہ اشجار و احجار بھی سمہ تن چشم انتظار بنے ہوئے تھے۔ معصوم بچے سرور و انبساط اور فرحت و نشاط میں نغمہ سرا تھے "رحمت کائنات کی آمد آمد ہے"

انتظار کی بے بیتابی اور تقائے رخِ زیبا کا شوق اہالیان مدینہ باسکینہ کو

Marfat.com

ہر روز علی الصبح شہر سے دور راستہ میں لا کھڑا کر دیتا۔ مضطرب دل اور بے تاب نگاہیں کوسوں دور تک اپنا گوہر مقصود تلاش کرتیں۔ جب سورج میں تمازت اور گرمی میں شدت کا غلبہ ہو جاتا تو حسرت و یاس کے ساتھ واپس لوٹ جاتے۔ یہ ان کا معمول بن گیا تھا۔ ادھر وہ قدسی صفات قافلہ سنگلاخ راستوں کی جان لیوا صعوبتوں سے دوچار ہوتا۔ پہاڑیوں اور وادیوں کے خاردار دامنوں سے گزرتا۔ مدینہ باسکینہ کی سرزمین پر جلوہ ریز ہوتا ہے۔ اہل مدینہ نے ایسا پُر خلوص اور پُر تپاک استقبال کیا، جس کی مثال نہیں ملتی۔ بتوں کی پرستش سے منہ موڑ کر، باطل کی تیرہ و تار فضاؤں سے نکل کر اسلام کے سایہ رحمت میں پناہ لینے والے اپنے ہادی اور محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے اُمڈ آئے۔

ان عاشقانِ رسول نے ہجر کی گھڑیاں تڑپ تڑپ کر کاٹیں، ہجر کے دل گداز جاں سوز اور پُر شوق لمحات بالآخر گزر گئے۔ مطلع نور نظر نواز ہوا۔ وہ خورشید جہاں تاب مہر رسالت، نورین، شمع صدق و یقین، جان حرم جلوہ نما ہوا۔ فخر موجودات، مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اہل مدینہ ہی نہیں شجر، حجر، چرند، پرند بلکہ موجودات کی ہر چیز نے خوشیاں منائیں۔

اہالیان مدینہ کی مسرتوں کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ خوشی سے تمتماتے چہروں، شادمانی سے لبریز سینوں اور خوشی سے چھلکتے ہوئے آنسوؤں کی منظر کشی الفاظ میں نہیں ہو سکتی۔ ہر دل مہمان ذی شان کے لیے بے تاب و بے قرار اور ہر آنکھ اس تجلی کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے مضطرب تھی،

ایک دن حسبِ معمول جب انتظار لبیا کے بعد گھروں کو جا چکے تھے تو ایک یہودی کی نگاہ اچانک اس قدسی صفات قافلہ پر پڑی جس کے لیے سب بے تاب اور بے چین تھے۔ وہ ضبط سخن نہ کر سکا اور بے ساختہ پکار اٹھا "اہلِ عرب تمہیں جس مقصود کائنات

Marfat.com

کا انتظار تھا وہ آگئے، حبیب بسیب، مدنی تاجدار یار غار صدیق با اعتبار کی معیت میں سفید براق پوشاک زیب تن کیے مدینہ کے افق پر بدر منیر بن کر چمکے۔ ہر سمت اللہ اکبر کی ایمان افروز اور وجد آفرین صدا گونجنے لگی۔ انصار فرط سرور میں ہتھیار سجا سجا کر بیتابانہ گھروں سے نکل آئے اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کرنے لگے۔[1]

جس دن مدینہ کریمہ کے افق پر سراجاً مُنیرا اپنی عالمگیر درخشانی و تابانی کے ساتھ چمکا، مدینہ کی رنگینیوں اور نیرنگیوں میں عظیم انقلاب بپا ہو گیا۔ فضا معطر ہو گئی اور ہاطف نے رشد و ہدایت اور توحید و رسالت کے نشو و نما اور ارتقا کی تاریخ سنہری حروف میں رقم کی۔

قبا میں آمد

مدینہ منورہ کے جنوب مغرب میں تقریباً تین میل کے فاصلہ پر انصار کے متعدد قبائل آباد تھے۔ اس بستی کا نام عالیہ اور قباء مشہور تھا۔ قبا ایک کنویں کا نام تھا جس کی نسبت سے بستی کا نام بھی قباء مشہور ہو گیا۔[2]

ان قبائل میں عمرو بن عوف کا خاندان بیحد ممتاز اور معزز تھا جس کے سردار کلثوم بن الہدم تھے، فخر کون و مکاں، سرور زمین و زماں رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بستی میں ورود مسعود محمود ہوا تو آپ نے کلثوم بن الہدم کے گھر کو قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشی، سارا خاندان جوش مسرت سے بہ آواز بلند اللہ اکبر پکار اٹھا۔ قسام ازل نے مہمان نوازی کا شرف اسی خاندان کے مقدر میں لکھا تھا کہ شاہِ دوسرا، میزبان دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہی کی میزبانی کو شرفِ قبولیت سے

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۵۵۴ [2] معجم البلدان ج ۷: ۲۰

Marfat.com

نوازیں۔انصار ہر طرف سے جوق در جوق آئے اور جوشِ عقیدت سے سلام محبت پیش کیا[1]

بعض روایات میں ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں سیدنا سعد بن خیثمہ کے مکان میں راحت گزیں ہوئے تھے۔لیکن امام ابن ہشام المتوفی ۲۱۳ھ/۸۲۸ء اور امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ/۸۴۴ء نے دونوں روایات میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ آپؐ کا قیام سیدنا کلثوم بن ہدم رضؓ کے گھر تھا۔لیکن لوگوں کی ملاقات اور زیارت کے لیے آپ کی مجلس سیدنا سعد بن خیثمہ کے گھر ہوا کرتی تھی۔ موصوف کے بیوی بچے نہ ہونے کی وجہ سے اپنا مکان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست گاہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ان کے مجرد ہونے ہی کی وجہ سے ان کے مکان کا نام "بیت العزب" مشہور تھا[2] امام سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء نے بھی اسی کو صحیح قرار دیا ہے[3]

تاریخ ورودِ قباءؑ

وہ صبح سعادت نشاں، جس میں کائنات کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں قدم رنجہ فرما ہوئے، اسلام کے درخشندہ دور کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے مورخین اسلام نے اس تاریخ کو بڑے اہتمام کے ساتھ محفوظ کیا۔اکثر مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ دن ۸ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوت بروز شنبہ مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ عیسوی تھا۔محمد بن موسےٰ خوارزمی لکھتے ہیں کہ فارسی ماہ تیر کی ۴ اور رومی ماہ ایلول ۹۲۳ سکندری کی دسویں تاریخ تھی۔مورخ یعقوبی نے ہیئت دانوں

---

[1] روض الانف ج ۲: ۱۰۱ [2] سیرت ابن ہشام، طبقات ابن سعد ج ۱ عنوان قبا میں آمد [3] روض الانف ج ۲:

Marfat.com

سے بہ زائچہ بھی نقل کیا ہے۔

آفتاب	برج سرطان میں	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	〃 اسد 〃	۶۲ 〃
مشتری	〃 حوت 〃	۶ 〃
زہرہ	〃 اسد 〃	۱۳ 〃
عطارد	〃 اسد 〃	۱۵ 〃

مزید تفصیلات درکار ہوں تو امام سہیلی، حافظ ابن حزم اور حافظ مغلطائی کی تصانیف کی طرف رجوع فرمائیں۔ سرزمینِ قباحیں روز جمالِ مصطفویؐ سے منور ہوئی تو یارِ غار صدیق غمگسار رضی اللہ تعالےٰ عنہ لوگوں سے ملنے اور پرسشِ احوال میں مصروف ہو گئے، جبکہ محبوب انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم سکوت کے عالم میں رونق افروز رہے جس وقت آفتاب جمال، جہان آرائے روئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آیا تو جانثار رفیق غارؓ نے اپنی چادر سر اقدس پہ پھیلا دی تاکہ سایہ رہے، اس جان نثارانہ ادا سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ انصار مدینہ کی اکثریت رُخِ زیبا صلی اللہ علیہ وسلم سے شناسا نہیں تھی جس کی وجہ سے محب اور محبوب میں امتیاز کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ صدیقؓ کی اس ادا نے چہرۂ پُرضیا کو نکھار دیا۔ اس طرح آنے والے متوالے پروانہ وار شمع رسالت پر گرنے لگے۔[۲]

جب صحابہ کبار رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کو ہجرتِ مدینہ کی اجازت مل گئی تو وہ مختلف جماعتوں اور گروہوں کی صورت میں مدینہ منورہ جانے لگے۔ سب سے پہلے یہ شرف سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیب ہوا۔ جنہیں حضورِ انور

---

[۱] تاریخ یعقوبی ج ۲: ۴۱ [۲] بخاری شریف ج ۱: ۵۵۴

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم نے مبلغ اور معلم بنا پر بھیجا تھا۔ ان کے بعد سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پھر سیدنا بلال، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، پھر ان کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیس افراد کی جماعت کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لائے یہ جماعت ان کے خاندان کے افراد پر مشتمل تھی۔[1]

بعض روایات میں ہے کہ حضرت ابن ام مکتوم کے بعد عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی بیوی لیلی بنت ابی حشمہ کے ساتھ ہجرت کی۔ اور اس طرح عورتوں میں وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے ہجرت کی۔ ایک روایت کے مطابق حضرت عامر بن ربیعہ بھی دس افراد کی جماعت کے ساتھ مدینہ تشریف لائے تھے۔ جن میں یہ حضرات بھی شامل تھے۔

عامر کی بیوی ام عبداللہ بنت ابی حشمہ، ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی زوجہ مکرمہ سیدہ ام سلمہ، ابوحذیفہ بن عتبہ۔ شماس بن عثمان بن الشرید اور عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہم[2]

چونکہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اکثر صحابہ مدینہ منورہ پہنچ چکے تھے۔ ان میں سے بعض حضرات سیدنا کلثوم بن الہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں رونق افروز تھے۔ جن میں حضرت ابو عبیدہ، حضرت مقداد، حضرت خباب، حضرت سہیل، حضرت صفوان، حضرت عیاض، حضرت عبداللہ بن مخرمہ حضرت عمیر بن عوف رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شامل تھے[3]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تین دن بعد بمکہ معظمہ سے روانہ ہوئے۔ قبا پہنچ کر وہ بھی سیدنا کلثوم بن الہدم ہی کے ہاں قیام پذیر ہوئے۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم چودہ دن قبا میں قیام کرنے کے بعد مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے۔[4]

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۵۵۸ [2] فتح الباری ج ۷: ۲۶۰ [3] ابن سعد [4] بخاری شریف ج ۱: ۵۶۰ مسلم شریف ج

Marfat.com

باب دوم

تہذیب و تمدن

Marfat.com

مذہب

اخلاق و عادات

طرزِ معاشرت

Marfat.com

مذہب

اہالیان مدینہ کا مذہب قدیم زمانہ میں کیا تھا؟ اس کے جواب میں تاریخ خاموش ہے خیال ہے کہ وہ لوگ ابتدا میں اللہ تعالےٰ کی عبادت کرتے تھے مگر بعد میں بت پرستی کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ اوس و خزرج نے صاحب مذہب ہونے کی بنا پر اپنی مذہبی عبادت گاہیں بالکل جداگانہ بنا رکھی تھیں جن میں بہت سے بت موجود رہتے تھے اور سب سے قوی ہیکل مناۃ کا بت تھا۔ ان عبادت گاہوں کی نگرانی اور اہتمام ہر قبیلہ کا کوئی ممتاز اور مذہبی شخص کرتا تھا، جیساکہ بنو غنم بن مالک بن نجار کے مندر کا متولی عمرو بن قیس نجاری تھا[1]

کاہن کا عہدہ بھی تھا، اور ہر قبیلے میں ایک کاہن ہوتا تھا۔ جسے حبشی زبان میں طاغوت کہا جاتا تھا۔ سیدنا جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا بیان ہے کہ عرب کے ہر قبیلہ میں کاہن ہوتا تھا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انصار میں بھی یہ عہدہ پایا جاتا تھا[2]

بعض لوگ صرف توحید کے قائل تھے جیساکہ اسعد بن زوارہ اور ابوالہیثم[3] وغیرہ بعض نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا۔ ابوالحصین کے بیٹے انہی میں شامل تھے۔[4]

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲: ۹۵ [2] صحیح بخاری ج ۲: ۶۵۹ باب قوا ان کنتم مرضی او علی سفر

[3] طبقات ابن سعد ج ۱: (عنوان اوس و خزرج میں دعوت اسلام) [4] اسد الغابہ ج ۵: ۱۷۲

Marfat.com

باایں ہمہ اوس وخزرج کا ہر فرد مذہب ابراہیمی کے احکام کا کچھ نہ کچھ پابند تھا، جیساکہ حج بیت اللہ، قربانی، مہمان نوازی، اشہر حرم کی عزت، فواحش کو برا سمجھنا اور جرائم پر سزا دینا یہ تمام باتیں دین ابراہیمی کا جزو تھیں اور انصار ان پر کاربند تھے۔

نماز کی ایک بگڑی ہوئی صورت بھی ان میں باقی تھی۔ چنانچہ ان کا ایک شاعر ابو قیس بن اسلت حبشیوں کی مکہ میں شکست پر فرط مسرت سے کہتا ہے۔

فقوموا فصلوا ربکم وتمسحوا بارکان ھذا البیت بیت الاخاشب[1]

عرب کی سرزمین میں جب عمرو بن لحیؒ ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر الازدی نے بت پرستی کا بیج بویا۔ تو اوس وخزرج بھی اس میں مبتلا ہو گئے۔ کیونکہ اوس، عمرو بن لحیؒ کا بھتیجا تھا۔[2]

عمرو بن لحیؒ ملک شام میں گیا اور وہاں قوم عمالقہ کو بتوں کی پوجا کرتے دیکھا۔ جب واپس ہونے لگا تو انہوں نے "ہبل" نامی بت تحفہ میں دیا۔ جسے اس نے کعبۃ اللہ کے قریب نصب کیا اور اس کی عبادت کرنے لگا۔[3] اسی طرح اس نے ایک بہت بڑا بت "مناۃ" مدینہ منورہ سے سات میل کے فاصلہ پر "قدید" میں سمندر کے ساحل سے متصل[4]۔ "مشلل" نامی ایک پہاڑی پر نصب کیا۔[5] اوس وخزرج اور غسان کے علاوہ ہذیل، خزاعہ ازد شنوہ[6] (اہل عمان) اور بنی کعب بھی اس کی پوجا کرتے تھے۔[7]

علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ لکھتے ہیں۔

وَلَم تکن قریش بمکۃ ومن اقام بہا من العرب یعظمون شیأ من الاصنام اعظامہم العزّیٰ ثم اللات ثم مناۃ[8]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۱: ۳۸ ترجمہ نسب ابی قیس ابن سلت [2] تاریخ یعقوبی ج ۱: ۲۰۲ [3] ایضاً ۲۵۴ [4] معجم البلدان ج ۸: ۱۶۷ [5] ایضاً ج ۷: ۶۷ [6] ایضاً ج ۸: ۶۸ [7] زرقانی ج ۳: ۲۰۴ [8] معجم البلدان ج ۶: ۱۶۸

Marfat.com

علامہ موصوف مزید لکھتے ہیں۔

وَلم یکن احد اشد عظامًا لَه مِن الاوس وَالخزرج[1]

اوس وخزرج سے بڑھ کر کوئی قبیلہ مناۃ کی عزت نہیں کرتا تھا۔

تعظیم کی وجہ ظاہر ہے اور یہ خود لفظ "مناۃ" کے مادہ میں موجود ہے "مناۃ، مَنَا سے نکلا ہے جس کے معنی قدر یعنی اندازہ کرنے کے ہیں۔ چونکہ انصار اسے قضا و قدر کا حاکم سمجھتے تھے۔ اسی وجہ سے اس کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے تھے۔ اور اس کی رضاجوئی کے لئے طرح طرح کی رسمیں ایجاد کرلی تھیں[2]

اسی مقام سے احرام باندھتے، اس کی نیازیں چڑھاتے، حج سے واپس آکر وہیں سر منڈولتے اور قربانی کرتے تھے[3] تاہم کعبہ شریف کو اس سے برگزیدہ اور معزز سمجھتے تھے[4] حدیث شریف میں ہے۔

قبیلہ ازد اور غسان کے علاوہ یثرب کے اوس، وخزرج بھی اباؤ اجداد سے "مناۃ" کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا معمول تھا کہ حج بیت اللہ سے فارغ ہوکر احرام نہیں کھولتے تھے بلکہ منیٰ سے سیدھے قدید میں آکر "منات" کا طواف کرتے تھے۔ تلبیہ پڑھتے اس کے بعد احرام کھولتے تھے۔ نیز ان کا دستور تھا کہ جب "منات" کا تلبیہ پڑھنا ہوتا۔ تو حج بیت اللہ کے دوران صفا اور مروہ کی سعی نہیں کرتے تھے[5]۔ علاوہ ازیں منات کے حج کے احرام کی حالت میں وہ لوگ مکان، خیمہ یا کسی دوسری چیز کے چھت کے نیچے بیٹھنے اور رہنے سے بھی گریز کرتے تھے[6]

---

[1] معجم البلدان ج ۶: ۱۶۸ [2] ایضاً [3] معجم البلدان ج ۸: ۱۶۸ [4] سیرت ابن ہشام عرب کے بت جلد ۱۔ [5] صحیح مسلم کتاب الحج، باب بیان السعی بین الصفا والمروۃ ج ۱: ۴۱۴، فتح الباری کتاب الحج باب وجوب الصفا والمروۃ ج ۳: ۵۰۰ [6] تاریخ یعقوبی ج ۱: ۲۵۷

Marfat.com

چنانچہ جب اللہ تعالےٰ نے انصار کو اسلام کی دولت سے بہرہ ور فرمایا تو انہیں اپنی اس مشرکانہ رسم کی اصلاح کی فکر دامن گیر ہوئی۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اسلام لانے سے پہلے ہم منات بت کے نام کا احرام باندھتے اس کا حج کرتے اور اس کی پوجا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے صفا اور مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے۔ اب ہمارے لئے کیا حکم ہے۔ ان کے اس استفسار پر قرآن مجید کی یہ آئتیں نازل ہوئیں۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ ۔ الایہ

اس کے بعد انصار اسلامی اصولوں کے مطابق فریضہ حج ادا کرنے لگے اور منات کی پرستش کرنے لگے اور منات کی پرستش سے تائب ہو گئے[1] علاوہ ازیں عمرو بن جموع بن زید جو قبیلہ بنو سلمہ کا سردار اور شرفاء میں سے تھا، نے منات کا بہت بڑا بت لکڑی کا بنا کر گھر میں رکھا ہوا تھا۔ جس کی عبادت کرتا اور عزت و تکریم کے ساتھ اسے خوشبو لگاتا تھا[2]

اسی طرح دوسرے لوگوں کے گھروں میں بھی مورتیاں ہوتی تھیں جن کی وہ پرستش کرتے تھے اور یہ سب کچھ ایک مستقل نظام کے ماتحت تھا۔ ایک شخص دیوتاؤں کے اہتمام انتظام پر مقرر ہوتا تھا۔ چنانچہ جب اسلام کا آفتاب عالمتاب مدینہ کے افق پر طلوع ہوا۔ تو اس وقت اس عہدہ پر عمرو بن قیس فائز تھا[3]

تاہم بعض لوگ خدا پرستی کی طرف بھی مائل تھے۔ جس کی مختلف صورتیں اختیار کر رکھی تھیں۔ چنانچہ بعض لوگوں نے بت پرستی چھوڑ کر یہودی مذہب اختیار کر لیا اور یہ خیبر کے

---

[1] بخاری شریف باب وجوب الصفا والمروۃ ج ۱: ۲۲۲: ج ۲: ۷۲۱۔ مسلم شریف باب بیان السعی بین الصفا والمروۃ ج ۱: ۴۱۴ [2] سیرت ابن ہشام عنوان بیعت عقبہ قصہ صنم عمرو بن جموح: ج ۲: ۹۵ البدایہ والنہایہ ج ۳: ۱۶۵ [3] سیرت بن ہشام ج ۲: ۱۷۵

Marfat.com

یہود اور قریظہ اور نفیر کے میل جول کا اثر تھا۔ رفتہ رفتہ اوس وخزرج میں یہودی مذہب بے حد مقبول ہو گیا۔ یہاں تک کہ جب کسی عورت کے لڑکا زندہ نہ رہتا۔ تو وہ منت مانتی کہ اگر اولاد پیدا ہوئی اور زندہ رہی تو اسے یہودی بناؤں گی۔ اس طرح انصار میں یہودی مذہب اختیار کرنے والوں کی ایک خاصی تعداد ہو گئی تھی[1]

جن میں قبائل عوف، نجار، حارث، ساعدہ، جشم، اوس اور ثعلبہ شامل تھے[2] نیز سلسلہ بن برہام بنو نجار میں سے۔ بنو زریق سے بعید بن عاصم، بنو حارثہ سے کنانہ بن صوریا اور بنو عمرو بن عوف سے قردم بن عمرو، ان سب قبائل کے سردار اور مشہور آدمی یہودی تھے[3] اوس وخزرج کے تمام سربرآوردہ لوگوں کے گھروں میں بت موجود تھے[4] ان کے علاوہ مندروں میں بھی بت رکھے ہوئے تھے۔ جیسا کہ غنم بن مالک بن نجار کے بت خانہ میں بہت سے بت موجود تھے اور عمرو بن قیس ان کا متولی تھا[5]

علامہ ابن اثیر اور مورخ طبری نے ہجرت علیؓ کے ضمن میں لکھا ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ قبا میں مقیم ایک مسلمان بیوہ عورت کے ہاں دو راتیں مقیم رہے۔ اثناء قیام میں حضرت علیؓ نے دیکھا کہ ہر رات دروازہ کھلتا ہے اور وہ عورت باہر سے کچھ لا کر اندر رکھ لیتی ہے۔ موصوف کو اس واقعہ پر حیرت ہوئی کیونکہ اس عورت کا شوہر نہ تھا۔ آپ نے اس سے دریافت کیا کہ رات کو دروازہ کیوں کھلتا ہے؟

عورت نے بتایا کہ میں بالکل لاوارث ہوں۔ اس بنا پر سہل بن حنیف رات کی تاریکی میں اپنی قوم کے بت توڑتے ہیں اور خفیہ طور پر مجھے لا کر دے جاتے ہیں تاکہ میں

---

[1] سنن ابوداؤد باب الاسیر یکرہ علی الاسلام ج ۲: ۹ [2] سیرت ابن ہشام ج ۲: ۱۴۹ عنوان مواعید یہود [3] ایضاً [4] ایضاً ج ۲: ۹۵ قصہ صنم عمرو بن جموع [5] ایضاً ج ۲: ۱۷۵ عنوان من اسلم من اخبار الیہود نفاقاً۔

Marfat.com

ان کا ایندھن بنا سکوں[1]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہالیان مدینہ میں بت پرستی کا عام دور دورہ تھا اور لوگوں کے گھروں میں بھی بت موجود تھے۔

امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ/۸۴۴ء بیان کرتے ہیں۔

کہ ۲۴ رمضان المبارک ۸ھ/ کو فتح مکہ کے موقع پر امام الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں دوسرے بتوں کو نیست و نابود کر دیا۔ وہاں اوس اور خزرج کے بت منات کو منہدم کرنے کے لئے حضرت سعد بن زید الاشہلی رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ جنہوں نے منات کو ہمیشہ کے لئے صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔[2]

انصار کے نوجوان مے توحید سے سرشار بت شکنی میں مصروف تھے۔ چنانچہ قبیلہ بنو سلم کے معاذ بن جبل، ثعلبہ بن عتمہ اور عبداللہ بن انیس اس مہم کے سرخیل تھے۔ اس طرح انہوں نے مدینہ کریمہ سے بتوں کو نیست و نابود کر کے سب کو خداوند قدوس کا پرستار بنا دیا۔

قبیلہ سعد" قراض "بت کی پرستش کرتا تھا اور ذباب بن الحارث بن عمرو بن معاویہ اس کا مجاور تھا لیکن جب انہیں سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم ہوا۔ تو فوراً اسلام کے دامن رحمت میں داخل ہو گئے اور اپنے قومی معبود قراض کو چکنا چور کر کے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ اشعار پیش کرتے ہیں

تبعت رسول اللہ اذ جاء بالھدیٰ
(جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت لائے
تو میں نے آپ کا اتباع کیا)

وَخلفت قراضا یدار ھوان
(اور قراض کو ذلیل ترین مقام میں
چھوڑ دیا)

---

[1] کامل ابن اثیر باب الجرت ج ۱ : ۴۴، طبری ج ۱ : عنوان ہجرت علی الی المدینہ اردو ۱۳۷

[2] طبقات ابن سعد باب فتح مکہ ج ۱ : ۴۸۵

Marfat.com

شددت علیہ شدۃ فکسرتہ — میں نے اس پر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ اسے چکنا چور کر دیا

کان لم یکن والم یکن ھو ذو حید ثان[1] — گویا اس کا وجود زمانہ میں تھا ہی نہیں

جب اسلام کا نیر تاباں مدینہ باسکینہ پر شعاع افگن ہوا، تو کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ بادل ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھٹ گئے۔ طاغوتی نظریات کا جنازہ نکل گیا اور کفر کا منحوس عفریت تا ابد اس شہر سے ہزاروں میل دور بھاگ گیا۔ اب اسلام کا سدا بہار گلشن قیامت تک چمن زار رہے گا۔ کفر کی نحوست اس کے قریب بھی نہیں آسکتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان الشیاطین قد یئست ان تعبد ببلدی ھذا[2] — اس شہر میں شیطان اپنی عبادت کرانے سے ناامید ہو چکا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا

ایمان مدینہ منورہ سے دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچا۔ لیکن جب ساری دنیا سے رخصت ہو جائے گا اس وقت بھی مدینہ میں ایمان اور اسلام کی بہاریں جوبن پر ہوں گی[3]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک اللہ تعالےٰ نے اس بستی کو شرک سے پاک کر دیا ہے[4]۔ اب اہالیان مدینہ کا مذہب قیامت تک اسلام ہی رہے گا۔ وہ کفر و شرک اور بدعات کے قریب بھی نہیں جائیں گے۔

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱: ۲۶
[2] کنز العمال ج ۱۲: ۲۵۳
[3] وفاء الوفا ج ۱: ۲۷
[4] ایضاً

Marfat.com

اخلاق وعادات

مسلمان کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروت حسن عالمگیر ہے مردان غازی کا

باشندگان مدینہ باسکینہ کے اخلاق وعادات اس قدر قابل تعریف اور لائق صد تحسین تھے، کہ قرآن مجید اور احادیث طیبہ کے مقدس اوراق ان کے محاسن اخلاق کے تذکرے سے مزین ہیں۔ مہمان نوازی اور ایثار وفیاضی انصار مدینہ کے حسن اخلاق کا جزو لاینفک تھا۔ اسلام نے ان کے اخلاق کریمانہ کو اور بھی تابندگی سے ہمکنار کر دیا، وہ لوگ نرم خو منکسر المزاج، ہنس مکھ، حلیم الطبع اور خوش خُلق تھے۔ ان کے اوصاف جمیلہ اور محاسن عدیلہ سے متاثر ہو کر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اگر ہجرت کی فضیلت اور شرف و مجد غالب نہ ہوتا تو میں انصار میں شامل ہوتا"[1]

فخر کون ومکان، سرور زمین وزمان حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ مجھے انصار تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہیں"[2] محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تو مکہ مکرمہ کے غریب الوطن مسلمان حب نبوی سے سرشار اور بادۂ عشق سے مخمور پروانہ شمع رسالت کے گرد جمع ہونے لگے۔ جنہیں اسلامی اصطلاح میں "مہاجرین" کہا جاتا تھا وہ لوگ اپنا گھر بار۔ مال ومنال اور عزیز واقارب سب کچھ چھوڑ کر تہی دست اور بے سروسامانی کی حالت میں صرف حب رسول ؐ کی متاع عزیز لے کر مدینہ منورہ آئے تھے۔ جہاں شفیق آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے دامن رحمت ورافت میں پناہ دی اور ان کی بود وبا

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۵۳۳ [2] ایضاً: ۵۳۴

Marfat.com

خورد ونوش اور دیگر لوازمات ضروریہ کا مسئلہ حل کرنے کا فوری اقدام کیا ؛ تاکہ ترک وطن کے باعث ان کے دلوں میں احساس کمتری پیدا نہ ہونے پائے نیز تلاش معاش کی فکر کسب فیض میں خلل انداز نہ ہونے پائے۔ اگرچہ انصار بہت بڑے جاگیر دار صاحب ثروت نہیں تھے ،مگر دل کے غنی اور اسلام کے ایسے فدائی تھے کہ جب کفار نابکار کی ننگی تلواروں اور کبھی کمانوں سے جان بچا کر بھوکے پیاسے مہاجرین ان کے ہاں آئے تو انہیں آنکھوں پر بٹھایا اور دل میں بسایا۔ بڑے پرطباق طریقہ سے ان کا استقبال کیا۔ ان کے ساتھ نقید المثال ایثار کا مظاہرہ کیا۔

محبوب انس وجاں صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی اجنبیت کو دور کرنے کی غرض سے انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتہ اخوت ومودت قائم کر دیا۔ جس سے وطن اور اہل و عیال کی مفارقت سے پیدا ہونے والی طبعی پریشانی، انصار کی الفت وموانست میں تبدیل ہوگئی۔ انصار نے فیاضی، حسن مروت، ضیافت ومہمان نوازی اور ایثار وفدائیت کا ایسا تابناک مظاہرہ کیا جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کر سکتی۔

انہوں نے مہاجر بھائیوں کو نہ صرف مہمان کی حیثیت سے خوش آمدید کہا، بلکہ مال ومنال زمین وجائیداد کھیتی باڑی اور اپنی ساری کائنات میں انہیں برابر کا شریک وسہیم بنا لیا یہ رشتہ حقیقی رشتہ سے بھی زیادہ اہم سمجھا جانے لگا حتیٰ کہ اگر کسی انصاری مسلمان کا انتقال ہو جاتا تو اس کی جائیداد اور مال اس کے حقیقی بھائی کے بجائے مہاجر بھائی کو ملتا تھا[1]۔ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نور بصیرت کا یہ اعلیٰ ترین شاہکار تھا کہ مہاجرین وانصار کی وطنی اور قومی عصبیتوں کا نام ونشان مٹا کر ایک نئی قومیت اسلام کے نام سے قائم فرمادی، اور مہاجرین وانصار کے مختلف قبائل کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ انصار کی اس شیفتگی ووارفتگی، قابلِ

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۳۱۲

Marfat.com

رشک جذبۂ ایثار و مروت اور قابل ستائش کارہائے نمایاں دیکھ کر چشم فلک بھی حیرت زدہ تھی

تاریخ کا یہ ایک ایسا سنہری باب ہے جسے لوحِ محفوظ میں خالق کائنات نے رقم کیا اور انصار کو ہدیہ تبریک اور داد تحسین پیش کرنے کے لئے حضرت جبریل آمین تشریف لائے

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا
وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ	کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا اور
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّ	وہ لوگ جنہوں نے ان لوگوں کو پناہ دی
نَصَرُوْا اُولٰٓئِکَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ	اور ان کی مدد کی۔ یہ لوگ باہم بھائی بھائی
بَعْضٍ[1]	ہیں۔

محبوب انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مکان پر مہاجرین و انصار کا ایک مشترکہ اجلاس بلایا۔ جس میں ۴۵ مہاجرین اور ۴۵ انصار نے شرکت کی اور ان کے درمیان بھائی چارہ اور رشتہ اخوت قائم فرمایا[2]

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ دو دو شخص آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین، امام المتقین اور رسول رب العالمین، بے مثل اور بے نظیر تھے۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کو اپنا بھائی بنایا۔ اپنے چچا حضرت حمزہؓ اور زید بن حارثہؓ میں اخوت قائم کی۔ جعفرؓ بن ابی طالب کو جن کا لقب ذوالجناحین اور طیار تھا معاذ بن جبلؓ کا بھائی بنایا۔ حالانکہ جعفرؓ اس وقت تک حبشہ سے تشریف نہیں لائے تھے۔ ابوبکر صدیقؓ کا خارجہ بن زہیر کو بھائی بنایا۔ عمرؓ بن الخطاب کا عتبانؓ بن مالک کو بھائی بنایا۔ ابوعبیدہ بن عبداللہ بن الجراح، جن کا نام عامر تھا، سعد بن

---

[1] سورۃ انفال ع ۱۰

[2] طبقات ابن سعد ج ۲: عنوان عقد مواخات

Marfat.com

معاذ بن نعمان کے درمیان۔ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد ابن الربیع، زبیر بن عوام اور سلمہ بن سلامہ بن وقش۔ اور بعض کے نزدیک زبیر بن عوام اور عبداللہ بن مسعود کے درمیان اخوت قائم فرمائی۔ عثمان بن عفان اور ثابت بن المنذر۔ طلحہ بن عبیداللہ اور کعب بن مالک حضرت سعد بن زید بن عمرو بن نفیل اور ابی بن کعب۔ مصعب بن عمیر بن ہاشم اور ابوایوب خالد بن زید، ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیع اور عباد بن بشر بن وقش، عمار بن یاسر اور حذیفہ بن الیمان، لیکن بعض کے نزدیک عمار بن یاسر کو ثابت بن قیس بن شماس کا بھائی بنایا۔ ابوذر غفاری جن کا نام برید بن جنادۃ تھا۔ منذر بن عمرو ساعدی۔ حاطب بن ابی بلتعہ اور عویم بن ساعدہ، سلمان فارسی اور ابودرداء، بلال موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابورویحہ، ابورویحہ کا نام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الخثعمی تھا، رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کے درمیان بھائی چارہ قائم فرمایا[1]

جرجی زیدان غیر مسلم مورخ اس تاریخ ساز معاہدہ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں سے مہاجرین اور یثرب والوں میں سے انصار کو چند اور خاص معاہدوں کے ذریعہ باہم پیوند کر دیا۔ ان معاہدوں کا نام (مواخاۃ) بھائی بندی رکھا گیا اور پیغمبر علیہ السلام نے بہت ہی استحکام کے ساتھ اس بھائی چارہ کا ان سے اقرار لیا۔ اسلامی سلطنت کا پہلا بنیادی پتھر یہی "عہد مواخاۃ" تھا[2]

انصار مدینہ نے بڑی فراخدلی اور فیاضی کے ساتھ اس بھائی چارہ کو نبھایا۔ ان کا سب سے بڑا سرمایہ کھجوروں کے باغات تھے۔ اس زمانہ میں روپیہ پیسہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ اس لئے انصار نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بڑے ادب واحترام کے ساتھ عرض کیا کہ ہمارے باغات مہاجر بھائیوں میں برابر تقسیم فرمادیں تاکہ راحت وآسائش سے ان کی گزران

---

[1] سیرۃ ابن ہشام ج ۲: ۱۵۰ [2] تمدن اسلام ۴۷۰

Marfat.com

ہو سکے۔ چونکہ مہاجرین فن زراعت سے بالکل نا آشنا تھے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی پیش کش قبول فرمانے سے پہلوتہی کی۔ انصار نے اس کا حل یوں پیش کیا۔ کہ کھیتی باڑی اور محنت مشقت ہم کریں گے اور پیداوار نصف نصف کرلیں گے۔ مہاجرین نے اس تجویز کو قبول کرلیا[1]

۴ ہجری میں بنو نضیر کو جلاوطن کر دینے پر ان کی زمینیں اور باغات مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے دریافت فرمایا کہ مہاجرین نادار اور ناتواں ہیں۔ اگر تم اس بات پر رضامند ہو تو تمہارے باغات تمہیں واپس کر دیئے جائیں اور نئے مقبوضات مہاجرین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔ انصار نے بڑی دریا دلی سے عرض کیا، ہمارے باغات انہی کے تصرف میں رہیں اور نئے باغات بھی انہیں عنایت فرما دیں[2]

اگرچہ انصار کا جذبۂ اخوت اور ایثار و مروت باعث صد افتخار تھا۔ لیکن مہاجرین بھی بڑے خوددار تھے۔ وہ نذر و نیاز اور صدقہ و خیرات پر قناعت کرنے کی بجائے، محنت و جفاکشی سے رزق حلال حاصل کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔

مرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

سیدنا سعد بن الربیع رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی دو بیویاں تھیں۔ انہوں نے اپنے مہاجر بھائی عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو رضاکارانہ طور پر پیش کش کی کہ میں اپنی ایک بیوی کو طلاق دے دیتا ہوں اور عدت پوری ہونے پر آپ اس سے نکاح کرلیں لیکن سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ نے بڑی احسان مندی کے ساتھ انکار کرتے ہوئے فرمایا۔

بَارَكَ اللّٰهُ فِی اَهْلِكَ وَمَالِكَ — خدا آپ کو یہ سب کچھ مبارک کرے

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۳۱۲، ۳۱۳

[2] فتوح البلدان اردو: ۴۴

Marfat.com

آپ مجھے بازار کا راستہ بتا دیں [1]

چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جب حرص و ہوس کو پامال کر کے صبر و قناعت کو ترجیح دی اور بنو قینقاع کے بازار میں جا کر گھی اور پنیر کی سوداگری شروع کر دی۔ اللہ کریم نے انہیں کاروبار میں اس قدر ترقی اور برکت سے نوازا کہ ان کے پاس اتنی دولت جمع ہو گئی جو شادی کے اخراجات کو کفایت کرتی تھی۔ چنانچہ انہوں نے شادی کر لی [2]

نہ لا پالے دے سکیں ہرگز تجھے سکوں کی جھنکاریں
ترے دست توکل میں تھیں استغنا کی تلواریں
سکھائے فقر کے آداب تو نے بادشاہی کو
جلالِ قیصری بخشا جمالِ خانقاہی کو

اللہ کریم نے انہیں مال و دولت میں ایسی قابل رشک فراوانی عنایت فرمائی۔ جس کا اظہار وہ ان الفاظ میں کرتے تھے: "میں خاک پر ہاتھ ڈالتا ہوں تو وہ سونا بن جاتی ہے"۔ ان کے تجارتی اونٹوں کا قافلہ سات سات سو پر مشتمل ہوتا تھا۔ اور جب سات سو اونٹ سامان تجارت لے کر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے تو سارے شہر میں دھوم مچ جاتی تھی [3]

حدِ ادراک سے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری
فقیرانِ حرم کے ہاتھ اقبال آگیا کیونکر
میسر میر و سلطان کو نہیں شاہین کافوری

اسی طرح دوسرے صحابہ کرام بھی کسب معاش میں مصروف رہ کر بھی شمع رسالت سے اکتساب نور

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۵۶۱، ۵۳۳
[2] صحیح بخاری ج ۱: ۵۳۳
[3] اسد الغابہ ج ۳: ۳۱۴، ۳۱۵

Marfat.com

کرتے رہے۔ بالآخر جب مال غنیمت کی بہتات ہوگئی اور مہاجرین کی تنگی فراخی میں، افلاس تونگری میں بدل گیا تو انہوں نے انصار کے عطیات واپس لوٹا دیئے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

فتح خیبر کے بعد جب فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو مہاجرین نے انصار کے عطیات یعنی باغ واپس کر دیئے [1]

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے
کسے نہیں ہے تمنائے سروری لیکن
خودی کی موت ہو جس میں وہ سروری کیا ہے

محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے جذبہ ایثار و فیاضی کو اس طرح پروان چڑھایا کہ یہ ان کی عادت ثانیہ بن گئی تھی۔ ان میں سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فیاضی میں بہت زیادہ شہرت رکھتے تھے۔ ان کے ہاں معمول تھا کہ ایک آدمی ہر روز قلعہ پر چڑھ کر یہ اعلان کرتا، جس آدمی کو گوشت اور چربی کی خواہش ہو وہ یہاں آکر حاصل کر لے۔

اصحاب صفہ کی معاش کا زیادہ تر دار و مدار انہی کی فیاضی پر تھا اور ہر شام کے وقت اسّی اسّی آدمی گھر لے جا کر انہیں کھانا کھاتے تھے [2]

سیدنا قیس بن سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ بے حد فیاض اور بہادر صحابی تھے۔ غزوات میں انصار کے وہی علمبردار ہوتے تھے، اور وہ اس اعزاز کو اپنی فیاضی سے برقرار رکھتے تھے۔ ایک غزوہ میں قرض لے کر فوج کے کھانے کا انتظام کرتے رہے۔ اس لشکر میں سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما بھی شریک تھے۔ دونوں بزرگوں نے باہم مشورہ کیا کہ اگر انہیں

---

[1] صحیح مسلم ج ۲: کتاب الجہاد

[2] اصابہ تذکرہ حضرت سعد بن عبادہ ج ۲: ۲۷، ۸

Marfat.com

اس طرح خرچ کرنے سے باز نہ رکھا گیا۔ تو اپنے باپ کا تمام سرمایہ برباد کر دیں گے۔ اس لئے انہیں روکنا چاہا۔

جب اس بات کا علم حضرت قیسؓ کے والد گرامی قدر حضرت سعدؓ کو ہوا۔ تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر کہنے لگے" مجھے ابن قحافہ اور ابن خطاب سے کون بچائے گا؟ یہ دونوں میرے بیٹے کو بخیل بنانے کی فکر میں ہیں [1]

سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد عبدالقیس حاضر ہوا جس پر انصار نے بیحد خوشی کا اظہار کیا۔ آپ نے انصار کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

" اپنے بھائیوں کی خاطر و مدارت اور ضیافت و مہمان نوازی کرو، کیونکہ یہ لوگ شکل وصورت وضع قطع اور اسلام قبول کرنے میں تمہارے ساتھ بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ انہوں نے بھی کسی جبر و اکراہ کے بغیر اسلام قبول کیا ہے"۔

انصار خوشی خوشی انہیں اپنے گھروں میں لے گئے اور ان کی رہائش اور خورد و نوش کا اس قدر عمدہ انتظام کیا کہ وہ لوگ انصار کی فیاضی اور مہمان نوازی سے بے حد متاثر ہوئے صبح کے وقت جب وہ لوگ خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے دریافت فرمایا" تمہارے بھائیوں نے تمہاری خدمت اور مہمان نوازی کیسی کی"۔ ان لوگوں نے کہا یہ تو بے حد خدمت گار اور اچھے لوگ ہیں۔ انہوں نے ہمارے لئے نرم اور عمدہ بستروں کا انتظام کیا، پرتکلف کھانا کھلایا اور رات بھر ہمیں کتاب وسنت کی تعلیم سے بہرہ یاب کیا۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا [2]

امام القزوینی مولود ۶۷۴ھ ۱۲۷۵ء کے تاثرات قلم ملاحظہ ہوں۔

" مدینہ منورہ کی خصوصیات میں سے یہ خصوصیت یگانہ وفرزانہ ہے کہ وہاں عجیب وغریب

---

[1] اسد الغابہ ج ۴: ۲۱۵ تذکرہ حضرت قیس بن سعد [2] مسند امام احمد ج ۳: ۴۳۲

Marfat.com

ایمان پرور لطیف مہک پائی جاتی ہے اور اس کی مشک بار اور عنبر بیز فضا کو معطر بنا دیتی ہے اور یہ کیفیت دنیا کے کسی شہر میں نہیں پائی جاتی ہے۔

اور وہاں کے باشندے پوری نوع انسانی میں سب سے زیادہ حسن اخلاق اور پاکیزہ اعمال کے مالک ہیں۔ دلوں کو موہ لینے والی ان کی شیریں کلامی اور لب و لہجہ میں ملاطفت ان کا سرمایہ افتخار ہے [1]

علامہ فرید وجدی اہل مدینہ کے محاسن بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مدینۃ الرسول ؐ کے لوگ ضیافت میں بہت اہتمام کرتے ہیں۔ زائرین کی خدمت میں فخر محسوس کرتے ہیں اور لطف یہ کہ بغیر واقفیت کے ہر آدمی کو دعوت دینے کی ہر کوئی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ وہ زائرین کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان سمجھتے ہیں انہیں اپنے گھر لے جا کر دستر خوان بچھاتے اور کتنی ہی قسم کے کھانوں سے ضیافت کرتے ہیں اس خدمت میں اخلاص اور للہیت کارفرما ہوتی ہے اور یہ سلسلہ زائرین کی مدینہ میں مدت اقامت تک جاری رہتا ہے [2]

الشیخ محمد لبیب البتنونی لکھتے ہیں۔

مدینہ منورہ کی آب و ہوا بے حد صحت افزا اور اہل مدینہ کی نرم مزاجی اور لطافت طبع میں بہت مدد و معاون ہے اگر اس کے ساتھ اہل مدینہ کی عام نیکی، پرہیزگاری، حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا اضافہ کر لیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ وہ لوگ تمام عرب ممالک پر حسن اخلاق میں فوقیت کے حامل ہیں اور یہ کوئی تعجب انگیز بات نہیں ہے کیونکہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائیگی نے انہیں اخلاق کریمانہ سے نوازا ہے علاوہ ازیں اگر اس بات پر غور کیا جائے کہ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے لئے مدینہ اور اہل مدینہ کا انتخاب کیوں کیا گیا ظاہر ہے کہ وہ اگر مکارم اخلاق کے مالک تھے پھر اسلام نے ان کے جمال کو اجمل اور کمال کو اکمل بنا دیا [3]

[1] آثار البلاد واخبار العباد: ۱۰۷
[2] دائرۃ المعارف ج ۸: ۵۳۷
[3] رحلۃ الجہاد

Marfat.com

طرز معاشرت

مکانات

وَالَّذِیْنَ تَبَوَّءُ الدَّارَ وَ الْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ کَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ [1]

ترجمہ: اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں۔ اس سے جو وطن چھوڑ کر آئے اس کے پاس اور اپنے دل میں تنگی نہیں پاتے، اس چیز سے جو مہاجرین کو دی جائے اور انہیں اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ خود فاقہ سے ہوں۔

جیسا کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ انصار با وقار نے مہاجرین کا جس خندہ پیشانی اور وسعت

---

[1] سورہ حشر آیت: ۹ پ ۲۸

Marfat.com

قلبی سے خیر مقدم کیا وہ بے حد قابل رشک اور لائق صد ستائش کارنامہ تھا۔ انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو نہ صرف اپنے شہر میں جگہ دی بلکہ اپنے مکانوں میں آباد کیا اپنے اموال میں حصہ دار بنایا اور انتہائی عزت و احترام کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ ان کے اس ناقابل فراموش ایثار کی تعریف میں اللہ رب العزت نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کے مکانات کی ستائش و تعریف کرتے ہوئے فرمایا۔

"انصار کے مکانات میں سب سے بہتر بنی نجار کے مکان ہیں۔ دوسرا درجہ بنی عبدالاشہل کے مکانات کو حاصل ہے۔ تیسرا درجہ بنی حارثہ اور چوتھا درجہ بنی ساعدہ کے مکانات کا ہے لیکن انصار کے تمام مکانات خیر و برکت سے معمور ہیں"[1]

سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا کیا اور مجھے سب سے بہتر فرقہ میں پیدا کیا۔ پھر قبائل کے انتخاب میں مجھے سب سے اچھے قبیلہ میں شمار فرمایا۔ پھر مکانات کے چناؤ میں مجھے سب سے زیادہ خیر و برکت سے معمور مکانات میں قیام نصیب فرمایا۔ چنانچہ میری ذات سب سے اعلیٰ اور میرا مکان بھی سب سے عمدہ ہے"[2]

اگرچہ انصار کا ہر ایک مکان اپنے دامن میں بے شمار تاریخی حقائق سمیٹے ہوئے ہے اور اس کے تذکرہ سے چشم پوشی تاریخی حقائق سے روگردانی کے مترادف ہے۔ لیکن کتاب کا دامن کوتاہ اور داستان طولانی ہے اس لئے ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے انصار کے مکانات اور بعد کے ادوار میں تعمیر ہونے والے مکانات کی کیفیات سپرد قلم کرتے ہیں اور اس دل آویز تذکرہ کا آغاز اس مکان ذی شان سے شروع کیا جاتا ہے جو فخر کون و مکان سرور دین و زماں

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۵۳۴

[2] جامع صغیر ج ۲: ۶۹

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر صدیوں پہلے تعمیر ہو چکا تھا۔

شاہ تبع کا محل

آفتاب رسالت طلوع ہونے سے سات سو برس پہلے کا ذکر ہے[1] کہ شاہ تبع اسعد بن کرب مشرقی ممالک کو زیر نگیں کرنے کی غرض سے نکلا، اسی دوران اس کا گزر مدینہ منورہ سے بھی ہوا۔ جہاں مقام سفح پر اس نے قیام کیا۔ اس وقت اہالیان مدینہ کا رئیس عمرو بن طلحہ تھا، شاہ تبع یہود کو قتل اور شہر کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لیکن اہالیان مدینہ نے جنگ پر صلح کو ترجیح دے کر قتل و غارت سے نجات حاصل کر لی۔[2]

جب اہلِ مدینہ سے صلح کا معاہدہ طے پا گیا۔ تو بادشاہ اپنے لڑکے کو وہاں حاکم مقرر کر کے مکہ معظمہ پر حملہ آور ہونے کی خاطر چل دیا۔ اس کے جانے کے بعد شہزادے کو قتل کر دیا گیا جب بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو وہ سخت غضب ناک ہو کر لوٹا اور اہل مدینہ کا قتل عام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بادشاہ کے اس انتہائی خطرناک ارادہ کا علم بنی قریظہ کے دو علما صحیت اور کعنبثہ کو ہوا تو انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ناصحانہ اور ہمدردانہ مشورہ دیا کہ وہ اہل مدینہ کی ہلاکت کا مذموم ارادہ ترک کر دے اور ان کی خیر خواہی کو قبول کر لے ورنہ اندیشہ ہے کہ کسی ناگہانی آفت کا شکار ہو جائے گا۔ شاہ تبع نے دریافت کیا کہ عذاب میں مبتلا ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ علما نے بتایا کہ مدینہ باسکینہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الہجرت اور دار القرار ہو گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔

بادشاہ نے اس مخلصانہ مشورہ کی قدر کرتے ہوئے اپنا ارادہ بدل دیا اور علماء کرام کی علمیت و فضیلت سے متاثر ہو کر ان کا دین قبول کر لیا۔ اس طرح خاموشی کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہو گیا[3]

---

[1] روض الانف ج ۱: ۲۴، ۲۷ [2] البدایہ والنہایہ ج ۲: ۱۶۴

[3] روض الانف ج ۱: ۲۴، ۲۷، سیرت ابن ہشام

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ جب تبع شاہ یمن مدینہ منورہ سے گزرا تو چار سو علماء تورات اس کے ہمراہ تھے علما نے بادشاہ سے درخواست کی کہ انہیں اس سرزمین پاک میں رہ جانے کی اجازت دی جائے۔ بادشاہ نے اس کا سبب دریافت کیا۔ جس پر علما نے کہا ہم نے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں میں پڑھا ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دار الھجرت یہ شہر ہوگا۔

بادشاہ نے نہ صرف انہیں وہاں قیام کی اجازت دے دی بلکہ ان سب کے لئے مکانات تعمیر کرائے ان کے نکاح کرائے اور گزر اوقات کے لئے مال و دولت بھی عطا کیا اور مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے لئے بھی ایک عالیشان محل تعمیر کرایا، اور آپ کے نام خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور اشتیاق دیدار کا ان الفاظ میں اظہار کیا۔

شَهِدْتُ عَلٰى اَحْمَدَ اَنَّهٗ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِئِ النَّسَمِ

میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول برحق ہیں۔

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِیْ اِلٰی عُمْرِهٖ لَکُنْتُ وَزِیْرًا لَّهٗ وَابْنَ عَمّ

اگر میری عمر نے وفا کی اور ان کی آمد تک خدا نے زندگی بخشی تو میں ان کا معین و مددگار بنوں گا۔

وَجَاهَدْتُ بِالسَّیْفِ اَعْدَاءَهٗ وَفَرَّجْتُ عَنْ صَدْرِهٖ کُلَّ غَمّ

اور ان کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور ان کے دل سے ہر غم کو دور کردوں گا

بادشاہ نے اس خط کو سربمہر کر کے ایک عالم کو سپرد کیا اور وصیت کی کہ اگر تم نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کو پاؤ تو میرا یہ عریضہ پیش کر دینا۔ بصورت دیگر یہ خط اپنی اولاد کے حوالے کر کے یہی وصیت کر دینا۔

چنانچہ وہ خط نسل در نسل چلتے چلتے سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ تک پہنچ گیا اور شاہ تبع کا تعمیر کردہ محل بھی زمانہ کے نشیب و فراز سے گزرتا ہوا، اور تعمیر در تعمیر کے مراحل طے کرتا ہوا سیدنا ابو ایوب رضؓ کے زیر تصرف آگیا۔ چنانچہ جب خیر الخلائق سید الاولین والاخرین صلی اللہ علیہ

Marfat.com

مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو دونوں چیزیں آپ کی خدمت اقدس میں پیش کر دی گئیں [1]

امام سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء اور حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء نے بھی اس واقع کو اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے اور شاہ تبع کے ایمان و تصدیق پر مبنی مذکورہ بالا اشعار بھی نقل کئے [2]

امام زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں

شاہ تبع کا تعمیر کردہ محل اور سربمہر خط علما کی نسل میں سے ابوایوب انصاری تک پہنچ گیا چنانچہ انہوں نے دونوں چیزیں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیں [3]

سیدنا ابوایوب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

ابوایوب خالد بن کلیب بن ثعلبہ بن عوف بن لحیم بن مالک بن النجار [4]

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے زیر تصرف مذکورہ مکان دو منزلہ تھا۔ انہوں نے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بالائی حصہ پیش کرنا چاہا مگر آپ نے زائرین کی سہولت اور راحت رسانی کی خاطر زیرین منزل پسند فرمائی۔ کچھ عرصہ یوں گزر گیا۔ مگر حضرت ابوایوب رضؓ کا دل ادب و احترام اور عشق نبوی سے لبریز تھا۔ آپ کو ہر وقت فکر دامن گیر رہتی کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نیچے رہائش پذیر ہیں اور ہم اوپر رہتے ہیں گویا کہ ہم آپ کے سر مبارک پر چلتے پھرتے ہیں۔ بنا بریں حضورؐ کی خدمت میں عاجزی و انکساری سے عرض کی کہ ہمارے ایمانی جذبات اور آپ کے ادب و احترام کا تقاضا ہے کہ آپ بالائی منزل میں اقامت گزین ہو جائیں تاکہ سوئے ادب کا احتمال نہ رہے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا اور بالائی منزل میں راحت گزین ہو گئے [5] حضور انور

---

[1] وفاء الوفا ج ۱ : ۱۳۳

[2] روض الانف ج ۱ : ۲۴ البدایہ والنہایہ ج ۲ : ۶۶

[3] معالم دار الہجرہ : ۳۹

[4] مروج الذہب ج ۲ : ۲۸۰

[5] مسند امام احمد ج ۱۹ : ۲۹۳

Marfat.com

صلی اللہ علیہ وسلم کے زیریں حصہ کے قیام کے دوران ایک مرتبہ اتفاق سے بالائی منزل میں پانی کا برتن ٹوٹ گیا۔ صاحب خانہ حضرت ابوایوبؓ کو خدشہ ہوا کہ پانی نیچے گرنے سے محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت پہنچے گی۔ اس لئے پانی جذب کرنے کے لئے فوری طور پر لحاف ڈال دیا۔ حالانکہ ان کے پاس صرف وہی ایک لحاف اوڑھنے کو تھا[1]

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے گھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کھانا آتا تھا۔ جب آپ تناول فرما لیتے تو پس خوردہ ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ محترمہ تبرکاً کھاتے تھے، بلکہ غایت محبت وعقیدت کے باعث کھانے میں جہاں آپ کی انگلیوں کے نشانات ہوتے وہیں وہ بھی انگلیاں ڈالتے تھے[2]

موصوف کے مکان پر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سات ماہ قیام فرمایا۔ اس اثناء میں ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہونے پر ان میں منتقل ہو گئے۔ اور سیدنا ابوایوب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے وصال کے بعد وہ مکان ان کے غلام افلح کے دست تصرف میں آیا۔ جن سے سیدنا مغیرہ بن عبدالرحمٰن بن الحارث بن ہشام نے ایک ہزار دینار کے عوض خرید لیا اور اس کی اصلاح ومرمت کر کے فقراء وغربا کے لئے وقف کر دیا[3]

بعد میں ملک مظفر شہاب الدین غازی بن ملک عادل سیف الدین ابی بکر بن ایوب بن شاذی نے خرید کر وہاں چاروں فقہی مسالک کے لئے مدرسہ تعمیر کرا دیا[4]

الشیخ عبدالقدوس الانصاری لکھتے ہیں۔

سلطان شہاب الدین غازی کے مدرسہ کا نام "مدرسہ الشہابیہ" تھا جو موصوف کے نام سے منسوب تھا۔ تیرھویں صدی ہجری میں اس جگہ مسجد بنا دی گئی۔ جس کی چھت گنبد دار تھی۔ مسجد

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳: ۲۰۱ [2] ایضاً

[3] ایضاً [4] معالم دارالہجرۃ: ۴۲

Marfat.com

کی جنوبی دیوار میں ایک منقش پتھر پر یہ عبارت کندھی تھی۔

ھذا بیت ابی ایوب الانصاری، موفد النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام

فی ۱۲۹۱ھ[1]

قدیم قبائل کے محلات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ باسکینہ میں رونق افروز ہوئے تو اس وقت مختلف قبائل کے وہاں نو محلات پائے جاتے تھے۔ جنہیں "دار" کہا جاتا تھا۔ ہر ایک محل پوری بستی پر محیط ہوتا جس میں کھجوروں کے باغات اور زراعت کے علاوہ کثیر تعداد میں لوگ آباد ہوتے تھے[2]۔

دار بنی[1] غنم۔ دار بنی بیاضہ[2]۔ دار بنی دینار[3] بن النجار۔ دار بنی ساعدہ[4]۔ دار بنی سالم[5] بن عوف۔ دار بنی عبدالاشہل[6]۔ دار بنی مالک[7] بن النجار۔ دار بنی الحارث[8] بن الخزرج اور دار بنی خدرہ[9] وغیرہ۔

بعد ازاں جب اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو کشادگی اور آسائش سے نوازا تو انہوں نے بھی متعدد "دار" بنائے اور بعض نے دوسروں سے بھی خرید لئے۔ جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں۔

دار عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ محل مسجد نبوی شریف کے جنوب میں واقع تھا اور دار آل عمر بن خطاب کے نام سے مشہور تھا۔ بعد میں ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو والد گرامی قدر کی وراثت میں ملا تھا۔ جس وقت ان کا حجرہ مسجد نبوی کی توسیع میں آگیا۔ تو انہوں نے اس دار میں اقامت اختیار کر لی تھی۔ مسجد کے جنوب میں اس دار تک زیر زمین راستہ بھی تھا۔ جو ۸۸۸ھ میں بند ہو چکا تھا بعد کے کسی دور میں دار کو مدرسہ میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ الشیخ

---

[1] آثار المدینہ ۲۹ [2] البدایہ والنہایہ ج ۳: ۳۰۳

Marfat.com

عبدالقدوس الانصاری کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں اس جگہ عظیم الشان مدرسہ قائم تھا[1]

دار جعفر صادق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

یہ دار سیدنا ابوایوب انصاری کے دار کے جنوب میں واقع تھا۔ بعد میں "دار نائب الحرم" سے شہرت پذیر ہوا۔ پہلے یہ حارثہ بن النعمان الانصاری کی ملکیت تھا پھر موصوف کو منتقل ہوا نویں صدی ہجری میں عمارت منہدم ہوجانے کی وجہ سے میدان سا بن گیا۔ جسے شیخ حرم النبوی الشجاعی شاہین الجمالی نے خرید کر مکان تعمیر کرلیا۔ بالآخر ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں اوقاف مسجد کے زیر تحویل آگیا[2]

دار عثمان بن عفان رضی اللہ تعالےٰ عنہ

مسجد نبوی شریف کے مشرق میں سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دو مکان تھے جو انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مقدسہ میں تعمیر کئے تھے ان میں سے ایک مکان بعد میں رباط (سرائے) کے طور پر استعمال ہوتا رہا اور موجودہ توسیع مسجد نبوی تک قائم تھا۔ جو "رباط سیدنا عثمان" کے نام سے مشہور تھا[3]

دار سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ

مسجد نبوی شریف کے مشرقی جانب دار عثمان کے شمال میں واقع تھا۔ اسی طرح دار ربیط دار خالد بن الولید اور دار مروان بن الحکم وغیرہ کتنے ہی دار پائے جاتے تھے[4]

مدینہ منورہ کے قلعے

عرب قوم جنگ جو ہونے کی وجہ سے ہر ایک قبیلہ نے اپنا اپنا قلعہ بھی بنا رکھا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

---

[1] آثار المدینہ: ۳۰
[2] ایضاً
[3] آثار مدینہ: ۳۰
[4] ایضاً: ۳۷

Marfat.com

دور آیا تو آپ نے فرمایا تھا۔

قلعے نہ گرائے جائیں کیونکہ یہ مدینہ منورہ کی زینت ہیں [1]

مختلف قبائل کے تعمیر کردہ بعض قلعے حسب ذیل تھے۔

بنو انیف کا قلعہ الاجش قبا میں واقع تھا۔ حیان بن عامر کے دو قلعے "نواحان" کے نام سے مشہور تھے۔ بنی عبید کا قلعہ بیر عذق کے قریب دار حمید بن دینا میں تھا۔ دیرہ بن ثعلبہ کا قلعہ بیر عزف اور لمقرعہ کے درمیان تھا [2]

شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی المتوفی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء بیان کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ کے مشرق، مغرب اور جنوب میں زمین دوز سنگ خارا کے پہاڑ پائے جاتے ہیں ان ہی کو حرّہ اور لابہ کہتے ہیں۔ یہ پتھر سیاہ اور نہایت سخت ہوتے ہیں۔ انہیں سے مدینہ منورہ کی عمارتیں بنائی جاتی ہیں۔ اونچے پہاڑ بھی قریب میں واقع ہیں۔ بالخصوص سلع نگران کے پتھر سنگ خارا کی قسم کے نہیں ہیں اور نہ ہی اتنے مضبوط ہیں۔ پتھروں کی تجارت اور گھڑائی کرنے والے انہیں زیر زمین حروں میں سے بارود کے ذریعہ توڑ کر پھر پتھروں سے ٹکڑے کر کے گدھوں اور خچروں پر لاد کر تعمیر کے مقام تک پہنچاتے ہیں۔

چھتوں میں شہتیر کے طور پر عموماً کھجور کے تنے ڈالے جاتے ہیں اور مضبوط بھی ہوتے ہیں البتہ جو لوگ بہت زیادہ امیر ہوں۔ وہ امیرانہ عمارت بنوانا چاہیں تو چھت میں جاوی لکڑی کے تین تین، چار چار انچ موٹے شہتیر ڈالتے ہیں چونکہ جاوی لکڑی بہت گراں ہوتی ہے اس لئے عام طور پر کڑیوں میں استعمال نہیں ہوتی۔ البتہ دروازے، کھڑکیاں، طاقچے طاق اور روشندان وغیرہ اسی لکڑی کے بنائے جاتے ہیں۔ معمولی اور غریب لوگ مکانات کی چھتوں میں جھاؤ اور ببول کی موٹی شاخیں لکڑی کی جگہ استعمال کرتے ہیں۔ کڑیوں پر کھجور کے ڈنٹھر شاخیں بچھا

---

[1] مجمع الفوائد ج ۱ : ۲۰۱

[2] عمدۃ الاخبار : ۲۱

Marfat.com

کران پر کھجوروں کے بورے بچھائے جاتے ہیں جن پر گارا ڈال کر پھر خشک مٹی ڈال دی جاتی ہے[1]

موجودہ دور میں پختہ اینٹ، مٹی کے پختہ بلاک، سیمنٹ، لوہے اور کنکریٹ سے مکانات تعمیر کئے جاتے ہیں۔ عمارتوں کی بلندی تک سامان پہنچانے کے لئے کرین استعمال ہوتے ہیں جبکہ چھت پر لینٹر ڈالنے اور کنکریٹ، ریت، سیمنٹ پانی وغیرہ کو مکس کرنے کے لئے بھی خودکار مشین استعمال کی جاتی ہے۔ جدید تعمیراتی مشینری سے تعمیر کے کام میں بے حد سہولت اور مضبوطی آگئی ہے۔

شاہی محلات یعنی امہات المومنین رضؓ کے مکانات

مدینہ کریمہ کے باشندے اپنے پرانے تمدن میں فخر اور سرور محسوس کرتے تھے۔ سادگی عربوں کی عادت ثانیہ بن چکی تھی۔ خوراک، لباس اور رہائش ہر چیز میں سادگی کارفرما تھی۔ پھر شاہ کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہی محلات نے اسے اور بھی تقویت پہنچائی۔ آپ نے اپنی حرم سراؤں کے لئے جو مکانات تعمیر کئے وہ سادگی کا ایسا نادر الوجود نمونہ تھا۔ جن کی مثال دنیا کے سلاطین و امراء کے مکانات میں ملنے کا وہم بھی نہیں ہو سکتا۔ فخر کون و مکاں سلطان زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ دنیا کے خزانے قدموں پہ نچھاور ہو رہے ہیں۔ مگر آپ اَلْفَقْرُ فَخْرِی میں مست تھے۔ شہنشاہ کونین کا اعزاز حاصل ہونے کے باوجود فقر زہد آپکا سرمایہ افتخار تھا۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

ہیں دوسروں کے واسطے سیم و زر و گہر — اپنا یہ حال ہے کہ چولہا بجھا ہوا
کسریٰ کا تاج روندنے کو پاؤں تلے — اور بوریا کھجور کا گھر میں بچھا ہوا

مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حرم سراؤں کے لئے جو محلات تیار کرائے وہ کھجور

---

[1] نقش حیات : ۸۵

Marfat.com

کی شاخوں، پتوں اور کچی اینٹوں سے بنے ہوئے تھے۔ مدینہ طیبہ میں جلوہ افروز ہونے کے بعد آپ نے سب سے پہلے اللہ کا گھر تعمیر کیا، اس سے فارغ ہو کر امہات المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ اور سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے مکانات بنوائے۔ بعد ازاں جب کوئی خاتون حرم نبوی میں داخل ہوتی تو اس کے لئے علیحدہ حجرہ بنوا لیا جاتا۔ اس طرح آپؐ کی نو ازواج مطہرات کے حجرے تعمیر ہوئے۔ جن کی کیفیت محدثین اور مورخین کے ارشادات کی روشنی میں سپرد قلم کی جاتی ہے۔

ازواج مطہرات کے حجرے مسجد شریف کے جنوب، مشرق اور شمال میں واقع تھے۔

حضرت عمران بن ابی انس رضؓ کہتے ہیں کہ چار حجرے کچی اینٹوں کے جن کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی۔ جبکہ پانچ حجرے صرف مٹی اور کھجور کی ٹہنیوں کے تھے ان کے دروازوں پر کمبل یا ٹاٹ کے پردے لٹکے ہوئے تھے۔ پردے تین ذراع لمبے اور ایک ذراع چوڑے تھے یعنی ۴½ × ½ ۱ فٹ لمبے چوڑے تھے۔

۵ھ/۶۲۶ء جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ دومتہ الجندل میں مصروف تھے تو اس دوران ام المومنین سیدہ ام سلمیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اپنا حجرہ کچی اینٹوں سے بنوایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو پہلی نظر اسی پر پڑی۔ آپؐ ام سلمیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یہ کیا ہے؟ انہوں نے بڑے ادب سے عرض کیا۔ اس سے لوگوں کی نظروں سے پردہ پوشی ہو جائے گی۔ لیکن آپؐ نے فرمایا: ام سلمہؓ! بیشک جس بری چیز پر مسلمان کا مال خرچ ہوتا ہے وہ تعمیر مکان ہے[1]

تمام حجرات کے دروازے مسجد کی طرف کھلتے تھے۔ جبکہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ کے دو دروازے تھے ایک مغرب کی طرف مسجد میں اور دوسرا شمال کی طرف تھا۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۸۴۔ اخبار مدینہ ۴۷

Marfat.com

حضرت عائشہ رضؓ کے دروازہ کا ایک ہی کواڑ عرعریا ساج کی لکڑی کا تھا، دوسرے حجروں کے کواڑ نہیں تھے [۱]

سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مسجد نبوی شریف کی متصل کچھ جائیداد تھی۔ جو بوقت ضرورت آپ کی نذر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سمیت تمام حجرے انہی کی اراضی پر تعمیر ہوئے [۲]

امہات المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے حجرات کی ترتیب اس طرح تھی، سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا حجرہ مسجد کے جنوب مشرق میں تھا۔ جہاں اس وقت سید الاتقیاء والابرار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اطہر جلوہ نما ہے۔ اس کے متصل جنوب کی طرف قبلہ والی دیوار کے ساتھ سیدہ سودہ اور سیدہ صفیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے مکانات تھے۔ جبکہ سیدہ ام سلمیٰ، سیدہ ام حبیبہ، سیدہ زینب، سیدہ جویریہ، سیدہ میمونہ اور سیدہ زینب بن جحش رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے مکانات شمال کی طرف واقع تھے [۳]

یہ شاہی محلات جن میں سے ہر ایک دس ذراع (۱۵ فٹ) لمبا چھ ذراع (۹ فٹ) چوڑا تھا اور چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی بسہولت چھو لیتا تھا۔ جیسا کہ حضرت حسن بن ابی الحسن البصری بیان کرتے ہیں، جب میں بالغ ہونے کے قریب تھا۔ تو اپنی والدہ خیرہؓ جو سیدہ ام سلمہ رضؓ کی کنیز تھیں کے ساتھ ان حجروں میں جاتا تھا، میں بآسانی چھت کو چھو لیتا تھا [۴]۔ ان حجروں میں رات کو روشنی کرنے کے لئے چراغ تک نہیں ہوتا تھا [۵]

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا، امہات المومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہن کے حجروں کی کیفیت

---

۱ اخبار مدینہ ۳، ۷۴

۲ طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۸۴ اخبار مدینہ ۷۴

۳ سیرت النبی ج ۱: ۲۸۷

۴ البدایہ والنہایہ ج ۳: ۲۲۰

۵ بخاری شریف ج ۱: ۵۶

Marfat.com

اس طرح بیان کرتے ہیں، سیدالاتقیا والابرار صلی اللہ علیہ وسلم کا حجرہ مبارکہ جو بیت عائشہ رضؓ کے نام سے شہرت رکھتا تھا، مسجد شریف کے جنوب مشرقی کونے میں تھا، اس کے جنوب میں سیدہ حفصہ رضؓ کا حجرہ تھا، ان دونوں کے درمیان ایک تنگ سا راستہ تھا، اس طرح جنوب میں محراب نبوی رضؓ کے برابر تک، مشرق میں باالنساء کی طرف اور شمال میں باب النساء اور باب الرحمتہ کے مابین منبر نبوی رضؓ کے محاذات تک حجرے بنے ہوئے تھے۔ حجرہ عائشہ رضؓ کے سوا کوئی بھی حجرہ مسجد کے ساتھ ملا ہوا نہیں تھا[1]

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کا عقد جب سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ساتھ ہوگیا تو انہوں نے مسجد نبوی سے کچھ فاصلہ پر مکان لیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت تھی کہ ہمارے قریب رہیں، اس لئے اپنے مکان میں منتقل کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے عرض کیا کہ حضرت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے ہمارے لئے مکان کی جگہ حاصل کر لی جائے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انہوں نے پہلے ہی ہمیں بہت زیادہ اراضی دی ہے، مزید طلب کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے مگر جب سیدنا حارثہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس بات کا علم ہوا تو وہ خود حاضر خدمت اقدس ہوکر عرض کرنے لگے کہ میرا مال و دولت آپ ہی کا ہے جو چیز آپ قبول فرمالیتے ہیں میرے نزدیک ترک میں چھوڑنے سے بدرجہا بہتر ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خیر و برکت کی دعا سے نوازا، اور سیدہ صدیقہ طاہرہ رضؓ کے حجرہ کے قریب شمال میں اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے لئے ایک قطعہ اراضی حاصل کر لیا۔ اور اس طرح سیدنا حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مسجد کے متصل تمام جائیداد امہات المومنین کی نذر ہوگئی[2]

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ میں سیدہ صدیقہ طاہرہ کے حجرہ کی طرف

---

[1] مرأۃ الحرمین ج ۱: ۴۷۲ [2] طبقات ابن سعد اردو ج ۲ : ۲۳۴

Marfat.com

ایک کھڑکی تھی۔ جس سے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اور ان کے اہل وعیال کی خبرگیری فرمایا کرتے تھے[1]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے اپنا حجرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ہبا کر دیا تھا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے وہ حجرہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے ایک لاکھ اسی ہزار درہم میں خرید لیا تھا۔ لیکن سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی قابل رشک فیاضی کا کیا کہنا۔ جنہوں نے اسی مجلس وہ خطیر رقم غربا و مساکین میں بانٹ دی اور اپنے لئے کچھ بھی نہ رکھا[2]

حضرت عطا خراسانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بیان ہے کہ جس وقت ولید بن عبدالملک کی طرف سے امہات المومنین کے مبارک حجروں کو منہدم کر کے مسجد نبوی میں داخل کرنے کا حکمنامہ مدینہ منورہ میں پڑھا گیا۔ میں وہاں موجود تھا۔ اس بات سے اہالیان مدینہ کو سخت صدمہ پہنچا اور وہ زار و قطار رونے لگے۔ ان لوگوں کا رونا اس قدر رقت انگیز اور دل دوز تھا کہ میں نے کبھی کسی کو اتنی شدت سے روتے نہیں دیکھا۔

اس موقع پر سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ کہہ رہے تھے۔ واللہ میری دلی چاہت تھی کہ ان مقدس حجروں کو اپنے حال پہ چھوڑ دیا جاتا۔ تاکہ مدینہ منورہ میں آئندہ پیدا ہونے والے اور اطراف واکناف سے آنے والے مسلمان ان کی زیارت سے مشرف ہوتے اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زہد و تقویٰ اور سادگی سے عبرت حاصل کرتے اور انہیں مال کی کثرت اور باہم فخر کرنے سے نفرت ہوتی۔

حضرت عمران بن عبدالرحمٰن فرماتے ہیں میں نے مسجد نبوی شریف میں چند معززین کی جماعت دیکھی جس میں سیدنا ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن ابوامامہ بن سہل اور خارجہ بن زید وغیرہ شامل تھے۔ وہ لوگ امہات المومنین کے مکانات گرائے جانے کے دل دوز و جگر سوز واقع پر آنسو

---

[1] اخبار مدینہ: ۷۵

[2] طبقات ابن سعد اردو ج ۸: ۲۸۴

Marfat.com

کی ندیاں بہا رہے تھے، ان کی اشک بار آنکھوں نے ڈاڑھیوں کو تر کر دیا تھا، اور سیدنا ابو امامہ فرما رہے تھے کاش یہ لوگ ان مکانات کو اسی حال میں چھوڑ دیتے۔ انہیں منہدم نہ کرتے آئندہ آنے والی نسلیں انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کرتیں اور ان کے دل میں تعمیرات کی نفرت اور سادگی کا جذبہ پیدا ہوتا۔ شہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں اللہ تعالےٰ نے بے پناہ نعمتا ئم سے نوازا تھا، ان کی زندگی کتنی سادہ اور بے تکلف تھی [1]

امہات المومنین کے تمام حجرے بشمول حضرت فاطمہؓ کے حجرہ کے سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے منہدم کر کے مسجد نبوی میں شامل کر دیئے تھے۔

صحابہ کبار رضی اللہ تعالےٰ عنہم کے مکانات بھی کچے، سادہ اور بے تکلف تھے۔ لیکن ان میں اللہ تعالیٰ کا ذکر۔ قرآن مجید کی تلاوت، نماز اور عبادت کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے انوار و برکات سے معمور تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اکثر ان مکانوں کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔

تیرہ سو سال کا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود مدینہ منورہ کی تمدنی ترقی میں کوئی قابل ذکر پیش رفت نہ ہوئی۔ لوگ قدامت پسند ہونے کے باعث قدیم تمدن پر مسرور رہیں۔

جیسا کہ ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں علامہ ابراہیم رفعت پاشا مصری اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ میں الشیخ محمد لبیب البتنونی کی تحریروں سے واضح ہوتا ہے۔ پاشا موصوف لکھتے ہیں۔

"اب بھی مدینہ منورہ کے اکثر مکانات بے ترتیب پتھروں کے بنے ہوئے ہیں۔ چھوٹے اور تنگ کمرے ہیں۔ تعمیر میں ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا گیا، دو تین منزلہ مکان بھی ہیں۔ گلیاں بہت تنگ جو دو میٹر سے زیادہ چوڑی نہیں ہیں۔ سڑکیں صرف چار میٹر چوڑی ہیں۔ البتہ امراء اور رئیس لوگوں کے مکانات خوبصورت اور مضبوط بنے ہوئے ہیں۔ جن کے سامنے کا حصہ پیشانی)

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲: ۲۸۵

Marfat.com

پختہ اینٹوں سے تعمیر شدہ اور دروازے زمین سے اونچے ہیں [1]

غیر مسلم مورخین نے بھی اس تمدنی پسماندگی کا تذکرہ کیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر گستاؤلی بان لکھتا ہے مدینہ کی پیداوار وہاں کے باشندوں کے لئے کافی ہونے کی وجہ سے اشیاء ضرورت درآمد کی جاتی ہیں۔ مدینہ میں مکانات تراشیدہ پتھروں کے ہیں جن کے درمیان فاصلہ نہیں ہے تمام مکان جڑے ہوئے ہیں، کچھ مکان دو منزلہ بھی ہیں۔ سڑکوں اور گلیوں میں پتھروں کا فرش ہے [2]

مدینہ طیبہ کے محلے

قدیم زمانہ میں اہالیان مدینہ اپنی آبادیوں اور محلوں کے نام اپنے ناموں پر رکھتے تھے مثلاً ثعلبیہ العنقا جہاں قیام پذیر تھا اس محلہ کا نام ثعلبیہ رکھا مدینہ منورہ کے اطراف میں ایک بستی کا نام روضۃ الحرز رج تھا اسی طرح محلوں کے نام بھی وہاں کے باشندوں کے نام سے مشہور تھے۔ الشیخ تنبوتی اپنے زمانہ کے محلوں اور سڑکوں کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔

"مدینہ منورہ ایک وسیع میدان کے وسط میں آباد، جنوب کی طرف پھیلا ہوا ہے۔ مکانات پتھر کے بنے ہوئے ہیں۔ انداز تعمیر مکہ مکرمہ اور جدہ سے ملتا جلتا ہے۔ البتہ ان کے کمرے بہت چھوٹے ہیں۔ موجودہ مکانات کی تعداد تقریباً بارہ ہزار ہے۔

شہر کی سڑکیں عموماً اور حرم شریف کے گرداگرد خصوصاً بہت تنگ ہیں۔ صرف ایک سڑک "حارۃ اساحہ" کشادہ ہے جو حرم کے جنوب میں واقع ہے۔ یہ محلہ سب سے بڑا ہے اور اسی میں عمدہ عمارتیں پائی جاتی ہیں۔ مدینہ کے محلے تنگ ہونے کی وجہ سے وہاں کے لوگ انہیں "زقاق" گلی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جیسا کہ حرم شریف کے شمال میں واقع محلے ان ناموں سے پکارے جاتے

زقاق البقر، زقاق الخیاطین، زقاق طبس، زقاق عنقی، زقاق سماہیدی اور زقاق الاغوا

---

[1] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۰۷ [2] حضارۃ العرب: ۵۴

Marfat.com

حرم کے جنوبی محلوں کے نام اس طرح ہیں۔ زقاق یاہو، زقاق البکسریت، زقاق القماشین، زقاق حیدر، زقاق الحجابین، زقاق مالک بن انس۔ بایں ہمہ مدینہ منورہ کے تمام محلے صاف ستھرے ہیں[1]۔

۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں مدینہ منورہ کا نظم ونسق جب شاہ عبدالعزیز آل سعود نے سنبھالا تو موصوف نے اپنے بیٹے محمد کو مدینہ منورہ کا امیر مقرر کیا جس کی پیہم کوششوں سے مدینہ کا تمدن ترقی کی راہ پر گامزن ہوا جو اس وقت اپنے عروج کو پہنچ چکا ہے۔ اور دنیا کے متمدن ترین، خوبصورت خوشحال اور بلند پایہ شہروں میں اس کا شمار ہونے لگا ہے۔ پرانی اور کچی آبادی تقریباً ختم ہو چکی بلند و بالا اور فلک بوس عالیشان محلات معرض وجود میں آچکے ہیں، جو جدید ترین سہولیات اور نفیس دل فریب، ڈیکوریشن سے مزین ہیں، گلیاں اور سڑکیں بے حد کشادہ اور خوبصورت ہیں، جس کی زیبائش وآرائش اور ارتقائی کیفیت کی مختصر سی جھلک الشیخ محمد صالح البلیہشی ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں پیش کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ کی آبادی میں اس تیزی کے ساتھ اضافہ ہوا کہ تھوڑے سے عرصہ کے اندر قدیم زمانہ کی قائم کردہ شہر پناہ کی حدود سے تجاوز کر کے وادیوں، حروں اور پہاڑوں کی چوٹیوں تک پھیل گئی۔ جس کے باعث کتنے ہی نئے محلے وجود میں آئے۔ جن میں نہایت عمدہ اور پرشکوہ عمارتیں قابل رشک منظر پیش کر رہی ہیں اور موجودہ آبادی حسب ذیل محلوں پر محیط ہے۔

حیّ عوالی[1]، حیّ باب کومہ[2]، حیّ سلمہ[3]، حیّ ابیح[4]، حیّ مغیسلہ[5]، حیّ الشہدا[6]، حیّ المناخہ[7]، حیّ باب قبار[8]، حیّ باب شامی[9]، حیّ باب مجیدی[10]، حیّ السحمان[11]، حیّ سید الشہدا[12]، حیّ الحرۃ الشرقیہ[13]، حیّ ام ہانی[14]، حیّ الجوہرۃ[15]، حیّ الاضیفرین[16]، حیّ عروہ[17]، حیّ ابیار علی (ذی الحلیفہ)[18]، حیّ الدویمہ[19]، حیّ قباء[20]، حیّ ام عشر[21]، حی قربان[22]، حیّ العصبہ[23]، حیّ الزرب[24]، حی حرۃ الغربیہ[25]، حیّ الہبوب[26]، حیّ الحیل[27]

---

[1] رحلۃ الحجازیہ: ۲۵۳، ۲۵۴

Marfat.com

حیّ القبلتین[۲۸]، حیّ سلطانیہ[۲۹]، حیّ المطار[۳۰]، حیّ العاقول[۳۱] اور نزلۃ الجور العلیا والوسطیٰ[۱]

سڑکیں

موجودہ ترقی یافتہ دور میں مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کی سڑکیں کشادہ مضبوط، دل کش اور صاف ستھری ہیں، جن کی خوبصورتی کو کناروں پہ لگے ہوئے سرسبز وشاداب درخت دوبالا کرتے ہیں۔ جا بجا برقی ٹریفک سگنل نصب ہیں بعض مقامات پہ ٹریفک کنٹرول کے لئے ٹی وی کیمرے عجب نظارہ دکھاتے ہیں، ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں وزارت مواصلات نے مدینہ منورہ کی سڑکوں کی توسیع وتعمیر پر ۲۲۰ ملین ریال خرچ کئے اس وقت بعض مشہور سڑکیں حسب ذیل ہیں۔

طریق قباء، دوطرفہ سڑک ہے جو ہوائی اڈہ کو جاتی ہے، طریق الاخضر دوطرفہ، طریق آبادعلی قباء دوطرفہ، طریق الجامعات، طریق المطار المدینہ دوطرفہ، طریق قباء قربانی عوالی، طریق العیون دوطرفہ، طریق سیدالشہداء، طریق سیدالشہداء الجامعات، طریق العوالی دوطرفہ، طریق ال عمدۃ بالحرہ شرقیہ، طریق سیدالشہداء المطار، طریق المناخ دوطرفہ، طریق السبعہ مساجد، طریق قربان دوطرفہ، طریق قربان سد بطحان، طریق شارع ملک عبدالعزیز، طریق شارع ابی ذر، طریق شارع ابی ذرالساحہ، طریق قباء القبلتین، طریق مدینہ آباد علی دوطرفہ[۲]

مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ کا راستہ

قدیم زمانہ میں مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان مختلف راستوں سے سفر کیا جاتا تھا۔ بعض راستے قدرے قریب تھے مگر دشوار گزار ہونے کے علاوہ ان میں پانی کی قلت تھی۔ جبکہ بعض کا سفر دشوار مگر پانی عام دستیاب تھا اور نسبتاً لمبے بھی تھے۔ علامہ ابن خرداذبہ ان میں سے ایک راستہ جو طریقۃ الشجرہ کے نام سے مشہور تھا کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں۔

---

[۱] المدینۃ الیوم: ۳۵۰

[۲] المدینۃ الیوم: ۲۵۴: ۲۵۵

Marfat.com

مدینہ منورہ سے چھ میل کے فاصلہ پر الشجرہ جو میقات اہل مدینہ بھی ہے (یہ مقام ذی الحلیفہ کے متصل واقع ہے) اس سے بارہ ۱۲ میل کے فاصلہ پر مَلَل ہے جہاں کنوئیں کثرت سے ہیں اس کے بعد ۱۹ میل کے فاصلہ پر السیالتہ واقع ہے اس مقام پر بھی کنوئیں پائے جاتے ہیں بعد میں ۳۴ میل کے فاصلہ پر الرّویثہ ہے جہاں برساتی حوض پانی کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ اس سے ۳۴ میل دور السقیا ہے۔ جہاں نہر اور باغات پائے جاتے ہیں۔ مزید ۲۹ میل دور الاَبْقَرَاء کا مشہور مقام پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد الجحفہ اور بجر ۸ میل دور ہے اس جگہ بھی کنویں پائے جاتے ہیں اور یہ اہل شام کی میقات بھی ہے اس سے ۲۷ میل دور القدیمہ ہے جہاں کنوئیں کثرت سے ہیں اور پھر ۲۴ میل کے فاصلہ پر عسفان واقع ہے اس سے ۳۳ میل کے فاصلہ پر بطن مرہ ہے جہاں چشمے اور حوض پائے جاتے ہیں اور پھر اس سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر مکہ مکرمہ ہے [1]

الشیخ الیسب بتنونی لکھتے ہیں۔

قدیم زمانہ میں مدینہ منورہ اور مکہ المکرمہ کے درمیان چار مختلف راستوں سے سفر کیا جاتا تھا جو قافلہ جس راستہ کو چاہتا اختیار کرتا ان راستوں کی تفصیل اس طرح ہے۔ طریق السلطانی، طریق الفرعی، طریق الغائر اور طریق الشرقی۔

(۱) طریق السلطانی سفر کے لئے موزوں ہونے کے علاوہ جا بجا پانی بھی دستیاب تھا اس راستہ میں حسب ذیل مقام پائے جاتے تھے۔ آبار علی (ذوالحلیفہ) الجدیدہ، احمرا دیار بنی حسانی، بیر شیخ، مستورہ، رابغ، القدیمہ، خلیص، عسفان اور وادی فاطمہ۔

(۲) الطریق الفرعی، آبار علی، بیر الماشی، وادی المعظم، الغدیر، الریاض یا وادی الریان، ابوضباع یا امر ضباع بیر رضوان اور نقرالغار کے بعد رابغ سے جا ملتا تھا۔

---

[1] المسالک والممالک: ۱۳۰۔

Marfat.com

(۳) طریق الغابر: اس راستہ میں بھی رابغ یا مستورہ سے مکہ مکرمہ تک مذکورہ بالا مقامات پائے جاتے ہیں۔ البتہ جبل غابر سے شمال کی جانب مدینہ کا راستہ نسبتاً قریب تھا۔ اگرچہ یہ دشوار گزار تھا۔

(۴) الطریق المشرقی: مدینہ منورہ سے مشہد سیدنا حمزہ، الغدیر، عزابہ، الجحریہ، السویریجیہ، سفینہ، الجیط، برکت المسلح، برکتہ سمرۃ، الحفائر، وادی الیموں اور بیر الباردہ[1]

مدنی شاہراہ

شاہ خالدبن عبدالعزیز نے حجاج کرام اور زائرین کی سہولت اور آرام کی خاطر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان ایک نئی کشادہ اور قریب ترین شاہراہ تعمیر کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ جو موصوف کے وصال کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ قدیم شاہراہ سے مدینہ سے مکہ کا فاصلہ ۴۵۵ کلومیٹر تھا۔ جبکہ نئی مدنی شاہراہ سے ۴۱۸ کلومیٹر کا فاصلہ رہ گیا ہے۔ پرانی سڑک صرف ۲۰ میٹر چوڑی تھی۔ لیکن نو تعمیر شدہ سڑک تقریباً ایک سو میٹر چوڑی ہے۔ پرانی سڑک پر خطرناک قسم کے موڑ پائے جاتے تھے جبکہ نئی سڑک کے موڑ کشادہ ہونے کی وجہ سے انشاء اللہ جان لیوا نہیں ہوں گے[2]

کسی زمانہ میں مدینہ اور مکہ کے درمیان گیارہ منزلیں یعنی پڑاؤ تھے اور اونٹوں کے ذریعہ گیارہ دن رات میں یہ سفر طے ہوتا تھا۔ مگر آج اللہ کی مہربانی سے چند گھنٹوں میں سہولت سے طے ہو جاتا ہے۔

---

[1] رحلۃ الجاریہ: ۲۰۹ تا ۲۱۲

[2] المدینہ الیوم: ۲۳۷

[3] المدینہ الیوم: ۳۱

Marfat.com

شہر پناہ

قدیم زمانہ کے دستور کے مطابق مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے بھی چاروں طرف دیوار بنائی گئی تھی۔ پرانے زمانے میں شہر پناہ دوہری بنی ہوئی تھی۔ یعنی داخلی اور خارجی۔ ۲۶۳ھ ۸۷۷ء میں پہلی مرتبہ محمد اسحاق الجعدی نے حفاظتی بستہ تعمیر کرایا۔ تاکہ بدوؤں اور ڈاکوؤں کے حملوں سے حفاظت ہو سکے۔ اس میں چار دروازے رکھے گئے مشرق میں بقیع الغرقد جانے کے لئے، مغرب میں وادی عقیق اور قباء کی طرف، تیسرا شمال میں اور چوتھا شمال مغرب میں واقع تھا۔ ۳۷۲ھ/۹۸۲ء میں عضد الدولہ بن بویہ جو الطائع اللہ کا وزیر تھا۔ نے اس کی تجدید کرائی۔ کیونکہ پہلی دیوار امتداد زمانہ کے باعث جگہ جگہ سے منہدم ہو چکی تھی۔ البتہ یہ معلوم نہ ہو سکا کہ پرانی دیوار ہی کی جگہ نئی دیوار بنائی گئی یا اسے نئی جگہ پر تعمیر کیا گیا ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء میں محمد بن ابی المنصور المعروف الجواد الاصبہانی وزیر صاحب موصل نے تجدید کرائی۔ جب مدینہ باسکینہ کی آبادی اس سے تجاوز کر گئی تو نئی آبادی کی حفاظت کی خاطر سلطان عادل نور الدین محمود بن زنگی نے ۵۵۸ھ/۱۱۶۳ء کو دوسری شہر پناہ تعمیر کرائی، جو باب السلام سے ۴۶۵ ذراع اور باب جبرئیل سے ۴۳۴ ذراع کے فاصلہ پر تھی۔

۷۵۵ھ/۱۳۵۴ء میں ملک صالح بن ملک الناصر محمد بن قلاوون نے ۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء میں قایتبائی نے تجدید کرائی۔ ۹۳۹ھ/۱۵۳۲ء میں سلطان سلیمان بن سلطان سلیم نے داخلی شہر پناہ کی تجدید کرائی۔ جس کی تکمیل ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ء میں ہوئی۔ دیوار کی مجموعی لمبائی ۳۰۷۲ ذراع تھی (تقریباً ۵۶۰۸ فٹ) جب کہ تعمیر پر ایک لاکھ دینار صرف ہوئے تھے۔

داخلی شہر پناہ میں پانچ دروازے تھے۔ بقیع کی طرف جانے والا دروازہ باب البقیع یا باب المجمع کے نام سے مشہور تھا۔ اس دروازہ پر پیتل کے حروف میں یہ عبارت کندہ

Marfat.com

تھی ۔ جدّدہ السلطان سلیمان سنۃ ۹۴۵ھ والسلطان محمد خان بن ابراہیم خان ۱۰۷۸ھ ۱۰۶۲ھ / ۱۶۵۲ء میں سلطان محمود نے اسے تعمیر کرایا ۔ اور مذکورہ دروازہ کے شمال میں نیا دروازہ "باب المجیدی" کے نام سے بنوایا ۔ شمال مغرب میں جبل سلع کے مقابل باب الشامی اور اس کے مغرب میں باب الصغیر، جنوب میں القلعہ غربی، پھر باب المصری تھا یہ دروازہ محمد علی پاشا نے جنگ کے بعد بنوایا تھا۔

۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء میں سلطان عبدالعزیز نے شہر پناہ کی ازسر نو تعمیر کرائی اور اسے ۲۵ میٹر اونچا بنوایا ۔ اس میں چالیس برج دفاع اور جنگی اغراض کے لئے بنوائے ۔ اس میں بھی پانچ دروازے رکھے گئے جن کے نام یہ تھے۔

بقیع کی جانب دو دروازے باب العوالی اور باب الکومہ، جنوب میں باب السدیا باب انقبا ۔ مغرب میں باب الغبریہ جسے باب الحمیدی بھی کہا جاتا تھا کیونکہ سلطان عبدالحمید نے اس کی تجدید کرائی تھی ۔ اس سمت شہر پناہ میں ۱۳۰۵ھ / ۱۸۸۸ء میں بھی اضافہ ہوا تھا شہر پناہ کی دیوار کچی اینٹوں اور مٹی گارے سے بے حد مضبوط بنائی گئی تھی [1]

لیکن جب سعودی خاندان کی حکومت قائم ہوئی ۔ ملکی امن وامان کو استحکام نصیب ہوا ۔ رہزنی اور غارت گری سے لوگوں کا جان ومال محفوظ ہو گیا تو پھر شہر پناہ کی ضرورت ہی نہ رہی جواز خود رفتہ رفتہ ختم ہو گئی ۔ [2]

---

[1] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۱۰ تا ۴۱۳ [2] آثار مدینہ: ۱۴۳

Marfat.com

ہوٹل

مدینہ منورہ میں اس وقت متعدد ایسے ہوٹل معرض وجود میں آچکے ہیں جن میں طعام اور قیام کا انتہائی اعلیٰ قسم کا انتظام پایا جاتا ہے، ہر ملک کے مزاج کے مطابق کھانے اور ہر طرح کی سہولتیں میسر ہیں - ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں حسب ذیل ریسٹوران پائے جاتے تھے.

(۱) باب مجیدی میں فندق قصر المدینہ (۲) قصر الانوار (۳) فندق بہاء الدین (۴) فندق مکہ، (۵) اور فندق الخلیج العربی (۶) سنبلیہ میں فندق التیسیر و (۷) فندق قصر الحجاز (۸) فندق الزہرا، (۹) فندق الصفا شارع ملک عبدالعزیز (۱۰) فندق السرور (۱۱) فندق الزہور (۱۲) فندق السعادۃ (۱۳) فندق ابوخالد (۱۴) فندق الوفاء (۱۵) فندق قصر الروضۃ (۱۶) فندق دار الہجرۃ (۱۷) فندق شیراتون المدینہ منطقہ سلطانیہ میں (۱۸) فندق الحرم، ساحدیں (۱۹) فندق قصر الانصار، شارع السیحمی پر (۲۰) فندق الجزیرہ، شارع ابی ذر پر (۲۱) فندق بافقیہ شارع ابی ذر پر (۲۲) فندق الحرمین، دردیشبہ میں (۲۳) فندق استراحہ، شارع رومہ پر (۲۴) فندق الضیافتہ العامہ (۲۵) فندق عبدالعزیز قوقیر (۲۶) فندق غسان یہ تینوں شارع ابی ذر پر واقع ہیں (۲۷) فندق السعد محلہ رومیہ میں (۲۸) فندق السالم اور (۲۹) فندق قصر طیبہ باب العودی میں ہے[1]

ناپ و تول کے پیمانے

مکہ معظمہ کے لوگ تجارت پیشہ اور مدینہ کریمہ کے باشندے زراعت پیشہ تھے. اس لئے معاملات میں دونوں شہروں میں ایک نمایاں فرق پایا جاتا تھا. کہ مکہ معظمہ میں وزن کے پیمانوں کا استعمال عام تھا. جبکہ مدینہ منورہ میں ناپ یعنی مکیال کا رواج عام تھا.

---

[1] المدینہ..... الیوم : ۳۴۰

Marfat.com

پیمانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کا اختلاف بھی موجود تھا۔ اس اختلاف کو ختم کرنے کی خاطر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مدینہ کے مکیال کو اصل اور معیار قرار دیا اور میزان یعنی تول کے لئے مکہ معظمہ کے پیمانہ کو اصل اور بنیاد گردانا۔

اہل مدینہ کے ناپ کے اہم پیمانے، مُد، صاع اور وسق تھے۔ مُدّ دو چلّو غلہ یا پانی کی مقدار کے برابر تھا۔ اور چلو متوسط آدمی کے ہاتھوں کے بقدر طے پایا۔ چار مُدّ کا ایک صاع اور ۶۰ صاع کا ایک وسق شمار ہوتا تھا۔

صاع اور مُدّ کی مقدار کے متعلق مختلف اقوال میں توازن پیدا کرنے کے بعد حسب ذیل صورت قریب تر سمجھی گئی ہے، ایک مدّ، مساوی ہے ۵۴۴ گرام وزن گیہوں کے یا ۸۱۶ گرام پانی کے اور ایک صاع مساوی ہے ۲۱۷۶ گرام گیہوں کے یا ۳۲۶۴ گرام پانی کے۔

درہم سکہ کے طور پر ۱½ تولہ چاندی کی قیمت کا تھا۔ اور وزن کے لحاظ سے پیمانہ بھی تھا جو ۲،۹۷ گرام یعنی ½ تولہ وزن رکھتا تھا۔ سکہ کے طور پر دینار کے ساتھ اور وزن کے طور پر اوقیہ اور رطل کے ساتھ شمار ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں درہم میں ۶ دانق اور ۱۲ قیراط مانے جاتے ہیں[1]

موجودہ دور میں عالمی منڈیوں کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لئے مدینہ منورہ سمیت تمام سعودی عرب میں وزن کے لیے گلوگرام اور ناپ کے لئے کلومیٹر استعمال ہوتا ہے، جبکہ سکہ صرف ریال اور قرش کی صورت میں گردش میں ہے۔ ریال کا نوٹ ایک سے لے کر ایک ہزار تک کا ہے اور ہلالہ، قرش اور ایک ریال کا سکہ غالباً المونیم کا بھی پایا جاتا ہے۔

لباس

قدیم تہذیب کے مطابق آج بھی عربوں کا لباس باوقار، باعزت، عفت و عصمت کا

---

[1] جزیرۃ العرب ندوی ۲۰۲، ۲۰۳

Marfat.com

محافظ، لمبا ڈھیلا، ڈھالا، تنگ و چست اور جدید فیشن سے مبّرا ہے عرب اور بالخصوص اہل مدینہ اپنی اس تہذیب کے سخت پابند ہیں۔ سفید لباس کو زیادہ اہمیت اور فوقیت حاصل ہے کپڑے کی اقسام اور قیمت تغیر پذیر چیزیں ہیں۔ مغربی لباس کو حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مردوں اور عورتوں کی قمیص ٹخنوں تک لمبی ہوتی ہیں۔ مرد اس کے نیچے نیکر یا پاجامہ اور عورتیں پاجامہ پہنتی ہیں۔ مرد دھاگے کی بنی ہوئی ٹوپی پر مختلف رنگ کا رومال پہنتے اور عورتیں دوپٹہ اور برقعہ استعمال کرتی ہیں۔ عرب عورت پردہ کی سخت پابند ہے۔ مدینہ کے بازاروں میں شہر کی کوئی عرب عورت برقعہ کے بغیر ہرگز نہیں جاتی۔

شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی المتوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء لکھتے ہیں۔

اہل مدینہ نہایت خوش پوشاک اور خوش خوراک ہوتے ہیں۔ مگر ان کے ہاں دھوبیوں کا دستور نہیں۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں کپڑے دھوتے ہیں۔ متوسط طبقہ اور غریب طبقہ والوں کی بیویاں دھوتی ہیں۔ اور بڑے طبقہ والوں کی باندیاں دھوتی ہیں۔ عموماً گھروں میں استری اور کلف کا سامان پایا جاتا ہے[1]

موجودہ دور میں ہر ایک چیز ترقی کر چکی ہے، ڈرائی کلینگ کی متعدد دکانیں موجود ہیں اور تقریباً ہر گھر میں عمدہ قسم کی واشنگ مشینیں پائی جاتی ہیں۔ جو کپڑے دھونے، نچوڑنے اور خشک کرنے کے تمام کام کرتی ہیں۔

عربوں کے قومی لباس کی تعریف غیر مسلم مورخ بھی کئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ پروفیسر فلپ کے حتیؔ لکھتا ہے۔

مردوں کے لباس کی وضع و قطع بدلتی رہتی ہے۔ لیکن اس وقت سے آج تک اس میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں ہوئی۔ ان کی پوشاک عام طور پر پاجامہ، قمیص، عبا، صدری اور جبہ

---

[1] نقش حیات: ۲/۷

Marfat.com

پر مشتمل ہوتی ہے[1]

زبان

تاریخی روایات اور مورخین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ کے باشندوں کی زبان ابتدا ہی سے عربی تھی۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری زبان وہاں نہیں بولی گئی جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سفینہ نوحؑ سے اترنے والے اسی افراد بابل کے اطراف میں آباد ہوئے تھے۔ تعداد کی مناسبت سے ان کی بستی کا نام "سوق الثمانین" مشہور ہوا۔ ان میں ۷۲ زبانیں بولی جاتی تھیں۔ پھر اللہ نے انہیں عربی بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی۔ اور وہ عربی میں گفتگو کرنے لگے۔ عرصہ دراز کے بعد جب وہ لوگ منتشر ہو کر مختلف مقامات پر آباد ہوئے۔ تو ان میں سے یثرب بن عُبیل اور اس کی اولاد پہلے جحفہ میں اور پھر اِس مقام پر آباد ہوئے۔ اور یثرب ہی کے نام سے بستی کا نام یثرب شہرت پذیر ہوا[2]

علاوہ ازیں عربی زبان قدیم ہونے کے تاریخی شواہد بھی موجود ہیں۔ جیسا کہ امام جمال الدین محمد بن مکرم المتوفی ۷۱۱ھ/ ۱۳۹۹ء لکھتے ہیں "بعض لوگوں کا قول ہے کہ اہالیانِ یمن کے جد امجد یعرب بن قحطان نے سب سے پہلے عربی میں گفتگو کی۔ اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے بھی عربی زبان کی قدامت ثابت ہوتی ہے کہ پانچ نبی عربی اللسان ہوئے ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام[3]"

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے زمانہ میں لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں خالص عربی زبان

---

[1] عرب اور اسلام : ۱۱۸

[2] وفاء الوفا ج ۱ : ۱۰۹

[3] لسان العرب ج ۱ : لفظ عرب

Marfat.com

استعمال ہوتی تھی۔ جسے قرآن مجید کی اصطلاح میں "عَرَبِیٌّ مُّبِیْن" کہا جاتا ہے لیکن مدینہ منورہ میں مقیم مختلف زبانیں بولنے والے بیسیوں ممالک کے لوگوں کے اختلاط نے عربی زبان کو اصلی صورت میں نہ رہنے دیا۔ عام لوگوں کی زبان "عربی عامیہ" ہے اگرچہ اب بھی تعلیم و تعلّم، نشر و اشاعت اور سرکاری زبان "عربی فصیحہ" ہی ہے عربی عامیہ اغلاط کا مجموعہ ہے۔ جسے عربی قواعد سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ بایں ہمہ عربوں کا لب و لہجہ اور بالخصوص مدینہ باسکینہ کے کریم النفس باشندوں کا طرزِ تکلم دل کا موہ لینے اور مسحور کر دینے والا ہے۔ ان کی شیریں کلامی سے پھول برستے ہیں ان کے کلام کی چاشنی اور ملاطفت ہر کسی کو اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے۔

پروفیسر فلپ۔ کے۔ حتّی لکھتا ہے۔

عربوں کے یہاں ادبی اسلوبِ بیان کی جو والہانہ قدر و منزلت پائی جاتی ہے، ویسی دنیا کی کسی قوم میں نظر نہیں آتی۔ اور نہ دنیا کی کسی قوم کا دل و دماغ قوتِ الفاظ سے چاہے وہ تحریری ہوں یا تقریری عربوں کے دل و دماغ کی طرح اثر پذیر ہو سکتا ہے۔ عربی زبان میں اپنے بولنے والوں کی ذہنی قوتوں پر جتنی شدت کے ساتھ اثر انداز ہونے کی خصوصیت پائی جاتی ہے دنیا کی کسی اور زبان کو نصیب نہیں ہے[1]

شادی بیاہ کی رسومات

عرب میں دستور ہے کہ عورت اپنے ساتھ جہیز نہیں لاتی۔ بلکہ مرد تمام ضروریات زندگی کا شادی سے پہلے ہی انتظام کر لیتا ہے۔ رشتہ تجویز کرنے کے عموماً دو طریقے پائے جاتے ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کے خاندان ہی کے لوگ رشتہ تلاش اور طے کرتے ہیں یا خاندان کی بڑی بوڑھی عورتیں رشتہ تلاش کرتی ہیں۔ جب لڑکے کا خاندان اطمینان اور رغبت کا اظہار کرتا ہے۔

---

[1] عرب اور اسلام : ۲۸

Marfat.com

ہے تو اس کے بعد لڑکی کی والدہ اس کے باپ کو صورت حال سے آگاہ کر کے مشورہ طلب کرتی ہے۔ جب وہ باہم رضامند ہو جاتے ہیں تو لڑکی کے گھر والے یا درمیانی واسطہ کے ذریعہ لڑکے کے والد کو آگاہ کر دیا جاتا ہے۔

بعد ازاں لڑکے والے خاندان کے عمر رسیدہ بزرگوں کو ساتھ لے کر لڑکی کے والد کے ہاں نکاح کا پیغام دینے جاتے ہیں۔ جو ان کا پرطباق خیر مقدم کرتے ہیں۔ پھر اسی مجلس میں یا آئندہ کسی دوسرے وقت ان سے معاملہ طے ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد لڑکا اپنی مانگ دیکھنا چاہے تو اسے ایک مقررہ وقت پر بلایا جاتا ہے اور اس کی آمد پر لڑکی اور اس کے والدین، بھائی بہن موسم کی مناسبت سے شربت یا چائے وغیرہ سے اس کی تواضع کرتے ہیں۔

جانبین میں معاملہ طے ہو جانے پر دونوں خاندان کے لوگ لڑکی کے گھر جمع ہوتے ہیں اور اپنے وعدہ وعہد کو حتمی شکل دیتے ہیں۔ اس مجلس کو "قرارۃ الفاتحۃ" کا نام دیا جاتا ہے جس وقت نکاح کی تاریخ اور مقام نکاح مقرر کرنا ہوتا ہے تو لڑکے والے لڑکی کے والد کے ہاں جمع ہوتے ہیں۔ جہاں بے حد خوشی منائی جاتی ہے۔ عطریات اور خوشبو کا بھرپور دور چلتا ہے اور اس موقع کی مناسبت سے خاص قسم کے حلوہ سے مہمانوں کی تواضع کی جاتی ہے۔

جب جانبین سے عقد پر اتفاق رائے ہو جاتا ہے تو اسی اثنار میں مہر طے کیا جاتا ہے جو لڑکے کی حیثیت کے مطابق ہوتا ہے عموماً بیس ہزار ریال سے ساٹھ ہزار ریال تک ہوتا ہے طے شدہ مہر کی رقم لڑکی کے والد کو دی جاتی ہے وہ اس سے زیورات اور گھر کی دیگر تمام ضروریات کی چیزیں خرید لیتا ہے۔

نکاح کی تاریخ اور دعوت طعام کی جگہ فریقین باہم رضامندی سے طے کرتے ہیں جہاں دونوں فریق کے خاندان، دوست واحباب اور متعلقین کو دعوت دی جاتی ہے۔ مدینہ منورہ میں متعدد ایسے محلات پائے جاتے ہیں جو ایسی ہی تقریبات کی غرض سے تعمیر کئے گئے ہیں۔ حسبِ حیثیت جگہ کی تعین ہوتی ہے۔ جن میں کھانا وغیرہ کے اوسط اخراجات

Marfat.com

پانچ چھ ہزار ریال تک ہوتے ہیں۔

نکاح کے بعدات کے آخری حصہ میں دلہن، اپنی والدہ اور رشتہ دار عورتوں کے ساتھ کاروں کے جلوس میں دولہا کے گھر جاتی ہے۔ اور اگلی صبح دعوت ولیمہ ہوتی ہے[1]

قصر الافراح

مدینہ منورہ میں کچھ عرصہ سے شادی بیاہ کی تقریبات کے لئے مخصوص محلات تعمیر ہوئے ہیں۔ جن میں عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہیں ہیں۔ مشروبات اور طعام کا انتظام بیٹھنے کے لئے قالین یا کرسیاں وغیرہ اور دیگر متعلقہ ضروریات کی ہر چیز دستیاب ہوتی ہے۔ عموماً چوبیس گھنٹوں کے لئے اجرت پر حاصل کئے جاتے ہیں۔ ہر آدمی اپنی استعداد اور طاقت کے مطابق انتظامات کراتا ہے۔ اس لئے اجرت بھی مختلف ہوتی ہے۔ کم از کم اجرت چار ہزار ریال اور زیادہ سے زیادہ پندرہ ہزار ریال ہوتی ہے جب سے یہ محلات تعمیر ہوئے ہیں۔ لوگوں نے گلی کوچوں اور محلوں میں شادی کی تقریبات منعقد کرنا ترک کر دی ہیں۔ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں حسب ذیل محلات تعمیر ہو چکے تھے۔

قصر الوئام، قبا میں، قصر افراح المدینہ، المنشیہ میں، عوالی میں قصر الافراح، سید الشہداء میں قصر انیا قصر احلی اللیالی، طریق العیون میں، طریق المطار میں قصر السعادہ، طریق العیون میں قصر ہبہ، قصر السالمیہ، طریق قربان، قصر الغونی، طریق المطار میں، عوالی میں قصر الوادی الاخضر، قصر احلی التھانی اور قصر الشموع ہیں[2]

تجہیز و تکفین

مدینہ منورہ میں جب کسی آدمی کی موت واقع ہو جاتی ہے، تو اہل خانہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ قریب والی نماز کے ساتھ ہی مسجد نبوی شریف میں نماز جنازہ ادا کر دی جائے۔ نماز جنازہ کے بعد میت جنت البقیع لے جاتے ہیں

---

[1] المدینہ..... الیوم ۳۲۲ تا ۳۲۸

[2] المدینہ..... الیوم ۳۲۲ تا ۳۲۸

Marfat.com

مدینہ منورہ میں تعزیت کا طریقہ یہ ہے کہ جس شخص سے تعزیت کرنی ہو۔ اس کے سینہ پر ہاتھ رکھ کر "عظم اللہ اجرکم واحسن عزاءکم" کہا جاتا ہے۔ جس کے جواب میں وہ آدمی "اجارکم اللہ وجزاکم خیرا" کہتا ہے۔

میت والے گھر میں لوگ تین دن تک تعزیت کے لئے جاتے ہیں، جہاں کرسیاں رکھی ہوتی ہیں۔ قرآن مجید اور علیحدہ علیحدہ سپارے بھی رکھے ہوتے ہیں ہر آدمی حسب منشا تلاوت قرآن مجید کرتا ہے۔ اور تعزیت کر کے چلا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں میت کے گھر تعزیت کے لئے آنے والوں کو ٹیپ ریکارڈ سے تلاوت قرآن مجید سنائی جاتی ہے اور وہ لوگ مغرب سے عشا تک ٹھہرتے ہیں لے

قدیم الایام سے عرب میں مُردوں کو دفن کرنے کا دستور پایا جاتا ہے۔ اس لئے انصار مدینہ نے مختلف قبرستان بنا رکھے تھے ایک قبرستان بنو ساعدہ کا تھا۔ جہاں بعد میں مدینہ منورہ کا ایک پُر رونق بازار قائم ہوا ہے

عبدالاشہل کا قبرستان مضبرہ کے نام سے مشہور تھا۔ بنو سلمہ کا ایک جداگانہ قبرستان تھا۔ مقام غرس کی طرف واقع بنو خطمہ کا قبرستان تھا۔ اور بنی نجار کا قبرستان مسجد نبوی شریف کی جگہ واقع تھا۔ جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اکھاڑ کر مسجد تعمیر کرائی تھی ہے

علاوہ ازیں بقیع الغرقد جو مدینہ منورہ کا شہرہ آفاق قبرستان ہے۔ پہلے ایک زرخیز خطہ تھا۔ جس کے درخت کاٹ کر قبرستان بنایا گیا تھا۔

لے المدینہ ... الیوم ۳۳۳-۳۳۴ ۲ے وفاء الوفا۔

۳ے ایضاً ۴ے طبقات ابن سعد ج ۲ : ۴۰

۵ے صحیح بخاری ج ۱ : ۵۶۰

Marfat.com

جنت البقیع

یا

شاہی مہمان خانہ

جنت البقیع وہ عدیم النظیر قبرستان ہے، جس کے ریگ زاروں میں لاتعداد قدسی نفوس اور فلک رسالت کے درخشندہ ستارے آسودۂ خواب ہیں. جس خوش نصیب کو بقیع کی خاک نصیب ہوجائے گویا اسے جنت کی ضمانت مل گئی۔ مدینہ طیبہ کا یہ شہر خاموشاں ایک پر تکلف شاہی مہمان خانہ ہے۔ علامہ ندوی رقمطراز ہیں.

مدینہ منورہ کا یہ واحد قبرستان، جس کا اصل نام بقیع الغرقد ہے، غرقد عربی میں جھاڑیوں کی زمین کو کہتے ہیں، بقیع شریف حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے اب تک مدینہ کا قبرستان رہا ہے۔ اس میں تقریباً دس ہزار صحابہ کرام مدفون ہیں جن میں خاص طور پر قابل ذکر حضرت عائشہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات باستثنار حضرت میمونہ مدفون ہیں. علاوہ ازیں سیدہ فاطمہ اور دوسری صاحبزادیاں نیز نواسے حضرت حسن اور متعدد اہل خاندان ایک خیطرہ میں اور آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم، چچا حضرت عباس اور ان کے علاوہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت ابوسعید خدری حضرت نافع مولی عمر اور حضرت امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہم مختلف جگہوں پر مدفون ہیں[1]

تاجدار مدینہ، شاہِ حرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا.

---

[1] جزیرۃ العرب ندوی : ۲۵۱،

Marfat.com

"کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میری قبر شق ہو گی اور میں اس سے باہر آؤں گا۔ پھر ابو بکرؓ اپنی قبر سے اٹھیں گے اس کے بعد عمرؓ، بعد ازیں میں جنت البقیع میں جاؤں گا (شیخیں بھی میرے ساتھ ہوں گے) وہاں مدفون حضرات کو لے کر مکہ معظمہ کے قبرستان والوں کا انتظار کروں گا۔ وہ مکہ اور مدینہ کے درمیان آکر مجھ سے ملیں گے"[1]

نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت کے دن جنت البقیع سے ستر ہزار افراد اٹھیں گے۔ جن کے چہرے چودھویں کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے اور وہ خوش نصیب بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل ہوں گے"[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"دو قبرستان ایسے ہیں جن کی روشنی آسمان والوں کو ایسے ہی دکھائی دیتی ہے، جیسے زمین والوں کو سورج اور چاند چمکتے نظر آتے ہیں، ایک مدینہ منورہ کا قبرستان اور دوسرا عسقلان

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو آدمی ہمارے اس قبرستان میں دفن ہوا۔ تو میں اس کی شفاعت کروں گا اور اس کے حق میں گواہی دوں گا"[3]

حضرت مصعب بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں ابن راس الجالوت کے ساتھ جنت البقیع کے قریب سے گزرا جب کہ ہم دونوں حج بیت اللہ سے فراغت کے بعد زیارت مدینہ باسکینہ کو آئے تھے، ابن راس الجالوت نے بقیع کو دیکھتے ہی بے ساختہ کہا اِنَّهَا لَهِیَ بیشک یہی ہے

---

[1] جامع صغیر ج ۱: ۱۱۱ [2] کنز العمال ج ۱۲: ۲۶۲، جمع الفوائد ج ۱: ۲۰۲، فتح القدیر ج ۳: ۶
[3] اخبار مدینہ: ۱۵۱، [4] ایضاً

Marfat.com

میں نے دریافت کیا۔ وَمَاهِیَ ؟ اور یہ کیا چیز ہے ابن رائس نے فرمایا

"ہم نے اس کے اوصاف تورایت میں پڑھے ہیں کہ اس قبرستان کے مشرق میں کھجوروں کے باغات اور مغرب میں مکانات ہوں گے۔ یہاں سے قیامت کے دن ستر ہزار آدمی اٹھیں گے جن کی صورتیں چودھویں کے چاند کی طرح جگمگا رہی ہوں گی"[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات میرے ہاں تشریف فرما تھے سحری کے وقت جنت البقیع کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ انہیں سلام پیش کیا اور دعا دی۔

السلام علیکم دار قوم مومنین۔ واتاکم ما توعدون وانا

انشاء اللہ بکم لاحقون۔ اللھم اغفر لاھل بقیع الغرقد[2]

حبیبہ حبیب خدا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں ایک رات میرے ہاں محبوب خدا اشرف انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما تھے۔ کہ اچانک آپ اٹھے اور باہر تشریف لے گئے۔ میں بھی دبے پاؤں آپ کے پیچھے چل پڑی

میں نے گمان کیا شاید آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں جانا چاہتے ہیں۔ لیکن آپ سیدھے جنت البقیع میں تشریف لے گئے۔ وہاں دیر تک کھڑے رہے۔ آپ نے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر اہل بقیع کے لئے دعا کی اور پھر واپس ہوئے۔ میں بھی جلدی میں گھر لوٹ آئی۔ اور آپ کے پہنچنے سے پہلے گھر پہنچ گئی۔ اور چپکے سے آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ جب آپ تشریف فرما ہوئے۔ اور میرے جسم میں اضطراب کے آثار مشاہدہ کئے تو ارشاد فرمایا۔ عائشہ کیا بات ہے؟ تم مضطرب و بے چین کیوں دکھائی دیتی ہو۔ میں نے سارا واقع کہہ سنایا۔ آپ فرمانے لگے۔

---

[1] اخبار مدینہ: ۱۵۲ [2] مسلم شریف ج ۱: ۳۱۳ سنن نسائی شریف ج ۱: ۲۰۶
سے البدایہ والنہایہ ج ۶: ۳۳۳

Marfat.com

وہ سیاہی جسے میں نے اپنے سامنے محسوس کیا تھا شاید تم ہی تھی۔ میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان جائیں۔ ایسا ہی ہے۔ آپ نے اپنا دستِ شفقت میرے سینہ پر رکھتے ہوئے فرمایا۔ کیا تم نے گمان کیا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے ساتھ ناانصافی کریں گے۔

میں نے عرض کیا۔ میرے محبوب آقا خداوند قدوس سے کوئی بات پوشیدہ نہیں ہے۔ بات تو ایسی ہی تھی اور یہ سب کچھ بستری تقاضا سے ہوا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبرئیل آمین تشریف لائے۔ اور باہر ہی سے آواز دی اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ آپ بقیع کی زیارت کو جائیں۔ اور ان کے لئے دعا و استغفار کریں۔ میں نے گمان کیا کہ تم سو رہی ہو۔ بیدار کر کے پریشان نہ کروں۔ لہذا میں خاموشی سے چلا گیا۔[1]

قبور مقدسہ امہات المومنین

امہات المومنین ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے سیدہ خدیجۃ الکبریٰ اور سیدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے علاوہ سب کی قبریں جنت البقیع میں ہیں۔ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۶۵ سال کی عمر میں نبوت کے دسویں سال مکہ معظمہ میں محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو داغ مفارقت دے گئی تھیں۔ بنابریں انہیں جنت المعلیٰ میں سپرد خاک کیا گیا ہے۔[2] یونہی اُمّ المومنین سیّدہ میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حج سے واپسی پر سَرِف کے مقام پر ۵۱ھ/۶۷۱ء میں انتقال فرمایا اور اسی جگہ پر تدفین بھی ہوئی۔[3]

ام المومنین سیدہ زینب رضؓ

آپ غربا اور مساکین کو بڑی فیاضی سے کھانا کھلاتیں

---

[1] مسلم شریف ج ۱: ۳۱۳، سنن نسائی شریف ج ۱: ۲۰۶ [2] طبقات ابن سعد ج ۸

[3] بخاری شریف ج ۲: ۱۱۔

Marfat.com

بنابرین "ام المساکین" کی کینیت سے شہرت رکھتی تھیں، حرم نبوی میں داخل ہونے کے صرف تین ماہ بعد داعی اجل کو لبیک، کہہ کر خلد بریں میں جلوہ افروز ہو گئیں، اس وقت عمر مبارک صرف ۳۰ سال تھی، آقاؤنا مدار صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھا کر جنت البقیع میں دفن کیا۔

ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۵ھ/۶۲۶ء میں ۳۵ سال کی عمر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں اور ۲۰ھ/۶۴۱ء ۵۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں راحت گزیں ہو گئیں

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تقریباً نو سال تک حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بسر فرمائے ۵۷ھ/۶۷۶ء میں ۶۶ سال کی عمر میں عالم جاودانی کو سفر فرمایا اور بقیع میں راحت گزین ہوئیں[1]

ام المومنین سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے کچھ روز بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں اور ۲۲ھ/۶۴۲ء میں انتقال ہوا اور جنت البقیع میں تدفین ہوئی[2]

ام المومنین سیدہ ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہما ۳۷ سال کی عمر میں حرم نبوی میں داخل ہوئیں اور ۷۴ سال کی عمر میں ۴۴ھ/۶۶۴ء کو دار الخلد میں رحلت فرمائی[3]

ام المومنین سیدہ صفیہ بنت حیی ابن اخطب رضی اللہ تعالیٰ عنہا رمضان المبارک ۵۰ھ/۶۷۰ء میں مالک حقیقی سے ملاقی ہوئیں اور جنت البقیع میں جلوہ افروز ہو گئیں[4]

---

[1] کامل ابن اثیر ج ۲: ۲۸ تذکرۃ الحفاظ، ۵۲
[2] طبقات ابن سعد

Marfat.com

ام المومنین سیدہ حفصہ بنت، فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۳ھ/۶۲۴ء میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجیت میں آئیں اور سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں شعبان ۴۵ھ/۶۶۵ء کو ۶۰ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور جنت البقیع میں آسودہ خواب ہوئیں[1]

ام المومنین سیدہ ام سلمہ بنت ابی امیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۸۴ سال کی عمر میں ۵۹ھ/۶۷۸ء میں انتقال فرمایا[2]

ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا مقوقش شاہ اسکندریہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کی تھیں ۱۶ھ/۶۳۷ء میں وصال ہوا اور جنت البقیع میں آرام فرما ہوئیں[3]

جنت البقیع میں کتنے ہی قدسی نفوس آسودۂ خواب ہیں مگر اس وقت ان کی قبروں کے آثار و نشانات معدوم ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں روافض کی غیر شرعی اور ناشائستہ حرکات جن سے اس محترم مقام کا تقدس پامال ہو رہا تھا سعودی حکومت نے زائرین کے لئے جنت البقیع بند کر دی ہے۔ جس کے باعث قبور کی تفصیلات چنداں ضروری نہ رہیں۔ احقار سے کچھ اسما ذکر کئے جاتے ہیں۔

قبر عثمان بن مظعونؓ

جنت البقیع کے شکم میں سپرد کی جانے والی سب سے پہلی امانت سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات ستودہ صفات تھی۔ ان کا وصال ہو جانے پر صحابہ کبار رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں التجا کی کہ ان کی تدفین کہاں کی جائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۸ [2] ایضاً [3]

Marfat.com

انہیں بقیع میں دفن کیا جائے۔ قبر کی کھودائی کے دوران ایک پتھر برآمد ہوا۔ جسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر کے سرہانے نصب کر دیا۔[1]

قبر سیدہ رقیہؓ

شاہزادی رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم رفیقہ حیات سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رمضان المبارک ۲ھ ر میں اس عالم فانی سے عالم جاودانی کو انتقال فرمایا۔

اتفاق ایسا ہوا کہ سیدنا زید بن حارثہ اور سیدنا عبداللہ بن رواحہ جب فتح بدر کا مژدہ جاں فزا لے کر مدینہ کریمہ پہنچے تو اس وقت جگر گوشۂ رسول سیدہ رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر پہ مٹی ڈالی جا رہی تھی[2]۔ ان کی قبر بھی سیدنا عثمان بن مظعونؓ کے قریب ہی بنائی گئی تھی[3]۔

سیدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ۸ھ/۶۲۹ء کو ہوا نماز جنازہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی اور بقیع میں تدفین ہوئی۔ اسی طرح سیدہ اُمِّ کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ۹ھ/۶۳۰ء کو ہوا اور بقیع میں آسودہ خواب ہیں[4]۔

مرقد سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جگر گوشۂ رسول سیدہ فاطمہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ ماہ بعد رمضان المبارک ۱۱ھ/۶۳۲ء میں اس دار فانی کو خیرباد کہہ کر عالم جاودانی کو رحلت فرما گئیں[5]۔

---

[1] طبقات ابن سعد

[2] البدایہ والنہایہ ج ۳ : ۳۴۷

[3] وفاء الوفاء ج ۲ : ۸۶

[4] طبقات ابن سعد

[5] البدایہ والنہایہ ج ۶ : ۳۳۳

Marfat.com

آپ کی قبر کے متعلق کئی اقوال پائے جاتے ہیں. بعض کا خیال ہے کہ بقیع میں مدفون ہیں. بعض نے ان کے مکان کے اندر قبر ہونے کا قول اختیار کیا ہے اور یہ قول بھی ہے کہ دار عقیل میں تدفین ہوئی تھی. مشہور روایت کے مطابق ان کی قبر بقیع میں ہے جہاں باقی اہل بیت نبوت اور صحابہ کبار آرام فرما ہیں. ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں. سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زندگی کے آخری ایام میں یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ زندگی میں غیر محرموں کی نگاہ سے میرا وجود محفوظ رہا مگر وصال کے بعد میری نعش کیسے پردہ میں رہ سکتی ہے. اس پر سیدہ اسماء بنت عمیس زوجہ مکرمہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کہنے لگیں. میں نے حبشہ میں دیکھا کہ لوگ میت کے لئے تابوت بناتے ہیں جس سے کامل پردہ پوشی ہو جاتی ہیں. لہذا آپ کے لئے ہم ایسا ہی انتظام کر لیں گے، چنانچہ سیدہ اسماءؓ نے کھجور کی ٹہنیوں کا گہوارہ بنا کر دکھایا. جسے دیکھ کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تبسم فرمایا. پھر ہم ان کا جنازہ اٹھا کر لے گئے اور رات کے وقت تدفین ہوئی[1]

امام حاکم نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ آپ کی قبر جنت البقیع میں ہے. کیونکہ قبرستان لے جانے کی بناء پر انہیں وجود مسعود کے افشا کا قلق ہوا. اور اگر گھر ہی میں دفن کرنے کی وصیت فرمائی ہوتی تو ایسے فرضی احتمالات سے ہرگز پریشانی لاحق نہ ہوتی.

امام ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۲ء لکھتے ہیں اسلام کی تاریخ میں سیدہ فاطمہؓ ہی سے عورتوں کی میت کی پردہ داری کا طریقہ شروع ہوا[2]

شیخ محب الدین طبری نے لکھا ہے کہ شیخ ابو العباس مرسی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ زیارت بقیع کے دوران قبہ عباس کے سامنے کھڑے ہو کر سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر سلام پیش کرتے اور فرماتے کہ یہاں سیدہ کی قبر ہے اس کے ساتھ سیدنا حسن بن علی، سیدنا ابن

---

[1] تاریخ حاکم ج ۳: ۱۶۲ [2] البدایہ النہایہ ج ۶: ۳۳۴

Marfat.com

العابدین، سیدنا امام محمد باقر اور سیدنا امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر سلام بھیجتے ہے

علامہ مسعودی نے لکھا ہے کہ سیدنا ابو عبداللہ جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی کا انتقال ۱۴۸ھ/۷۶۵ء میں ہوا۔ ان کی قبر ان کے والد گرامی قدر اور جد امجد کے پہلو میں بقیع کے اندر بنائی گئی۔ ان قبور کے احاطہ پر ایک تختی پر یہ عبارت درج تھی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ مبید الامم ومحی الرمم ھذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدۃ نساء العالمین و قبر حسن بن علی وعلی بن الحسین بن علی وقبر محمد بن علی وجعفر بن محمد علیہم السلام[1]

سیدنا امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیت تھی کہ اگر مجھے میرے جد بزرگوار صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ دفن کرنا ممکن نہ ہو تو میری والدہ ماجدہ کے پہلو میں بقیع میں سپرد خاک کر دینا۔[2]

چنانچہ ان کی اس دلی آرزو اور قلبی خواہش کے مطابق والدہ مکرمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جوار رحمت اور آغوش میں دفن کیا گیا اور آج بھی اسی مقام جنت البقیع میں آسودہ خواب ہیں۔[3]

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء لکھتے ہیں ایک مرتبہ کسی آدمی کے لئے قبر کھودی جا رہی تھی کہ ایک پتھر برآمد ہوا۔ جس پر لکھا تھا۔ ھذا قبر فاطمۃ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس معلوم ہوا کہ ان کی قبر جنت البقیع میں ہے[5]

---

[1] معالم دار الھجرۃ: ۱۲۶ [2] وفاء الوفاء ۲: ۹۳

[3] اخبار مدینہ، ۱۵۴ وفاء الوفاء ۲: ۹۰، معالم دار الھجرۃ ۱۲۶ [4] مروج الذھب ج ۲، ۴۲۶

[5] اخبار مدینہ: ۱۵۳، [6] اخبار مدینہ: ۱۵۴

Marfat.com

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ آپ کی تدفین اپنے مکان میں ہوئی تھی جبکہ وہ حصہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے مسجد کی توسیع میں شامل کر لیا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جب حجرہ مقدسہ کی تعمیر کے لئے بنیادیں کھودی جارہی تھیں تو مشرقی ستون کی جگہ ایک قبر ظاہر ہوئی جس میں ہڈیاں نظر آرہی تھیں۔ اس سے گمان کیا جاتا ہے کہ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی قبر ہے [1]

مرقد سیدنا عثمان ذی النورین رضؓ

اقلیم شہادت کے تاجدار امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دل فگار داستانِ شہادت سے ہر مسلمان آگاہ ہے کہ آپ کو نہ صرف سفاکی و بے باکی سے شہید کیا گیا۔ بلکہ بلوائیوں نے آپ کی نماز جنازہ اور تدفین میں بھی مزاحمت کی جس کے باعث آپ کو بقیع میں دفن کرنا بھی محال ہو گیا تھا۔ بنابریں بقیع کے متصل ابان بن عثمان کے باغ "حش کوکب" میں تدفین ہوئی۔

آپ کی شہادت کا جان کاہ حادثہ جمعۃ المبارک ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ/ ۶۵۶ء کو وقوع پذیر ہوا۔ لیکن بدامنی اور ناگفتہ بہ حالات کے باعث دو دن کی تاخیر سے تدفین ہوئی۔ [2]

بعد میں بقیع کی توسیع کے باعث قبر مبارک داخل قبرستان ہو گئی تھی۔ اس وقت سعودی توسیع کے باعث آپ کی قبر مبارک تقریباً وسط میں پائی جاتی ہے۔

زیارت شہداء اُحد

غزوہ احد میں ستر جلیل القدر، قدسی صفات صحابہ کرام نے جام شہادت نوش فرمایا تھا۔ ان شہداء کی تدفین بھی اُحد ہی میں عمل میں لائی گئی وقت کی نزاکت اور دشمن کے حملے کا خطرہ درپیش ہونے کے باعث ایک ایک قبر میں دو، دو، تین، تین شہداء کو دفن کیا گیا تھا

---

[1] وفاء الوفا ج ۲، ۹۴، ۹۵ [2] ایضاً

Marfat.com

ان میں سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی شامل تھے۔ امام ابن نجار المتوفی ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء اور امام مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں۔ زمانہ کے تغیرات کے باعث سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر اطہر کے علاوہ دوسری قبور کے آثار مٹ چکے ہیں۔ ۵۷۰ھ/۱۱۷۴ء میں خلیفہ ناصر لدین اللہ کی والدہ محترمہ نے قبر پر بنوایا۔ بقیہ شہداء کی قبوا پر رکھے ہوئے پتھروں سے بتایا جاتا ہے کہ یہ فلاں شہید کی قبر ہے[1]

امام مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں۔

سید الشہداء سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر سے شمال میں پتھروں کی معمولی سی دیوار بنی ہوئی ہے۔ بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں فوت ہونے والے بعض حضرات کی اس احاطہ کے اندر قبریں بنائی گئی تھیں۔ بعد کے لوگوں نے انہیں شہداء کی قبریں قرار دیا ہے۔ لیکن یہ اقوال صحیح نہیں ہیں۔

اسی طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں کی طرف پائی جانے والی قبر ترکی کے ایک شخص سُنقُر کی ہے۔ جو شہداء کی قبوا کی نگرانی کرتا تھا۔ علاوہ ازیں چار دیواری کے دروازہ کے اندر مدینہ منورہ کے بعض امراء کی قبریں بھی ہیں۔ مگر انہیں شہداء کی قبریں نہ سمجھا جائے[2]

جبل اُحُد

جبل اُحُد مدینہ منورہ سے ۲½ میل کے فاصلہ پر شمال کی جانب واقع ہے، جو تقریباً تین میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا ہے "اُحُد" اُحَدیث سے ماخوذ ہے جو ذات اَحَد کی صفت لازمہ سے ہے[3] ۳ ہجری میں غزوہ اُحُد اسی کے دامن میں وقوع پذیر ہوا تھا۔ محسن کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس پہاڑ سے قلبی تعلق اور طبعی لگاؤ تھا۔ آپ کا فرمان ذی شان ہے۔

ھذا جبل یُحِبُّنا ونحبہ[4] کوہ اُحد سے ہم محبت کرتے ہیں اور یہ ہماری محبت کا

---

[1] اخبار مدینہ: ۵۸ معالم دار الھجرۃ: ۱۳۵

[2] معالم دار الھجرۃ ۱۳۵ [3] الصحاح للجوہری "احد"

[4] صحیح بخاری ج ۲: ۵۸۵، ۶۳۷، صحیح مسلم ج ۱ ۴۴۶

Marfat.com

دم بھرتا ہے۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر شفقت جبل اُحُد پر پڑی۔ اور زبان سے بے ساختہ اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور فرمایا۔

یہ پہاڑ ہمیں محبوب رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اور یہ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے۔ جبکہ عَیر بھی ایک پہاڑ ہے جو ہم سے دشمنی کرتا ہے اور ہم اسے دشمن سمجھتے ہیں۔ وہ جہنم کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہے [1]

جبل عَیر کوہ اُحُد سے جنوب میں مکہ مکرمہ کے راستے میں واقع ہے۔ جسے محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جمادات میں بھی دوستی و دشمنی، نیک بختی و سعادتمندی کی کیفیت پائی جاتی ہے پہاڑوں کی الفت و محبت کی نوعیت جمادات کی تسبیح و تہلیل سے مشابعت رکھتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

وَاِن مِّن شَیءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمدِہٖ ؛ اور ہر ایک چیز اللہ کی حمد بیان کرتی ہے۔

جب پہاڑ اور دیگر جمادات اللہ جل جلالہ کی حمد و ثنا میں ہمہ وقت مصروف ہیں تو رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبت کا ظہور بعید از قیاس نہیں ہے۔

سرِ حبِ ازلی در ہمہ اشیاء جاریست
ورنہ بر گل نزدی بلبلِ مسکین فریاد

یہ ضرب المثل مشہور ہے "المرء مع من احب"، جس سے محبت ہوتی ہے۔ اسی سے رفاقت بھی نصیب ہوتی ہے۔ اسی بناء پر محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"گوہِ اُحد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ پر ہوگا۔ جب تم اس کے پاس سے گزرو تو اس کے درختوں کا میوہ کھا لیا کرو۔ اگر کچھ بھی نہ ملے تو وہاں صحرا کی گھاس ہی چبا لو [2]

---

[1] جمع الفوائد ج ۱: ۲۰۲، کنز العمال ج ۱۲: ۲۶۸

[2] کنز العمال ج ۱۲: ۲۶۸

Marfat.com

آپ نے مزید فرمایا۔

احد رکن من ارکان الجنۃ[1] کوہ احد جنت کا ایک رکن ہے۔

سیدہ زینب بنت نبط زوجہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی اولاد کو تاکید کے ساتھ کہتی تھیں کہ جب تم اُحُد کی زیارت کو جاؤ تو میرے لئے وہاں سے نباتات اور گھاس کا تحفہ لیتے آنا[2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کوہِ طور پر نور کی تجلی ڈالی تو وہ عظمتِ خداوندی سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر گیا جس میں سے تین ٹکڑے مکہ مکرمہ میں اور تین ٹکڑے مدینہ منورہ میں جا پڑے۔

جس میں سے مکہ مکرمہ میں جبل حرا، جبل ثبیر اور جبل ثور معرضِ وجود میں آئے اور مدینہ منورہ میں جبل اُحُد، جبل ورقان اور جبل رضوی ظہور پذیر ہوئے[1]

جبل ورقان مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے راستہ میں واقع ہے اور جبل رضوی ینبع میں ہے۔ جبکہ جبل ثبیر اور جبل ثور منیٰ میں اور جبل حرا جبل نور کے نام سے شہرت رکھتا ہے[2]

جس طرح باشندگانِ مدینہ مومنین صادق اور منافقین دو گروپ بن گئے تھے اسی طرح مدینہ کے پہاڑ بھی دو حصوں میں تقسیم تھے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ساکنان مسجد ضرار اور دیگر منافقین جبل عَیر کی جانب آباد تھے۔ جو آخرت میں بھی انہیں کے ساتھ جہنم رسید ہو گا۔

اسی لئے غزوہ اُحُد کے موقع پر عبداللہ بن ابی بن سلول اپنے منافقین کی معیت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلنے کے باوجود کوہ اُحُد تک نہ پہنچا اور راستہ ہی سے لوٹ گیا۔ کیونکہ کوہ اُحد صدیقین اور محبوبین کی جگہ تھی[3]

چار پہاڑ جنت کے پہاڑوں سے اور چار نہریں جنت کی نہروں میں سے ہیں۔ اُحُد ہمیں محبوب رکھتا ہے، اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ورقان، طور اور لبنان بھی

---

[1] ایضاً [2] وفاء الوفاء ج ۲ : ۱۰۸ [1] اخبار مدینہ : ۵۰ [2] وفاء الوفاء ج ۲ : ۱۰۹
[3] جذب القلوب : ۱۹۱

Marfat.com

جنت کے پہاڑوں سے ہیں۔ جبکہ فرات، سیحون، نیل اور جیحون جنت کی نہروں سے ہیں۔[1]

ایک مرتبہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثار صحابہ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ جبل اُحد پر تشریف فرما تھے۔ کہ پہاڑ جنبش کرنے لگا۔ آپ نے اسے فرمایا

اسکن یا احد فلیس علیک ٹھہر جاؤ۔ تجھے معلوم نہیں کہ ایک نبی، ایک صدیق
الا نبی وصدیق وشہیدان[2] اور دو شہید تجھ پر رونق افروز ہیں۔

شہداء اُحد کی تدفین کے ۴۶ سال بعد ایک مرتبہ سیلاب کی وجہ سے سیدنا عمرو بن الجموع اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبریں کھل گئی تھیں۔ یہ دونوں انصاری غزوہ اُحد میں شہید ہوئے تھے، ان کے وجود اس طرح تر و تازہ پائے گئے گویا کہ کل ہی دفن ہوئے تھے۔ دونوں میں سے ایک نے ہاتھ زخم پر رکھا ہوا تھا۔ اور اسی حالت میں دفن کر دیا گیا۔ پس جب ان کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا۔ تو چھوڑتے ہی وہ فوراً زخم پر حسب سابق آگیا۔[3]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شہداء اُحد کی زیارت کو ہر سال تشریف لے جاتے تھے۔ اور ان الفاظ میں سلام پیش فرماتے تھے۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

یہی طریق کار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنایا۔ جب سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ زیارت مدینہ باسکینہ کو تشریف لائے۔ اور شہداء اُحد کی زیارت کو حاضر ہوئے تو اس طرح سلام پیش فرمایا۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ[4]

---

[1] وفاء الوفا ج ۲ : ۱۰۸

[2] موطا امام مالک

[3] صحیح بخاری ج ۱ : ۵۲۳

[4] وفاء الوفا ج ۲ : ۱۱۲

Marfat.com

باب سوم

سیادت و قیادت

Marfat.com

عدالتی نظام

سیاسی نظام

امراءِ مدینہ

مدینہ کریمہ کے مشاہیر فضلاء

Marfat.com

عدالتی نظام

زمانہ جاہلیت میں سرزمین عرب میں نہ تو کوئی حکومت تھی نہ حکمران۔ نہ کہیں عدالت کا وجود تھا اور نہ ہی عادل حاکم۔ مظلوم کے لئے کہیں بھی داد رسی کی امید اور جائے پناہ نہ تھی۔ بلکہ ہر شخص اپنی بساط کے مطابق ظالم سے بدلہ لیتا تھا۔ اگر ظالم کمزور ہوتا، تو بدلہ لینا آسان تھا اور اگر ظالم قوی اور طاقتور ہوتا تو مظلوم کو انصاف حاصل کرنے کے امکانات معدوم تھے۔

لیکن اسلام کے نظام عدل گستری نے ظالم اور مظلوم دونوں کو اپنے دامنِ عافیت میں پناہ دی۔ اسلام کا نصب العین ہی ظلم کے وجود کا قلع قمع کرنا اور عدل و مساوات کو اُجاگر کرنا ہے، امن و امان اور عدل و مساوات قائم کرنے کے لئے انسانی حقوق کا تحفظ لازمی ہے

اسلامی عدل و مساوات کی روشنی میں عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کے بعد دوست و دشمن حاکم کی نظر میں برابر ہو جاتے ہیں۔ مقدمات کی ترتیب اور معاملہ کا نشیب و فراز جس صحیح نتیجہ کی رہنمائی کرے۔ وہی اس کا فیصلہ ہو۔ جذبات کی رو میں بہنا اور انسانی جذبہ انتقام سے متاثر ہونا، اس منصب عظیم کی شایانِ شان نہیں

اسلام کے نظام عدل و انصاف میں چھوٹے بڑے، امیر و فقیر، مسلم و کافر اور سلطان و گدا کی کوئی تمیز نہیں۔ مدینہ منورہ میں اسلامی مملکت کے قیام کے بعد دو نئے ادارے وجود

Marfat.com

یں آئے، ایک مفتی کا ادارہ اور دوسرا قاضی کا۔ مفتی سے قانون معلوم کرنا۔ اور اس کے نفاذ کی ذمہ داری قاضی کے فرائض میں شامل ہے۔ اگرچہ عہد نبوی میں "نظام عدل وانصاف" یعنی صیغۂ قضاء مستقل طور پر قائم نہیں ہوا تھا۔ البتہ دوسرے محکموں کے ساتھ مخلوط تھا۔ جیساکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یمن کا عامل مقرر فرمایا۔ تو دیگر فرائض کے ساتھ انہیں قضاء کا عہدہ بھی تفویض فرمایا[1]

فخر کون ومکاں، سرور زمین وزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے اصول وآئینِ عدالت کی تعین خود فرمائی۔ چنانچہ آپؐ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس عہدے پر فائز کرتے ہوئے دریافت فرمایا۔ معاذ تم کس اساس اور بنیاد پر فیصلہ کرو گے۔ انہوں نے عرض کیا "بِکِتَابِ اللّٰہِ" اللہ کی کتاب یعنی قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "فَاِنْ لَمْ تَجِدْ" اگر قرآن میں نہ پاؤ تو پھر کیا کرو گے، حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً کہا۔ "فبسنۃِ رسُوْلِ اللّٰہ" چنانچہ اس صورت کو بھی آپؐ نے قبول فرمایا۔ اور پھر دریافت فرمایا اگر تمہیں سنت رسول میں بھی کوئی چیز نہ ملے تو کیا کرو گے، انہوں نے عرض کیا "اجتھد برای ولا آل جھدآ" میں اپنی رائے سے اسے حل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اس میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ اس پر آپ نے بیحد مسرت اور خوشی سے فرمایا اے اللہ: تونے اپنے رسول کے قاصد کو جس چیز کی ہدایت دی ہے۔ اس پر نیز رسول خوش ہے[2]

اس سلسلہ میں سب سے مقدم اصول وآئین عدالت کا منضبط کرنا تھا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں یہ قاعدہ رہا کہ جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تو پہلے قرآن مجید

---

[1] ابوداؤد شریف ج ۲ کتاب القضا: ۱۷ [2] ایضاً: ۲۷، ترمذی شریف کتاب احکام ج ۱: ۲۴۷

[3] سنن دارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ ج ۱: ۵۳

Marfat.com

کی طرف رجوع کیا جاتا اس کے بعد حسب ضرورت حدیث طلبیہ سے معاملہ فیصل کیا جاتا۔ اور سب سے آخر میں مسلمانوں سے مشورہ لیا جاتا تھا۔ لیکن اجتہاد اور قیاس کو بالکل دخل نہیں دیتے تھے[1]

لیکن جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں تمدن کو بہت زیادہ وسعت حاصل ہوئی اور نئے نئے مسائل اور معاملات پیش آنے لگے۔ تو آپ نے قضاۃ کو قرآن وسنت کے بعد اجماع اور قیاس سے استفادہ کرنے کی ہدایات جاری فرمائیں۔ لیکن قیاس کو سب سے مؤخر رکھا[2]

چنانچہ امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام آدابِ قضات کے متعلق ایک مفصل فرمان جاری فرمایا۔ جس کی دفعات اس طرح تھیں۔

(۱) قاضی کو تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیے۔

(۲) بارِ ثبوت صرف مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ کے پاس اگر ثبوت یا شہادت نہ ہو۔ تو اس سے قسم لی جائے گی۔

(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کرنے کے مجاذ ہیں۔ لیکن جو امر خلاف قانون ہے۔ اس میں صلح نہیں ہو سکتی۔

(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصل کرنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر سکتا ہے

(۶) مقدمہ کی پیشی کی ایک تاریخ مقرر ہونی چاہیے۔

(۷) اگر مدعا علیہ تاریخ معینہ پر حاضر نہ ہو۔ تو مقدمہ اس کے خلاف فیصل کیا جائے گا۔

---

[1] سنن دارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ ج ۱: ۵۳

[2] ایضاً: ۵۵

Marfat.com

(۸) ہر مسلمان قابل ادائے شہادت ہے لیکن جو سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا ثابت شدہ ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

(۹) اخلاقی حیثیت سے قاضی کو غصہ کرنا اور گھبرانا نہیں چاہیئے[1]

دربار فاروقی سے صادر ہونے والے یہ ایسے سنہری اور رہنما اصول تھے کہ آج کے متمدن اور ترقی یافتہ دور کی عدالتوں کے اساسی قوانین بھی یہی ہیں، انہیں ایسی دائمی پذیرائی حاصل ہوئی کہ رہتی دنیا تک ان کی افادیت برقرار رہے گی۔

مدینہ منورہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت صدیقی میں عدلیہ کا محکمہ قائم نہیں تھا حسب ضرورت مقدمات کا فیصلہ مختلف شخصیات سے کرالیا جاتا تھا۔ لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی مرتبہ "عدلیہ" کا محکمہ قائم کیا جس میں اسلامی تاریخ کے پہلے مستقل قاضی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقرر ہوا۔ اور اس خدمت کا مشاہرہ بھی دیا جاتا تھا[2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قاضی کی حیثیت سے یمن بھیجا۔ روانگی سے قبل انہوں نے معذرت پیش کی۔ کہ مجھے فیصلہ کرنے کا سلیقہ نہیں۔ آپؐ نے اپنا دست رحمت ان کے سینہ پر رکھ کر فرمایا۔

"اللھم اھد لہ للقضاء"[3] اے اللہ اسے فیصلہ کرنے کی صلاحیت عطا فرما۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن میں قاضی مقرر فرمایا تھا، اور روانگی کے وقت دریافت فرمایا کہ مقدمات کا فیصلہ کس بنیاد پر کرو گے حضرت معاذؓ نے عرض کیا کہ کتاب اللہ سے، حضورؐ نے فرمایا اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو پھر کس طرح فیصلہ کرنا ہوگا؟ انہوں نے عرض کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا۔ اگر اس مقدمہ کا فیصلہ حدیث

---

[1] دار قطنی کتاب عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۴۰۷۴ [2] تذکرۃ الحفاظ "زید بن ثابت"، اخبار القضاۃ ج ۱: ۱۰۸

[3] اخبار القضاۃ ج ۱: ۸۸

Marfat.com

ہیں نہ مل سکے تو پھر کیا کرنا ہوگا؟ جواباً عرض کیا پھر میں اجتہاد کروں گا۔ اس پر خوشی سے آپ نے ان کے سینہ میں ہاتھ مارا، اور فرمایا۔

الحمد اللہ الذی وفق رسولَ، رسول اللہ لما یُرضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے نبی کی چاہت کے مطابق ان کے ایلچی کو موافقت سے نوازا

اسی طرح آپؓ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی یمن میں قاضی مقرر فرمایا تھا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ کے درمیان نصف نصف علاقہ تقسیم کر دیا تھا۔[2]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ میں قاضی مقرر فرمایا۔ لیکن ایک سال گزر جانے کے باوجود عدالتِ فاروقی میں کوئی مقدمہ پیش ہی نہ ہوا۔[3]

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے پاکیزہ اعمال اور حسن معاملات کا یہ ثمرہ تھا کہ معاشرہ جرائم سے پاک ہونے کی وجہ سے عدالت میں جانے کی نوبت ہی نہ آتی تھی

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب محکمہ قضا قائم فرمایا تو اس منصب پر سب سے پہلے قاضی سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقرر ہوا۔ قاضی کے لئے عدالت کی منتقل عمارت نہ ہونے کی وجہ سے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گھر ہی "دار القضا" کا کام دیتا تھا۔ مکان فرش سے آراستہ تھا۔ اس کے صدر میں حضرت زیدؓ فیصلہ کے وقت متمکن ہوتے۔ دار الخلافت اور تمام قرب وجوار کے مقدمات حضرت زیدؓ کے پاس آتے تھے۔ یہاں تک کہ خود خلیفۂ وقت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بھی اسی عدالت میں دعویٰ دائر کئے جاتے اور ان کا فیصلہ بھی یہیں ہوتا تھا۔

ایک مرتبہ امیر المومنین سیدنا فاروق اور خیر امت سیدنا اُبیؓ بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہما

---

[1] اخبار القضاۃ: ۹۸۔

[2] اخبار القضاۃ ج ۱: ۱۰۱

Marfat.com

کے مابین کچھ نزاع ہوئی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں مقدمہ دا
ہوا۔ خلیفہ وقت حضرت عمر رضؓ مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ تو سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ
نے حضرت فاروق رضؓ کے جلیل القدر عہدے اور اعلیٰ منصب کی تعظیم و تکریم کرتے ہوئے اُن کے
لئے اپنی جگہ خالی کر دی۔

لیکن مساوات کا جو زریں اصول اسلام نے قائم کیا تھا، صحابہ اس پر سختی سے عمل پیرا
بالخصوص سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے عام کر دیا تھا۔ بنابریں امیر المومنین رض
قاضی صاحب سے کہا یہ آپ کی پہلی بے انصافی ہے۔ مجھے اپنے فریق کے ساتھ بیٹھنا
چنانچہ دونوں بزرگ عدالت کے سامنے بیٹھ گئے اور مقدمہ پیش ہوا۔ چونکہ حضرت اُبیؓ مدع
تھے۔ اور امیر المومنین رضؓ کو انکار تھا۔ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت اُبی سے فر
اپنے دعوے پر گواہ پیش کریں لیکن انہوں نے کہا کہ میرے پاس گواہ نہیں ہیں۔ چونکہ شرعاً م
کرنے والے پر قسم لازم آتی ہے۔ اس لئے حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلافت
ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے، مدعی سے درخواست کی کہ اگرچہ یہ قاعدہ تو نہیں
آپ امیر المومنین کو قسم سے معاف کر دیجئے۔

حضرت عمر خلیفۃ المسلمین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے۔ مجھے اس رعایت کی ضرور
نہیں ہے۔ فیصلہ میں عمر رضؓ اور ایک عام مسلمان آپ کے نزدیک برابر ہونے چاہیں۔ بالآ
امیر المومنین نے ان الفاظ میں قسم کھائی۔

واللہ الذی لا الہ الا ھو متنازع زمین میں اُبی کا کوئی حق نہیں ہے[1]

امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں مدی
کا کوئی مستقل قاضی مقرر نہیں کیا۔ بلکہ جو مقدمہ پیش ہوتا۔ مسجد نبوی شریف میں بیٹھ کر سیدنا عل

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۱، ۱۰۹، ۱۱۰

Marfat.com

طلحہ بن عبید اللہ، سیدنا زبیر اور سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو طلب فرماتے اور باہمی مشورہ کے بعد فیصلہ صادر فرماتے تھے۔

بنو امیہ کے عہد خلافت میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مدینہ منورہ کے عہدہ قضا پر فائز کیا گیا۔ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں حارث بن الحکم آیا اور ان کے تکیہ پر بیٹھ گیا۔ آپ نے خیال کیا کہ شائد کسی ضرورت کو آئے ہوں۔ کسی مقدمہ میں نہ آئے ہوں۔ اتنی دیر میں ایک اور شخص آیا۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے بیٹھ کر کہنے لگا میں حارث بن مالک کے خلاف نالش کرنے آیا ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے فوراً اٹھا دیا اور فرمایا کہ اپنے مدعی فریق کے برابر میں بیٹھو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی طریقہ تھا[1]

حضرت عبداللہ بن نوفل بن حارث کو مروان بن الحکم نے مدینہ منورہ کا قاضی مقرر کیا۔ موصوف گواہی کے ساتھ حلف بھی لیتے تھے۔ حق وصداقت اور عدل وانصاف کے باعث اہالیان مدینہ کے ہاں بڑی قدر ومنزلت کے حامل تھے اور آل مروان میں وہ پہلے آدمی تھے جو مروان اور اس کے خاندان کے خلاف فیصلہ دینے میں بھی عدل وانصاف کا دامن نہیں چھوڑتے تھے[2]

۴۹ھ/۶۶۹ء میں سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مروان کو امارت مدینہ سے معزول کر کے سعید بن العاص بن سعید بن العاص کو امیر مقرر کیا۔ تو امیر موصوف نے حضرت عبداللہ بن نوفل کو قضاۃ کے عہدہ سے معزول کر کے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کو قاضی بنا دیا[3]

۵۳ھ/۶۷۳ء میں سیدنا معاویہؓ نے سعید بن العاص کو امارت کے منصب سے علیحدہ کر کے مروان

---

[1] اخبار القضاۃ ج ۱: ۱۱۲ [2] ایضاً ج ۱: ۱۱۳

[3] ایضاً ج ۱: ۱۱۷

Marfat.com

بن الحکم کو پھر امیر بنا دیا. چنانچہ مروان نے ابوسلمہ کی جگہ حضرت مصعب بن عبدالرحمٰن بن عوف کو قضاء کا عہد عطا کر دیا۔[1]

۵۸ھ/۶۷۷ء کو سیدنا معاویہؓ نے ایک مرتبہ پھر مروان کو معزول کر کے ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ کا گورنر بنا دیا. بنا بریں امیر ولید موصوف نے مُصعب بن عبدالرحمٰن کی جگہ عمرو بن عبد بن زمعہ بن الاسود کو قاضی مقرر کر دیا۔[2]

بعد ازاں جب مسلم بن عقبہ مدینہ آنے پر واقع حَرّہ رونما ہوا. اسی اثناء میں مسلم بن عقبہ نے عمرو بن محمد الاشجعی کو امیر تعینات کیا. بعض روایات میں ہے حُصین بن نُمیر السکونی یا رُوح بن زِنباع الجُذامی کو گورنر بنا دیا. لیکن یزید کی وفات کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۶۴ھ میں اپنے بھائی عُبَیدہ بن زبیر کو گورنر مقرر کر دیا. حضرت ابن زبیر کے عہد میں یکے بعد دیگرے کتنے ہی گورنر تبدیل ہوئے مگر عہدۂ قضا کا تذکرہ مفقود ہے.

البتہ موصوف کے انتقال کے بعد ۷۴ھ میں الحجاج نے عمر بن عبید کو قاضی مقرر کیا۔[3]

۷۵ھ/۶۹۴ء میں قاضی عبداللہ بن قیس بن مخرمہ مقرر ہوئے۔[4] ۷۷ھ/۶۹۶ء میں نوفل بن مساحق تابعی اس عہدہ پر فائز ہوئے۔[5] ۸۲ھ/۷۰۱ء میں امیر ابان بن عثمان کی معزولی پر ہشام بن اسماعیل مخزومی گورنر مقرر ہوا۔ اور ابن مساحق کی جگہ عمر بن خَلّدہ الزُرقی قاضی مقرر ہوئے۔[6]

ہشام بن اسماعیل کے بعد عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے گورنر مقرر ہوئے تو عبدالرحمٰن

---

[1] اخبار القضاۃ ۱۱۸ — [2] ایضاً ۱۲۰، — [3] اخبار القضاۃ ج ۱: ۱۲۴ — [4] ایضاً — [5] ایضاً ۱۲۵ — [6] ایضاً ۱۳۰

Marfat.com

بن یزید بن حارثہ الانصاری کو قاضی کا عہدہ دیا گیا۔ ۹۴ھ/ ۷۱۲ء میں ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم الانصاری۔ ان کے بعد ابوطوالہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن معمر بن حَزْم۔ پھر سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف۔ ازاں بعد سعید بن زید بن ثابت انصاری ان کے بعد محمد بن صفوان الجمحی پھر صَلْت بن زید بن الصَّلْت کِندی۔ پھر ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن ابوسفیان ابن حُوَیْطِب، مصعب بن محمد بن شُرَحبیل العبدری۔ محمد بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم، یحییٰ بن سعید انصاری، عثمان بن عمر بن موسیٰ التیمی۔ محمد بن عمران بن ابراہیم بن محمد بن طلحہ عہدۂ قضاء پہ فائز ہوئے لے

بنوعباس کے عہد میں پہلی مرتبہ ۱۳۲ھ/ ۷۵۰ء میں ابوبکر بن ابی سَبْرہ العامری کو مدینہ کے امیر ابوالعباس زیاد بن عبیداللہ الحارثی نے قاضی مقرر کیا تھا ۱۴۱ھ/ ۷۵۸ء میں عبدالعزیز بن المطلب بن عبداللہ بن حَنطب کو قاضی مقرر کیا گیا۔ عبدالرحمٰن القاسم بن محمد بن ابوبکر صدیق رضؓ قاضی مقرر ہوئے۔ خلیفہ مہدی عباسی نے سعید بن سلیمان المساحقی کو مدینہ کا قاضی بنایا۔ ۱۹۲ھ/ ۸۰۷ء میں ابوالبختری وَھب بن وَھب۔ پھر موسیٰ بن محمد بن طلحہ۔ پھر محمد بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن قاسم داؤد بن عیسیٰ۔ محمد بن زید بن اسحاق بن عبدالرحمٰن۔ ۲۰۰ھ/ ۸۱۵ء میں موسیٰ بن یحییٰ قاضی مقرر ہوئے۔ مامون الرشید کے عہد میں ابوزید انصاری کو قاضی مقرر کیا۔ پھر ابوغزیہ انصاری۔ ان کے بعد ابومصعب احمد بن ابوبکر بن الحارث۔ پھر ابوزید محمد بن یزید بن اسحاق قاضی ہوئے۔

۲۱۰ھ/ ۸۲۵ء میں احمد بن یعقوب انصاری۔ پھر یعقوب بن اسماعیل، ابوہاشم المکی اور پھر محمد بن عبداللہ بن علی بن ابی الشوارب مکہ مکرمہ اور مدینہ دونوں کے قاضی تھے لے

آج بھی اس شہر خوباں میں عدلیہ کا نظام انہی بنیادوں پر استوار ہے جو ابتداء اسلام میں رکھی گئی تھیں اور انشاء اللہ قیامت تک انہیں دوام نصیب ہوگا جیسا کہ الشیخ محمد صالح ۱۴۰۱ھ ۱۹۸۰ء میں اس نظام کے متعلق لکھتے ہیں۔

لے اخبار القضاۃ ج ۱: ۱۳۲ تا ۱۸۱ لے اخبار القضاۃ ج ۱: ۲۰۰ تا ۲۶۰

Marfat.com

مدینۃ المنورہ میں مقدمات وخصومات کا فیصلہ قرآن وسنت کے مطابق کیا جاتا ہے اس لئے وہاں عدلیہ کا سربراہ اور اراکین کتاب وسنت کے ماہر علماء ہوتے ہیں اس وقت عدلیہ کے سربراہ اور معزز اراکین کے اسماء گرام حسب ذیل ہیں۔

فضیلت الشیخ عبدالعزیز بن صالح رئیس عدلیہ خطیب مسجد نبوی شریف
فضیلت الشیخ عبداللہ بن زاحم نائب رئیس نائب امام مسجد نبوی شریف
فضیلت الشیخ محمد الحافظ
فضیلت الشیخ عطیہ محمد سالم
فضیلت الشیخ عبدالرحمٰن الکلیہ
فضیلت الشیخ حمد حمدی الجابر
فضیلت الشیخ امان محمد صدیق
فضیلت الشیخ ذیاب السیحمی

عدلیہ کی عمارت باب السلام کے قریب جنوب میں واقع تھی۔ لیکن مسجد نبوی شریف کی توسیع کے پیش نظر ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں شارع السنین پر منتقل کر دی گئی [1]

اجتماعی نظامت

انسان فطری طور پر مدنیت کا دلدادہ واقع ہوا ہے بنابریں وحشی قبائل بھی ایک نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان قبائل میں ایک شخص سردار مقرر کر دیا جاتا تھا۔ پھر جب تمدن پھیلنے لگا اور وحشت کم ہوتی گئی تو یہ نظام بھی ہوکر متعدد شاخوں میں تقسیم ہو گیا۔

---

[1] المدینہ ..... الیوم ۴۶

Marfat.com

انصار مدینہ کے اجداد میں سے عمرو بن عامر کے بیٹے ثعلبہ العنقاء کے عہد میں جب کہ وہ غسان میں مقیم تھا۔ عکّ سے زبردست خونریز جنگ ہوئی۔ اس موقع پر ثعلبہ کی قوم نے باقاعدہ فوج کے نظم ونسق کا مظاہرہ کیا جو جذع بن ستان کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی چونکہ جذع نے فوج کا تمام کنٹرول اپنے ہاتھ میں لے رکھا تھا۔ اس لئے مؤرخین اسے سپہ سالار لکھتے ہیں[1]

بنابریں ثعلبہ کے وقت سے انصار میں دو عہدے رئیس اور سپہ سالار کے قائم ہوئے۔ بسا اوقات ایک ہی شخص دونوں عہدوں پر فائز ہوا۔ جیسا کہ مالک بن عجلان خزرجی اور عمرو بن طلحہ نجاری۔ عموماً یہ منصب قبیلہ خزرج کے پاس رہا۔ کیونکہ اس وقت دونوں قبائل متحد تھے رؤسائے انصار میں سے قدیم ترین نام مالک بن عجلان ہی کا ملتا ہے۔ جو سالم بن عوف بن خزرج کی نسل سے تھا۔ سید سمہودی لکھتے ہیں۔

وسَوَّدہ الحیان الاوس والخزرج[2] اسے اوس وخزرج دونوں نے سردار بنایا تھا۔

مالک بن عجلان کے بعد ریاست کا نظم ونسق خاندان سالم سے خاندان نجار میں منتقل ہوگیا۔ چنانچہ جب شاہ تبع اور انصار کے مابین جنگ ہوئی تو اس وقت انصار کی افواج کا سپہ سالار عمرو بن طلحہ النجاری تھا۔ اور وہی انصار کا رئیس بھی تھا[3]

معلوم ہوتا ہے کہ اوس وخزرج کی ریاست جمہوری اصولوں پر قائم تھی ورنہ شخصی ہونے کی صورت میں رئیس اور سربراہ صرف ایک خاندان سے ہوتا۔ اور دوسرے خاندان میں انتقال اقتدار کے وقت خانہ جنگی رونما ہوتی۔ لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا۔

بعد میں جب ان قبائل کا قومی شیرازہ انتشار کا شکار ہوگیا۔ تو ریاست دو حصوں میں منقسم

---

[1] معارف ابن قتیبہ عنوان نسب اوس وخزرج [2] وفاء الوفا ج ۱ : قصہ خطبون ۱۷۸

[3] طبری ج ۲

Marfat.com

ہوگئی۔ یعنی اوس اور خزرج، اوس میں عبدالاشہل اور خزرج میں ساعدہ کا خاندان اپنے اپنے قبائل پر حکومت کرتا تھا۔ چنانچہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اوس کے سعد بن معاذ اور خزرج کے سعد بن عبادہ رئیس تھے[1]

یہ تقسیم بھی محدود نہ رہی بلکہ دونوں قبائل کے تمام خاندانوں نے علیحدہ علیحدہ اپنے رئیس تجویز کر لئے۔ چنانچہ قبیلہ اوس میں سے بحجانے احیحہ[2] بن جلاح کو۔ خزرج میں سے بنو مازن بن نجار نے عاصم[3] کو۔ بنو سلمہ نے امیہ بن حرام کو[4] بعد میں جد بن قیس کو سردار بنا لیا تھا۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بنو سلمہ کا یہی سردار تھا[5]

ریاست کی طرح سپہ سالاری کا حشر بھی یہی ہوا جب دونوں قبائل نے باہم جنگ و جدال شروع کر دی۔ تو ہر قبیلے کا سپہ سالار بھی علیحدہ علیحدہ تھا۔ چنانچہ حضیر بن سماک[6]، ابو قیس بن اسلت اور عمرو بن نعمان بیاضی[7] مختلف جنگوں میں دونوں قبائل کی طرف سے اس منصب پر فائز رہے۔ اسلام سے پہلے قبیلہ اوس سے اس عہدہ پر حضیر بن اُسید فائز تھے[8]

اجتماعی نظامت

ہجرت کے بعد فخر کون ومکاں، سلطان زمین وزمان محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ باسکینہ میں اسلامی مملکت کی داغ بیل ڈالی جس کا دائرہ اتنی تیزی سے وسیع ہوا۔ کہ صرف دس سال کی قلیل ترین مدت میں مدینہ باسکینہ ایک شہری مملکت ہی نہیں۔ بلکہ ایک وسیع

---

[1] صحیح بخاری ج ۲: ۵۹۵ باب حدیث افک
[2] ایضاً
[3] اُسد الغابہ ج ۱، ۲۷۴
[4] ایضاً ج ۱: ۵۰۶، ۵۱۰
[5] کامل ابن اثیر ج ۱، ۲۷۷
[6] وفاء الوفاء
[7] اسد الغابہ ج ۱: ۹۲
[8] سیرت ابن ہشام

Marfat.com

سلطنت کا دارالخلیفہ بن گیا۔ جس کا رقبہ تاریخی شواہد کی رو سے تیس لاکھ مربع کلومیٹر پر مشتمل تھا۔[1]

چونکہ مدینہ منورہ اور اس کے قرب وجوار میں اوس، خزرج۔ یہود بنی قینقاع۔ یہود بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے، بنابریں امام الانقلاب اور معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قبائل کا ایک نمائندہ اجلاس بلا کر اسلامی حکومت کا دستور پیش فرمایا۔ جو غالب اکثریت کی اتفاق رائے سے منظور ہوا۔ اس تاریخی دستوری دستاویز کا خاص کر قابل ذکر اور ممتاز پہلو یہ ہے کہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور "اُمّی" شخص کے ہاتھوں وجود میں آیا۔ "آپ نے ہجرت مدینہ کے پانچ ماہ بعد اسے مرتب فرمایا تھا"[2]

اس دستور کی چند اہم دفعات حسب ذیل ہیں۔ جس کی تفصیلات سیرت ابن ہشام جلد ۱: ۱۷۸ اور البدایہ والنہایہ جلد ۳: ۲۲۴ میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

یہ دستاویز محمد نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مابین مسلمانان قریش ویثرب اور یہود جو مسلمانوں کے تابع ہوں۔ اور ان کے ساتھ الحاق چاہیں۔ ہر فریق اپنے مذہب کا کاربند رہتے ہوئے ان امور کا پابند ہوگا۔

(۱) قصاص اور خون بہا کے جو طریقے قدیم زمانے سے چلے آرہے ہیں وہ عدل اور انصاف کے ساتھ بدستور قائم رہیں گے۔

(۲) ہر گروہ کو عدل وانصاف کے ساتھ جماعت کا فدیہ دینا ہوگا۔ یعنی جس قبیلہ کا جو قیدی ہوگا اس قیدی کو چھڑانے کے لئے زر فدیہ دینا اُسی قبیلہ کے ذمہ ہوگا۔

(۳) ظلم، گناہ، عدوان اور فساد کے مقابلہ کے لئے سب متحد متفق رہیں گے، اس معاملہ میں کسی سے امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ خواہ وہ کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

---

[1] اسلامی ریاست : ۲۵ [2] تاریخ الخمیس ج ۱، ۳۹۱

Marfat.com

(۴) کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کسی کافر کے مقابلہ میں قتل کرنے کا مجاذ نہ ہوگا۔ اور نہ کسی مسلمان کے مقابلہ میں کسی کافر کو کسی قسم کی امداد فراہم کی جائے گی۔

(۵) ایک ادنیٰ مسلمان کو پناہ دینے کا وہی حق ہوگا جیسا ایک بڑے رتبہ کے مسلمان کا ہوگا۔

(۶) جو یہود مسلمانوں کے تابع ہو کر رہیں گے۔ اُن کی حفاظت مسلمانوں کے ذمہ ہوگی۔ ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا۔ اور اُن کے مقابلہ میں اُن کے دشمن کی قطعاً مدد نہ کی جائے گی۔

(۷) کسی کافر اور مشرک کو یہ حق نہ ہوگا۔ کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں قریش کے افراد اور مال کو پناہ دے یا قریش اور مسلمانوں کے درمیان حائل ہو۔

(۸) بوقت جنگ یہود کو جان و مال سے مسلمانوں کا ساتھ دینا ہوگا مسلمانوں کے خلاف مدد کی اجازت نہ ہوگی۔

(۹) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی دشمن اگر مدینہ پر حملہ آور ہو۔ تو یہود پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد لازم ہوگی۔

(۱۰) جو قبائل معاہدہ اور حلف میں شریک ہیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر علیحدگی اختیار نہیں کر سکیں گے۔

(۱۱) کسی فتنہ پرداز کی امداد اور پناہ دینے کی اجازت نہ ہوگی، جو شخص کسی بدعتی کی مدد کرے یا اسے اپنے پاس ٹھکانا دے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غضب ہوگا۔

(۱۲) اگر مسلمان کسی سے صلح کرنا چاہیں تو یہود کو بھی اس صلح میں شریک ہونا ضروری ہوگا۔

(۱۳) جو شخص کسی مسلمان کو قتل کرے۔ اور شہادت بھی موجود ہو تو اس کا قصاص لیا جائے گا۔

(۱۴) جب کبھی کوئی جھگڑا یا باہمی اختلاف پیش آئے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرح رجوع کیا جائے گا۔[1]

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳، ۲۲۴، ۲۲۵

Marfat.com

امرائے مدینہ

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دس سالہ تاریخ ساز دور کے بعد خلفاء اربعہ کا زمانہ بھی اسلامی قدروں کے فروغ اور اسلامی سطوت و شوکت کے عروج کا آئینہ دار تھا۔ آپؐ نے بنفس نفیس اسلامی مملکت کے مذہبی، سیاسی اور انتظامی امور کی نگرانی فرمائی۔ امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر، امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم اور امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے بھی مدینہ منورہ کو دار الخلافہ قرار دے کر پوری اسلامی دنیا کے نظام کو کنٹرول کیا۔

بعد ازاں ماہ رجب ۳۶ھ / ۶۵۶ء میں امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ طابہ کی بجائے کوفہ کو دار الخلافہ قرار دیا[1] اور وہاں اقامت پذیر ہو کر اسلامی مملکت کا نظام چلانے لگے۔

ان حالات میں مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کے نظم و نسق کو برقرار رکھنے کے لئے "امیر" کا عہدہ تخلیق کیا گیا،

جسے مذہبی، سیاسی اور انتظامی امور کے جملہ اختیارات تفویض کئے۔ اس منصب پر فائز ہونے والے سب سے پہلے خوش نصیب شخص سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ پھر مدینہ منورہ کی چودہ سو سالہ تاریخ میں اس عہدہ پر کون کون سے لوگ فائز ہوئے تاریخی روایات میں شدید اختلافات اور اضطراب پایا جاتا ہے جن میں تطبیق دینا کتاب کی تطویل کا موجب ہوگا۔ اس لئے کمی کوتاہی سے اللہ پاک درگذر فرمائے۔ محتاط اندازیں فہرست پیش کی جاتی ہے۔

۲۶ھ سہل بن حنیف الانصاری ۴۰ھ خالد بن زید ابو ایوب انصاری

---

[1] تاریخ اسلام ندوی ج ۱ : ۳۳۴

Marfat.com

۴۹ھ سعید بن العاص

۵۷ھ ولید بن عتبہ بن ابوسفیان

۶۱ھ ولد بن عتبہ ثانی

۶۳ھ عبداللہ بن زبیر بن العلوم

۶۷ھ جابر بن اسود بن عوف

عثمان بن حبان

۷۰ھ طلحہ بن عبداللہ

۷۳ھ حجاج بن یوسف الثقفی

۷۸ھ ہشام بن اسماعیل

۱۰۴ھ عبدالواحد النضری

۱۱۴ھ خالد بن عبدالملک

۱۲۵ھ یوسف بن محمد

عبدالواحد بن سلیمان

ولید بن عروہ

۱۳۲ھ یزید بن عبیداللہ بن عبدالمدان

۱۳۴ھ زیاد بن عبیداللہ

۱۳۷ھ زیاد بن عبیداللہ

۱۴۴ھ رباح بن عثمان المری

۱۴۶ھ جعفر بن سلیمان بن علی

۱۵۵ھ عبدالصمد بن علی بن عبداللہ

۵۴ھ مروان بن العاص

۶۰ھ عمرو بن سعید بن العاص

۶۲ھ عثمان بن محمد بن ابوسفیان

۶۵ھ مصعب بن زبیر

عباس بن سہل

عمر بن عبدالعزیز

ابوبکر بن محمد بن عمرو

۷۲ھ طارق بن عمرو

۷۶ھ ربان بن عثمانی

۱۰۱ھ عبدالرحمٰن بن ضحاک

۱۰۶ھ ابراہیم بن ہشام مخزومی

۱۱۵ھ محمد بن ہشام

۱۲۷ھ عبدالعزیز بن عمر بن عبدالعزیز

۱۳۰ھ محمد بن عبدالملک مروانی

یوسف بن عروہ

داؤد بن علی العباس

عباس بن عبداللہ

۱۴۱ھ محمد بن خالد بن عبداللہ القسری

۱۴۵ھ عبداللہ بن ربیع حارثی

۱۵۰ھ حسین بن زید بن الحسن بن علی

۱۶۰ھ محمد بن عبداللہ الکثیری

Marfat.com

۱۶۱ھ زفر بن عبداللہ

۱۶۶ھ ابراہیم بن یحیی بن محمد

۱۶۹ھ عمر بن عبدالعزیز بن عبداللہ

عبدالملک بن صالح

۱۷۸ھ محمد بن ابراہیم

۱۸۳ھ ابراہیم بن محمد

محمد بن ابراہیم

بکار بن عبداللہ

ابوالبحزی

داؤد بن یحیی

۲۰۰ھ ہارون بن المسیب

۲۰۴ھ عبداللہ بن الحسین بن عبداللہ

۲۱۴ھ سلیمان بن عبیداللہ

۲۲۹ھ محمد بن صالح عباسی

۲۳۷ھ علی بن عیسیٰ بن جعفر

۲۴۳ھ عبدالصمد بن موسیٰ

۲۴۹ھ عبدالصمد بن موسیٰ ثانی

۳۲۳ھ مسلم بن عقبہ بن محمد القیلی

اسحاق بن محمد بن یوسف

ابوعلی طاہر الحسینی

داؤد بن قاسم

جعفر بن سلیمان العباسی

۱۶۸ھ اسحاق بن عیسی العباسی

۱۷۰ھ اسحاق بن سلیمان بن علی

محمد بن عبداللہ

۱۸۰ھ محمد بن عیسی بن موسی

علی بن عیسیٰ

عبیداللہ بن مصعب

محمد بن علی

۱۹۳ھ وھب بن منبہ

۱۹۸ھ حسن بن سہیل

۲۰۱ھ محمد بن علی

۲۰۹ھ صالح بن العباس

۲۲۱ھ محمد بن داؤد بن عیسی

۲۳۳ھ محمد المنتظر بن المتوکل

۲۳۹ھ عبداللہ بن محمد بن داؤد

۲۴۵ھ محمد بن سلیمان الزینبی

۲۵۰ھ جعفر بن الفضل بن عیسی

ابوقاسم مسلم بن احمد

حسن بن طاہر الحسینی

مہنا بن ابی ہاشم

ابوعمارہ الحسینی

Marfat.com

حسین بن مخیط بن احمد	شہاب الدین ابی عمارہ
مہنا الاعرج الحسینی بن حسین	حسین بن مہنا الاعرج
ابو عبداللہ بن مہنا	ابو فلیتہ قاسم بن مہنا
ہاشم بن ابی عبداللہ	جماز بن قاسم
شیحہ بن ہاشم	ابو سند بن جماز
منیف بن شیحہ	عقیل بن شیحہ
کبیش بن المنصور	فضل بن المنصور
عطیہ بن المنصور	۷۸۳ھ محمد بن عطیہ
۷۱۸ھ عمیر بن قاسم الجمازی	ثابت بن نفیر الجمازی
عجلان بن نفیر الجمازی	عزیز بن منازع
حسن الجمازی	ایسان الحسینی
یتان بن مانع	۸۳۹ھ قایتبائی بن مانع
سلیمان بن عزیز	الیسان الجمازی
سلیمان الجمازی	زہیر بن الیسان
فیصل بن زہیر	زہیر بن ایسان
۱۰۹۹ھ حسین بن زہیر	۱۳۳۷ھ علی بن حسین [1]
۱۳۴۴ھ تا ۱۳۴۵ھ ابراہیم السبہان	۱۳۴۵ھ ۱۳۴۶ھ مشاری
۱۳۴۶ھ تا ۱۳۵۵ھ شیخ عبدالعزیز بن ابراہیم	۱۳۵۵ھ ۱۳۷۹ھ شیخ عبداللہ السدیری
۱۳۸۰ھ تا ۱۳۸۵ھ شیخ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السدیری	۱۳۸۵ھ عبدالمحسن بن عبدالعزیز
۱۳۸۷ھ شیخ سعد الناصر السدیری [2]	

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو رحلتہ الحجازیہ ۲۹۹، ۳۰۰ [2] المدینہ ... الیوم ۴۵۰، المدینہ فی التاریخ معالمہا و

Marfat.com

مدینہ کریمہ کے مشاہیر فضلاء

یوں تو مدینہ کریمہ میں لاتعداد جلیل القدر، شہرۂ آفاق اور مقتدر حضرات علمی، ادبی، مذہبی، ثقافتی اور سیاسی شہرت کے حامل گزرے ہیں، جن کے حالات و واقعات کو یہ مختصر سی کتاب اپنے دامن میں سمیٹنے سے قاصر ہے۔ البتہ اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض نامور شخصیات کا اجمالی تعارف کرایا جاتا ہے۔

۱۔ سیدنا المغیرہ بن شعبہ بن ابی عامر الثقفی المتوفی ۵۰ھ/۶۷۰ء، غزوہ خندق کے زمانہ میں مسلمان ہوئے، جنگ یمامہ، یرموک اور قادسیہ میں شرکت فرمائی۔ جلیل القدر مفکرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

۲۔ سیدنا سعید بن العاص بن سعید بن العاص بن امیہ المتوفی ۵۹ھ/۶۷۹ء سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں مدینہ منورہ کی امارت پر فائز رہے۔ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں قرآن مجید کے کاتبوں میں انکا بھی شمار ہوتا ہے۔

۳۔ داؤد بن سلم المعروف ادلم المتوفی ۱۳۲ھ/۷۵۰ء، مدینہ منورہ کے مشہور شاعر تھے۔

۴۔ علامہ ربیعہ الرای بن فروخ التیمی ۱۳۶ھ/۷۵۴ء، حافظ حدیث اور مشہور فقہی تھے۔

Marfat.com

۵۔علامہ زید بن اسلم العدوی العمری المتوفی ۱۳۶ھ/۷۵۴ء معروف مفسر قرآن اور فقہی تھے۔ مسجد نبوی شریف میں حلقۂ درس منعقد ہوتا تھا۔

۶۔امام ابو عبداللہ مالک بن انس الاصبحی المتوفی ۱۷۹ھ/۷۹۲ء مدینہ منورہ میں ۹۲ھ یا ۹۳ھ میں ولادت با سعادت ہوئی بلند پایۂ حافظ حدیث، اُمت کے مایۂ ناز فقیہ اور امام دار الہجرہ کے لقب سے شہرت رکھتے تھے۔ حدیث کی شہرہ آفاق کتاب "موطا امام مالکؒ" ان کی علمی یادگار ہے۔ موصوف کے زمانہ میں سلمہ بن دینار المخزومی المتوفی ۱۴۰ھ/۷۵۷ء مدینہ منورہ میں عہدہ قضاء پر فائز تھے۔

۷۔ یعقوب بن اسحاق الربعی المتوفی ۲۰۰ھ/۸۱۵ء موصوف عبدالرحمٰن بن ابی ربیعہ بن المغیرہ کے بیٹے اور مشہور شاعر تھے، تاریخ اور انساب کے جید عالم اور عہدہ قضا فائز تھے۔ بعد میں بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ موصوف نے کئی یادگار تالیفات چھوڑی ہیں، جن میں فضائل الانصار، الرایات اور نسب ولد اسماعیل قابلِ ذکر ہیں۔

۸۔محمد بن عمر بن واقد السہمی المعروف الواقدی المتوفی ۲۰۷ھ/۸۲۲ء مدینہ منور میں ۱۳۰ھ/۷۴۷ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۶۰ھ/۷۷۷ء عراق منتقل ہو گئے تھے۔ مشہور عا مورخ تھے، ان کی بہت سی تالیفات وتصانیف رہتی دنیا تک موجود رہیں گی جن میں المغازی النبویہ، فتح العجم، فتوح الشام، اخبار مکۃ، سیرۃ ابوبکرؓ، مقتل الحسن وغیرہ عالمی شہرت کی حامل ہیں، (لیکن محدثین اور مورخین کے نزدیک ان کی اکثر تا روایات محل نظر ہیں)

۹۔ابراہیم بن علی بن سلمہ بن عامر الکنانی المتوفی ۱۷۹ھ/۷۹۲ء ان کی ولادت مد لھیبہ میں ۹۰ھ/۷۰۹ء میں ہوئی۔ غزل گوئی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ امام الاصمعی کا قول ہے "ختم الشعرا بابن حرمۃ"

۱۰۔عروہ بن یحیٰی المعروف اذینہ ابن مالک اللیثی المتوفی ۱۳۰ھ/۷۴۷ء فقیہ اور شاعر۔

Marfat.com

۱۱۔ مورخ شہیر محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی المتوفی ۱۵۱ھ/۷۶۸ء، مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی بعد میں ۱۱۹ھ/۷۳۷ء میں اسکندریہ کا سفر کیا، پھر بغداد چلے گئے، جہاں تادمِ واپسیں قیام رہا، موصوف مدینہ منورہ کے تاریخ کے ماہر تھے۔ السیرۃ النبویہ اور کتاب المبلاء یادگار چھوڑی ہیں۔

۱۲۔ امام یحییٰ بن الحسن بن جعفر (الحجۃ) بن عبداللہ بن الاعرج العقیقی المتوفی ۲۲۷ھ/ ۸۴۲ء، آپ ۲۱۴ھ/۸۲۹ء میں مدینہ با سکینہ میں تولد ہوئے۔ علم الانساب اور تاریخ کے ماہر تھے۔ آپ کی مشہور تصانیف "اخبار المدینہ، اور انساب آلِ ابی طالبؑ ہیں۔

۱۳۔ ظہیر الدین بن الحسن بن محمد بن عبداللہ الروذ اوری المتوفی ۴۸۸ھ/۱۰۹۵ء آپ ۴۳۷ھ/ ۱۰۴۵ء میں پیدا ہوئے اور ایک نامور ادیب کی حیثیت سے شہرت رکھتے تھے۔ ۴۷۶ھ/ ۱۰۸۳ء میں ملک المقتدر عباسی کی طرف سے بغداد میں امارت کے عہدہ پر فائز ہوئے اور ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں معزول ہو گئے۔ ۴۸۷ھ/۱۰۹۴ء میں حج کی سعادت سے سرفراز ہوئے اور زیارت مدینۃ الرسولؐ کو حاضر ہوئے اور پھر مرتے دم تک وہاں ہی قیام کیا۔ ذیل تجارب الامم آپ کی تالیف کردہ ہے۔

۱۴۔ ابوالحسن الانصاری الجبانی المتوفی ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۷ء مدینہ منورہ کے مشہور عالم و ادیب تھے، آپ کی مولفہ کتاب شذور الذھب فی صناعۃ الکیمیا مشہور ہے۔

۱۵۔ عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر النکزادی معین الدین ابو محمد المتوفی ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء ورع عالم اور قاری تھے۔ موصوف ۶۱۴ھ/۱۲۱۷ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے، اواخر ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء اسکندریہ میں اقامت گزین ہو گئے تھے۔ آپ کی تالیفات میں الشامل فی القراءات السبع اور الاقتضاء فی معرفۃ الوقف والابتداء شامل ہیں۔

۱۶۔ نورالدین علی بن محمد بن ابی القاسم لیمری المدنی المتوفی ۷۴۶ھ/ ۱۳۴۵ء ان کی ولادت ۶۹۷ھ/ ۱۲۹۹ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی، عربی ادب میں بہت زیادہ مہارت رکھتے

Marfat.com

تھے، موصوف نے بہت سی یادگار تالیفات چھوڑی ہیں۔ الزاھر فی المواعظ الحک
الذخائر۔ الاعتبار۔ تواریخ الاخبار، التعریف بالنسبۃ الی النبی المختار، نزھۃ النظا
اور تحفۃ الفکر وغیرہ

۱۷۔ الشیخ ابراہیم بن عبداللہ الحکری المتوفی ۷۸۰ھ/۱۳۷۸ء، طائف کے
قریب واقع حکرۃ میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں مصر اقامت اختیار کی بعد میں مد
منورہ آگئے۔ علم النحو کے اکابر علماء میں سے تھے، انہوں نے الفیہ ابن مالک
کی ایک مبسوط شرح بھی لکھی تھی۔

۱۸۔ الشیخ عبداللہ بن احمد بن خلف المطری ۶۹۸ھ/۱۲۹۹ء میں مدینہ کر
ولادت ہوئی، مصر کے شہر المطریہ سے منسوب ہیں۔ حافظ الحدیث اور مایۂ نا
اور موذنین مسجد نبوی کے رئیس تھے۔ عراق، شام، مصر اور مکہ معظمہ میں تحصیل علو
"الاعلام فیمن دخل المدینۃ من الاعلام" قابل قدر علمی یادگار ہے۔

۱۹۔ علامہ نورالدین الزرندی مدینہ منورہ کے اجلہ محدثین میں شمار کئے جاتے
موصوف نے "المفاخرۃ بین مکۃ والمدینۃ" تصنیف فرمائی۔

۲۰۔ علامہ مفتی شیخ الاسلام شرف الدین بن شیخ الحل الحنبلی دمشقی

۲۱۔ علامہ شہاب الدین احمد بن لبی،

۲۲۔ علامہ شیخ الصناعتین شمس الدین بن نباتہ

۲۳۔ علامہ برہان الدین القیطراطی مصری،

۲۴۔ شمس الدین ابن الصائغ الحنفی۔

۲۵۔ علامہ شہاب الدین المعروف ابی بالرکب۔

۲۶۔ علامہ شرف الدین الریان الحلبی۔

Marfat.com

۲۹۔ علامہ ناصرالدین، یعقوب صاحب دیوان انشا حلب و دمشق۔

۳۰۔ علامہ بدرالدین بن حبیب الحلبی،

۳۱۔ الشیخ عبداللہ بن محمد فرخون البعمری المالکی المتوفی ۷۶۹ھ/۱۳۶۷ء مدینہ منورہ میں ۶۹۳ھ/۱۲۹۴ء میں ولادت ہوئی۔ جب کہ آبائی وطن تونس تھا، کئی کتابیں لکھی ہیں علم حدیث میں الدر المخلص من التقصی المخلص، کشف الغطاء فی شرح مختصر الموطا، چار جلدوں میں اور اعراب عمدۃ الاحکام مشہور ہیں۔

۳۲۔ الشیخ ابراہیم بن علی بن محمد برہان الدین البعمری المتوفی ۷۹۹ھ/۱۳۹۷ء مدینہ ہی میں ولادت اور وفات ہوئی۔ جید عالم اور قاضی تھے۔ ۷۹۳ھ/۱۳۹۱ء میں عہدہ قضا پر فائز ہوئے۔ ان کا علمی ورثہ چند قابل قدر کتابیں ہیں۔ الدیباج المذہب، تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ، مناہج الاحکام۔ طبقات علماء مغرب، دار الغواص فی محاضرۃ الخواص اور تسہیل المہمات فی شرح جامع الامہات لابن الحاجب فی الفقہ

۳۴۔ الشیخ محمد بن یوسف بن الحسن شمس الدین الزرندی المتوفی ۷۴۷ھ/۱۳۴۶ء۔ مدینہ منورہ میں ۶۹۳ھ/۱۲۹۴ء میں پیدا ہوئے مدت دراز تک مدینہ شریف میں درس تدریس کی خدمت انجام دیتے رہے، اجلہ علماء حنفیہ میں شمار ہوتے تھے، ۷۴۳ھ/۱۳۴۲ء میں شیراز چلے گئے اور وہاں ہی وصال ہوا۔ موصوف کی تالیفات یہ ہیں۔ السمطین فی مناقب السبطین، غنیۃ المرتاح اور شرح اربعین۔

۳۵۔ الشیخ محمد بن ابوبکر بن الحسین ابوالفتح شرف الدین القرشی المراغی المتوفی ۸۵۹ھ/۱۴۵۵ء مدینہ کریمہ میں ۷۷۵ھ/۱۳۷۳ء میں ولادت ہوئی۔ جبکہ والدین مصری تھے اور وصال مکہ مکرمہ میں ہوا۔ موصوف حدیث اور فقہ کے متبحر عالم تھے تصنیف و تالیف ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ المشرع المروی فی شرح منہاج النووی چار جلدوں میں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب فتح الباری کی تلخیص بنام تلخیص الفتح المقاصد الفتح چار جلدوں پر مشتمل تھی۔

Marfat.com

(۳۶) الشیخ محمد بن عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین السخاوی المتوفی ۹۰۲ھ/۱۴۹۷ء شہر آفاق مؤرخ اور مقتدر عالم تھے۔ موصوف فقہ، قرأت تاریخ وعربیت میں ممتاز مقام رکھ تھے۔ حافظ ابن حجر کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ ۸۷۰ھ کے بعد ایک ع تک مکہ معظمہ کی مجاورت اختیار کی بعدازاں حج کے لئے جب تشریف لے جاتے عرصہ تک حرمین شریفین میں قیام فرماتے۔ مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کی تاریخ تالیف فرمائی۔ فتح المغیث شرح الفیۃ الحدیث۔ الضواء اللامع لاہل القرن التاسع رچھ جل المقاصد الحسنۃ، القول البدیع۔ الاعلان بالتوبیخ علی بن ذم علم التواریخ، تلخیص تا الیمن۔ تحریر المیزان۔ التحفۃ اللطیفۃ فی اخبار المدینۃ الشریفۃ اور تاریخ المدین یعنی مکہ اور مدینہ کی تاریخ یادگار چھوڑی۔ بالآخر مدینہ کرمہ میں وصال ہوا۔

(۳۷) شیخ شرف الدین محمد بن زین الدین ابوبکر المدنی الشافی المراغی المتو ۸۵۹ھ/۱۴۵۵ء موصوف ۷۵۰ھ/ میں پیدا ہوئے، علوم کی تحصیل اپ والد ماجد اور علامہ سراج القلینی اور علامہ الکمال الدمیری سے کی اور موصوف برادر علامہ محمد ناصر الدین ابوالفتوح بن ابی بکر المراغی دونوں بھائی علم وادب کے میں شمار ہوتے تھے۔

(۳۸) الشیخ عبدالعزیز بن عبدالواحد بن محمد بن موسیٰ المغربی المتوفی ۹۶۴ھ/۱۵۵۷ متعدد کتابیں تالیف کیں لیکن وہ سب زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکیں میں بعض کتب یہ ہیں۔

منہج الوصول فی اصول الدین، نظم سور القرآن۔ نظم جواہر السیوطی وغیرہ۔

(۳۹) الشیخ علی بن محمد بن علی الکنانی دمشق میں ولادت ہوئی اور مدینہ منورہ ہجرت کی۔ امامت کے فرائض بھی انجام دیئے۔ صوفی منش فقیہ تھے۔ آپ نے تر الشریفۃ المرفوعۃ عن الاخبار الموضوعۃ اور نشر اللطائف فی قطر الطائف یادگار چھ

Marfat.com

(۴۰) الشیخ محمد بدرالدین الرومی الحنفی المتوفی ۱۰۰۱ھ/۱۵۹۳ء معروف مفسر قرآن اور ادیب تھے، ۹۸۲ھ/ میں مسجد نبوی شریف کے مشائخ میں شامل ہوئے اور مدینہ منورہ میں وصال ہوا۔ لغت اور تفسیر میں چند کتب ارقام فرمائیں جو غیر مطبوعہ ہیں۔

(۴۱) الشیخ فتح اللہ بن عبداللہ الشہیر ابن النحاس المتوفی ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء حلب میں پیدا ہوئے۔ مصر اور حجاز کے سفر کے بعد مدینہ منورہ میں ہجرت کر لی۔ معروف ادیب تھے۔ ان کا دیوان بھی پایا جاتا ہے۔

(۴۲) السید محمد بن عبداللہ بن محمد المعروف محمد الکبریت المتوفی ۱۰۷۰ھ/۱۶۶۰ء موصوف شیخ شرف الدین بن یحیی الحمزی الحسینی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء میں مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ ترکیہ، مصر اور شام کے سفر کئے اور متعدد کتابیں تالیف کیں۔

رحلۃ الشتاء والصیف۔ حاطب اللیل۔ العقود الفاخرہ فی اخبار الدنیا والاخرہ۔ بسط المال فی القیل والقال اور نفر من اللہ و فتح قریب۔

(۴۳) الشیخ ابراہیم بن حسین بن احمد بن بیری المتوفی ۱۰۹۹ھ/۱۶۸۸ء ان کی ولادت مدینہ منورہ میں ۱۰۲۳ھ/۱۶۱۴ء میں ہوئی۔ بعد میں مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور وہاں مفتی کے عہدہ پر فائز رہے۔

(۴۴) الشیخ احمد بن محمد یونس الدجانی القشاشی، موصوف کے جد امجد القدس سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے آئے تھے۔ شافعی اور مالکی دونوں مسالک کے جید مفتی تھے، تصوف میں ستر کتب تالیف فرمائیں جن میں السمط المجید، شرح الحکم العطائیہ اور المواھب المدنیہ کا حاشیہ بھی شامل ہے۔

(۴۵) الشیخ محمد بن عبدالرسول بن عبدالسید البرزنجی المتوفی ۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء ان کی ولادت ۱۰۴۰ھ/۱۶۳۰ء میں ہوئی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہمدان۔ بغداد، مصر اور شام

Marfat.com

کا سفر کیا۔ پھر ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے۔ بقیہ عمر تدریس اور تالیف میں صرف کی، بعض مشہور تالیفات یہ ہیں۔ الاشاعۃ فی اشراط الساعۃ۔ انہار السلسبیل فی شرح تفسیر بیضاوی، النواقض للروافض۔ شرح الفیہ المصطلح۔ حل مشکلات ابن العربی خالص التخلیص اور مختصر لکتاب تلخیص المفتاح۔

(۴۶) الشیخ ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن علی المدنی المتوفی ۱۰۸۳ھ/۱۶۷۲ء موصوف ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء میں مصر میں پیدا ہوئے، عالم شباب میں مدینہ منورہ کو ہجرت کی۔ عربی ادب میں شہرت رکھتے تھے اور تحفۃ الادباء اور سلوۃ الغرباء یادگار چھوڑیں۔

(۴۷) الشیخ محمد بن محمود بن صالح المتوفی ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء آپ کا خاندان ترکی سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ اقامت گزیں ہوا تھا۔ موصوف جامعہ السلیمانیہ استنبول میں مدرس بھی رہے فقہ حنفی کے نامور عالم، لغت اور ادب میں اچھی شہرت کے مالک تھے۔ آپ کی مؤلفات حسب ذیل ہیں۔

السنیہ فی الاحادیث القدسیہ۔ رسالۃ فی بیان ما فی الصحاح من الاوہام۔ رسالۃ فی المثلث، رسالۃ فی الاضداد۔ تحفۃ الاخوان فی الحلال والحرام من الحیوان۔

(۴۸) الشیخ ابراہیم بن حسن بن شہاب الدین الشہرانی المتوفی ۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء جبال کُرد کے مضافات میں "شہران" کے مقام پر ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۳ء میں پیدا ہوئے۔ مصر اور شام میں علمی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۰۶۳ھ/۱۶۵۰ء کو ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں مقیم ہو گئے۔ فارسی اور ترکی کے جید عالم تھے۔ ان کی تالیفات کی تعداد اسی سے بجا ہے۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ الامم لایقاظ الہمم، اتحاف الخلف بتحقیق مذہب السلف اور لوامع الآل فی الاربعین العوال۔

(۴۹) الشیخ محمد بن ابراہیم بن حسن ابو العطار الشافعی المتوفی ۱۱۴۵ھ/۱۷۳۳ء طیبہ میں ۱۰۸۱ھ/۱۶۷۰ء میں ولادت ہوئی اور اسی مقدس شہر میں وصال بھی

Marfat.com

شافعی مسلک کے نامور مفتی تھے۔ ان کی تالیف اختصار شرح شواہد الرضی للبغدادی مشہور ہے۔

(۵۰) الشیخ یوسف بن ابراہیم بن محمد الشروانی المتوفی ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء شروان میں ولادت ہوئی اور پھر ہجرت کرکے مدینہ باسکینہ مقیم ہوگئے۔ انکی تالیفات میں سے یہ کتب مشہور ہیں۔ شرح ملتقی الابحر۔ ھدایۃ الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح تین مجلدات میں ہیں۔

(۵۱) الشیخ اسماعیل بن عبداللہ الاسکندرای الحنفی المتوفی ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء ان کی پیدائش ۱۱۱۹ھ/۱۷۰۷ء میں ہوئی۔ ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی۔ تالیفات۔ مختصر صحیح مسلم۔ مختصر شرح الشفاء للشہاب احمد خفاجی۔

(۵۲) الشیخ یوسف بن عبدالکریم الانصاری الحنفی المتوفی ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء موصوف ۱۱۲۱ھ/۱۷۰۹ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ شعر گوئی میں شہرت رکھتے تھے اور منظوم تالیفات ورثہ میں چھوڑی ہیں۔

(۵۳) الشیخ علی بن محمد بن علی الشروانی المتوفی ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۶ء مدینہ طابہ میں ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۲ء میں ولادت ہوئی۔ حنفی علماء کے سرتاج ہونے کے علاوہ شاعر اور مولف بھی تھے۔ حاشیہ علی دیباجہ الدرر اور ہوامش علی المختصر ان کی یادگار ہیں۔

(۵۳) الشیخ جعفر بن محمد علوی السقافی المتوفی ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۸ء مدینہ باسکینہ میں ۱۱۱۰ھ/۱۷۹۸ء ولادت ہوئی۔ یمن اور فارس کے اسفار اختیار کئے، مدینہ کے جید عالم، شاعر اور مؤلف تھے۔ موصوف کا غیر مطبوعہ دیوان ۱۰۴ صفحات پر مشتمل دارالکتب مصریہ میں محفوظ ہے۔ علاوہ ازیں مواسم الادب اور آثار العجم والعرب ان کی مشہور کتابیں ہیں

(۵۴) الشیخ محمد حیات بن ابراہیم السندھی المدنی المتوفی ۱۱۶۳ھ/۱۷۵۰ء موصوف سندھ پاکستان میں پیدا ہوئے اور پھر ہجرت کرکے مدینہ منورہ میں مقیم ہوگئے۔ مشہور عالم اور محدث تھے، بعض کتابوں کے مؤلف اور شارح بھی تھے۔ جیسا کہ تحفۃ المبین،

Marfat.com

شرح الترغیب والترھیب للمنذری۔ مقدمہ فی العقائد اور شرح الحکم العطائیہ۔

۵۵۔ السید جعفر بن حسن بن عبدالکریم البرزنجی المتوفی ۱۱۷۷ھ/۱۷۶۳ء مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے شافعی مسلک کے مفتی اور بہت سی کتابوں کے مؤلف تھے قصۃ المولد النبیؐ، قصۃ المعراج مطبوعہ ہیں جبکہ جالیۃ الکرب باقصی، سید العجم والعرب البراء العاجل باجابۃ الشیخ محمد غافل اور اسماء البدریین والاحد بین غیر مطبوعہ ہیں۔

۵۶۔ الشیخ محمد بن الطیب محمد بن محمد الشرقی المالکی المتوفی ۱۱۷۰ھ/۱۷۵۷ء، ولادت ۱۱۱۰ھ/۱۹۹۸ء میں فارس میں ہوئی، پھر ہجرت کرکے مدینہ میں قیام پذیر ہوئے اور مدینہ ہی میں وصال ہوا۔ ان کی یادگار تالیفات حسب ذیل ہیں۔ المسلسلات فی الحدیث۔ قاموس فیروزآبادی کا حاشیہ۔ رضاۃ الراموس، علامہ سیوطی کی کتاب الاقتراح کا حاشیہ، علم نحو کی کتاب فیض نشر الانشراح۔ موطئۃ الفصیح لموطاۃ الفصیح۔ شرح کفایہ المتحفظ۔ شرح کافیہ ابن مالک اور شرح شواہد الکشاف۔

۵۷۔ الشیخ محمد بن سلیمان الکردی المتوفی ۱۱۹۴ھ/۱۷۸۰ء موصوف کا سن ولادت ۱۱۲۷ھ/۱۷۱۵ء ہے اور مقام پیدائش دمشق بچپن ہی میں مدینہ با سکینہ میں ہجرت کرکے قیام اختیار کرلیا اور وہیں انتقال ہوا۔ مسلک شافعی کے مقتدر عالم اور صاحبِ تالیف کثیرہ تھے۔ الفتوحات المدنیہ علی شرح ابن حجر اور مقدمہ الحضرمیہ قلمی ہیں۔ جبکہ مطبوعہ شرح فرائض التحفۃ الفوائد المدنیہ۔ فتح الفتاح فی شروط الحج وغیرہ ہیں۔

۵۸۔ الشیخ محمد بن عبدالکریم الشافعی المعروف سمان المتوفی ۱۱۸۹ھ/۱۷۷۵ء مدینہ منورہ میں ۱۱۳۰ھ/۱۷۱۸ء میں ولادت ہوئی۔ عالم شباب مدینہ ہی میں بسر کیا اور اسی مقدس شہر میں ابدی نیند سو گئے۔ جملہ تالیفات قلمی ہیں۔

۵۹۔ الشیخ عبدالرحمٰن بن عبدالکریم بن یوسف الانصاری المتوفی ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء سن ولادت ۱۱۲۴ھ/۱۷۱۲ء ہے تحصیل علوم کے لئے مغربی ممالک، یمن، مکۃ المکرمۃ،

Marfat.com

شام کے اسفار اختیار کئے، موصوف کا شمار مدینہ منورہ کے مقدر اور نامور مؤرخین میں ہوتا ہے. معدد کتابوں کے مصنف اور مؤلف تھے، لیکن سب زیور طباعت سے محروم رہیں۔

۶۰۔السید احمد بن علوی بن احسن علوی جمل اللیل المتوفی ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء، ولادت ۱۱۷۲ھ/ ۱۷۵۸ء کو مدینہ منورہ میں ہوئی۔ جبکہ خاندان کے لوگ حضرموت کے رہنے والے تھے. جید عالم. معروف ادیب اور مؤلف بھی تھے، قلمی کتابوں کا ذخیرہ چھوڑا ہے.

۶۱۔شیخ عبداللہ بن غانم الدرجی النجاعی المتوفی ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء الجزائر میں ولادت ہوئی. پھر مدینہ منورہ کو مسکن بنا لیا. صوفی منش عالم تھے۔ ارشاد اھل الھمم العالیہ فی الادعیہ النبویہ یادگار چھوڑی۔

۶۱۔الشیخ یوسف شکری بن عثمان الخربوتی المتوفی ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء رومی الاصل اور اکابرین حنفی علماء میں سے تھے. مدرسہ محمودیہ میں تدریس کی خدمت پر مامور رہے. ان کی کتابوں میں مشہور کتب یہ ہیں، سلسلۃ الصفا لمحمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور علم منطق میں ناموس الایقاظ فی شرح البرہان۔

۶۲۔الشیخ عبدالجلیل بن عبدالسلام بن عبداللہ برادۃ المتوفی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء مدینہ طیبہ میں ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء میں پیدا ہوئے. مشہور ادیب اور شاعر تھے. پندرہ سال کی عمر میں شعر گوئی شروع کی. جب کہ مسجد نبوی شریف میں مسندِ درس پر بیس سال کی عمر میں جلوہ افروز ہوئے. بہت سے جید علماء کرام نے ان سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

۶۳۔الشیخ محمد فالح بن محمد بن عبداللہ المھنوی المتوفی ۱۳۲۸ھ/۱۹۱۰ء مدینۃ الرسول میں ۱۲۵۸ھ/۱۸۴۲ء میں ولادت ہوئی اور وصال بھی اسی مقدس شہر میں ہوا۔ موصوف قبیلہ مھنا سے نسبت رکھتے تھے. مدینہ طیبہ کے مشاہیر علماء اور محدثین میں ان کا شمار ہوتا ہے. متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ فقہ میں صحائف العامل بالشرع الکامل المنھل العزب فی تاریخ طرابلس الغرب. حسن الوفاء لاخوان الصفا، انجح المساعی فی الجمع بین صفتی السامع والداعی

Marfat.com

۶۴۔ الشیخ احمد بن ابراہیم بن منصور عباس الصدیقی المتوفی ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء، سن ولادت ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء ہے بید انشش اور وصال دونوں مدینہ کریمہ میں نصیب ہوئے۔ جامعہ ازہر مصر میں تعلیم حاصل کی۔ ادیب، شاعر اور اجل عالم تھے۔ علوم دینیہ کی تدریس کا شغل تھا علم و ادب پر مبنی دیوان یادگار چھوڑا۔

۶۵۔ الشیخ محمد بن علی بن ظاہر الوتری المدنی المتوفی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء مدینہ طابہ ۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء میں ولادت ہوئی۔ مغربی ممالک کا دو مرتبہ سفر اختیار کیا۔ انہوں حدیث کے فن روایت کو شرق و غرب میں از سر نو متعارف کرایا۔ ان کی غیر مطبوعہ پچا کتب ہیں۔

۶۶۔ السید انور بن مصطفی بن عمر عشقی المتوفی ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء موصوف ۱۲۶۴ھ ۱۸۴۸ء میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ موصوف کے دادا سید عمر بہت بڑے عالم تھے "صاحب النطق الذھبی" کے لقب سے شہرت رکھتے تھے انہوں نے ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء پہلے مکہ معظمہ میں ہجرت کی بعد میں ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں مدینہ طیبہ کو ہجرت گاہ بنا سید انور موصوف ادیب اور شاعر تھے۔ ان کا سرسبز و شاداب باغ ثنیۃ الوداع قریب واقع تھا، جس میں ادباء، ممتاز علماء اور فقاء جمع ہو کر شعر گوئی سے لطف ا ہوتے۔ سیاست میں بھی امتیازی حیثیت رکھتے تھے۔ ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۶ء میں مدینہ کے محتسب اور بعد میں رئیس بلدیہ کے عہدہ پر فائز رہے، آخر عمر میں بوجوہ دمشق چلے

۶۷۔ الشیخ ابراہیم بن حسن بن حسین بن رجب الاسکوبی المتوفی ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء تعلق البانیہ کے شہر اسکوب سے تھا۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں مدینہ منورہ میں ولادت مکہ معظمہ میں عرصہ تک امیر الشریف عون الرفیق کے شاعر کی حیثیت سے قیام کیا۔ اردو اور فارسی زبان کے ممتاز عالم تھے۔ خطیب المدینہ شیخ عمر زاہد الشیخ عبدالقادر وزیر تعلیم حکومت اشراف، شیخ محمد العمری عالم اور ادیب اور الشیخ عمر بری عالم اور ادیب

Marfat.com

مشہور علماء بھی اس صدی کے علماء میں شمار ہوتے ہیں۔

۶۸۔ الشیخ عثمان بن عبدالسلام بن ابوبکر الدرغستانی المتوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء موصوف کی ولادت ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۳ء میں ہوئی۔ علوم دینیہ اپنے والد گرامی قدر سے حاصل کئے شیخ عبداللہ المجددی الدھلوی سے فقہ اور تفسیر کے علوم میں استفادہ کیا۔ شیخ عبدالقادر طرابلسی، اور شیخ حبیب الرحمٰن کاظمی بھی ان کے اساتذہ میں سے تھے۔ مدینہ منورہ میں پندرہ سال افتاء کی مسند پر فائز رہے اور حنفی مسلک کے مطابق فتوی صادر فرماتے تھے موصوف کے صاحبزادہ الشیخ محمد نے ان تمام فتووں کو جمع کر کے دو جلدوں میں شائع کیا مسجد نبوی شریف میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے ہیں۔ شیخ ابراہیم اسکوبی الشاعر، شیخ مامون بری، شیخ یحییٰ دفتردار اور شیخ عارف ان کے اجلہ رفقاء میں سے تھے، بہت سی غیر مطبوعہ کتابوں کے مولف بھی تھے[1]

۶۹۔ محدث جلیل خلیل احمد بن مجید علی بن احمد علی الانصاری الحنفی الانبیٹھوی المتوفی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء موصوف کا سن ولادت ۱۲۶۹ھ/۱۸۵۶ء اور وطن مالوف سہارن پور یوپی کا تاریخی قصبہ انبیہٹ تھا[2]

ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں حاصل کی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، بعدازاں مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور میں حدیث، تفسیر، فقہ اور عقائد کے علوم کی تحصیل کے بعد دوبارہ ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں منطق، فلسفہ، ادب اور تاریخ کی اعلیٰ کتابیں پڑھ کر فراغت حاصل کی۔ اسی دوران صرف ایک سال میں قرآن مجید بھی حفظ کر لیا ۱۳۰۸ھ/۱۸۹۰ء میں دارالعلوم دیوبند میں مدرس مقرر ہوئے، ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء میں مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور میں صدر مدرس کی حیثیت سے تقرر

---

[1] الدینہ المنورۃ فی التاریخ ۱۵۰ تا ۱۶۸۔ [2] نزھۃ الخواطر ۸: ۱۳۶

Marfat.com

ہوا۔ جہاں تیس سال سے زائد عرصہ تک مختلف علوم وفنون کی تدریسی خدمات انجام دیں۔[1]
سلطان العارفین امام ربانی الشیخ رشید احمد گنگوہی سے بیعت ہوئے اور تکمیل سلوک کرکے
شیخ گنگوہی کا پہلا خلیفہ ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں مرشد العرب والعجم
حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نے بھی خلعت خلافت مرحمت فرمائی۔[2] اگرچہ آپ کو علوم متداولہ میں
مہارت تامہ حاصل تھی۔ لیکن حدیث نبوی سے عشق، شیفتگی اور وارفتگی کے باعث حدیث
کی مشہور زمانہ کتاب سنن ابوداؤد کی شرح بذل المجہود عربی زبان میں لکھی جو پانچ ضخیم جلدوں پر
مشتمل ہے۔ اس عظیم المرتبت کام کا آغاز ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء میں مظاہر العلوم سہارن پور میں ہوا۔
اور ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء کو مدینہ باسکینہ میں تکمیل ہوئی۔ علم حدیث میں آپ کا یہ عظیم الشان کارنامہ
ہے (مفتی اعظم مفتی محمد مرحوم ومغفور فرمایا کرتے تھے۔ جب سے سنن ابوداؤد لکھی گئی ہے
اس وقت سے اب تک بذل المجہود سے بہتر اس کی کوئی شرح کسی زبان میں بھی نہیں لکھی گئی
۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں مہاجرین کر مقیم ہوئے۔ مگر مستعار
زندگی لب بام کو پہنچ چکی تھی۔ بالآخر ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ/۱۹۲۷ء کو رحلت فرمائی اور
سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جوار میں آسودۂ خواب ہوئے۔[3] زندگی کے آخر
ایام میں علماء کرام کے شدید اصرار کے باعث مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ میں ابوداؤد شریف
بھی پڑھائی۔[4] المهند علی المفند اتمام النعم علی تبویب الحکم۔ مطرقۃ الکرامۃ علی مراۃ الامامۃ،
الرشیدالی اقوام العنید اور بذل المجہود عربی شرح سنن ابوداؤد آپ کی ناقابل فراموش علمی یادگار
ہیں۔[5]

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲: ۳۲
[2] مشاہیر علماء دیوبند: ۱۶۸
[3] تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲: ۳۳
[4] تذکرۃ الخلیل ۴۶۵
[5] نزھۃ الخواطر ج ۸: ۱۳۶

Marfat.com

۷۰۔ الشیخ سید محمد صدیق بن شیخ حبیب اللہ المتوفی ۱۳۴۱ھ/۱۹۱۳ء موصوف ۱۲۸۸ھ/ ۱۸۷۱ء میں بمقام الہداد پور ضلع فیض آباد میں تولد ہوئے۔ موصوف شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی کے بڑے بھائی تھے۔ دارالعلوم دیوبند میں تکمیل علوم کے بعد ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء میں قطب الزمان امام ربانی الشیخ رشید احمد گنگوہی کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے، ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء والدگرامی کے ہمراہ مدینہ باسکینہ کو ہجرت فرمائی، جہاں درس و تدریس میں مصروف زندگی بسر فرمائی اور آخر الامر مدینہ ہی میں وصال فرماکر جنت البقیع میں آسودۂ خواب ہوئے۔[1]

۷۱۔ الشیخ محمد الطیب بن اسماعیل بن الزبیر الخزرجی المتوفی ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء مغربی ممالک میں ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں ولادت ہوئی اور ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں مقیم ہوگئے مسجد نبوی شریف اور مدرسہ شرعیہ میں مدرس کی حیثیت سے تدریس بھی کرتے رہے اور متعدد کتابیں تالیف کیں۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ الدرۃ الثمینہ، شذور الذہب فی النحو، توحید کے موضوع پر کشف الشبہات۔ سراج الوہاج فی اختصار صحیح مسلم بن الحجاج۔ اور تحبیر التحریر فی اختصار تفسیر الامام ابن جریر

۷۲۔ الشیخ حمزہ بن علی بن محمود السندھی المتوفی ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء موصوف سندھ میں ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء کو پیدا ہوئے۔ صوفی منش عالم دین اور ممتاز شاعر تھے۔ نعتیہ کلام بڑے ذوق سے پیش کرتے، موصوف کے والد مدینہ منورہ میں حکومت ترکیہ کی طرف سے بیت المال اور اوقاف کے مدیر کے عہدہ پر فائز تھے۔

۷۳۔ الشیخ محمد عبداللہ المدنی المتوفی ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء موصوف ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد محمد بن محمود السوفی کے ہمراہ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں ہجرت کرکے مدینہ منورہ

---

[1] تذکرۃ الرشید ج ۲: ۱۵۸، نقش حیات: ۳۷۔

Marfat.com

ہیں سکونت اختیار فرمائی۔ علوم دینیہ اپنے والد اور الشیخ طیب الانصاری سے حاصل کئے۔ مؤلف، مصنف، عالم اور شاعر تھے۔

۴۷۔ الشیخ العالم الصالح المحدث حسین احمد بن حبیب اللہ الحنفی الفیض آبادی المدنی المتوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ء موصوف کی ولادت ۱۲۹۶ھ/۱۸۷۹ء میں ضلع اناؤ کے قصبہ بانگرمئو میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۴ سال کی عمر میں ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۱ء میں دار العلوم دیوبند میں داخلہ لیا، سات سال قیام کے دوران علوم متداولہ کی تکمیل کر کے شیخ الہند علامہ محمود حسن الدیوبندی سے سند حدیث حاصل کی۔ محدث العصر علامہ رشید احمد گنگوہی سے شرف بیعت سے مشرف ہوئے۔ ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں اپنے والد ماجد اور دیگر اہل خانہ معیت میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۱۶ھ/تا ۱۳۱۸ھ مسجد نبوی شریف میں صرف، نحو، فقہ اور دیگر مختلف فنون کی تدریس کی۔ ذیقعدہ ۱۳۱۸ھ/تا محرم ۱۳۲۰ھ/ تک اپنے مرشد قطب الارشاد گنگوہی کی خدمت میں گزارے محرم ۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۶ھ نبوی شریف میں مختلف علوم وفنون کی تدریس میں شب و روز منہمک و مصروف رہے۔

آپ کا درسِ حدیث تمام شیوخ حدیث سے زیادہ پسندیدہ اور مقبول تھا، اہل مکہ کے علاوہ ترک، بخارا، قازان، قزق، کابل اور مصر کے طلبہ بھی شامل مدرس ہوتے۔ چودہ اسباق روزانہ پڑھاتے، تفسیر، حدیث، معانی، کلام، فقہ اور عقائد سب علوم میں مہارت کاملہ کے مالک تھے۔ بعض ایسی کتب بھی پڑھانے کا اتفاق ہوا جو ہندوستان کے مدارس میں نہیں پڑھائی جاتیں۔ جیسا کہ علم نحو میں اجرومیہ، دحلان، کفراوی۔ الفیہ ابن عقیل، شرح الفیہ ابن ہشام، علم معانی و بیان میں شرح عقود الجمان، رسالہ استعارہ رسالہ وضعیہ للقاضی عضد وغیرہ، علم بدیع میں، بدیعیہ ابن حجر، علم فقہ میں نور الایضاح ملتقی الابحر اور دُرر وغیرہ علم اصول شافعیہ و مالکیہ میں، شرح جمع الجوامع للسبکی، شرح مستصفی الاصول، ورقات اور شرح منتہی الاصول۔ علم عقائد میں۔ مسامرہ شرح مسایرہ۔ شرح

Marfat.com

طوالع الانوار اور جوہرہ وغیرہ فرائض اور منطق وغیرہ کی بعض کتابیں جن کے نام بھی نہیں سنے تھے وہ بھی خوش اسلوبی سے پڑھائیں۔ فیخ کے دل میں عشق نبوی کا یہ عالم تھا

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم — خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ خستہ ز کونین توئی — از بہرِ تو میرم از برائے تو زیم

۱۳۳۳ھ/ ۱۹۱۵ء میں شریف مکہ نے انگریز دشمنی کے الزام میں شیخ الہند علامہ محمود حسن دیوبندی اور ان کے رفقاء کو مکہ معظمہ سے گرفتار کر کے انگریز کے حوالے کر دیا تھا۔ موصوف حضرت مدنی محض اپنے شیخ کی خدمت کی غرض سے ان کے ساتھ ہو لئے اور ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء تک قید و بند کی جاں گداز صعوبتیں برداشت کیں۔ رہائی کے بعد ۱۳۴۶ھ تا ۱۳۷۷ھ یعنی ۳۲ سال تک دارالعلوم دیوبند میں مشتاقانِ حدیث نبوی کا علوم و معارف سے سیراب کرتے رہے اور بالآخر ۳ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ/ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو علم و عمل اور زہد و تقویٰ کا یہ آفتاب دیوبند کی سرزمین میں غروب ہو گیا۔

وہ بزم اب کہاں وہ طرب کا سماں کہاں — ساقی کہاں وہ جام لئے ارغواں کہاں
ڈھونڈیں ہم آج نقش سبک زمشگاں کہاں — اب گردِ کارواں بھی نہیں کارواں کہاں

خود نوشت سوانح حیات چار جلدیں۔ سفرنامہ مالٹا اور الشہاب الثاقب علمی اور تاریخی یادگار چھوڑی ہیں[1]۔

سیدی مرشدی شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے "میں نے عرب و عجم کے اولیاء کو دیکھا۔ حج کے موقع پر حرمین شریفین میں تمام دنیا کے اولیاء اللہ کا اجتماع ہوتا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے بصیرت کی نعمت سے نوازا ہے۔ جس سے میں اہل اللہ کا تقابل کیا کرتا ہوں۔ میں نے سب اہل اللہ کو دیکھا۔ مگر حضرت حسین احمد مدنی کے درجہ کا کوئی انسان نہیں دیکھا۔ وہ میرے استاد نہیں، وہ میرے

---

[1] نقش حیات، تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲،

Marfat.com

شیخ نہیں، وہ میرے رشتہ دار نہیں۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن بصیرت کی نظر سے میں نے ان کے درجہ کا کوئی انسان نہیں دیکھا۔"

۷۵۔ شیخ الحدیث علامہ محمد ذکریا ابن مولانا محمد یحییٰ المتوفی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء آپ کی ولادت ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں ہوئی اصل وطن کاندھلہ تھا۔ ابتداء تا انتہا تمام علوم مظاہر العلوم سہارن پور میں حاصل کئے، ۳۴-۱۳۳۳ھ/۱۶-۱۹۱۵ء میں دورہ حدیث شریف محدث جلیل مولانا خلیل احمد انبہٹوی اور اپنے والد ماجد شیخ الحدیث مولانا محمد یحییٰ سے پڑھ کر سند فراغ حاصل کی ۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء مظاہر العلوم میں تدریس کا آغاز کیا جو ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء کو تکمیل پذیر ہوا۔ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء سے علم حدیث کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ جو ۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء تک جاری رہا، بعد میں علالت اور نزول الماء کی وجہ سے یہ مقدس سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ۲۷ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ/۲ مئی ۱۹۷۳ء مدت العمر کی دیرینہ آرزو پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ جن کی سنت و شریعت اور حدیث کی خدمت کرتے ساری عمر گزار دی تھی۔ اب ان کے دامن سے وابستہ ہو گئے اور مدینہ با سکینہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ جہاں مدرسہ شریعیہ میں قیام پذیر ہو کر علمی اور روحانی فیض سے مسلمانان عالم کو مستفیض و مستفید فرمانے لگے بالآخر ۲ شعبان ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء کو راہی دار البقا ہو گئے۔

آپ کے قلم فیض رقم نے بیش بہا علمی نوادرات سے امت کو مالا مال فرمایا۔ جس کی فہرست بیحد طویل ہے صرف نمونہ کے طور پر چند کتب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ شرح الفیہ اردو تین جلدوں میں ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ خصائص نبوی شرح شمائل نبوی۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالک عربی چھ جلدوں میں۔ الکوکب الدری شرح ترمذی عربی دو جلدیں، لامع الدراری علی جامع البخاری عربی دس جلدیں۔ بتویب مشکل آثار عربی چار جلدیں، تاریخ مظاہر العلوم اردو علاوہ ازیں، آپ کی کتب تبلیغی نصاب اور فضائل صدقات تقریباً دنیا بھر کی تمام زبانوں میں چھپ چکی ہیں جن کی مجموعی تعداد خود مصنف کو معلوم نہ تھی اور ساری دنیا میں

Marfat.com

ان کی تعلیم کا سلسلہ جاری ہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔[1]

۷۶۔ مفتی عبدالکریم گمتھلوی ابن حکیم محمد غوث المتوفی ۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء ضلع کرنال ہند میں ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے شیخ المحدثین مولانا خلیل احمد انبہٹوی کے ظل عاطفت میں مظاہر العلوم سہارن پور میں علوم کی تکمیل فرمائی۔ اپنے مرشد حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کے زیر سایہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں تدریسی، تالیفی اور فتاوی نویسی کی خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں مدینہ طیبہ کے دوران قیام مدرسہ علوم شرعیہ میں مسلم شریف، مولا امام مالک اور ہدایہ وغیرہ کے اسباق پڑھائے۔ درس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ مسجد نبوی شریف کے عربی النسل اساتذہ بھی درس میں شامل ہوتے تھے۔

موصوف نے ایک مرتبہ حرم محترم نبوی کے ایک مدرس صاحب سے دریافت کیا کہ آپ تو صاحبِ مذہب ہیں کیونکہ موطا امام مالک آپ کے امام صاحب کی کتاب ہے حنفیوں کی نسبت آپ اسے زیادہ سمجھتے ہوں گے۔ لیکن ہمارے درس موطا کی سماعت بھی آپ کرتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ اپنے مذہب کے خلاف باتوں کا جواب تو ہم دے سکتے ہیں۔ مگر احادیث میں تطبیق کا فن جو آپ کو حاصل ہے ہم اس سے قاصر ہیں، میں تطبیق کا انداز سیکھنے آتا ہوں۔ اور پھر اسے حرم شریف میں اپنے درس کے دوران طلبا کے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔ موصوف متعدد کتابوں کے مولف تھے خاص خاص کتب یہ ہیں۔ القول الرفیع فی الذب عن الشفیع، تجدد اللعم فی تعدد الجمعہ، المختارات رسالہ غصب المیراث اور حیلہ ناجزہ کی تدوین میں برابر کے حصہ دار تھے۔[2]

۷۷۔ الشیخ بدر عالم میرٹھی بن حاجی ہتھور علی المتوفی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء وطن مالوف

---

[1] سوانح شیخ الحدیث مولفہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی [2] بزم اشرف کے چراغ: ۱۷۲

Marfat.com

بدایون ضلع میرٹھ اور سن ولادت ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء تھا۔ ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء میں استاذ المحدثین مولانا خلیل احمد سہارن پوری کی خدمت میں تحصیل علوم کے لئے حاضر ہوئے، ۱۳۳۶ھ/ ۱۹۱۸ء میں دستار فضیلت حاصل کی۔ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں مظاہر العلوم میں معین المدارس تعینات ہوئے۔ لیکن جلد ہی دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے جاکر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء میں شیخ الکل حافظ حدیث سید انور شاہ کاشمیری سے دورہ حدیث پڑھا۔ پھر ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں معین المدرس مقرر ہوئے۔ ۱۳۴۶ھ/ ۱۹۲۷ء میں جامعہ اسلامیہ ڈابھیل تشریف لے گئے، ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں ندوۃ المصنفین دیلی سے وابستگی اختیار کرلی۔ ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کو تقسیم ملکی کے بعد پاکستان میں قیام اختیار فرمایا، جہاں جامعہ اسلامیہ ٹنڈوالہ یار میں تدریسی خدمات سرانجام دینے لگے۔ مگر جلد ہی عشق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی کشش مدینہ باسکینہ کھینچ کرلے گئی۔ ارضِ مقدس پہنچ کر کامل طمانیت سے علمی وعملی مشاغل میں مصروف ہوگئے۔ قیام مدینہ کے دوران جنوبی افریقہ کے لوگوں نے بہت بڑی تعداد میں موصوف سے علمی اور روحانی استفادہ کیا۔ طویل علالت کے بعد ۵ رجب المرجب ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء کو جان جانِ آفرین کے سپرد کرکے جنت البقیع میں مقیم ہوگئے۔

تالیفات:۔ اپنے شیخ محترم علامہ کاشمیری کی نادر علمی تحقیقات۔ تفردات اور علوم و معارف کو فیض الباری علی صحیح البخاری عربی کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں مرتب کیا۔ جو عظیم الشان علمی کارنامہ ہے۔ ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء میں ندوۃ المصنفین سے وابستگی کے دوران اردو زبان میں حدیث کی ایک جامع کتاب ترجمان السنۃ چار جلدوں میں تالیف فرمائی[1] جواہر الحکم تین جلدیں۔ مستزاد الحقیر، زبدۃ المناسک۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام۔ آواز حق

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲: ۱۴۱۔

Marfat.com

شان حضور، قسمت کا ستارہ، محبوب الارث اور فریاد مظہر وغیرہ مشہور ہیں۔[1]

۷۸۔ الشیخ عمر برہی المتوفی ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء، موصوف مدینہ کے برگزیدہ علماء، شعراء اور فضلاء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ حکومت اشراف کی طرف سے مدینہ میں ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۲ء کو عہدہ قضاء پر فائز ہوئے۔

۷۹۔ الشیخ حمیدۃ بن الطیب بن علال المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء الجزائر میں پیدائش ہوئی۔ مدینہ طیبہ کے ممتاز محدث، جید عالم اور شاعر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ الثمر الدانی فی التوجیہ الربانی۔ المسالک الی الفیہ ابن مالک الاثار فی بلدۃ المختار اور التمکین فی الوصول بطریق سید المرسلین وغیرہ۔

۸۰۔ السید جعفر ہاشم المدنی ۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء ادیب، عالم اور مولف تھے۔ موصوف کی یادگار کتاب تاریخ مدینہ پائی جاتی ہے۔

۸۲۔ سید عبد القادر بن عثمان بن علی بن محمود المتوفی ۱۳۷۱ھ/۱۹۵۱ء ولادت مدینہ باسکینہ میں ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء کو ہوئی۔ عالم، متقی، زاہد اور عبادت گذار تھے۔ مسجد اور گھر کے سوا کسی دوسرے مقام سے واقف نہ تھے۔

۸۳۔ الشیخ السید احمد یاسین الخیاری المتوفی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء، مدینہ کریمہ میں ۱۳۲۱ھ ۱۹۰۳ء کو ولادت ہوئی۔ ابتدائی تعلیم مدینہ طیبہ میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ ازہر مصر گئے۔ ۱۳۴۴ھ/ ۱۹۲۵ء میں سند فراغ حاصل کرکے وطن واپس ہوئے مسجد نبوی شریف کے علماء میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں مدرسہ النجاح میں معلم مقرر ہوئے۔ مکتبہ المسجد النبوی اور مکتبۃ المحمودیہ کے مدیر کے فرائض بھی انجام دیتے رہے متعدد اصلاحی کمیٹیوں کی رکنیت اختیار کی اور آخر میں مدرسہ تحفیظ القرآن وتجوید کے

[1] مشاہیر علماء دیوبند: ۱۱۲

Marfat.com

مدیر مقرر ہوئے۔

۸۴۔السید علی حافظ اور سید عثمان حافظ، دونوں سید عبدالقادر کے صاحبزادے تھے۔ اوّل الذکر ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء اور ثانی الذکر ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں دونوں نے تحصیل علوم کی سند حاصل کی۔ السید علی حافظ نے پہلی مرتبہ ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء کو مدینہ منورہ میں ہفتہ وار جریدہ "المدینۃ المنورہ" جاری کیا جس کی ادارت انہی کے ذمہ تھی ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء کو المسیجید میں مدرسہ الصحراء الخیریہ قائم کیا۔

۸۵۔الشیخ عبدالقدوس الانصاری ممتاز ادیب اور نامور مورخ ہیں۔ مجلہ "المنہل" کی ادارت موصوف کے سپرد تھی۔ بہت سی مفید اور قابل قدر کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے "آثار المدینۃ المنورۃ" بڑی محنت، کاوش اور عرق ریزی سے مدون فرمائی۔ (راقم الحروف نے اس کتاب سے بھرپور استفادہ کیا ہے) اور رسجالات الحجاز بھی قابل ستائش کتاب ہے۔ آخر عمر میں مکہ معظمہ میں اقامت گزیں ہو گئے۔

۸۶۔الشیخ محمد بن محمد بن سعید بن یحییٰ دفتر دار (اکاؤنٹنٹ جنرل) المتوفی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، مدینہ طابہ میں ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم مدینہ منورہ میں حاصل کرنے کے بعد دمشق اور بیروت کا حصول تعلیم کی خاطر سفر کیا۔ ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء اعلیٰ تعلیم کے لئے جامعہ ازہر مصر میں داخلہ لیا۔ ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء کو تکمیل ہوئی

بعدازاں کلیۃ اللغۃ العربیہ اور کلیۃ الشریعۃ میں دو سال مزید اکتساب علم کر کے ۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء کو امتیازی سند حاصل کر کے وطن واپس ہوئے اور مدرسہ الثانویہ اور معتمدیہ المعارف کے رئیس مقرر ہوئے۔ موصوف نے بہت سی نادر اور مفید تالیفات و تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ تاریخ الادب والبلاغۃ اور اعلام المدینۃ المنورہ انتہائی قابل قدر علمی ذخیرہ ہیں۔

۸۷۔الشیخ عبدالحق النقشبندی ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں مدینہ باسکینہ میں ولادت ہوئی۔

Marfat.com

ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کی غرض سے دارالعلوم دیوبند ہند گئے۔ ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء میں تکمیل تعلیم کے بعد وطن واپس ہوئے۔ جہاں مدرسہ العلوم الشرعیہ میں تدریس کی خدمت پر مامور ہوئے۔ بعدازاں مدرسہ الابتدائیہ السعودیہ میں معلم کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ مقالہ نویسی اور شعرگوئی میں مہارت تامہ حاصل تھی۔

۸۸۔ السید احمد العربی المدنی ادیب، سکالر اور شاعر کی حیثیت سے معروف ہیں اور اس وقت مکہ مکرمہ میں مدیر اوقاف کے منصب پر فائز ہیں۔

۸۹۔ السید عبید المدنی ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں مدینہ منورہ میں پیدائش ہوئی۔ عربی ادب اور شعرگوئی سے گہری دلچسپی رکھتے تھے۔ حکومت کے مختلف مناصب پر فائز رہنے کے بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔

۹۰۔ السید آمین مدنی: مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ معروف ادیب تھے۔ ۱۳۷۵ھ/ ۱۹۵۵ء میں رئیس بلدیہ کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس وقت ان کا وصال ہو چکا ہے۔ التاریخ العربی نہایت ضخیم کتاب ان کی یادگار ہے۔

۹۱۔ السید اسعد طرابزونی، ادیب اور محقق مورخ تھے۔ مدینہ منورہ سے متعلق کئی تاریخی کتابیں شائع کیں اور پاسپورٹ آفس کے مدیر بھی رہے۔

۹۲۔ السید حبیب محمود احمد۔ مدینہ منورہ کے معززین میں شمار ہوتے ہیں۔ اس وقت مجلس ادارۃ الاوقاف کے مدیر ہیں

۹۳۔ الاستاذ عبدالرحمٰن رفہ، نوجوان ادیب اور شاعر ہیں۔ ان کا قلمی دیوان بھی ہے الاستاذ[۹۴] حسن مصطفیٰ صیرفی، شاعر اور زجال ہیں۔ ان کا دیوان کبریاء ودموع کے نام سے مطبوعہ ہے۔

۹۴۔ الشیخ علامہ حافظ حبیب اللہ المدنی بن شیخ التفسیر قطب الزمان سیدی احمد علی لاہوری

---

[۹۴] المدینۃ المنورہ فی التاریخ ۱۷۲ تا ۱۷۹

Marfat.com

المتوفی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء ولادت باسعادت ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء دہلی میں ہوئی۔ حفظِ قرآن مجید اور ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے مرکز اخیار و ابرار، مرجع علماء و مشائخ، مادر علمی دارالعلوم دیوبند تشریف لے گئے، جہاں تکمیل علوم کے بعد ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۷ء کو شیخ الادب والعجم سید حسین احمد مدنی سے سند حدیث اور دستار فضیلت حاصل کی، ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء کو مدینہ باسکینہ میں قیام پذیر ہو گئے۔[1]

مسجد نبوی شریف میں باب صدیق میں بیٹھ کر قرآن و حدیث کی تعلیم عربی زبان میں دیتے تھے۔ زندگی کے آخری چند سال مکہ معظمہ میں بسر فرمائے اور ۲۹ جمادی الاخر ۱۳۹۲ھ/۲۶ جولائی ۱۹۷۲ء بروز پنجشنبہ اس دار فانی سے رحلت فرما کر جنت المعلیٰ میں آرام فرما ہوئے۔ حرمین شریفین کے قیام میں ریاضت شاقہ، طویل مدت تک مسلسل روزے اور تقلیل طعام و منام کا معمول رہا۔ پوری زندگی تجرد و انقطاع میں گزری۔ ذکر کا بہت زیادہ غلبہ تھا زندگی بالکل زہد و قناعت بلکہ مجاہدہ کی تھی۔[2]

۹۶۔ الشیخ عبدالباقی بن علی بن محمد لکھنوی المتوفی ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء۔ موصوف لکھنو میں ۱۲۸۶ھ/۱۹۶۶ء کو پیدا ہوئے۔ تحصیل علوم مختلف اساتذہ سے کرنے کے بعد مدینہ منورہ میں اقامت اختیار کی۔ ان کی بہت سی قابل قدر تصانیف ہیں۔ جیسا کہ حسرۃ الفحول بوفاۃ نائب الرسول۔ المنح المدینہ فی مختارات الصوفیہ۔ مبحث الغنار اور تحقیق علم الغیب وغیرہ۔[3]

۹۷۔ الشیخ محمد مظہر دہلوی بن احمد سعید بن ابی سعید العمری الحنفی المتوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۴ء۔ پیدائش ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء دہلی میں ہوئی مولانا حبیب اللہ وغیرہ سے علوم

---

[1] ہفت روزہ خدام الدین حضرت لاہوری نمبر ۶۳ [2] پرانے چراغ ج ۱: ۱۴۵۔

[3] نزھۃ الخواطر ج ۸: ۲۱۶۔

Marfat.com

تکمیل کرنے کے بعد ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء کو ہجرت کرکے مدینہ طابہ میں اقامت گزیں ہو گئے۔ موصوف کے متعلق کہا جاتا ہے

کان من العلماء الربانین، جامعا بین المعقول والمنقول، حاویا للفروع والاصول، مطلعا علی دقائق المعارف وحقائق الحکم، باب البقیع میں مدرسہ عالیہ قائم فرمایا تھا[1]

۹۸۔ الاستاذ سید محمد ہاشم رشید الغزی ممتاز شاعر کی حیثیت سے ابھرے، ۱۳۷۳ھ/ ۱۹۵۳ء میں اپنا مجموعہ کلام بنام "وراء السراب" شائع کیا۔ النادی الادبی بھی موصوف کا دیوان ہے۔

۹۹۔ الاستاذ ماجد اسعد الحسینی شاعر ہیں۔ ان کا دیوان "حیرہ" کے نام سے ہے۔

۱۰۰۔ الاستاذ محمد عالم افغانی ادیب اور مقالہ نویسی میں مشہور ہیں۔

۱۰۱۔ الاستاذ عبد العزیز الربیع، مدینہ منورہ کے مدیر تعلیم، ناقد ادیب اور جید عالم ہیں۔

۱۰۲۔ الاستاذ محمد حمیدۃ۔ اصحاب علم وادب میں شمار ہوتے ہیں۔

۱۰۳۔ الاستاذ محمد العبد الخطرادی ۔ ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں پی ایچ ڈی کرکے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں پروفیسر مقرر ہوتے۔ ادیب اور شاعر بھی ہیں[2]

۱۰۴۔ الشیخ القاری شیر محمد ابن سید محمد عارف شاہ المتوفی ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء گھوٹکی ضلع سکھر سندھ میں ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء کو پیدا ہوئے۔ موصوف کے والد گرامی قدر جید عالم اور متقی تھے مولانا موصوف نے سندھی زبان میں تعلیم حاصل کی، فارسی اور دیگر علوم متداولہ سے فارغ ہونے پر حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی نے خلعت خلافت مرحمت فرمائی۔ ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء کے قریب حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ محبت سے سرشار ہو کر تمام علائق دنیوی ترک کرکے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اور عمر عزیز کے بقیہ ۱۴ سال بارگاہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کئے اور جنت البقیع میں دفن ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی[3]

---

[1] نزھۃ الخواطر ج ۸: ۴۵۴۔

[2] المدینہ المنورہ فی التاریخ: ۱۸۰

[3] بزم اشرف کے چراغ: ۵۱۔

Marfat.com

موصوف سندھ میں علم تجوید کو فروغ دینے کے بانی تھے۔ مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا کے دوران قیام اپنی قیام گاہ اور حرم نبوی میں کتب تجوید اور دوسرے علوم کی تدریسی خدمت انجام دیتے رہے۔ مسائل حج کے امام تھے۔ بڑے بڑے فقہی اور محدث بھی حج کے مسائل میں آپ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ آپ کی یادگار تالیف قراۃ العینین فی زیارت الحرمین مسائل حج پر قابل قدر کتاب ہے۔ علاوہ ازیں معلم الحجاج پر حاشیہ بھی ارقام فرمایا۔

۱۰۵۔ الشیخ عبدالغفور ہزاروی ابن شاہ سید عباسی، ہاشم خیل یانڈہ، جُدباء برکلی، دربند ہری پور ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ درسیات کی تکمیل مفتی ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی سے کرکے سند فراغ حاصل کی۔ بعدازاں مدرسہ آمینیہ دہلی میں پانچ سال تدریسی خدمت انجام دی۔ ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں حج کے ارادہ سے حجاز مقدس پہنچے اور مدینہ طابہ کو اقامت گاہ بنالیا۔ آخر الامر ۲ ربیع الاول ۱۳۸۹ھ/۱۸ مئی ۱۹۶۹ء کو وصال ہوا۔ اور جنت البقیع میں ابدی نیند سو گئے۔ تاریخ وصال یوں بیان کی گئی ہے۔

بزمِ جنت یافت از راہِ بقیع — رہنمائے راہِ دین عبدالغفور

۱۳۸۹ھ — ۱۹۶۹ء

آپ کی تصانیف مجموعہ دعوات فضلیہ اوراد فضلیہ اوراذکار نقشبندیہ ہیں۔[1]

۱۰۶۔ الشیخ محمد عاشق الٰہی بلند شہری ابن صوفی محمد صدیق دامت فیوضہم، بلند شہر یوپی میں پیدا ہوئے۔ حفظِ قرآن اور ابتدائی کتب مولانا محمد صادق سنبھلی سے پڑھنے کے بعد مدرسہ امدادیہ مراد آباد میں سال تک زیر تعلیم رہے ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء میں مدرسہ خلافت جامع مسجد علی گڑھ میں داخل ہوئے ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں اعلیٰ تعلیم کیلئے مظاہر العلوم سہارنپور تشریف لے گئے ۱۳۶۳ھ/۴۴ میں شیخ الحدیث مولانا محمد ذکریا سے علوم حدیث کی تکمیل کی، ۱۳۸۴ھ/۱۹۶۴ء تک مختلف مدارس

---

[1] ماہنامہ الرشید دارالعلوم دیوبند نمبر: ۴۱۲۔

Marfat.com

تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع کی طلب پر دارالعلوم کراچی میں تفسیر و حدیث پڑھانے پر مامور ہوئے اس کے ساتھ دارالافتا کی خدمت بھی شامل تھی۔ بالآخر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت انہیں ۱۳۹۶ھ مدینہ منورہ کھینچ کر لے گئی۔ جہاں تصنیفی و علمی فیوضات سے مسلمانان عالم کو سیراب کر رہے ہیں۔

موصوف بلند پایہ مصنف اور ممتاز ادیب ہیں۔ تقریباً ۵۸ کتابیں ان کے قلم فیض رقم سے مرصع ہو چکی ہیں جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ مجانی الآثار شرح معانی الاثار عربی۔ تہیج الراوی تخریج احادیث الطحاوی عربی زاد الطالبین من کلام رسول رب العالمین عربی، التحفتہ المرضیہ شرح مقدمۃ الجزریہ۔ تحفہ خواتین اور مرنے کے بعد کیا ہوگا۔[1]

۱۰۷۔ الشیخ الحافظ غلام محمد ولد میاں نور محمد

موصوف نے حافظ خوشی محمد رائے پوری تحصیل نکودر سے جالندھر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بعد ازاں قاری عبدالوہاب لکھنوی کی خدمت میں رہ کر منزل سنائی تکمیل علوم کے بعد دورہ حدیث شریف شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی سے ڈابھیل میں پڑھا۔ مفتی زین العابدین فیصل آبادی، مولانا عبدالستار توحیدی اور مولانا عبدالغفار پنڈورہ ہم سبق تھے ۱۳۹۳ھ ۱۹۷۳ء میں قاری فتح محمد دامت برکاتہم کی معیت میں مدینہ منورہ تشریف لے گئے جہاں ایک سال مدرسہ بریدہ میں تدریس کی خدمت انجام دی اور بعد میں مدرسہ تحفیظ القرآن میں پڑھانا شروع کر دیا۔ طلباء کی تعداد عموماً ۷۰، ۸۰ کے قریب ہوتی ہے۔ موصوف کی علمی اور تحقیقی شہرت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ مدینہ یونیورسٹی کے بعض اساتذہ اور طلباء بھی ان کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرتے اور علمی جواہر پارے حاصل کرتے ہیں۔

---

[1] مشاہیر علماء دیوبند: ۲۴۵۔

Marfat.com

تعلیمی وقت نماز عصر سے نماز مغرب تک ہوتا ہے۔

شیخ موصوف بیحد ذاکر شاغل، متقی پرہیزگار، شب زندہ دار، صائم الدھر، کم گو اور تجرد پسند ہیں تعلیمی وقت کے علاوہ بیشتر اوقات حرم نبوی میں گزارتے ہیں۔

راقم الحروف ۶ محرم الحرام ۱۴۰۳ھ/۱۲-اکتوبر ۱۹۸۳ء کو اشراق کے وقت الشیخ حافظ محمد رمضان علوی مدظلہ، راولپنڈی کی معیت میں شیخ موصوف کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور مذکورہ حالات زبانی طور پر قلمبند کئے۔ عصر حاضر کے نامور ادیب اور اہل قلم حضرات جن کی قابل قدر خدمات علمی دنیا میں امتیازی شان کی حامل ہیں۔ الشیخ عبداللہ بن زاید نائب رئیس الجامعۃ الاسلامیہ الشیخ عبدالعزیز بن صالح امام مسجد نبوی و رئیس محکمہ شرعیہ الشیخ محمد الحافظ اور الشیخ عطیہ محمد سالم دونوں محکمہ شرعیہ کبری کے قاضی اور ادیب بھی ہیں۔ استاذ حماد الانصاری معلم جامعہ اسلامیہ امیر عبدالمحسن بن عبدالعزیز عربی ادب کے ماہر اور شاعری میں معروف ہیں۔ استاذ امین اور استاذ عبدالعزیز الربیع۔ استاذ عبید مدنی اور شریف ابراہیم العیاشی بھی ادیب اور مؤرخ کی حیثیت سے شہرت رکھتے ہیں۔

استاذ حسن صیرفی، سید محمد ہاشم رشید، ڈاکٹر محمد العبد الخطرادی، استاذ عبدالرحمن الشبل، استاذ عبدالرحمن رفہ، استاذ عبدالرحیم ابوبکر، استاذ محمد حمیدۃ، استاذ عبدالعزیز ساب، استاذ سالم داغستانی، استاذ علی عمر قاضی وغیرہ بہت سے ادیب، مؤرخ اور شاعر اس وقت بھی مدینہ باسکینہ میں علمی کمالات کا مظاہرہ کر رہے ہیں [1]

---

[1] المدینہ.... الیوم ۱۴۰۴ھ

Marfat.com

باب چہارم

علم وادب

Marfat.com

اطلبوا العلم من المحد الی اللحد

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین

(ترمذی)

Marfat.com

تعلیم و تعلّم

تعلیم ایسا تابناک فن ہے جو اقوام و ملل تمدنی تعمیر و ترقی، فلاح و بہبود، دینی و دنیوی عروج و کامرانی کا بیحد مؤثر ذریعہ ہے۔ اسلام سے بہت پہلے مدینہ منورہ میں بھی تعلیم و تعلم کا رجحان پایا جاتا تھا چونکہ اسوقت ساری دنیا میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ تعلیم سے بے اعتنائی اور غفلت کے باعث گنے چنے آدمی تعلیم یافتہ پائے جاتے تھے یہی کیفیت مدینہ منورہ کی تھی یہود میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری تھا۔ ان کی تعلیمی درسگاہوں میں تورات کی تعلیم کے علاوہ لکھنے پڑھنے کی تربیت کا انتظام بھی تھا، جیسا کہ حدیث شریف میں ان کی تعلیمی درسگاہوں کا ذکر اس طرح پایا جاتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ فخر کون و مکان، سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ یہود سے جنگ کرنے کے لئے فوراً روانہ ہو جاؤ۔ ہم لوگ مدینہ سے نکل کر یہود کی آبادی کی طرف چل دئے حتیٰ کہ بیت المدارس تک پہنچ گئے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاکرہ باب فی بیع المکرہ ج ۲: ۱۰۲۷۔

Marfat.com

علامہ کرمانی فرماتے ہیں "المدراس" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں یہود تورات کی تعلیم دیتے تھے۔[1]

علامہ عینی لکھتے ہیں:۔

"مدراس" میم اور سین کے کسرہ کے ساتھ مفعال کے وزن پر ہے، جس جگہ تورات کی تعلیم دی جاتی تھی اسے "مدراس" کہا جاتا تھا۔"[2]

علامہ عسقلانی لکھتے ہیں۔

"بیت المدارس" بھی استعمال ہوا ہے جب کہ مدارس کتاب کی تدریس کے علاوہ دیگر علوم کے تعلیمی مرکز کو کہا جاتا ہے۔"[3]

"تاہم اوس و خزرج یعنی مدینہ کے انصار، مکہ والوں سے زیادہ متمدن ہونے کے باوصف ان میں تحریر و کتابت اور علم و ادب کا رواج مکہ والوں سے بھی کم تھا۔ ان قبائل میں عربی لکھنے والوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یہود میں سے کسی نے انہیں لکھنا سکھایا تھا۔ البتہ اسلام سے کچھ زمانہ قبل اہل مدینہ کے بچے تحریر و املاء کا فن سیکھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو اوس و خزرج کے متعدد آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ابتدائے اسلام میں حسب ذیل حضرات تعلیم یافتہ تھے۔

سعد بن عبادہ، منذر بن عمرو، ابی بن کعب، زید بن ثابت، رافع بن مالک، اُسید بن حضیر، معین بن عدی، بشیر بن سعد، سعد بن ربیع، اوس بن خولی، عبداللہ بن ابی المنافق، سوید بن الصامت اور حضیر الکتائب[4]، علاوہ ازیں سیدنا کعب بن مالک[5] اور سیدنا انس بن مالک[6] بھی لکھنا

---

[1] ارشاد الساری ج ۲ : ۶۵

[2] عمدۃ القاری ج ۱۱ : ۲۵۶ [3] فتح الباری ج ۱۲ : ۲۰۰

[4] نتوح البلدان ۶۶۸

[5] صحیح مسلم ج ۲ : ۳۶۲ کتاب التوبۃ باب حدیث توبہ کعب بن مالک

[6]

Marfat.com

پڑھنا جانتے تھے۔ اور عمرو بن سعید۔ ابی بن وھب[1]۔ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی و امی کو سب سے پہلا جو خدائی حکم ملا۔ جس سے وحی خداوندی کا آغاز ہوا، وہ تعلیم وحکمت جیسے عظیم المرتبت موضوع پر مبنی تھا، کیونکہ تعلیم ہی معرفت الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور پھر انسان کو دوسرے سارے حیوانات سے ممتاز اور ساری مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ تعلیم ہی بناتی ہے۔ ارشادِ اوّلین ہوتا ہے۔

اقرأ باسم ربك الذی خلق ٥ خلق الانسان من علق ٥ اقرأ وربك الاکرم ٥ الذی علم بالقلم ٥ علم الانسان ما لم یعلم ٥[2]

اپنے رب کے نام سے پڑھ۔ آدمی کو پیدا کیا جمے ہوئے لہو سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے۔ جس نے علم سکھایا قلم سے۔ آدمی کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

پڑھنے کے حکم کے ساتھ ہی اس کے لوازمات کا ذکر اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتا ہے، یعنی قلم ہی علم کا واسطہ ہے جو انسانی تہذیب وتمدن کا ضامن ہے چونکہ تعلیم حاصل کرنے کی عام طور پر دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک زبانی اور دوسری بذریعۂ قلم تحریر وکتابت کی صورت میں اس لیے اولیں طور پر ان دونوں کا ذکر کر دیا گیا۔ اقرأ سے زبانی تعلیم کی ترغیب اور علم بالقلم سے تحریر وکتابت کی اہمیت کو واضح کر دیا۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا۔ کہ قلم اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگر قلم نہ ہوتا تو نہ کوئی دین قائم رہتا اور نہ ہی دنیا کے کاروبار درست ہوتے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

---

[1] مسائل الفرقان ج ۱: ۲۵۶

[2] سورہ العلق: آیات ۵۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو ان چیزوں کا علم دیا جنہیں وہ نہیں جانتے تھے۔ انہیں جہالت کے اندھیرے سے نکال کر نورِ علم سے بہرہ یاب فرمایا اور علم و کتابت کی ترغیب دی۔ کیوں کہ اس میں بے شمار منافع ہیں۔ جن کا اللہ کے سوا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

تمام علوم و حکم کی تدوین اور اولین و آخرین کی تاریخ، ان کے حالات و مقالات اور اللہ کریم کی نازل کردہ کتابیں، سب قلم ہی کے ذریعہ معرضِ وجود میں آئیں (یعنی لکھی گئیں) اور رہتی دنیا تک باقی رہیں گی۔ اگر قلم نہ ہوتا۔ تو دین و دنیا کے سارے کام مختل ہو جاتے۔

اس لئے علم و قلم کی برکات اور فیوضات سے مستفید و مستفیض ہونے کی تاکید معلم اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی۔

طلب العلم فریضۃ[1] — علم طلب کرنا فرض ہے۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین — اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دین کی معرفت سے نوازتے ہیں۔

آپ نے فرمایا۔

العلماء خلفاء الانبیاء[3] — علماء انبیا کے خلفاء ہیں۔

ایک روایت میں ہے

العالم والمتعلم شیرکان فی الاجر[4] — عالم اور طالب علم دونوں اجر میں شریک ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ شریف ۳۶

[2] جامع ترمذی کتاب العلم ج ۲: ۹۳

[3] کشف الاستار الھیثمی ج ۱: ۸۴۔ مجمع الزوائد ج ۱: ۱۲۶

[4] جامع بیان العلم ج ۱: ۲۸۔

Marfat.com

آپ کا ارشاد ہے۔

عالم زمین پر خدا کا آمین ہے[1] اور فرمایا علماء یاران رحمت ہیں جہاں بھی ہوں گے نفع پہنچائیں گے[2]

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے سفر کرتا ہے اللہ پاک اس کے لئے جنت کا کا راستہ آسان بنا دیتے ہیں، اگر کوئی قوم کسی مسجد میں تلاوت قرآن مجید اور تعلیم و تعلم کے لئے جمع ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ان پر سکینت نازل فرماتے ہیں۔ اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور فرشتے ان پر اپنے پر بچھا لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرشتوں میں بڑے فخر سے کرتے ہیں[3]

ایک روایت میں ہے

مثل العلماء فی الارض کمثل النجوم فی السماء[4] جس طرح آسمان میں ستارے چمک رہے زمین میں علماء کی مثال بھی ستاروں کی طرح ہے

اسلام کی تاریخ میں مدینہ منورہ نے ابتداء ہی سے ایک مستقل دارالعلوم کی حیثیت اختیار کرلی تھی، جس سے نہ صرف جزیرۃ العرب فیض یاب ہوا، بلکہ علم کی نورانی شعاعوں نے ساری دنیا کو بقعۂ نور بنا دیا، علم وادب کی ضیا پاشی کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ بیعت عقبیٰ اولیٰ کے بعد معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا مصعب بن عمیر اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو مدینہ منورہ بھیجا کہ وہاں لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں[5]

---

[1] العلم والعلماء: ۴۸ [2] ایضاً ۵۱

[3] مسند امام احمد حدیث ۷۴۲۱ ج ۱۳: ۱۶۱ صحیح مسلم ج ۲: ۳۱۱ [4] عیون الاخبار ج ۲: ۱۲۱

[5] مسند امام احمد ج ۴: ۲۹۱

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو فرمایا کہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں، اسلام کے احکامات سکھائیں اور انہیں فقہی مسائل سے روشناس کریں، بنابریں ان کی اس قابل قدر محنت کے باعث وہ "المقری بالمدینہ" کے لقب سے مشہور ہوئے [1]

موصوف انصار کے گھروں میں جاجا کر لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم سے بہرہ یاب کرتے تھے [2]۔ ہجرت کے بعد معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم وادب کی نشر واشاعت اور خواندگی کو عام کرنے کے لئے بھرپور کوشش فرمائی۔ تعلیم وتعلم کے مختلف طریقے اپنا کر ہر فرد کو زیور تعلیم سے آراستہ کردیا۔ ہم اس نظام تعلیم کو مختلف عنوانات کے ساتھ روشناس کراتے ہیں تاکہ ہر پہلو پوری طرح آشکارا ہو جائے۔

خواندگی کو عام کرنے اور اس شعبہ کو ترقی کے درجہ کمال تک پہنچانے کے لئے معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد انتظامات بروئے کار لائے۔ اس سلسلہ الذہب کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ علوم وفنون کے ماہر اساتذہ کو تعلیمی خدمات پر تعینات فرمایا۔ دوسرے شہروں سے بھی ماہرین کو طلب کیا۔ نوشت وخواند کی اہمیت کو اُجاگر کرنے کے لئے فرمایا

قیدوا العلم بالکتاب [3] علم کو لکھائی کے ذریعہ محفوظ کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی حاضر ہوا اور حافظہ کمزور ہونے کی شکایت کی آپؐ نے فرمایا "استعن بیمینک" دائیں ہاتھ سے مدد لو۔ یعنی لکھ کر علم محفوظ کرلو۔ [4]

---

[1] سیرت ابن ہشام عنوان ہجرت مصعب بن عمیر، الہدایہ والنہایہ ج ۳ : ۱۵۱ [2] التراتیب الاداریہ ج ۱ : ۴۲ [3] سنن دارمی ج ۱ : ۱۰۵ [4] مجمع الزوائد ج ۱ : ۱۵۲،

Marfat.com

اس لئے قرآن مجید پڑھنے اور حفظ کرنے کے علاوہ دیگر دینی علوم کے ساتھ تحریر و کتابت اور املا بھی نصاب تعلیم میں شامل تھی۔

سیدنا عبداللہ بن سعید بن العاص زمانہ جاہلیت سے خوش نویسی میں مشہور تھے اور "کاتب" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ آپ نے انہیں کتابت اور املا سکھانے پر مامور فرمایا۔[1]

سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عربی کے مشہور خوش نویس اور "الکاتب" کے نام سے مشہور تھے۔ انہیں بھی مسلمانوں کی تعلیمی خدمت پر مامور فرمایا۔[2]

عرب میں "الکامل" اس شخص کو اعزازی طور پر کہا جاتا تھا، جو لکھائی میں مہارت کے علاوہ تیر اندازی اور پیراکی میں بھی ماہر ہوتا تھا۔[3]

سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی قرآنی تعلیمات کے علاوہ تحریر و کتابت کی مشق کرانے کی خدمت پر مامور تھے۔[4]

سیدنا زید بن ثابت الانصاری حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ مسلمانوں کو بھی فن کتابت سکھاتے تھے۔ موصوف قراۃ، فرائض اور فقہ میں مہارت کاملہ کے مالک تھے۔[5]

انصار کے ہر گھر نے تعلیمی درس گاہ کی حیثیت اختیار کر لی تھی۔ ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ میں نے علم کا ذخیرہ سب سے زیادہ انصار سے حاصل کیا۔[6] جو لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آتے ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی جاتی، آنے والوں کو خندہ پیشانی سے خوش آمدید

---

[1] اسد الغابہ ج ۳: ۱۷۵ [2] الاصابہ ج ۲: ۲۷ [3] السنۃ قبل التدوین ۲۹۶
[4] سنن ابوداؤد کتاب البیوع، باب کسب العلم ج ۲: ۵۸۲ [5] کتاب المحبر: ۳۷۹
[6] عیون الاخبار ج ۲: ۱۲۲

Marfat.com

کہا جاتا اور بڑے جوش و جذبہ سے ان کا پُرطباق خیر مقدم کیا جاتا تھا۔ سیدنا صفوان بن
عسال المرادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم
کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔ جب کہ آپ مسجد نبوی شریف میں سرخ چادر اور ٹیک
تکیہ لگائے بیٹھے تھے، میں نے عرض کیا،

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی جئت اطلب العلم فقال مرحبًا بطالب العلم

اے اللہ کے رسولؐ میں علم حاصل کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش آمدید کہا۔

اور فرمایا طالب العلم کو فرشتے اپنے پَروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر خوشی اور محبت سے ایک دوسرے فرشتے کے اوپر چڑھتے چڑھتے آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں۔[1]

صحابہ کرام کی خدمت میں لوگ دور دراز علاقوں سے علم دین حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ میں آتے تھے، جن کا صحابہ کرام نہایت فراخ دلی سے خیر مقدم کرتے، جیسا کہ ابوہرون عبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں، ہم لوگ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بڑے ادب و احترام اور خوشی سے کہا اور فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمہارے پاس دنیا کے گوشے گوشے سے لوگ علم حاصل کرنے آئیں گے۔ لہٰذا جب وہ آئیں تو تم ان کا خیر مقدم کرنا۔[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ عنقریب علم دین حاصل کرنے کے لئے لوگ اونٹوں کے کلیجے فنا کر دیں گے مگر انہیں کہیں بھی جید اور مستند عالم نہ ملے گا، بالآخر وہ (ی

---

[1] مجمع الزوائد ج ۱ : ۱۳۱

[2] جامع ترمذی کتاب العلم، باب ما جاء فی الاستیصاء بابن لطیب العلم ج ۲ : ۹۳۔

Marfat.com

علمی پیاس بجھانے کے لئے مدینہ منورہ کے علماء کی خدمت میں حاضر ہوں گے۔[1]

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لوگ مشرق اور مغرب سے علم کی طلب میں نکلیں گے۔ مگر وہ مدینہ منورہ کے علماء سے زیادہ علم والا کہیں بھی کسی کو نہ پائیں گے یا اس طرح فرمایا کہ اہل مدینہ سے زیادہ علم والا کسی کو نہیں پائیں گے۔[2]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الناس تبع لکم یا اھل المدینہ فی العلم[3]	اے اہالیانِ مدینہ علم میں لوگ تمہاری اتباع کریں گے

سیدنا ابو العالیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ بصرہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مرویات سنتے تھے، لیکن اس پر پوری طرح تشفی نہ ہوتی۔ اس لئے ہم خود مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر صحابہ کی زبانی احادیث سنتے تھے۔[4]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جعفینہ کو مدینہ منورہ میں طلب کیا تاکہ وہ لوگوں کو تحریر و کتابت کا فن سکھائیں۔[5] سیدنا ابو نافع مولیٰ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ املا کرتے اور طلباء ان کے پاس بیٹھ کر کتابت کی مشق کرتے تھے۔[6] معروف اساتذہ میں سیدنا سعد بن ربیع الخزرجی، سیدنا بشر بن سعد بن ثعلبہ، سیدنا ابان بن سعید بن العاص بھی تھے۔ جب کہ بشر بن سعد زمانہ جاہلیت سے عربی لکھنا جانتے تھے۔[7]

علاوہ ازیں عہد اسلام میں حسب ذیل اساتذہ بھی تعلیمی خدمات سرانجام دیتے رہے ہیں۔

---

[1] جامع ترمذی کتاب العلم، باب ما جاء فی عالم المدینہ ج ۲: ۹۷ [2] مجمع الزوائد ج ۱: ۱۳۴ جامع ترمذی ج ۲: ۹۲ [3] جامع الصغیر ج ۲: ۱۸۷ جامع ترمذی ج ۲: ۹۳ [4] سنن دارمی باب الرحلۃ فی العلم ج ۱: ۱۴۱
[5] طبری ج ۵: ۴۲ [6] تہذیب التہذیب ج ۱: ۴۶۴، اصابہ ج ۱: ۳۶ [7] کتاب المجبر ۵۷ ھ السنۃ قبل التدین ۲۹۵۔

Marfat.com

الضحاک بن مزاحم، عامر الشعبی، باذام مولی ام ہانی، ابو عبدالرحمٰن السلمی اور عبداللہ بن حبیب حفرات حسنین کے اساتذہ میں سے تھے اور عبداللہ بن حارث وغیرہ[1] زمانہ جاہلیت کے معلمین۔ بشر بن عبدالملک السکونی۔ سفیان بن امیہ بن عبدالشمس، ابو قیس بن عبدمناف بن زہرہ۔ غیلان بن سلمہ بن معتب الثقفی عمرو بن زوارہ بن عرس۔ بن زید کاتب کے لقب سے شہرت رکھتے تھے[2]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار بھی دانشمند طبقہ میں ہوتا تھا اگرچہ انہوں نے کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تہہ نہیں کیا تاہم فطری جودت طبع اور دربارِ نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل و کمال پر مہر درخشاں بن کر چمکے۔ فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے۔ علم الانساب کے ماہرین کے سرخیل تھے۔ ابتداء میں شاعری کا ذوق بھی تھا لیکن اسلام کے بعد ترک کر دی کبھی کبھی جذبات و خیالات خود بخود نظم موزوں کے قالب میں ڈھل جاتے تھے۔ اسلام کے بعد صرف ایسے اشعار سے دلچسپی تھی، جن میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت کا ذکر ہوتا۔

لکھائی کے لئے قلم دوات اور تختی استعمال کرنے کا رواج تھا۔ چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دفعہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لکھوانے کے لئے طلب فرمایا۔ تو وہ قلم دوات اور تختی لے کر حاضر خدمت گئے[3] سیدہ ام درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تختی پر لکھنے کی مشق کرتی تھیں اور طلباء کو تختی پر لکھنا سکھایا جاتا تھا[4] کبھی کبھار تدریس کی خدمت مہاجرین کو بھی سونپی جاتی۔ کہ ان

---

[1] کتاب المجر ۴۷۵ [2] ایضاً [3] تاریخ کبیر ابن عساکر ج ۱ ص ۲۹

[4] السنہ قبل التدوین: ۳۰۰۔

Marfat.com

کو تعلیم دیں۔ جیسا کہ سیدنا وردان رضی اللہ تعالیٰ عنہ طائف سے آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حضرت ریان بن سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سپرد کیا۔ کہ ان کے مصارف کا بار اٹھائیں اور قرآن مجید کی تعلیم بھی دیں۔[1]

طلبا کے لئے نظام الاوقات مقرر تھا۔ جس کی پابندی ضروری تھی، طلبہ کی مرضی پر آنا اور جانا نہیں تھا بلکہ اساتذہ نے جو اوقات مقرر کر رکھے تھے ان میں پڑھنا اور باہم مذاکرہ (تقرار) کرنا لازمی تھا۔ تعلیم کے اوقات عموماً نماز فجر کے بعد سے چاشت تک، یا ظہر اور عصر کے درمیان ہوتے تھے۔

طلباء تعلیم شروع ہونے سے پہلے جماعتوں میں پہنچ جاتے اور اپنی اپنی مخصوص جگہ بیٹھ جاتے تھے، اگر کوئی طالب علم سبق میں حاضر نہ ہوتا تو استاد اس سے باز پرس کرتے اور غیر حاضری کا سبب دریافت کرتے تھے۔[2]

نصاب تعلیم

نصاب تعلیم کی تفصیلات وثوق کے ساتھ بیان کرنا بیحد دشوار ہے۔ البتہ مختلف روایات سے اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ بعض مخصوص اساتذہ کے پاس مخصوص فنون اور کتب کی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھی لوگ جاتے تھے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن و حدیث اور دین کے ضروری مسائل کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ بہت سے علوم و فنون کی تعلیم و تربیت کا حکم دے رکھا تھا۔ جن میں علم تجوید[1]، علم انساب[2]، علم ہیئت[3]، علم طب[4]، علم فرائض[5] یعنی وراثت کے احکام، پیراکی[6]، نشانہ بازی[7] اور فن کتابت[8] وغیرہ شامل تھے۔

---

[1] اصابہ تذکرہ وردان

[2] السنۃ قبل التدوین ۱۵۹۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

تعلموا انسابکم ما تصلون بہ ارحامکم [1] — نسب نامہ کا علم حاصل کرو۔ تاکہ تمہیں اقربا کی پہچان ہو سکے۔

ایک روایت میں ہے کہ سلسلہ نسب کا علم حاصل کرو۔ تاکہ تمہارے درمیان محبت بڑھے [2] علم ہیبت کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

تعلموا النجوم ما تھتدون بہ فی ظلمات البر والبحر [3] — علم نجوم حاصل کرو۔ تاکہ خشکی اور تری کے راستے دریافت کرنے میں آسانی ہو۔

علم میراث کے متعلق ارشاد فرمایا

تعلموا الفرائض وعلموہ الناس [4] — وراثت کا علم حاصل کرو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ۔

جہاد کی تیاری کرنے کی خاطر فرمایا۔

تعلموا الرمی و القرآن [5] — تیراندازی سیکھو اور قرآن کی تعلیم حاصل کرو۔

درجہ تخصص

درجہ تخصص اور یک فنی بھی عہد نبوی میں ترقی کر گیا تھا۔ اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔ چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

جس نے قرآنی علوم و معارف حاصل کرنے ہوں وہ چار حضرات کی خدمت میں حاضری دے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابی بن کعب حضرت معاذ بن جبل اور حضرت سالم مولی ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم [6]

---

[1]، [2]، [3]، [4]، [5] جمع الجوامع تحت عنوان "تعلموا" ج ۱: ۴۷۵ جامع الصغیر ج ۱: ۱۳۰ [6] سیر اعلام النبلاء ج ۱: ۳۱۹

Marfat.com

آپ نے فرمایا علم میراث کے ماہر زید بن ثابت ہیں علم تجوید و قراۃ کے ماہر ابی بن کعب حلال و حرام کے احکام کے ماہر معاذ بن جبل ہیں۔[۱]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا جسے قرآنی علوم حاصل کرنے ہوں وہ حضرت ابی بن کعب کی خدمت میں جائے، جسے علم میراث میں مہارت حاصل کرنا ہو، وہ حضرت زید بن ثابت کے پاس جائے، جسے فقہی مسائل کی طلب ہو وہ حضرت معاذ بن جبل کی خدمت میں حاضر ہو اور جسے مال کی ضرورت ہو وہ میرے پاس آجائے۔ کیونکہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کا والی اور قاسم بنایا ہے۔[۲]

تعلیم بالغاں

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم بالغاں کے لئے متعدد طریقے اختیار فرمائے ایک جماعت ایسے افراد پر مشتمل تھی جس نے تعلیم کے لئے اپنی زندگیاں وقف کر رکھی تھیں ایسے حضرات کی تعلیم اور قیام کا انتظام مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں کیا گیا تھا، اور وہ جماعت "اصحاب صفہ" کے نام سے شہرت رکھتی تھی۔

علاوہ ازیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انصار اور مہاجرین کو خود بھی علمی جواہر پاروں سے سرفراز فرماتے اور بعض ماہرین تعلیم کی خدمات بھی حاصل کر رکھی تھیں جو مسلمانوں کو دینی تعلیم اور لکھنے پڑھنے کی تعلیم سے بہرہ یاب کرتے تھے۔ چنانچہ ہجرت کے بعد معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و ادب کی ترویج و ترقی کے لئے خصوصی توجہ دی اور صحابہ کبار نے

---

[۱] تاریخ کبیر ابن عساکر ج ۵: ۴۴۷

[۲] مجمع الزوائد ج ۱: ۱۳۵۔

Marfat.com

بھی مشکوٰۃ نبوت سے اکتساب نور کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ آپ نے مسجد نبوی شریف کے ایک گوشہ کو "صُفّہ" جسے موجودہ زبان میں "RESIDINIALUNIVERSITY" رہائشی یونیورسٹی کہا جا سکتا ہے۔ علم و ادب کا مرکز قرار دیا۔ اس یونیورسٹی میں مقیم طلبا و فضلاء "اصحاب صفہ" کے نام سے شہرت رکھتے تھے، اس میں زیر تعلیم طلبا دو قسم کے تھے۔ کچھ طلبا شہر کے مختلف حصوں میں رہائش پذیر تھے جو پڑھائی سے فارغ ہو کر گھروں کو چلے جاتے اور کچھ ایسے تھے جن کا گھر نہ ہونے کی وجہ سے وہی ان کا ہوسٹل بھی تھا۔ جیسا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ عوالی میں قیام رکھتے تھے، جو مسجد نبوی شریف سے کسی قدر دور ہو۔ کی وجہ سے آپ کے لئے ہمہ وقتی اکتساب علم و فیض ممکن نہ تھا۔ تاہم یہ معمول بنا رکھا کہ ایک دن خود آتے اور دوسرے روز اپنے پڑوسی حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجتے تاکہ خرمن نبوت سے خوشہ چینی سے کسی دن بھی محروم نہ رہیں[1]

اگرچہ اس پہلی "اسلامی یونیورسٹی" میں تعلیم ابتدائی نوعیت کی تھی۔ اس کے باوجود متعدد شعبوں پر مشتمل تھی۔ مثلاً لکھائی، پڑھائی کا شعبہ، تعلیم قرآن کا شعبہ، جو لوگ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتے انہیں اس وقت تک نازل شدہ آیات قرآنی کی تعلیم دی جاتی۔ فقہی احکام و مسائل کا شعبہ ایک شعبہ میں ماہر اور تجربہ کار اساتذہ کام کرتے تھے، مزید برآں یہ کہ معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رئیس ادارہ وقتاً فوقتاً خود بھی انہیں تعلیم سے نوازتے تھے۔

تاریخ اسلام کی اس پہلی "اقامتی درسگاہ" میں طلبہ کی مجموعی تعداد بعض اوقات چھ سو تک بھی ہو جاتی تھی[2]

اصحاب صفہ کے معروف اساتذہ میں سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی بھی سرفہرست تھا، موصوف خود بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم، باب التناوب فی العلم ج ۱: ۱۹ [2] مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ: ۸،

Marfat.com

اصحاب صفہ کے کچھ لوگوں کو قرآن مجید پڑھانے اور لکھائی کی مشق کرانے پر مجھے مامور فرمایا چنانچہ میرے ایک شاگرد نے مجھے ایک کمان ہدیہ میں بھیجی تھی۔[1]

علاوہ ازیں دوسرے مسلمان نماز سے فارغ ہو کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حلقہ بنا کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

"معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو جاتے، تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے اور آپؐ سے قرآن مجید، وراثت اور سنن کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔"[2]

تعلیم و تعلم کا طریقہ عموماً یہ ہوتا تھا، کہ طلبہ حلقہ بنا کر بیٹھ جاتے، ان میں سے ایک آدمی قرآن مجید کی آیات یا احادیث پڑھتا، دوسرے لوگ سنتے، پھر دوسرا پڑھتا اور باقی لوگ سنتے، اسی طرح حلقہ میں شریک ہر آدمی باری باری پڑھتا تھا۔ جس سے سب حضرات بڑی سہولت کے ساتھ قرآنی آیات اور احادیث یاد کر لیتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ یہ علمی حلقے ساٹھ ساٹھ افراد پر مشتمل ہوتے تھے۔[3] ایک مرتبہ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک حلقہ تعلیم قائم ہے اور ایک قاری قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ باقی سب سن رہے ہیں پڑھنے والے کی نگاہ اچانک امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو احتراماً رُک گیا اور ادب سے سلام عرض کیا۔ آپؐ حلقہ میں بیٹھ گئے اور ہاتھ سے پڑھنے کا اشارہ فرمایا۔ لوگوں نے آپ کے گرد حلقہ بنا لیا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس اندازِ تعلیم سے بیحد مسرور ہوئے۔[4]

---

[1] سنن ابوداؤد شریف کتاب البیوع باب فی کسب العلم ج ۲: ۵۸۲ مجمع الزوائد ج ۱: ۶۶

[2] مجمع الزوائد ج ۱: ۱۳۲ کشف الاستار الہیثمی ج ۱: ۹۲ [3] کشف الاستار الہیثمی ج ۱: ۱۶۱،

[4] ابوداؤد ج ۲ کتاب العلم باب فی القصص ۷۹ حلیۃ الاولیاء ج ۱: ۳۴۲۔

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں دو حلقوں کے پاس سے گزرے اور فرمایا۔

کلا هما علی خیر — دونوں بھلائی پر ہیں۔

جب کہ دونوں میں سے ایک افضل ہے۔ ایک جماعت ذکر و فکر میں مصروف اور اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہے اور دوسری جماعت جو فقہ کی تعلیم و تفہیم میں منہمک اور عمل کی نشر و اشاعت میں مشغول اور ان پڑھ لوگوں کے دل نورِ علم سے منور کر رہے ہیں وہی افضل جماعت ہے۔ پھر فرمایا مجھے بھی معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ بنا بریں میری پسندیدہ یہی جماعت ہے۔ سو آپ بھی ان کے ساتھ بیٹھ گئے۔[1]

ایک مرتبہ سرور کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کاشانۂ نبوت سے برآمد ہوئے اور مسجد میں لوگوں کے دو حلقے دیکھے۔ جن میں سے ایک حلقہ میں لوگ تلاوت اور دعا میں مصروف تھے۔ جب کہ دوسرے حلقہ والے تعلیم و تعلم میں مشغول تھے۔ آپ نے دونوں کے کام کی تعریف و تحسین فرمائی۔ کہ ایک حلقہ تلاوت و دعا جیسے نیک کام میں مصروف ہے اور دوسرا قرآن مجید کی تعلیم سے لطف اندوز ہو رہا ہے چونکہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں لہٰذا میرا محبوب حلقہ درس و تدریس والا ہے اس لئے آپ تعلیم والے حلقہ میں بیٹھ گئے۔[2]

صحابہ کرام کے تعلیمی حلقے روز افزوں ترقی پذیر تھے، جن میں طلباء کا جم غفیر دیکھ کر لوگ حیران رہ جاتے تھے، جیسا کہ سیدنا استقبالاً صبحی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ مدینہ میں

---

[1] سنن دارمی ج ۱: ۸۴۔

[2] سنن ابن ماجہ فضل العلماء والحیث علی طلب العلم: ۲۱۔

Marfat.com

آئے اور مسجد نبوی شریف میں ایک شخص کے گرد زبردست بھیڑ اور لوگوں کا بے پناہ ہجوم دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ لوگ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث کے انمول موتی حاصل کر رہے ہیں [1]

حلقہ ہائے تعلیم و تعلم بسا اوقات پوری پوری رات قائم رہتے، تعلیمی مجالس نماز عشاء کے بعد شروع ہوتیں اور آذان فجر تک جاری رہتیں طلباء کی خواہش ہوتی کہ رات جلد ختم ہو تاکہ ہم دوسرے لوگوں سے مل کر تعلیمی مذاکرہ کر سکیں، حضرت ابراہیم النخعی کہا کرتے تھے کہ رات مجھ پر لمبی ہو گئی۔ یہاں تک کہ میں نے دوسرے طالب علموں سے مذاکرہ کیا۔ [2]

یونہی سیدنا حارث بن یزید العکلی، سیدنا ابن شبرمۃ، سیدنا القعقاع بن یزید اور سیدنا مغیرہ بن شعبہ وغیرہ جیسے جلیل القدر صحابہ نماز عشاء کے بعد سے صبح تک تعلیمی مشاغل میں مصروف رہتے تھے [3]

اصحاب صفہ کے نادار اور مفلس حضرات دن کے وقت شیریں پانی بھر لاتے یا جنگل سے لکڑیاں چن لاتے اور انہیں بیچ کر جو کچھ حاصل ہوتا اسے وجہ معاش میں خرچ کرتے ان مصروفیات کی وجہ سے انہیں تعلیم حاصل کرنے کا دن کے وقت موقع نہیں ملتا تھا۔ اس لئے اپنا علمی ذوق پورا کرنے کی خاطر تعلیم کے لئے رات کا وقت مقرر کر رکھا تھا۔ [4]

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو کھڑے ہوئے پڑھا رہے ہیں۔

---

[1] جامع ترمذی ابواب الزہد، باب فی الریا والسمعۃ ج ۲: ۶۳ [2] السنۃ قبل التدوین: ۱۶۱
[3] سنن دارمی ج ۱: ۱۲۰ [4] صحیح مسلم کتاب الامارۃ، باب ثبوت الجنۃ للشہید ج ۲: ۱۳۹

Marfat.com

اور آپ کے شکم مبارک پر بھوک کی وجہ سے پتھر بندھا ہوا تھا تاکہ کمر سیدھی کر سکیں[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب رات ہو جاتی تو اصحاب صفہ ایک معلم کی خدمت حاضر ہوتے اور صبح تک تعلیم حاصل کرنے میں مصروف رہتے تھے۔

تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کا یہ محبوب مشغلہ صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بیحد تعلیمی ذوق کی عکاسی کرتا ہے۔ مجمع کی کثرت اور تعلیمی ذوق و شوق کے باعث قرآن مجید سیکھنے اور سکھانے والوں کی آوازیں اس قدر بلند ہوتیں کہ شور بپا ہوتا جس کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ اپنی آوازیں پست کریں۔ تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے[2]

عہد نبوی میں مدینہ منورہ میں نو مساجد تھیں، آپ نے حکم دیا کہ اپنے اپنے محلہ کی مسجد میں اپنے ہمسایوں سے تعلیم حاصل کرو۔ سب لوگ مرکزی مسجد میں نہ آیا کریں کیونکہ اس طرح طلباء کی تعداد بڑھ جانے کا اندیشہ تھا جس سے سب کی تعلیم متاثر ہوتی پھر اساتذہ کی ناکافی تعداد کے باعث بچوں کو تعلیم حاصل کرنے کا موقع ہی نہ مل سکتا[3]

ان مساجد میں قرآن مجید اسلامی احکام، قراۃ اور کتابت کی تعلیم دی جاتی تھی[4] جب بھی کوئی مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچتا، تو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اسے کسی کے سپرد کر دیتے اور ارشاد فرماتے کہ اسے علم دین سکھاؤ۔[5]

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلمان کو دینی علوم سے بہرہ یاب ہونے کے لئے فرمایا کہ جو ان پڑھ ہیں اپنے پڑوسیوں سے تعلیم حاصل کریں اور جو تعلیم یافتہ ہیں وہ اپنے پڑوسیوں کو علم سکھائیں اور ایک دوسرے کو برے کاموں سے منع کریں اور اچھی باتوں کا حکم کریں[6]

---

[1] ابو نعیم فی الحلیہ ج ۱ : ۳۴۲۔ [2] مناہل العرفان ج ۱: ۲۳۴۔ [3] اسلامی ریاست ۱۲
[4] السنہ قبل التدوین ۲۹۹۔ [5] مناہل العرفان ج ۱ : ۴
[6] مجمع الزوائد: ج ۱: ۱۶۴۔

Marfat.com

علاوہ ازیں بہت سے خوش نصیب عالی مرتبت صحابہ کی تعلیم وتربیت معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم خود بنفس نفیس فرماتے تھے جن میں سرفہرست حضرات خلفاء راشدین سیدنا عبداللہ بن مسعود سیدنا عبداللہ بن عمرؓ سیدنا ابوہریرہ، سیدنا ابوذر اور سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ تھے حضرت ابودرداءؓ نے پورا قرآن مجید حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے یاد کیا تھا۔

یہ سب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان انما بعثت معلماً کا فیض تھا کہ خود حضور کا امتیاز خصوصی علم وتعلیم کی زیادہ سے زیادہ ترویج واشاعت فضا اسی کا نتیجہ تھا کہ تھوڑے سے عرصہ میں سرزمین عرب کا جہالت کدہ علوم وفنون کا گہوارہ بن گیا اور ان ہی عربوں کی شاگردی ایشیاء افریقہ اور یورپ نے بھی اختیار کی۔

مؤرخین کی تصریحات کے مطابق مدینہ منورہ میں ۲ھ میں ایک اور اقامتی درسگاہ "دارالقراء" بھی پائی جاتی تھی۔ جو مخرمہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں قائم تھی۔[1]

وفود کے ذریعہ ترویج تعلیم

دور دراز علاقوں میں آباد قبائل کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے اور انہیں علوم دینیہ سے روشناس کرنے کا یہ طریقہ تھا کہ قبائلی نمائندے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مدینہ منورہ آتے، جن کی تعلیم وتربیت اور قیام وطعام کی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم ذاتی طور پر نگرانی فرماتے تھے۔

چنانچہ وفد عبدالقیس آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ آپ کے اور ہمارے درمیان قبیلہ مضر حائل ہے۔ جس کی وجہ سے ہم صرف اشہر حرام (جن مہینوں میں جنگ حرام

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۵ تذکرہ ابن ام مکتوم، استیعاب ج ۴ : ۱۵۰ تذکرہ عبداللہ ابن ام مکتوم، التراتیب الاداریہ ج ۱ : ۵۶

Marfat.com

سمجھی جاتی تھی) کے علاوہ آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے، لہٰذا ہمیں اسلامی تعلیم سے بہرہ ور فرمائیں، تاکہ ہم اسلامی احکام پر خود بھی عمل پیرا ہوں اور اپنے قبیلہ کے ان لوگوں کو جو آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکے تبلیغ کریں، چنانچہ آپؐ نے انہیں توحید و رسالت، نماز، زکوٰۃ اور مالِ غنیمت کے مسائل و احکام کی تعلیم دی۔[1]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وفد کو انصار کے سپرد کیا اور فرمایا کہ ان حضرات کی مہمان نوازی کے ساتھ انہیں دینی تعلیم بھی دیں۔ بعد میں جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں سے دریافت کیا کہ تم نے انصار کو کیسا پایا؟ وہ عرض کرنے لگے ان حضرات نے ہمارے لئے عمدہ کھانے اور نرم بستروں کا انتظام کیا اور ساری ساری رات ہماری تعلیم پر صرف کرتے رہے۔

تعلمونا کتاب ربنا وسنۃ نبینا — ہمیں اللہ کی کتاب اور ہمارے نبی کی سنت کی تعلیم دیتے تھے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بے حد مسرور ہوئے، وفد کے شرکاء میں سے بعض نے التحیات یاد کر لی، کسی نے سورہ فاتحہ، کسی نے ایک سورت بعض نے دو سورتیں سیکھ لیں اور اسی طرح دوسرے احکام بھی سیکھے۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا کہ اپنے وطن لوٹ جاؤ اور اپنے اہل و عیال کو علم دین سکھاؤ۔[3]

سیدنا مالک بن الحویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنی قوم کے کچھ ہم عمر نوجوانوں کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب ج ۱: ۴۹۸۔ [2] مسند امام احمد ج ۳: ۴۳۲۔
[3] صحیح بخاری کتاب العلم باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۱: ۱۹۔

Marfat.com

لوگ بیس دن تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے، پھر جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا۔ کہ اب ہمارے دِل اپنے خویش واقارب کی ملاقات کے لئے بیتاب ہیں تو آپؐ نے ہم سے اہل وعیال کے متعلق دریافت فرمایا چونکہ آپ بہت زیادہ دردمند اور شفق تھے، پھر ہمیں واپسی کی اجازت مرحمت فرمائی اور تاکید فرمائی کہ جس قدر دینی تعلیم تم حاصل کر چکے ہو اپنے اہل وعیال کو بھی اس کی تعلیم دو اور انہیں بھی نماز پڑھنے کا حکم کردو۔ جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو پہلے آذان بھی کہو۔[1]

ملوک کندہ کا وفد بحضور فیض گنجور امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوا۔ اسلام قبول کیا اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن مجید اور وراثت کے مسائل کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔[2]

اسی طرح وفد بنو تمیم آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور مدت تک مدینہ منورہ میں قیام کر کے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔[3]

تعلیم اُنثیٰ

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو نہ صرف مذہبی تعلیم سے بہرہ یاب فرمایا بلکہ دینی اغراض کے پیش نظر دوسری قوموں کی زبان سیکھنے کی ترغیب بھی دی جیسا کہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو مجھے ارشاد فرمایا کہ یہود کی کتابت یعنی

---

[1] سنن دارمی ج ۱ : ۲۳۰ کتاب الصلوٰۃ، باب من احق بالامامۃ [2] ابن خلدون سنہ وفود [3] اسد الغابہ تذکرہ عمرو بن ارہثم۔

Marfat.com

سریانی زبان سیکھ لو۔ کیونکہ مجھے یہود پر اعتماد نہیں۔ میرے نوشتے ان کی تحریف سے محفوظ نہیں رہ سکتے، آپؐ کی چاہت پر میں نے سریانی زبان سیکھنا شروع کر دی، ابھی پندرہ دن بھی گزرنے نہیں پائے تھے کہ میں نے اس میں مہارت حاصل کر لی۔ اس کے بعد میں اس خدمت پر مامور ہوا کہ یہود کے سریانی زبان میں تحریر کردہ خطوط کے ترجمہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کروں۔ اور آپ کے فرامین کو سریانی زبان میں لکھ کر یہود کی طرف روانہ کروں[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میری امت میں فرائض یعنی ترکہ اور میراث کے مسائل کے ماہر زید بن ثابت ہیں"[2]

چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زمانہ ہائے خلافت میں قضاء، فتویٰ فرائض اور قرأت کے مسائل میں مدینہ کرمیہ کے اندر سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑا عالم کوئی نہیں تھا[3]

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نہ صرف سریانی یا عبرانی زبان کے ماہر تھے، بلکہ انہیں قبطی اور فارسی زبانوں پر بھی عبور حاصل تھا اور یہ تمام زبانیں مدینہ منورہ آنے کے بعد وہاں آنے والے غیر ملکی لوگوں سے سیکھ لی تھیں[4]۔ سیدنا زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ زبانیں مدارس ماسلہ میں سیکھی تھیں[5] ماسلہ اس مقام کا نام ہے جہاں یہود نے مکتب قائم کر رکھے تھے۔

---

[1] ابو داؤد شریف کتاب العلم ج ۲: ۱۳۵، جامع ترمذی کتاب العلم باب تعلیم السریانیہ ج ۲: ۱۰۰، فتوح البلدان ج ۲: طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۵۴، [2] طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۵۴ [3] جمع الفوائد ج ۱: ۲۶ [4] طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۵۴، تاریخ ابن عساکر ج ۵: ۴۴۵ [5] التنبیہ والاشراف: ۲۴۶ [5] ابن عساکر ج ۵: ۴۴۳۔

Marfat.com

آپ نے فارسی زبان صرف چند دنوں میں سیکھ لی تھی۔ اور یہ واقع اس طرح ہوا کہ ایک ایرانی وفد چند دنوں کے لئے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آیا۔ ان نووارد لوگوں سے قریبی روابط کے باعث حضرت زید نے اتنی فارسی سیکھ لی جس سے ان لوگوں کے ساتھ روزمرہ کی گفتگو سہولت سے کر سکیں ان کی ضروریات معلوم کرلیں اور ان کے مختلف سوالات کا جواب بھی دے سکیں۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا کہ میں دونوں انگلیاں چوس رہا ہوں ایک سے شہد اور دوسری سے دودھ نکل رہا ہے سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ تم قرآن مجید اور تورات سے استفادہ کر سکو گے چنانچہ انہوں نے سریانی زبان کی تعلیم حاصل کی اور بائیبل کا ترجمہ سریانی زبان میں پڑھتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ ایک دن قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور ایک دن تورات پڑھنے کا معمول بنا رکھا تھا۔[2]

سیدنا حنظلہ بن الربیع بن صیفی الاسدی التیمی سریانی عبرانی وغیرہ زبان میں مہارت رکھتے تھے چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مکاتیب کی خدمت سرانجام دیتے تھے۔[3]

تعلیم نسواں

سرزمین عرب میں جہاں مرد علم وادب کی نعمت سے محروم تھے وہاں عورتیں زیور تعلیم سے کیونکر آراستہ ہو سکتی تھیں۔ اسلام سے پہلے "شفا بنت عبداللہ عدویہ" کے تعلیم یافتہ

---

[1] اسلامی ریاست ۱۵۲۔
[2] اسلامی ریاست: ۱۵۲۔
[3] التنبیہ والاشراف: ۲۴۶۔

Marfat.com

ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن اسلام نے جس طرح نوع انسانی پر بے شمار احسانات کئے ہیں۔ عورتوں کو بھی تعلیم کی دولت سے مالا مال کر دیا ہے۔ اگرچہ ابتداء میں نامور تعلیم یافتہ عورتوں کی تعداد بہت کم تھی۔ مگر بتدریج انہوں نے علم کے میدان میں بلند مقام حاصل کر لیا۔ شفا بنت عبداللہ العدویہ کے متعلق اُسد الغابہ میں ہے۔

کانت من عقلاء النساء وفضلائھن — عورتوں میں بہت بڑی عقلمند اور فاضل تھیں

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی علمی حیثیت مسلم تھی تابعین کا ایک بڑا گروہ ان کے آستانہ فضل و کمال سے مستفیض ہوتا رہا۔ سیدہ عائشہ صدیقہ اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما علم حدیث کے اسرار و رموز میں اس قدر مہارت رکھتی تھیں کہ ان کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا، وہ کامل العقل اور صائب الرائے تھیں، تابعین کی ایک بڑی جماعت نے ان سے اکتساب علم کیا۔[1]

ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تعلیم کے لئے سیدہ شفا بنت عبداللہ کی خدمات حاصل کی گئی تھیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا، جس طرح تم نے حفصہ رضہ کو چھاڑ پھونک کا طریقہ سکھایا۔ انہیں لکھنا پڑھنا بھی سکھا دو۔[2]

اُم الدرداء جُہیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حمیر کی شاخ بنو وصّاب کی چشم و چراغ تھیں۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ مکرمہ تھیں۔ علوم و معارف میں نامور عالم، وسعتِ علم اور فہم و فراست میں بہت بلند مقام تھا۔ ان سے اکتساب علم کرنے والوں میں حضرت مکحول، حضرت سالم بن ابی الجعد، زید بن اسلم، اسماعیل بن عبداللہ اور ابو حازم مدینی جیسے اجلہ اور مشاہیر علما شامل ہیں۔[3]

علامہ بلاذری المتوفی ۲۷۹ھ/۸۹۸ء کی تفصیلات کے مطابق حسب ذیل عورتیں

---

[1] مسند امام احمد ج ۶: ۲۹۹۔

[2] سنن ابوداؤد کتاب الطب ج ۲: ۹۷

[3] تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ ام الدرداء۔

Marfat.com

بھی لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ شفا بنت عبداللہ العدویہ، سیدہ حفصہ بنت عمر، سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ، سیدہ عائشہ بنت سعد اور کریمہ بنت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم اور تحریر و کتابت کی ترغیب و تحریص کے لئے صرف مردوں ہی کا انتخاب نہیں فرمایا، بلکہ زیور تعلیم اور فن تحریر سے عورتوں کو بھی مستفید ہونے کے مواقع فراہم کئے، عورتوں کا تعلیمی ذوق بھی مردوں سے کچھ کم نہیں تھا۔ وہ دین کے ہر ایک کام میں مردوں سے مسابقت کی کوشاں رہتی تھیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ کچھ عورتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگیں۔ کہ دین سیکھنے میں مرد ہم سے سبقت لے گئے۔ اس لئے آپ ہمارے لئے بھی کوئی دن مقرر کر دیں تاکہ ہم بھی دین کے احکام سیکھ سکیں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وعظ و تذکیر کے لئے ایک دن مقرر کر دیا۔[۲]

حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

عورتوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرد آپ کے وعظ و ارشاد سے مستفید ہوتے ہیں لیکن ہم محروم ہیں۔ اس لئے ہمارے لئے بھی کوئی دن مقرر کریں تاکہ ہم بھی دین کی تعلیم حاصل کر سکیں، آپ نے فرمایا عورتیں فلاں فلاں دن فلاں فلاں جگہ جمع ہو جایا کریں۔ چنانچہ حسب ہدایت عورتیں جمع ہوتیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مجمع میں تشریف لاتے اور انہیں دین کے احکام و مسائل سکھلاتے۔[۳]

---

[۱] فتوح البلدان ج ۲: ۲۶۶ [۲] صحیح بخاری کتاب العلم ج ۱: ۲۰ مسند احمد ج ۳: ۸۵ حدیث ۳۵۱۰ [۳] صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ باب تعلیم النبی صلی اللہ علیہ وسلم امتہ من الرجال والنساء مسند امام احمد ج ۳ حدیث ۳۵۱۰۔

Marfat.com

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی پیش کش پر ان کی تعلیم و تذکیر کے لئے ہفتہ میں ایک دن مخصوص کر دیا تھا۔[1] عورتوں کی تعلیم کے لئے معلم اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوقات مخصوص فرما رکھے تھے، جن میں عورتیں حاضر ہو کر تعلیم حاصل کرتیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں تعلیم اسلام سے بہرہ یاب فرماتے، ان مجالس میں عورتیں اپنے مخصوص مسائل بھی دریافت کرتیں اور آپ ان کے سوالات کے جوابات مرحمت فرماتے تھے،[2] چنانچہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کی کیفیت کو اس طرح بیان کرتی ہیں

نعم النساء نساء الانصار — انصار کی عورتیں بہت ہی اچھی ہیں۔
لم یمنعھن الحیاء ان یتفقھن — جنہیں دین کے مسائل دریافت کرنے
فی الدین[3] — میں حیا آڑے نہیں آتی۔

سیدہ اُمّ سُلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو حضرت انس بن مالک رضؓ کی والدہ اور مِلحان کی بیٹی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ جبکہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی موجود ہوتی تھیں۔ اور آپ سے دین کے مسائل دریافت کرتیں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہو کر عرض کیا۔

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — اے اللہ کے رسولؐ۔ اللہ تعالیٰ حق
ان اللہ لا یستحیی من الحق — بات کہنے سے نہیں شرماتا۔ پس کیا عورت
فھل علی المرأۃ من غسل اذا ھی احتلمت[4] — کو اگر احتلام ہو جائے تو وہ غسل کریں گی۔

صحابیات رضوان اللہ تعالیٰ علیہن سنت اور تبلیغ دین میں عظیم مرتبہ کی حامل تھیں۔

---

[1] مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ ۲۰۔
[2] السنۃ قبل التدوین: ۵۴۔
[3] صحیح بخاری کتاب العلم، ج ۱۱: ۲۴۔
[4] بخاری شریف ج ۱: ۴۲۔

Marfat.com

انہوں نے دیکھا کہ صحابہ تعلیم دین حاصل کرنے میں عورتوں سے سبقت لے گئے ہیں تو عورتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ مجلس منعقد کرنے کی درخواست کی، تاکہ وہ آپؐ سے تعلیم دین اور عورتوں کے مخصوص مسائل سے بہرہ یاب ہو سکیں۔ چنانچہ دوسری مجالس کے علاوہ عید وغیرہ کے اجتماعات میں عورتیں شامل ہو کر آپؐ سے علم دین اور مسائل سے استفادہ کرتی تھیں۔[1]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ انصار کی عورتیں دینی مسائل دریافت کرنے میں بہت دلچسپی رکھتی ہیں۔[2]

علاوہ ازیں عورتیں دینی مسائل اور عورتوں کے مسائل ازواج مطہرات سے بھی دریافت کرتی تھیں، ان سے احکام سیکھ کر دوسری عورتوں کو بھی آگاہ کرتی تھیں۔[3]

عورتوں کے تعلیمی ذوق کا یہ عالم تھا کہ بعض خواتین نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے مہر طلب نہیں کیا۔ کہ وہ انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیں گے۔[4]

عورتوں کی ذہانت اور قرآن مجید کے ساتھ گہرے قلبی تعلق کا اندازہ حارثہ بن النعمان کی صاحبزادی کے اس واقع سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطبہ جمعہ میں سورہ قٓ والقرآن مجید سن سن کر زبانی یاد کر لی تھی۔[5]

تعلیم اطفال

بچے ملک و ملت اور مذہب و دین کے مستقبل کے معمار اور محافظ ہوتے ہیں۔ بچوں نے ہی بڑے ہو کر ملک و ملت کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں لینا ہوتا ہے اس لئے ان کی

---

[1] السنۃ قبل التدوین: ۷۰۔ [2] کشف الاستار الہیثمی ج ۱: ۹۱ [3] السنۃ قبل التدوین: ۶۹
[4] مناہل العرفان ج ۱: ۲۳۴ [5] صحیح مسلم ج ۱: ۲۸۶ کتاب الجمعہ۔

Marfat.com

تعلیم وتربیت بیحد ضروری اور سب سے مقدم ہے۔ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹوں کو کس قدر مفید اور قابل رشک وصیت فرمائی۔

تعلموا العلم فان تکونوا صغار قوم فعسی ان تکونوا کبار قوم آخرین [1]

تم علم حاصل کرو اگر آج قوم میں سب سے چھوٹے ہو۔ تو کل دوسرے لوگوں میں علم کی برکت سے بزرگ بن جاؤ گے۔

بچوں کا ذہن اثر پذیری اور محافظت میں بے حد مستعد ہوتا ہے، پھر خالی الذہن ہونے کی بنا پر جو کچھ پڑھتے اور سنتے ہیں، وہ دل پر نقش دوام بن جاتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے کیا ہی خوب فرمایا۔

طلب العلم فی الصغر کالنقش فی الحجر و طلب العلم فی الکبر کالنقش فی الماء [2]

بچپن میں علم حاصل کرنا ایسا ہے جیسے پتھر پر نقش اور بڑھاپے میں علم حاصل کرنا پانی میں نقش کی طرح ہے۔

چنانچہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قوم کے نونہالوں اور امت کے پاسبانوں کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دی قرآن و حدیث اور فقہی مسائل کی تعلیم کے علاوہ عام نوشت وخواندہ کے جس سنہری دور کا آغاز مدینہ منورہ سے ہوا تھا۔ اس میں بچوں کی تعلیم وتعلم کو اولیّت حاصل تھی۔

اگرچہ اسلام سے پہلے بھی مدینہ منورہ میں یہود نے بچوں کے اسکول قائم کر رکھے تھے جن میں تجربہ کار اور بلند پایہ معلم تعینات تھے۔ ابوسفیان بن امیہ بن عبدالشمس بشر بن عبدالملک السکونی، ابی قیس بن عبد مناف بن زہرہ اور عمرو بن زرارہ المعروف "الکاتب" جیسے مشہور اساتذہ تعلیم پر مامور تھے [3]

---

[1] عیون الاخبار ج ۲: ۱۴۳ [2] ایضاً ج ۲: ۱۴۴ [3] کتاب الجزء بعنوان اشرف المعلمین: ۴۷۵۔

Marfat.com

مدینہ منورہ میں واقع تو مساجد کے قرب وجوار میں بچوں کے لئے تعلیمی درسگاہیں تھیں، جن میں قرآن مجید کی تعلیم کے علاوہ لکھنے کی مشق بھی کرائی جاتی تھی[1] اور لکھائی کی مشق کرنے کے لئے تختی استعمال کی جاتی تھی، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ سیدہ ام الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا تختی پر لکھا کرتی تھیں[2]

آپ نے خواندگی کو عام کرنے کی خاطر بچوں کی تعلیم وتربیت پر بھرپور توجہ دی۔ چنانچہ جب اسیرانِ بدر مدینہ منورہ لائے گئے اور ان میں سے بعض نادار لوگ فدیہ ادا کرنے سے قاصر تھے۔ اس لئے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ اس طرح ادا کرنے کی سہولت فراہم کردی کہ یہ لوگ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا سکھائیں جب وہ لکھنے میں ملکہ حاصل کرلیں تو انہیں رہا کردیا جائے گا۔ چنانچہ ان قیدیوں نے انصار کے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا اور قید سے رہائی مل گئی[3]

حضرت ابو عامر سلیم جو حدیث کے رُواۃ میں سے ہیں۔ کا کہنا ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ منورہ آیا تو مجھے تعلیم حاصل کرنے کے لئے مکتب میں بٹھا دیا گیا۔ استاد مجھے لکھائی کی مشق کراتے جب مجھ سے میم لکھواتے اور میں اچھی طرح نہ لکھ سکتا، تو مجھے کہتے جس طرح گائے کی آنکھ گول ہوتی ہے ایسے میم لکھو[4]

بچوں کے علمی ذوق اور قرآن مجید کے ساتھ والہانہ عقیدت کا انداز ہ ایک کم سن بچے کے حیرت انگیز واقع سے لگایا جاسکتا ہے۔ سیدنا عمرو بن سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عہدِ رسالت کے ایک کمسن صحابی تھے جن کا گھر شارع عام پر ایک چشمہ کے کنارے واقع تھا۔ جہاں آتے جانے والے مسافر آرام کرتے تھے۔ موصوف کی عمر ابھی

---

[1] السنۃ قبل التدوین ۲۹۹

[2] ایضاً ۳۰۰ [3] طبقات ابن سعد ج ۱: ۳۶۳ روض الانف ج ۲: ۹۲۔

[4] معجم البلدان بحوالہ اسوہ صحابہ ج ۲: ۲۴۰۔

Marfat.com

صرف سات برس کی تھی اور لطف یہ کہ اس وقت تک مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے، لیکن مسلمان مسافروں سے قرآن مجید کی مختلف آیتیں اور سورتیں سُن سُن کر یاد کرلی تھیں، اس طرح مسلمان ہونے سے پہلے ہی قرآن مجید کا ایک اچھا خاصا حصہ یاد ہوگیا تھا۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علمی ذوق و شوق کا یہ عالم تھا، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی لکھنا جانتے تھے۔ انہیں دس سال کی عمر میں ان کی والدہ سیدہ اُمِّ سُلَیمؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کیا۔

هٰذَا ابْنِیْ وَهُوَ غُلَامٌ کَاتِبٌ — یہ میرا بیٹا ہے اور یہ لکھنا جانتا ہے۔

اس پہلی حاضری کے بعد مسلسل دس سال رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت و تربیت میں اس طرح رہے، جیسے گھر ہی کے ایک فرد ہوں۔[2] اور جب ان کا وصال ہوا۔ تو حضرت قتادہ نے فرمایا۔ ذهب اليوم نصف العلم۔[3]

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے تو اس وقت میری عمر گیارہ سال تھی۔ مجھے آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا اور آپؐ کو یہ خوش خبری سنائی گئی کہ اس بچے کو قرآن مجید کی سولہ سورتیں یاد ہیں۔[4] جب کہ ایک روایت میں ہے کہ ۱۷ سورتیں حفظ کرچکا ہے اور حضور نے ان سے قرآن مجید سنا۔[5]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما بچوں کو پڑھائی میں مصروف و مشغول

---

[1] جامع ترمذی ابواب الزہد باب فی الریا والسمعۃ [2] الاکمال فی اسماء الرجال مرقاۃ ج ۱: ۳۷۔
[3] مجمع الزوائد ج ۹: ۳۲۵۔ [4] مستدرک حاکم ج ۳: ۴۲۱ تاریخ کبیر ابن عساکر ج ۵: ۴۴۶ [5] کنز العمال۔

Marfat.com

دیکھ کر خوشی اور فرحت سے فرماتے، شاباش، تم حکمت کے سرچشمے اور تاریکی میں روشنی کے مینار ہو۔ تمہارے کپڑے تو پھٹے پرانے ہیں، مگر دل تر و تازہ ہیں۔ تم علم کی خاطر گھروں میں مقید ہو لیکن تم ہی قوم کے مہکتے ہوئے پھول ہو۔[1]

خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے کہ بچپن میں تحصیل علم، پتھر پر لکیر ہے۔[2]

غلاموں کی تعلیم

اسلامی مدارس میں بغیر کسی تفریق و امتیاز کے آزاد اور غلام بچوں کی تعلیم کا یکساں اور یکجا انتظام تھا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُون صاف کرنے کے لئے مدرسہ سے طلبا بلائے، لیکن یہ تاکید کی کہ آزاد بچے نہ بھیجے جائیں۔[3]

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ غلام اور آزاد بچوں میں سوشل مساوات اور برابری ہی کا نتیجہ ہے کہ تحصیل علم و کمال کے دروازے سب کے لئے یکساں طور پر کھلے ہوئے تھے، اگر کوئی غلام اپنی فطری استعداد، محنت اور ذاتی ذوق و شوق کے باعث علم و فضل میں نمایاں مقام حاصل کر لیتا، تو اس کی تعظیم و تکریم، اس کی علمی جلالتِ شان کے مطابق کی جاتی تھی، اس نسلی امتیاز کی بیخ کنی پر کتنے ہی واقعات شاہد ہیں مثال کے طور پر فتح مکہ کے وقت جب کہ کعبۂ نبوی انتہائی آن بان اور شان و تجمل سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوا، تو اس تاریخی موقع پر کسی قریشی سردار کی، بجائے سیدنا بلال حبشی رضؓ کو شرفِ ہمرقابی نصیب ہوا۔ اور فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بلال" کعبہ شریف

---

[1] العلم والعلماء: ۴۹۔ [2] ایضاً: ۵۱۔ [3] صحیح بخاری کتاب الدیات باب من استعار عبدا او صبیا ج ۲: ۱۰۲۱۔

Marfat.com

کی چھت پر کھڑے ہو کر اذان کہو۔

اللہ اکبر! وہ حریم قدس جسے اسلام کے معمار اولیں سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے تعمیر کیا تھا۔ عرصۂ دراز تک "بت کدہ" بنے رہنے کے بعد پھر ایک حبشی نژاد غلام کی اذان توحید سے گونج اٹھا، اسلام کی نگاہ میں غلاموں کی قدر و منزلت کا یہ عالم تھا۔

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حمران بن ابان کو خرید کر لکھنا پڑھنا سکھایا، جب وہ اس میں پختہ ہو گیا تو اسے میر منشی کے عہدہ پر فائز کر دیا۔[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلام "عکرمہ" کو قرآن و حدیث کی تعلیم دینے میں بیحد کوشش اور جد و جہد سے کام لیا۔ سفر اور حضر میں اپنے ساتھ رکھکر علوم دینیہ کا ماہر بنایا، موصوف چالیس برس مسلسل اپنے شفیق آقا کی خدمت میں رہ کر تحصیل علوم میں مصروف رہے۔[2]

ان کی تمام تر تعلیم و تربیت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دامانِ فضل و کرم میں ہوئی۔ جس کے باعث وہ غلام ہونے کے باوصف علم و کمال کے آسمان پر مہرِ جہاں تاب بن کر چمکے۔

سیدنا سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہ بن عتبہ کے لقب سے شہرت رکھتے تھے، موصوف حضرت ابو حذیفہ کی زوجہ مکرمہ ثبتیہ بنت یعار الانصاریہ کے آزاد کردہ غلام تھے، حضرت ابو حذیفہؓ نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا تھا۔ قرأت اور حسنِ صوت کے امام تھے۔ فنِ تجوید و قرآۃ میں خداداد صلاحیت کے پیش نظر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قرأت سیکھنے کے لئے چار ماہرین فن سے کسب فیض کریں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت سالم مولیٰ ابی حذیفہ۔"

---

[1] فتوح البلدان۔ [2] تذکرۃ الحفاظ عنوان حالات عکرمہؓ۔

Marfat.com

حضرت ابی بن کعب اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم[1]

خوش الحانی کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لا رہی تھیں۔ کہ راستہ میں رُک گئیں، سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے وجہ دریافت فرمائی۔ انہوں نے کہا ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا، اس کی مسحور کن آواز نے مجھے سننے پر مجبور کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات سن کر اس قدر اشتیاق ہوا، کہ فوراً ردائے مبارک سنبھالتے ہوئے باہر تشریف لائے، جب دیکھا کہ قاری حضرت سالم تھے، تو زبان قدس یوں زمزمہ پیرا ہوئی۔

الحمد للہ الذی جعل فی امتی مثلک[2]

اللہ کا شکر ہے کہ اس نے میری امت میں تمہارے جیسے لوگوں کو پیدا کیا۔

ایک آزاد کردہ غلام کے لئے اس سے بڑھ کر فضیلت و بزرگی اور کیا ہو سکتی ہے کہ خود نبوت کی زبان حق ترجمان اُس پر فخر و ناز کرے۔

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کی تعلیم و تربیت کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے فرمایا۔

"جس آدمی کے ہاں لونڈی ہو۔

فادبھا فاحسن تادیبھا و علمھا فاحسن تعلیمھا

اس کی اچھی تہذیب و تربیت کی اور اسے عمدہ تعلیم دلائی۔

اسے تعلیم و تربیت اور علم و حکمت سے آراستہ کر کے آزاد کر دیا۔ اور پھر اس سے نکاح کر لیا، تو اسے دو اجر ملیں گے"[3]

---

[1] صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن ج۲: ۷۴۸۔ [2] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب امامۃ العبد۔
[3] ایضاً باب تعلیم الرجل امتہٗ۔

Marfat.com

اس طرح حسنِ انتظام اور اعلیٰ کارکردگی کے باعث چند سالوں میں متعدد صحابہ کرام نے تحریر و کتابت، املاء و انشاء میں مہارت حاصل کرلی جنہیں مختلف شعبوں میں محرر کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔

حضرت خالد بن سعید بن العاص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہر معاملہ کے کاتب تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ الثقفی اور حضرت حصین بن نمیر آپ کی ضروریات کی چیزیں لکھنے پر مامور تھے۔ حضرت عبداللہ بن ارقم بن عبد یغوث اور علاء بن عقبہ معاہدوں کی دستاویزات لکھنے پر تعینات تھے، حضرت زبیر بن العوام اور جہیم بن صلت اموال صدقات لکھتے تھے، حضرت حذیفہ بن یمان حجاز میں فصل کٹنے سے پہلے اس کا اندازہ تخمینہ لکھا کرتے تھے، حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ الدوسی مال غنیمت کی تفصیلات لکھنے کا کام کرتے تھے۔ ان سے پہلے یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے سپرد تھی۔

حضرت حنظہ بن الربیع بن صیفی خطوط کے جوابات تحریر کرنے پر مامور تھے۔ حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح، حضرت شرجیل، حضرت ابان بن سعید، حضرت علاء بن الحضرمی حضرت معاویہ بن ابوسفیان بھی آپ کے کاتبوں میں شامل تھے[1] محدث جلیل مولانا خلیل احمد سہارنپوری المتوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء لکھتے ہیں۔

حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت یزید بن ابوسفیان حضرت، خالد بن ولید، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت محمد بن سلمہ اور حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی بن سلول وغیرہ بھی کاتبان وحی کے علاوہ کتابت و تحریر کا کام انجام دیتے تھے[2]

امام الکتانی نے بڑی شرح وبسط کے ساتھ کاتبین وحی کے علاوہ حضور اقدس صلی اللہ

---

[1] التنبیہ والاشراف ۲۴۶-۲۴۵۔ [2] بذل المجہود ج ۵: ۱۱۸ کتاب الخراب باب فی اتخاذ الکاتب،

Marfat.com

علیہ وسلم کے کاتبوں کی تفصیل لکھی ہے۔ جن کی مجموعی تعداد ۴۳ بیان کی جاتی ہے[1]۔

عربوں کا محیر العقول حافظہ

اہل عرب اپنی حیرت انگیز قوتِ حافظہ کی وجہ سے دنیا بھر میں ممتاز تھے، صدیوں تک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکنے کے بعد انہیں قرآن کریم کی منزلِ ہدایت نصیب ہوئی، جسے وہ اپنی زندگی کی متاعِ عزیز سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے قرآن مجید کو یاد رکھنے کے لئے کیا کچھ اہتمام کیا ہوگا؟

اس کا اندازہ ہر وہ شخص کر سکتا ہے، جو اُن کے مزاج اور افتادِ طبع سے واقف ہے. چنانچہ بالکل تھوڑی سی مدت میں صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد نے قرآن مجید ازبر یاد کر لیا تھا۔

غیر مسلم مورخ سیدیو لکھتا ہے۔

"اشاعتِ قرآن اور دین اسلام کی حیرت انگیز سرعت نے مخالف مورخین کو بیحد تعجب میں ڈال دیا ہے"[2]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بہت بڑی جماعت نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا، جیسا کہ علامہ محمد عبد العظیم زرقانی لکھتے ہیں۔

كان حفاظ القرآن فی حیاۃ الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمّاً غفیراً۔[3]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں صحابہ کی بہت بڑی جماعت نے قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔

---

[1] کتاب التراتیب الاداریہ ج ۱: ۱۱۴ تا ۱۱۷۔ [2] تمدن عرب: ۱۲۳۔

[3] مناہل العرفان ۲۳۵

Marfat.com

اس تعداد میں روز افزوں ترقی ہوتی رہی حتیٰ کہ صحابہ کے عہد میں ہزاروں افراد نے قرآن کریم کو اپنے سینوں میں محفوظ کرلیا تھا۔ علامہ موصوف رقمطراز ہیں۔

بعد وفاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد اتحد حفظ القرآن الاف[1]

قدرتِ خداوندی نے قرآن مجید کی صدری حفاظت کا ایسا مخیر العقول انتظام فرمایا اور اس کے لئے ایسی قوم کو منتخب کیا۔ جو اُمّی ہونے کے باوصف قوتِ حافظہ میں تمام اقوام عالم پر فوقیت رکھتی تھی۔ ان کے سینے قومی واقعات اور قبائلی انساب کے خزانے تھے، وہ لوگ سینکڑوں اشعار کا قصیدہ ایک بار سُن لیتے تو پورا قصیدہ دل و دماغ پر نقش ہو جاتا تھا، ان کی فقید المثال قوت حافظہ پر تاریخ عرب شاہد ہے، اُمّی ہونے کی وجہ سے اُن کی ہر شنید کو باقی اور محفوظ رکھنے کا دارومدار صرف حافظے پر تھا۔ ان کی اس جبلّی اور فطری قوّتِ حافظہ کو اسلام نے جلاء بخشی اور اَن پڑھ عربوں کو تعلیم قرآن کے زیور سے مالا مال کردیا۔

ادھر صحابہ کرام میں ذوقِ تعلیم اس قدر جوبن پر تھا کہ دنیوی مشاغل کے باوجود تعلیم قرآن کے لئے اپنے اوقات وقف کر رکھے تھے۔ چنانچہ دس ہزار صحابہ کرام حفاظ قرآن دورِ اول میں پائے جاتے تھے، جن میں سے ۳۷ حفاظ کو اعلیٰ مقام حاصل تھا جن کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱۔ سیدنا ابوبکر صدیق، ۲۔ سیدنا عمر فاروق، ۳۔ سیدنا عثمان ذی النورین ۴۔ سیدنا علی المرتضیٰ ۵۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود ۶۔ سیدنا طلحہ، ۷۔ سیدنا سعد بن ابی وقاص، ۸۔ سیدنا حذیفہ بن الیمان ۹۔ سیدنا ابوہریرہ، ۱۰۔ سیدنا عبادہ بن صامت ۱۱۔ سیدنا معاذ بن جبل ۱۲۔ سیدنا مجمع بن حارثہ ۱۳۔ سیدنا فضالہ بن عبید ۱۴۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری ۱۵۔ سیدنا عمرو بن عاص ۱۶۔ سیدنا

---

[1] مناہل العرفان ۲۳۵ [2] علوم القرآن افغانی: ۱۰۹۔

Marfat.com

سعد بن عبادہ ۱۷۔ سیدنا عبداللہ بن عباس ۱۸۔ سیدنا ابو ایوب انصاری ۱۹۔ سیدنا عبد بن ذوالحارین ۲۰۔ سیدنا عبید بن معاویہ بن زید بن ثابت ۲۱۔ سیدنا ابو زید ۲۲۔ سیدنا سالم مولی ابو حذیفہ ۲۳۔ سیدنا سلمہ بن مخلد بن الصامت ۲۴۔ سیدنا سعد بن عبید بن نعمان انصاری، ۲۵۔ سیدنا زید بن ثابت ۲۶۔ سیدنا ابی بن کعب ۲۷۔ سیدنا عبداللہ بن السائب ۲۸۔ سیدنا سلیمان بن ابی حثمہ ۲۹۔ سیدنا تمیم داری ۳۰۔ سیدنا معاذ بن الحارث ۳۱۔ سیدنا ابو الدرداء۔ ۳۲۔ سیدنا عقبہ بن عامر الجہنی ۳۳۔ سیدنا عبداللہ بن عمر بن الخطاب ۳۴۔ سیدنا سعد بن المنذر بن اوس ۳۵۔ سیدنا قیس بن صعصعہ ۳۶۔ سیدنا ابو حلیمہ ۳۷۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ یہ تو پورے قرآن مجید کے حفاظ کا مختصر تعارف تھا، اور جنہیں جزوی طور پر قرآن حفظ تھا ان کا شمار کرنا بے حد مشکل ہے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ کا علمی مقام

مدینہ منورہ کے علمی مراکز میں "صفہ" کے علاوہ چند اور ادارے عالمی شہرت کے حامل تھے، جن میں ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہؓ، سیدنا ابی بن کعبؓ، سیدنا ابو ہریرہؓ اور سیدنا جابر بن عبداللہ کی درسگاہیں خاص کر قابل ذکر ہیں۔

اس بزم میں حرم نبویؐ کی ایک شمع عرفان پوری تابانی کے ساتھ فروزاں تھی، جسے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نور معرفت سے منور کر رکھا تھا۔ یہ عظیم الشان درسگاہ مسجد نبوی شریف کے ایک کونے میں حجرہ نبوی شریف اور زوجۂ رسولؐ کے مسکن سے ملحق واقع تھی۔ اس دارالعلوم کے ارشد تلامذہ میں سیدنا عمر، سیدنا عثمان، سیدنا ابو موسیٰ اشعری، سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا

لہ تہذیب التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، طبقات ابن سعد اور علوم القرآن افغانی: ۱۱۵، ۱

Marfat.com

عبداللہ بن عباس، سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا ابو الدرداء، سیدنا ابو سعید خدری، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا زید بن ثابت، سیدنا براء بن عازب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے جلیل القدر صحابہ بھی شامل تھے، مرد و زن اور خورد و کلاں سبھی اس چشمہ صافی سے نور بصیرت حاصل کرتے تھے۔[1]

عورتیں، لڑکے، بچے اور محرم مرد حجرہ کے اندر مجلس میں بیٹھتے، باقی لوگ مسجد میں بیٹھتے اور درمیان میں پردہ حائل ہوتا۔ معلمہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ پردہ کی اوٹ میں مسندِ فضیلت پر جلوہ افروز ہوتیں، طلباء کی زبان، طرزِ ادا اور صحت تلفظ کی سختی سے نگرانی کرتیں ایک مرتبہ آپ کے دو بھتیجے قاسم اور ابن ابی عتیق حاضر خدمت ہوئے، قاسم کی زبان صاف نہ تھی، اعراب میں غلطیاں کرتے تھے، معلمہ موصوفہ نے انہیں ٹوکا اور فرمایا تم ایسی زبان کیوں نہیں بولتے، جیسی میرا یہ برادر زادہ بولتا ہے، میرا یہ وجدان ہے کہ تمہیں تمہاری ماں نے اور اسے اس کی ماں نے تعلیم دی ہے، قاسم کی ماں کنیز تھیں۔[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بچوں کو زیور تعلیم سے نوازنے کی غرض سے انہیں اپنی آغوش تربیت میں لے لیتیں، اور ان کے تمام اخراجات خود برداشت کرتیں۔ عروہ، قاسم، ابو سلمہ، مسروق، عمرہ انصاریہ اور صفیہ وغیرہ کی تعلیم شفقت مادرانہ سے فرمائی تھی، سیدہ کے رشتہ داروں میں ان کے رضاعی بھائی عوف بن حارث، ان کی بہن ام کلثوم ان کے بھتیجے قاسم و عبداللہ، ان کی بھتیجیاں حفصہ و اسما بنات عبدالرحمٰن، ان کے بھانجے قاسم و عبداللہ پسران عبداللہ، ان کی بھانجی عائشہ بنت طلحہ اور ان کے بھانجوں کے پوتے عباد بن حبیب و عباد بن حمزہ انہی کے فیضانِ تعلیم سے مستفیض ہوئے، آپ کے شاگردوں کی تعداد دو سو سے زائد تھی۔ جن میں ۳۸ عورتیں تھیں

---

[1] التراتیب الاداریہ ج ۱ : ۵۳۔

[2] صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الاجنبیین۔

Marfat.com

مزید تفصیل کے لئے سیرت عائشہؓ مصنفہ سید سلیمان ندوی کا باب تعلیم افتاء اور ارشاد ملاحظہ فرمائیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فضل و کمال میں یکتائے زمانہ تھیں۔ علوم و اسرار شریعت میں مہارت کا یہ عالم تھا کہ جلیل القدر صحابہ اور ممتاز تابعین کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے حدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا۔ بڑے بڑے نامور صحابہ کرام مشکل مسائل کے حل کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے[1]

امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علم الانساب اور شعر گوئی میں مہارت تامہ کے مالک تھے۔ اس بنا پر علم الانساب سے واقفیت اور شاعری کا ذوق حضرت عائشہؓ کا خاندانی ورثہ تھا، پھر کاشانۂ نبوت میں آنے سے پوری کائنات نسوانی کے لئے مشعل راہ بن گئیں۔ قرآن مجید حفظ ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کی فہم و فراست کی حامل تھیں، اسرار شریعت، معرفتِ کلام الٰہی اور رموز احادیث نبویؐ سے کامل آگاہی تھی، علوم دینیہ کے علاوہ فرائض، تاریخ، ادب اور طب میں بھی گہری مہارت تھی[2]

امام زہری فرماتے ہیں۔ اگر تمام لوگوں کا علم جمع کیا جائے تو پھر بھی سیدہ عائشہؓ کا علم اس سے بہت زیادہ ہے[3] حضرت عطاء فرماتے ہیں

کانت عائشہ افقہ الناس واعلم الناس واحسن الناس رأیا فی العامۃ[4]

حضرتِ ابی بن کعب کا تفسیری مکتب

تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کے سلسلہ کو ترقی کی راہ پر گامزن کرنے اور اسے مثالی دارالعلوم کی حیثیت دینے میں سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کردار انتہائی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ عائشہؓ [2] مستدرک حاکم ذکر عائشہؓ فی الصحابیات، تذکرۃ الحفاظ تذکرہ عائشہؓ

[3] مستدرک حاکم ج ۴: ۱۱ [4] ایضاً ج ۴: ۱۴۔

Marfat.com

قابل ستائش ہے، بیشتر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے دوسرے اسلامی ممالک و امصار کی جانب نقلِ مکانی پر مدنی زندگی کو ترجیح دی اور مدینہ باسکینہ میں رہ کر اپنے متبعین اور متوسلین کو قرانی علوم اور حدیث نبوی کے معارف و اسرار سے بہرہ یاب کرتے رہے، اس طرح ایک عظیم الشان "تفسیری دارالعلوم" معرضِ وجود میں آیا جو سیدنا ابی بن کعب کا شاہکار علمی کارنامہ تھا، جس کی ضیا پاشیوں سے کثیر تعداد میں مشاہیر صحابہ کرام اور ممتاز تابعین فیض یاب ہوئے، مذکورہ دارالعلوم کے سربرآوردہ فضلاء اور جید علماء میں حسب ذیل حضرات امتیازی حیثیت کے مالک تھے۔

سیدنا ابو العالیہ، سیدنا محمد بن کعب القرظی اور سیدنا زید بن اسلم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سیدنا ابی کعب رضؓ کے چشمہ صافی سے سیراب ہونے والے فضلاء کو ایسی لازوال شہرت نصیب ہوئی کہ آج تک دینی امور میں انہیں حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔

سیدنا زید بن ثابت کا علمی مقام

اسلام کی سرحدات جس تیزی کے ساتھ وسعت پذیر تھیں، مقبوضہ علاقوں کے مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ منورہ کی محبت اور کشش روزافزوں ترقی پر تھی۔ وہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں قیام کے بیحد مشتاق تھے تاکہ آپ سے دین کی تعلیم حاصل کریں اور آپؐ کے ساتھ مل کر اللہ کی عبادت کریں۔ آپ کے ارشادات اپنے کانوں سے سنکر ایمان و ایقان میں اضافہ ہوا اور آپؐ کے پہلو بپہلو جہاد میں شرکت کر سکیں۔ اس طرح بہت سے لوگوں نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

پھر خلافت راشدہ کے زمانہ میں جب کہ فتوحات کا سلسلہ عروج پر تھا اور مدینہ کبار صحابہ کرام کا مرکز تھا۔ علاوہ ازیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے مفتوحہ علاقہ جات کے قیدی مدینہ منورہ بھیج دیئے جاتے تھے جن میں سے زیادہ تر فارس اور روم کے تھے۔ اسی طرح

Marfat.com

بعض اکابر صحابہ کے موالی جنہوں نے خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر دینی تعلیم حاصل کی اور پھر اپنی قوموں اور علاقوں میں جاکر علم کی تبلیغ اور ترویج کی خدمت خوب کی اور کئی کتابیں لکھیں۔

مدینہ منورہ میں بہت سے مشاہیر علماء تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ موجود ہے چنانچہ دنیا کے گوشے گوشے سے علمی ذوق رکھنے والے طلباء جوق در جوق مدینہ منورہ آئے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے تھے۔ اس طرح مدینہ منورہ پوری دنیا میں عظیم الشان علمی مرکز کی حیثیت کا حامل تھا۔[1]

مدینہ منورہ میں اگرچہ بہت سے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین علم کے سمندر تھے۔ جیسا کہ سیدنا عمر فاروق اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما لیکن علمی دنیا میں جو شہرت سیدنا زید بن ثابت اور سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حاصل تھی اور جس قدر علوم و معارف میں مہارت اور شہرت کے حامل تھے، اور ان سے استفادہ کرنے والے علماء اور طلباء کی جو کثرت پائی جاتی تھی کسی دوسرے صحابی کو یہ مقام نصیب نہ ہو سکا، ان دونوں کا علمی مقام سب پر فائق تھا، سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سریانی اور عبرانی زبان پر بھی عبور تھا۔ انہوں نے صرف پندرہ دن میں عبرانی زبان اور سترہ دنوں میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔

جس آدمی نے دوسری زبانوں میں چند دنوں کے اندر مہارت حاصل کر لی ہو، اس کا اسلامی اور دینی تعلیم میں کتنا بلند مقام ہوگا؟ ایسے آدمی کو قرآن و سنت سے مسائل اور احکام کے استخراج میں کس قدر عمدہ دسترس ہوگی؟ چنانچہ حضرت سلیمان بن حمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

---

[1] فجر الاسلام: ۱۷۲-۱۷۳۔

Marfat.com

ما کان عمر و لا عثمان یقدمان
علی زید بن ثابت احداً فی القضاء
والفتوی والفرائض والقراۃ

حضرت قبیصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہنا ہے۔

کان زید بن ثابت مترئساً
بالمدینۃ فی القضاء والفتوی
والقراۃ والفرائض فی عہد عمر و عثمان
وعلی ومقامہ بالمدینۃ۔ [1]

زید بن ثابت الانصاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب وحی تھے۔ بعد میں حضرت عمر کے میر منشی مقرر ہوئے۔ موصوف قراۃ، فرائض اور فقہ میں بھی مہارت کامل کے مالک تھے۔

خارجہ بن زید بن ثابت دیوان مدینہ کے میر منشی تھے۔ ان کے بعد عبدالملک بن مروان منصب پر فائز ہوئے [2]

غیر مسلم مؤرخین کا اعتراف حقیقت

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے علم و ثقافت کی جو محکم بنیادیں فراہم کی تھیں۔ بعد کے مسلمان نے ان پر ایسی فقید المثال علمی عمارات کھڑی کیں جس پر کرہ ارضی کی علمی دنیا کو بجا طور پر فخر عربوں نے علوم و فنون میں کس قدر ترقی کی تھی ہم اس کا ثبوت غیر مسلم مؤرخین کے سے پیش کرتے ہیں۔

---

[1] فجر الاسلام ۱۷۴، ۱۷۵۔

[2] کتاب الجرح ۳۷۹۔

Marfat.com

امریکن پادری ایس۔ ایم زوئمر لکھتا ہے

"قرآن مجید نے اور صرف قرآن مجید نے عربی زبان کو گمنامی اور تاریکی میں گرنے سے بچالیا"[1]

دوسری جگہ لکھتا ہے۔

"عربی زبان کی قدر وہی لوگ جانتے ہیں۔ جو اُس کی نفاست کے لئے اسے پڑھتے ہیں یا اس کی وقعت کے لئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں" ۔ وہ تمام لوگ خواہ عرب میں پیدا ہوئے ہیں یا یورپ کی یونیورسٹیوں میں عربی پڑھتے ہیں۔ اس کی نفاست کے قائل ہیں۔ ڈرچ عالم ڈی ڈیو۔ شلیٹن۔ شروڈر اور شیڈا اور سوئس عالم لی ٹنگر کے وقت سے یورپ میں عربی زبان کی طرف توجہ ہوئی اور اب لوگ اس کی تعریف سے رطب اللسان ہیں[2]

مزید لکھتا ہے۔

"عربی زبان کی نفاست کا سب سے بڑا سبب اس کا اعلیٰ لٹریچر ہے۔ صرف نظم میں ہی عربوں نے اس قدر کمال حاصل کیا ہے کہ وہ ساری دنیا کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ گرائمر، منطق اور معانی میں انہوں نے اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ کوئی اور کیا لکھے گا"[3]

ایک فرانسیسی عالم ارنسٹ ارن اس بات پر تعجب ظاہر کرتا ہے کہ عربی جیسی زبان عرب کے صحرا میں کس طرح پیدا ہوگئی۔ اور خانہ بدوشوں کے حلقہ میں اس نے ایسی نشو ونما کس طرح پائی۔ لکھتا ہے کہ عربی زبان بلحاظ اپنی قیمتی لغات، گرائمر، شستگی و پاکیزگی کے سمیٹک زبانوں سے بہت افضل و اعلیٰ ہے[4]"

اور پروفیسر فلپ۔ کے حتی لکھتا ہے۔

"جس زمانہ میں عرب کے علماء ارسطو کا مطالعہ کر رہے تھے۔ یورپ میں شارلمین اور اس

---

[1] حالات عرب عراق وعمان: ۲۱۸ [2] ایضاً ۲۲۲، [3] ایضاً ۲۲۴، [4] ایضاً ۲۱۶،

Marfat.com

کے امراء اپنے نام کسے بھیجے لیکھ رہے تھے۔ ایک اسلامی شہر قرطبہ ہی میں سترہ بڑے کتب خانے تھے۔ ان میں سے ایک کتب خانہ میں چار لاکھ سے زیادہ کتابیں تھیں۔ ایسے زمانہ میں جب کہ جامعہ اکسفورڈ کے عالم غسل کرنے کو بے دینوں کی رسم جانتے تھے اسی قرطبہ کے مسلمان سائنس دان پُر تکلف اور نزہت بیز حماموں سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔"[1]

مزید لکھتا ہے۔

"قرون وسطیٰ میں صدیوں تک عربی زبان ساری متمدن دنیا میں علم و ثقافت اور ترقی پسند تفکر کے اظہار کا واحد ذریعہ رہی ہے۔"[2]

تعلیمی عروج و زوال

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلافت راشدہ کا سنہری دور اسلامی فتوحات کا تابناک دور تھا۔ مسلمان مدینہ منورہ کے مطلع الانوار سے نکل کر دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ جہاں جہاں آفتاب اسلام کی روپہلی کرنوں کی روشنی پھیلی، مسلمانوں نے وہاں بود و باش اختیار کر لی اور ہر کہیں "مدینہ یونیورسٹی" کے فضلاء نے علم و فضل کی شمع فروزاں کر کے کفر و شرک اور جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں گھری ہوئی انسانیت کے سینوں کو نور معرفت سے منور کرنے لگے اور ہر بڑے شہر میں علمی مدارس قائم کر دیئے۔

بہت سے شہروں اور علاقوں میں ماہرین علوم پیدا ہو جانے کے باوجود کتنے ہی نامور اور شہرہ آفاق ائمہ اور علماء کرام نے مدینہ منورہ کی مرکزیت کو برقرار رکھا۔ صحابہ کرام کے عہد زریں کے بعد تابعین کے وجد آفرین دور میں بھی مدینہ منورہ کی علمی مرکزیت قائم

---

[1] عرب اور اسلام: ۱۱۔ [2] ایضاً ۱۲۔

Marfat.com

رہی، اگرچہ اس وقت پورے عالم اسلام میں علوم شریعت کی تدریس، اشاعت اور ترویج کا سلسلہ عام ہو چکا تھا، لیکن سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا سعید بن المسیب، سیدنا عروہ بن زبیر، سیدنا ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سیدنا علی بن حسین، سیدنا عبیداللہ بن عبداللہ، سیدنا سلیمان بن یسار، سیدنا قاسم بن محمد بن ابوبکر، سیدنا نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر، سیدنا قاضی یحییٰ بن سعید، سیدنا امام زہری اور سیدنا ربیعہ بن عبدالرحمٰن جیسے نابغہ روزگار اور شہرۂ آفاق علماء نے مدینہ منورہ میں علم کا چشمہ صافی جاری رکھا۔[1]

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے علوم نبوت کی نہ صرف ترویج اور اشاعت کا سرکاری طور پر انتہائی قابل تعریف کام انجام دیا۔ بلکہ تدوین کے ذریعہ علوم کی دائمی حفاظت کا قابل رشک کارنامہ بھی انجام دیا۔ جس کے نتیجہ میں چودہ سو سال گزر جانے کے باوجود آج بھی حدیث مقدسہ کا بیشمار مدوّن ذخیرہ موجود ہے۔ مدینہ منورہ کے شہرۂ آفاق ائمہ میں سے امام دارالہجرۃ شیخ الاسلام مالک بن انس کی ذات گرامی بھی ہے۔ جنہوں نے علوم نبوت کی ایسی فقید المثال خدمات انجام دیں۔ جو قیامت تک تابندہ رہیں گی۔ موصوف نے تعلیم و تعلم ہی پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ باقیات الصالحات میں سے "موطا امام مالک" ایسی علمی دستاویز چھوڑی ہیں۔ جس سے پوری دنیا استفادہ کر رہی ہے۔

محدث شہیر امام عبدالرزاق فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد "عنقریب لوگ دور دراز ممالک سے سفر کر کے آئیں گے۔ لیکن انہیں مدینہ کے عالم سے بڑا عالم کوئی نہیں ملے گا"۔ اس کا مصداق امام مالک ہیں اور امام شافعی کا ارشاد ہے اگر امام مالک اور امام ابن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم ختم ہو جاتا۔[2]

اہالیان مدینہ کی معاشی زبوں حالی اور زمانہ کے نشیب و فراز نے ایک عرصہ تک اس

---

[1] السنۃ قبل التدوین ۱۶۵ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۶

Marfat.com

طلاطم خیز چشمۂ علم و حکمت کو منجمد کر دیا اور یہ گلشن عرفاں بادِ سموم کی زد میں آگیا۔ لیکن اس طویل جمود کے بعد ایک مرتبہ پھر یہ بحرِ زخار ین کر موجزن ہوا۔ اور اس ویرانہ کو بادِ نسیم نے پھر سے گل و گلزار بنا کر اس کے غنچہ و گل کو حیاتِ سرمدی سے نوازا۔

اس شمع عرفاں کی دھندلی سی روشنی اور چشمۂ علم و دانش کی ناگفتہ بہ حالتِ زار کا تذکرہ علامہ محمد بسیب البتنونی ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

"مدینہ منورہ میں کوئی قابل ذکر تعلیمی ادارہ نہیں ہے۔ حرم شریف کے اندر ابتدائی علوم کے صرف ۱۷ مکتب ہیں جن میں فقہ اور تفسیر وغیرہ پڑھائی جاتی ہے۔[1]"

اور جب مشیت ایزدی نے مدینہ منورہ کو تہذیب و ثقافت کا گہوارہ بنانے اور اس سرچشمۂ علم و ادب کی درخشندگی کو ہم دوش مہتاب کرنے کا عزم فرمایا تو عرب سے نہیں سرزمین عجم میں واقع "دیوبند" کے رجلِ رشید شیخ مولانا حبیب اللہ کے دل کو عشق نبوی سے معمور کر کے روضہ اقدس کے ظل عاطفت میں قیام پذیر ہونے کے جذبہ سے سرشار کر دیا۔ موصوف نے ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء کو اپنے اہل و عیال کی معیت میں ہجرت کے ارادہ سے مدینہ طیبہ میں سکونت اختیار کر لی مولانا موصوف کے فرزند ارجمند شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی کے برادرِ بزرگوار حضرت مولانا سید احمد المتوفی ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء نے ایک دارالعلوم کی بنیاد رکھی جس کے متعلق سید حسین احمد مدنی تحریر فرماتے ہیں۔

"مرحوم نے مدینہ منورہ میں مدرسہ شرعیہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کا نام "مدرسۃ العلوم الشرعیہ لیتامیٰ المدینہ المنورہ" رکھا۔ چونکہ حکومتِ وقت نے علوم جدیدہ کے لئے بالخصوص جنگِ عظیم کے بعد متعدد مدارس قائم کر دیئے اور علوم شرعیہ کی طرف سے بہت بے توجہی اور بے اعتنائی برتنے لگی۔ ترکی حکومت کے زمانہ میں جس قدر بھی توجہ علوم شرعیہ کی

---

[1] رحلۃ الحجازیہ: ۲۵۲۔

Marfat.com

طرف باقی تھی، وہ بھی قائم نہ رکھی گئی اس لئے اہلِ مدینہ منورہ کے بچے نہایت ضائع اور علوم دینیہ سے بالکل بیگانہ ہو رہے تھے، اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے یہ مدرسہ قائم کیا اور باہمت اہل خیر ہندوستانیوں نے امداد و اعانت کی۔ اس لئے اس مدرسہ سے فیض بہت ہوا۔"[1]

"ان کی عالی ہمتی اور بے انتہا جد و جہد سے مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ وجود میں آیا۔ جس سے بحمداللہ علوم دینیہ اور حفظ و قرأت قرآن کا عظیم الشان سلسلہ جاری ہوا۔ اور اب تک (۱۳۷۲ھ) جاری ہے۔ یہ صدقہ جاریہ اللہ تعالیٰ کی نہایت مبارک اور اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور بانی مرحوم اور اہل امداد و اعانت کے لئے موجب فلاح و نجاح ہو، آمین۔"[2]

مدینہ یونیورسٹی کے ایک فاضل مولانا محمد اسحاق خان مدظلہ لکھتے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے حقیقی بھائی حضرت مولانا سید احمد المدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مسجد نبویؐ کے بالکل جوار میں ایک باضابطہ دینی درسگاہ "مدرسۃ العلوم الشرعیہ" کے نام سے قائم کی۔ اس کے بانی دیوبند کے ایک تربیت یافتہ و مستخرج متبحر عالم تھے۔ اس مدرسہ سے اب تک سینکڑوں علماء نے اکتسابِ علم و فضل کی سعادت حاصل کی جن میں سے بعض سعودیہ میں اور بعض دوسرے ممالک میں معروف خدمت ہیں۔ اس کا وسیع کتب خانہ، جو عظیم و ضخیم اور نایاب کتب پر مشتمل ہے۔ آج تک علمی استفادہ کے لئے موجود ہے۔ اور بقیۃ السلف شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری اسی مدرسہ علوم شرعیہ میں اقامت پذیر ہیں۔ اور مشرق و مغرب کے عوام و خواص کے لئے مرجع بنے ہوئے ہیں۔ سب کی علمی پیاس بجھاتے اور روحانی و باطنی

---

[1] نقش حیات: ۳۷ [2] ایضاً: ۸۰

Marfat.com

تربیت فرماتے ہیں[1]

دھیرے دھیرے اس سلسلہ میں ترقی ہونے لگی اور گلستانِ علم وادب جوبن دکھانے لگا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں کتنے علمی مدارس اور مراکز معرضِ وجود میں آگئے، چنانچہ علامہ محمد راغب الطباخ ۱۳۶۹ھ/۱۹۵۰ء میں اس کی روح پرور اور حوصلہ افزا کیفیت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

"مدینہ منورہ میں متعدد مدارس اہلیہ وحکومیہ پائے جاتے ہیں۔ جیساکہ مدرسہ علوم الشرعیہ، مدرسہ دارالایتام، مدرسہ دارالحدیث، مدرسۃ التہذیب، مدرسہ التربیۃ والتعلیم، مدرسہ الیخریہ، مدرسہ الثانویہ، مدرسہ الناصریہ، مدرسہ منصوریہ اور مدرسہ النجاح[2]۔"

جامعہ اسلامیہ

مرکز رشد وہدایت مدینہ منورہ اپنی عظمت رفتہ اور متاع گم گشتہ کی بازیابی میں پھر کامرانی سے ہمکنار ہوگیا۔ مدینہ کے مطلع ضیا بار پہ "جامعۃ الاسلامیہ" کا بدر منیر طلوع ہوا جس کی ضیا گستریوں سے مسلمانان عالم کے قلوب منور ہونے لگے اور اس کی تابندگی ودرخشندگی نے عالم اسلام کو رشکِ منیر بنا دیا۔ اس کے قیام کا غرض وغایت جذبہ تبلیغ کو فروغ دینا، دینی علوم سے نوجوانانِ عالم اسلام کو روشناس کرنا، فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اقوام عالم تک پہنچانا اور معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی تعلیمات کو اوراق سے سینوں اور ذہنوں میں منتقل کرنا ہے۔

اس کے پیغام علم وعمل کا دائرہ حجاز تک محدود نہیں۔ بلکہ اس کی دعوت اور فیض بلا امتیاز مسلمانانِ عالم کے لئے عام ہے۔ جغرافیائی حدود وقیود، رنگ ونسل

---

[1] ماہنامہ الرشید دیوبند نمبر: ۲۵۲۔ [2] الثقافۃ الاسلامیہ: ۵، ۴۔

Marfat.com

کا امتیاز اور امیر وغریب کا طبقاتی فرق حصول تعلیم میں حائل نہیں. شہر رحمت وبرکت مدینہ منورہ میں جامعۃ الاسلامیہ کا وجود "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" کی کما حقہ عکاسی اور ترجمانی کرتا ہے.

اس مبارک کام کا آغاز ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء میں ہوا. مختلف علوم وفنون کے لئے جید علماء، ممتاز فضلاء، نامور مفسرین اور محدثین کا تقرر عمل میں لایا گیا۔ جو اپنے اپنے شعبۂ دینی میں کمال درجہ رکھتے ہیں۔ جن کی گفتگو مستند، جن کا علم ثقہ اور انداز تدریس معیاری اور دل نشین ہے، اسلاف کے عہد زرّیں، صحابہ کرام کے قرنِ مقدس اور رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ بابرکت کے نقوش دلوں میں اجاگر کرنے کے لئے بڑے انہماک سے معروف تعلیم ہیں۔

دنیائے اسلام کی یہ منفرد اور امتیازی حیثیت کی حامل یونیورسٹی متعدد کلیات پر مشتمل ہے

کلیۃ الشرعیہ، کلیۃ الدعوۃ واصول الدین، کلیۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیۃ، کلیۃ الحدیث الشریف اور کلیۃ اللغۃ العربیہ۔

کلیۃ الشریعۃ (شریعت کالج) یونیورسٹی کے یوم تاسیس ہی سے اس کا فیض جاری ہے۔ پہلے سال ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۱ء طلبا کی تعداد ۸۵ تھی۔ اس کالج میں فقہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، توحید، علوم عربیہ، سیرت، تاریخ، ادیان، فرق، مذاہب اور تربیت الاسلامیہ کی تعلیم دی جاتی ہے[1]۔

جامعہ کی ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء کی شائع کردہ روداد کے مطابق اس کالج سے فارغ

---

[1] المدینہ ... الیوم، ۸۷،

Marfat.com

ہونے والے ملکی اور غیر ملکی فضلاء کی تعداد سات سو سے متجاوز تھی، جن میں ۴۷ فیصد غیر ملکی طلبا تھے، جو دنیا کے مختلف براعظموں کے ۴۸ ممالک سے تعلق رکھتے تھے۔

کلیۃ الدعوۃ واصول الدین: (دعوت اور اصول دینیہ کالج) ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء میں یہ کالج قائم ہوا۔ ابتداء میں ۵۷ طلباء تھے، اس میں توحید، تفسیر، حدیث، فقہ، اصول فقہ، علوم عربیہ، سیرت، تاریخ، ادب، مختلف فرق، مذاہب اور تربیت اسلامیہ داخل نصاب ہیں[1]

۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء کی روداد کے مطابق اس کالج کے فارغین کی مجموعی تعداد ۲۴۸ تھی جو ۴۸ ممالک کی نمائندگی کرتے تھے۔

کلیۃ القرآن (قرآن کالج) یہ کالج ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں قائم ہوا اور اسی سال شوال میں پڑھائی شروع ہوئی۔ پہلے سال ۲۱ طلباء نے علمی استفادہ کیا۔ اس کالج کا نصاب علوم قرآن۔ قرآت، تفسیر، اعجاز القرآۃ، توحید، لغت عربیہ، مختلف فرق اور مذاہب وغیرہ پر مشتمل ہے۔

کلیۃ الحدیث (حدیث کالج) ۲۲ جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ/مئی ۱۹۷۶ء کو اس کالج کا افتتاح ہوا۔ افتتاح کے وقت ۶۹ طلباء کی تعداد تھی۔ دوسرے علوم کے علاوہ علم حدیث خصوصیت سے پڑھائی جاتی ہے۔

کلیۃ اللغۃ العربیہ (عربی کالج) ۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء میں شروع ہوا، ابتدائی سال میں ۶۰ طلبا تھے۔ لغت عربیہ کے علاوہ تفسیر، حدیث، توحید، فقہ، اصول فقہ اور تاریخ پڑھائی جاتی ہے[2]

---

[1] المدینہ ... الیوم ۸۷

[2] المدینہ ... الیوم ۸۷، ۸۸۔

Marfat.com

تعلیمی وظائف

مدینہ یونیورسٹی میں نہ صرف تعلیمی مراعات فقید المثال ہیں۔ بلکہ طلبہ کو گراں قدر وظائف سے بھی نوازا جاتا ہے۔ دنیا بھر میں شاید ہی کوئی ایسی یونیورسٹی موجود ہو۔ جو دینی تعلیم پر اتنی خطیر رقم صرف کرتی ہو۔ کلیۃ الشریعۃ اور کلیۃ الدعوۃ کے طلبا کو ۹۰۰ ریال ماہوار، کلیۃ القرآن کے طلباء کو ۷۷۵ ریال،

دوسرے کلیات کے طلباء کو ۵۲۵ ریال، ثانوی جماعتوں کے لئے ۳۷۵ ریال متوسط جماعتوں میں ۳۰۰ ریال اور ابتدائی جماعتوں کے طلباء کے لئے ۲۲۵ ریال ماہانہ وظائف دئے جاتے ہیں[1]

جامعہ کا نظم و نسق اور اخراجات کی ذمہ داری وزارت خارجہ اور داخلہ کے سپرد ہے۔ طلبہ کو نصابی کتب بلا معاوضہ فراہم کی جاتی ہیں۔ نادر اور انتہائی قیمتی کتب جامعہ کی عظیم الشان لائبریری سے عاریتاً مل جاتی ہیں۔ طبی معائنہ کے لئے ماہر ڈاکٹروں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ طلباء کی جسمانی صحت کا ہر لحاظ سے خیال رکھا جاتا ہے ایکس رے، لیبارٹری اور دیگر موجودہ دور کی جدید طبی ٹکنالوجی کا مکمل انتظام ہے۔ طلبا کو شہر سے جامعہ تک لانے اور اقامت گاہوں تک پہنچانے کے تمام اخراجات جامعہ کے ذمہ ہیں۔ جو مخصوص بسوں کے ذریعہ نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا جاتا ہے۔

کتب خانہ جامعہ کے ہر ایک شعبہ کا علیحدہ علیحدہ کتب خانہ ہے، علاوہ ازیں ایک بڑا مرکزی کتب خانہ بھی ہے۔ جو ۱۳۹۹ھ میں ساٹھ ہزار کتب پر مشتمل تھا۔ جن میں انتہائی نادر اور قلمی نسخہ جات بھی پائے جاتے ہیں۔ ۱۴۔ ربیع الثانی

---

[1] المدینہ ۔۔۔۔ الیوم : ۱۰۳۔

Marfat.com

۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جامعہ کا پریس بھی نصب کر دیا گیا جس سے نہایت عمدہ طباعت کا کام کیا جاتا ہے مضبوط اور خوبصورت جلدبندی کا انتظام بھی کر دیا گیا ہے۔[1]

درسگاہیں علوم جدیدہ

دینی علوم کے قابل قدر مراکز کے علاوہ کچھ عرصہ قبل فنی، سائنسی اور جدید علوم کے مدارس بھی قائم ہو چکے ہیں لیکن جدید علوم کی درس گاہوں میں بھی اسلامی علوم کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء میں پہلا اسکول محلہ باب العنبریہ میں قائم ہوا۔ لیکن اس سلسلہ میں اتنی تیزی سے ترقی ہوئی کہ ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء تک اسکولوں کی مجموعی تعداد ۹۰ تک پہنچ چکی تھی جن کی تفصیلات اس طرح ہیں۔

۱۔ ہائی سکول اُحد، ۱۳۹۱ھ/۱۹۸۱ء میں طریق سیدنا حمزہؓ میں قائم ہوا۔
۲۔ ہائی سکول طیبہ، ۱۳۶۲ھ/ 〃 باب عنبریہ
۳۔ ہائی سکول الانصار، ۱۳۹۵ھ/ 〃 الحرۃ الشرقیہ 〃
۴۔ ہائی سکول قباء، ۱۳۹۴ھ/ 〃 قباء 〃
۵۔ ادارہ اعداد المعلمین، ۱۳۸۵ھ/ 〃 طریق المطار 〃
۶۔ الکلیۃ المتوسطہ، ۱۳۹۰ھ/ 〃 آبادعلی 〃
۷۔ المہنیۃ الثانویہ، ۱۳۷۵ھ/ 〃 〃 〃
۸۔ الثانویہ التجاریہ، ۱۳۹۵ھ/ 〃 طریق العیون 〃
۹۔ ہائی سکول تحفیظ القرآن، ۱۳۹۹ھ/ 〃 حی بضاعہ 〃
۱۰۔ ادارہ ابوبکر صدیقؓ، ۱۳۷۸ھ/ 〃 الحرۃ الشرقیہ 〃

---

[1] المدینہ ... الیوم ۱۰۳۔

Marfat.com

۱۱- ادارہ الامام علی، ۱۳۸۱ھ/ میں طریق سلطانیہ میں قائم ہوا۔
۱۲- "الخلیل بن احمد" " طریق المطار " "
۱۳- " سعد بن الربیع، ۱۳۹۳ھ/ " المغسیلہ " "
۱۴- " سعید بن المسیبؒ، ۱۳۹۱ھ/ " حرۃ الغربیہ " "
۱۵- " سیف الدولہ الحمدانی، ۱۳۹۷ھ/ " قباء الخط الطالع " "
۱۶- " عبادہ بن صامت، ۱۳۸۶ھ/ " الخفیریہ، قباء " "
۱۷- " عباد بن بشیر، ۱۳۹۹ھ/ " طریق المطار " "
۱۸ " معہد عبدالرحمٰن بن خلدون، ۱۳۹۵ھ/ " طریق العیون " "
۱۹- " عبدالرحمٰن الناصر، ۱۳۹۷ھ/ " طریق المطار سباطیہ " "
۲۰- " عثمان بن عفان، ۱۳۸۴ھ/ " قریان " "
۲۱- " عمر بن الخطاب، ۱۳۷۷ھ/ " العوالی " "
۲۲- " عمر بن عبدالعزیز، ۱۳۸۶ھ/ " الحرۃ الشرقیہ " "
۲۳- " عوف بن الحارث، ۱۳۹۹ھ/ " " "
۲۴- " القعقاع بن عمر، ۱۳۹۸ھ/ " العوالی " "
۲۵- " کعب بن مالک، ۱۳۸۹ھ/ " آبادیٔ علی " "
۲۶- " تحفیظ القرآن، ۱۳۹۵ھ/ " بطحاء " "
۲۷- " الحدیثہ، ۱۳۸۸ھ/ " حرۃ الشرقیہ[1] " "

لڑکوں کے پرائمری سکول

۱- ابوایوب انصاری، ۱۳۹۲ھ/ میں طریق مطار میں قائم ہوا۔

---

[1] المدینہ ۔۔۔ الیوم ۱۱۵ تا ۱۱۷۔

Marfat.com

۲۔ ابو حنیفہ النعمان، ۱۳۹۶ھ/ میں طریق العوالی میں قائم ہوا۔
۳۔ ابوالطیب المتنبی، 〃 〃 حرہ شرقیہ 〃 〃
۴۔ ابونصر الفارابی، ۱۳۹۴ھ/ 〃 حارۃ النصر 〃 〃
۵۔ ابی بن کعب تحفیظ القرآن ۱۳۶۷ھ/ 〃 بضاعۃ 〃 〃
۶۔ احمد بن حنبل، ۱۳۹۷ھ/ 〃 طریق العوالی 〃 〃
۷۔ اسامہ بن زید، ۱۳۸۲ھ/ 〃 نزلۃ الجبور 〃 〃
۸۔ اسد بن فرات، ۱۳۹۱ھ/ 〃 الغابیہ 〃 〃
۹۔ اسعد بن زرارہ، ۱۳۹۷ھ/ 〃 مسجد قباء 〃 〃
۱۰۔ اسید بن حضیر، ۱۳۸۱ھ/ 〃 حرہ شرقیہ 〃 〃
۱۱۔ الامام الشافعی، ۱۳۹۲ھ/ 〃 المغیلہ 〃 〃
۱۲۔ انس بن النضیر، ۱۳۸۵ھ/ 〃 نزلۃ الجبور 〃 〃
۱۳۔ البراء بن مالک، ۱۳۸۷ھ/ 〃 بساطیہ 〃 〃
۱۴۔ بنی النجار، ۱۳۹۵ھ/ 〃 قباء 〃 〃
۱۵۔ حسان بن ثابت، ۱۳۸۲ھ/ 〃 مساجد سعیہ 〃 〃
۱۶۔ الحسین بن علی، ۱۳۶۹ھ/ 〃 العوالی 〃 〃
۱۷۔ حمزہ بن عبدالمطلب، ۱۳۷۲ھ/ 〃 اُحد 〃 〃
۱۸۔ ذوالحلیفہ، ۱۳۶۸ھ/ 〃 ابارعلی 〃 〃
۱۹۔ رافع بن مالک، ۱۳۹۸ھ/ 〃 الاجابہ 〃 〃
۲۰۔ زبیر بن العوام، ۱۳۷۹ھ/ 〃 جرف 〃 〃
۲۱۔ سعد بن عبادہ، ۱۳۸۷ھ/ 〃 الحرہ شرقیہ 〃 〃
۲۲۔ سعد بن معاذ، ۱۳۷۸ھ/ 〃 طریق قبا نازل 〃 〃

Marfat.com

۲۳۔ السقاف ، ۱۳۹۵ھ/ یں حارہ السحمان یں قائم ہوا۔
۲۴۔ سلمان فارسی ، ۱۳۸۳ھ/ " العوالی " "
۲۵۔ سید قطب ، ۱۳۹۲ھ/ " قباء " "
۲۶۔ عقرالجزیرہ ، ۱۳۷۳ھ/ " خط المطار " "
۲۷۔ العباس بن عبادہ ، ۱۳۸۱ھ/ " حارۃ الحفر " "
۲۸۔ عبداللہ بن رواحہ ، ۱۳۷۴ھ/ " طریق سید الشہداء " "
۲۹۔ عبداللہ بن مسعود ، ۱۳۷۳ھ/ " الجونیزیات " "
۳۰۔ عروۃ بن الزبیر ، ۱۳۸۹ھ/ " عروہ " "
۳۱۔ عقبہ بن عامر ، ۱۳۹۸ھ/ " طریق المطار " "
۳۲۔ عمار بن یاسر ، ۱۳۹۸ھ/ " البساط " "
۳۳۔ عمرو بن الجموع ، ۱۳۹۲ھ/ " المراج " "
۳۴۔ الفقہاء السبعہ ، ۱۳۹۴ھ/ " عنبریہ " "
۳۵۔ عمرو بن العاص ، ۱۳۹۷ھ/ " حارۃ الغربیہ " "
۳۶۔ الفہدیہ ، ۱۳۷۴ھ/ " باب التمار " "
۳۷۔ الفیصلیہ ، ۱۳۷۳ھ/ " خط قربان " "
۳۸۔ قباء ، ۱۳۶۸ھ/ " قباء " "
۳۹۔ القبلتین ، " " قبلتین " "
۴۰۔ مالک بن انس ، ۱۳۸۷ھ/ " السیح " "
۴۱۔ المحمدیہ ، ۱۳۷۳ھ/ " البحر " "
۴۲۔ محمد اقبال ، ۱۳۹۲ھ/ " ارض محبت " "
۴۳۔ محمد بن عبدالوہاب ، ۱۳۷۰ھ/ " المجاہدین " "

Marfat.com

۴۴۔ سلطان محمد فاتح ، ۱۳۹۲ھ/ بیں المجاھدین میں قائم ہوا۔
۴۵۔ محمد بن مسلمہ اوسی ، ۱۳۸۷ھ/ " مشرفیہ "
۴۶۔ معاذ بن الحارث ، ۱۳۹۸ھ/ " العوالی "
۴۷۔ مقداد بن عمرو ، ۱۳۸۹ھ/ " الاصیغرین "
۴۸۔ المنصوریہ ، ۱۳۴۴ھ/ " ہاشمیہ "
۴۹۔ الناصریہ ، " " باب الکومہ "
۵۰۔ النجاح ، ۱۳۵۳ھ/ " مشرفیہ "
۵۱۔ یاقوت ، ۱۳۹۳ھ/ " المشرفیہ "
۵۲۔ ام شھیلہ ، ۱۳۹۵ھ/ " بیر کعکی "
۵۳۔ امام الحرمین بالعاقول ، ۱۳۹۲ھ/ " العاقول "
۵۴ لبید بن ربیعہ ، ۱۳۹۵ھ/ " الخلیل "
۵۵۔ العز بن عبدالسلام ، ۱۴۰۰ھ/ " حرہ غربیہ "
۵۶۔ المحدثۃ الثانیہ ، " " المطار "
۵۷ معہد النور ، ۱۳۸۷ھ/ " خط الحرام "
۵۸۔ " الامل للبنین ، ۱۳۹۸ھ/ " قباء "
۵۹۔ " الامل للبنات المحدثۃ الاولیٰ ، ۱۳۹۸ھ/ " " "
۶۰۔ المحدثۃ الثانیہ ، ۱۴۰۱ھ/ " ابوبرنقیہ[1] "

لڑکیوں کے سکول

مدینہ منورہ میں لڑکیوں کا پہلا اسکول ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۰ء میں جاری ہوا۔ جو محلہ بامیہ

---

[1] المدینۃ الیوم ۱۱۷ تا ۱۲۱۔

Marfat.com

واقع تھا۔ بعدازاں طالبات کی بہتات اور کثرت کے باعث اسکولوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ چنانچہ الشیخ عبدالسلام ہاشم حافظ نے ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں ۱۵ مدارس بیان کئے تھے[1] لیکن طالبات کے تعلیمی رجحان میں اس قدر ترقی ہوئی کہ صرف ۹ سال کا معمولی عرصہ گزرنے پر محرم الحرام ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں ۱۰۴۵ اسکول معرضِ وجود میں آچکے تھے[2]۔

تاریخ اسلامی کی ابتداء

سرکاری فرامین، ضروری دستاویزات اور خطوط وغیرہ پر تاریخ لکھنے کا باقاعدہ اہتمام اگرچہ خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہوا تھا۔ لیکن واقعۂ ہجرت کو اس کی بنیاد بنایا گیا۔ اسی مناسبت سے یہ مضمون ہجرت کے حوالے سے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۳۵۱ء تحریر فرماتے ہیں۔

۱۷ ہجری امیرالمومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں یہ تجویز پیش ہوئی کہ اسلامی تاریخ اور سال کا تعین ہونا چاہیئے تاکہ سرکاری فرامین، وثائق اور دیگر تحریروں پر تاریخ کا اندراج ہو سکے، اس سلسلہ میں سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ گورنر بصرہ نے خلیفۃ المسلمین کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ آپ کے جو فرامین ہمارے پاس پہنچتے ہیں ان پر تاریخ درج نہیں ہوتی۔ علاوہ ازیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک چیک پیش کیا گیا۔ جو شعبان میں واجب الادا تھا۔ آپ نے سوال کیا کونسا شعبان، گذشتہ، موجودہ یا آئندہ؟۔

---

[1] المدینۃ المنورہ فی التاریخ ۲۰۴،

[2] المدینۃ ۱۰۰۰ الیوم: ۱۲۹-۱۳۱،

Marfat.com

ان حالات وضروریات کے پیش نظر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا نمائندہ اجلاس طلب کیا۔ تاکہ اسلامی تاریخ کا تعین کیا جاسکے۔ اس اجلاس میں چار اہم واقعات کی نشان دہی کرکے تجویز پیش کی گئی کہ ان میں سے کسی ایک واقع سے اسلامی تاریخ کا آغاز کیا جائے۔

۱۔ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت با سعادت (۲) بعثتِ نبوی (۳) ہجرت (۴) وصال۔ اجلاس نے ولادت اور بعثت کی تجویز کو سن کی عدم تعیین کے باعث ترک کردیا۔ اور تاریخ وصال کو حزن وملال کے باعث، مناسب نہ سمجھا گیا۔ چنانچہ ہجرت کے وقت سے اسلامی سال کے آغاز پر اتفاق رائے ہوگیا۔ پھر یہ سوال پیش ہوا کہ کس مہینہ سے سال کا آغاز کیا جائے، کسی نے ربیع الاول تجویز کیا، کسی نے رجب اور کسی نے رمضان المبارک کا نام پیش کیا۔ اس سلسلہ میں قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ سنۂ ہجری کی ابتداء ربیع الاوّل سے ہوتی۔ کیونکہ آپ اسی ماہ مبارک میں مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تھے، مگر سیدنا فاروق اعظم، سیدنا علی المرتضیٰ اور سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رائے تھی کہ محرم الحرام سے اسلامی سال شروع کیا جائے۔ کیونکہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم، ہجرت کا ارادہ محرم ہی سے فرما چکے تھے۔ اور صحابہ کرام کو، ہجرت کی اجازت بھی اسی مہینہ میں عطا ہوئی۔ ان کے علاوہ بھی کئی تجاویز پیش ہوئیں۔ مگر سیدنا فاروق رضؓ نے فرمایا کہ محرم الحرام ہی مناسب ہے۔ کیونکہ اسی مہینہ میں لوگ حج سے واپس ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی پر سب کا اتفاق ہوگیا۔[1]

شمس الائمہ امام محمد بن احمد بن ابی سہل المتوفی ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء لکھتے ہیں۔

---

[1] فتح الباری ج ۷: ۲۶۸، ۲۶۹۔

Marfat.com

امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گورنروں کے نام سرکلر جاری کیا کہ تمہاری جو تحریریں دربار خلافت میں آتی ہیں ان پر تاریخ مرقوم نہیں ہوتی۔ لہٰذا تاریخ کا اندراج ضرور کیا جائے[1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ کی تفسیر میں مروی ہے کہ الفجر سے محرم کی فجر مراد ہے جس سے سال کی ابتداء ہوتی ہے[2]۔

نیز حدیث شریف میں محرم کو اعظم الشہور قرار دیا گیا ہے۔ اور اس مہینہ میں بہت سے ایسے امور وقوع پذیر ہوئے ہیں جو تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہیں[3]

امام زہری فرماتے ہیں کہ جب رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ باسکینہ تشریف فرما ہوئے، تو آپ نے ربیع الاول سے تاریخ لکھنے کا حکم دیا۔ یہ روایت امام حاکم نے اکلیل میں بھی بیان کی ہے۔ لیکن یہ معضل ہے۔ جب کہ مشہور اور صحیح روایت مذکورہ بالا ہے[4]۔

امام سرخسی المتوفی ۴۸۳ھ/۸۹۰ء سیر کبیر کی شرح میں لکھتے ہیں۔

کہ جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعیین تاریخ کے لئے صحابہ کرام کو جمع کیا تو بعض نے یہ تجویز پیش کی کہ تاریخ کی ابتداء ولادت باسعادت سے ہونی چاہیئے، مگر انہوں نے اسے اس وجہ سے پسند نہ فرمایا کہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے۔ کیوں کہ ان کی تاریخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوتی ہے۔ بعض حضرات نے رائے دی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے

---

[1] شرح سیر کبیر ج ۴: ۶۳، [2] سیرۃ النبویہ ج ۲: ۲۸۸، [3] ایضاً۔
[4] فتح الباری ج ۷: ۳۶۸،

Marfat.com

تاریخ مقرر کی جائے تو اسے بھی قبول نہ کیا گیا۔ کیوں کہ مسلمانوں کے لئے آپ کی وفات حادثۂ کبری اور مصیبت عظمیٰ ہے۔ بالآخر طویل بحث وتمحیص کے بعد سب کا اس پر اتفاق ہوگیا کہ ہجرت سے تاریخ مقرر کی جائے۔ اس رائے سے امیر المومنین نے بھی اتفاق کیا۔ کیونکہ ہجرت ہی سے حق اور باطل میں فرق واضح ہوا، اور شعائر اسلام یعنی جمعہ اور عیدین علی الاعلان ادا کئے گئے۔[1] یہ روایت کنز العمال جلد ۱۰: ۳۱۰ میں بھی پائی جاتی ہے۔

علامہ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء فرماتے ہیں۔

سن ۱۶، ۱۷ ہجری میں خلافتِ فاروقی کے دوران سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلامی تاریخ کے تعیین کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اجلاس بلایا تھا۔ جس میں واقع ہجرت سے تاریخ لکھنے پر اتفاق ہوگیا تھا۔[2]

---

[1] شرح سیر کبیر ج ۴: ۶۳،

[2] الہدایہ والنہایہ ج ۳: ۲۰۶،

Marfat.com

باب پنجم

مسجد نبوی کا تعمیری ارتقاء

Marfat.com

تاریخ تعمیر مسجد نبوی

فضائل مسجد نبوی

آتش زدگی

تعمیرات مسجد نبوی تاریخ کے آئینہ میں

Marfat.com

تاریخ تعمیر مسجد نبویؐ

ہم پڑھ چکے ہیں کہ جب سرورِ کون ومکان، سلطانِ زمین وزماں صلی اللہ علیہ وسلم سرزمین مدینہ باسکینہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے تو سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کو اپنے قیام سے رونق بخشی، دعوت اسلام کی ہمہ وقتی مصروفیت، وفود کی ملاقاتوں کا لامتناہی سلسلہ اور جاں نثار مسلمانوں کے بہت سے دوسرے حل طلب مسائل کے باوجود آپؐ نے مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط مرکز کی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر تعمیر مسجد کا منصوبہ فوری طور پر بنالیا۔

اگرچہ کسی روایت سے قطعی طور پر معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ مسجد نبوی شریف کا سنگ بنیاد کس دن اور کون سی تاریخ کو رکھا گیا۔ البتہ مختلف روایات کی کڑیاں باہم ملانے سے تخمیناً تاریخ اور دن کا پتہ چل سکتا ہے۔ یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ چکی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قبا میں ورود مسعود حسب ذیل تاریخ کو ہوا۔

بروز شنبہ، ۸ ربیع الاوّل ۱۳ ر نبوت مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء[1]

---

[1] روض الانف ج ۲ ؛ ۱۰

Marfat.com

صحیح بخاری کے علاوہ دوسری کتب احادیث اور تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے قبا میں ۱۴ دن قیام فرمایا[1] اور پھر قبا سے مدینہ منورہ کے لئے جمعہ کے دن روانگی ہوئی[2]۔ اس اعتبار سے مدینہ کی روانگی کی تاریخ حسب ذیل ہوگی۔

بروز جمعۃ المبارک ۲۲ ربیع الاول ۱۳ نبوت مطابق ۴ اکتوبر ۶۲۲ء

مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد آپ کچھ دن مختلف مقامات پر نماز پڑھتے رہے۔ کبھی حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مسجد میں اور کبھی کسی دوسری جگہ بھی پڑھ لیتے۔ حتیٰ کہ آپ نے مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنالیا۔ چنانچہ امام نورالدین علی بن سید ابوالمحاسن عبداللہ بن شہاب الدین عباس السمودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء اور امام عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء کے بیان کردہ روایت کے مطابق

وثبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العریش اثنتی عشرۃ لیلۃ حتی بنی المسجد[3]

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر حسب ذیل تاریخ کو شروع کی گئی تھی۔

بروز سہ شنبہ ۴ ربیع الثانی ۱۳ نبوت مطابق ۱۶ اکتوبر ۶۲۲ء

یہ سنگ بنیاد کسی پُرشکوہ اور فلک بوس عمارت کا نہیں، بلکہ ایک انتہائی سادہ سی مسجد کا رکھا جارہا تھا۔ اگرچہ اس کی عمارت دنیوی نقش ونگار سے معرّا نہیں تھی۔ مگر اسلام کی شان شوکت کی نشانی، معراج انسانی کا نقطۂ عروج، رضائے الٰہی کا مرکز اور حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کا مظہر جمیل تھا۔

بھلا اس سے زیادہ باعظمت عمارت، اس سے پاکیزہ تر تعمیر اور اس سے زیادہ مقدس

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ : ۵۶۰

[2] اخبار مدینہ ۶۸، البدایہ ج ۳ : ۱۹۸

[3] وفاء الوفا ج ۱ : ۱۸۶، البدایہ والنہایہ ج ۳ : ۲۰۲

Marfat.com

جگہ کون سی ہو سکتی ہے جسے محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سجدہ گاہ ہونے کا شرف نصیب ہوا. جسے تبلیغ و تعلیم کا مرکز، دینی سطوت کا نشان اور اسلام کی سربلندی و سرفرازی کا سرچشمہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے اس کی کھجور کی بنی ہوئی بے نمود چھت پر شب و روز خدا کی کروڑوں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے. اس میں سجدہ ریز بندگان خدا بھی سادگی کا مرقعہ، خلوص کے پیکر، ایثار کے مجسمے شمع رسالت کے پروانے اور جاں نثاران شمع رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیوانے تھے. جن کے لئے تمام نعمت و سعادت صرف دیدار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تھا.

جاہ و حشمت جو نہ کرتے تھے قبول
تھی عبادت جن کی دیدارِ رسولؐ

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے.

جب اونٹنی بیٹھ گئی تو فخر کون و مکان، سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہماری آل میں سے کس کا مکان قریب ہے؟ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی کہ میرا مکان قریب تر ہے. یہ میرا مکان اور یہ اس کا دروازہ ہے[1].

مسلم شریف کی روایت میں ہے.

جب لوگوں میں آپ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہونے لگا. تو آپؐ نے فرمایا. میں بنو نجار کے ہاں اتروں گا. جو عبدالمطلب کے ماموں ہیں[2].

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں.

مدینہ منورہ زادہا اللہ تنویرا میں جب آپؐ کا ورودِ مسعود ہوا. تو آپ کی اونٹنی مدینہ میں واقع مسجد رسولؐ کے قریب جا بیٹھی. اس پر آپ نے ارشاد فرمایا.

"ھذا انشاء اللہ المنزل"

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۵۵۶

[2] صحیح مسلم کتاب الزھد، باب الھجرۃ ج ۲، ۴۱۹

Marfat.com

اس جگہ مسلمان نماز پڑھتے تھے۔ اور وہ قطعہ اراضی سیدنا اسعد بن زُرارہ رضی اللہ تعالیٰ ع
کے زیر کفالت دو یتیم بچوں سہل اور سہیل کی ملکیت تھا۔ جو وہاں کھجوریں خشک کرتے تھے
نے ان بچوں کو بلایا اور اس جگہ مسجد بنانے کے لئے اس کھلیان کی قیمت دریافت فرمائی
ان بچوں نے قیمت لینے سے انکار کیا اور بلا معاوضہ ہبہ کرنے کی پیش کش کی۔ مگر محسن انس
صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ اسے مسترد فرما دیا۔ جیسا کہ بخاری شریف
اس روایت سے عیاں ہے۔

فابیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یقبلہٗ منہما ھبۃ حتی ابتاعہ منہما ثم بناہ مسجدا[1]،

آپ نے بلا قیمت قبول فرمانے سے انکار کر بالآخر ان سے قیمتاً خرید کر وہاں مسجد بنا دی

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے ہاں قباء میں چودہ دن قیا
فرمایا۔ پھر قبیلہ بنو نجار کو طلب فرمایا۔ وہ لوگ ہتھیار سجا کر بڑی شان و شوکت کے ساتھ حاضر
اقدس ہوئے۔ جب ہم چشم شعور سے دیکھتے ہیں تو اب بھی وہ منظر ہماری آنکھوں کے سامنے
رقص کرنے لگتا ہے۔

تو ہاں! رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اونٹنی پر سوار اور ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
آپ کے ردیف تھے، اور بنو نجار آپ کو گھیرے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ نے
سامان حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہائش گاہ کے سامنے اتار دیا۔
ابتدائی ایام میں جہاں نماز کا وقت ہوتا۔ وہیں نماز پڑھ لی جاتی۔ بعض اوقات یو
کے باڑہ میں بھی پڑھ لیتے۔ پھر آپ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ آپ نے بنو نجار کے سرکر
افراد کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ تم اپنا یہ باغ میرے ہاتھوں فروخت کر دو۔ انہوں نے

[1] صحیح بخاری ج ۱، ۵۵۵

Marfat.com

جواباً عرض کیا، نہیں، خدا کی قسم؛ ہم اس کا معاوضہ اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔[1]

پہلی روایت میں لفظ "مِربَد" اور دوسری میں "حائط" استعمال ہوا ہے، جبکہ بظاہر دونوں الفاظ کا اطلاق دو مختلف چیزوں پر ہوتا ہے "مِربَد" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کھجوریں خشک کی جائیں۔ اور امام اصمعی کہتے ہیں کہ بھیڑ، بکری اور اونٹوں کے باندھنے کی جگہ کو بھی مربد کہا جاتا ہے۔ جبکہ حائط سرسبز و شاداب باغ کو کہا جاتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ اس جگہ پہلے باغ ہو جو بعد میں مربد کی صورت اختیار کر گیا ہو۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہاں کچھ حصہ میں باغ تھا اور کچھ مربد کے طور پر استعمال ہو رہا تھا۔[2]

علاوہ ازیں پہلی روایت میں قیمتاً خریدنے کا ذکر ہے۔ جبکہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں بلا معاوضہ پیش کرنے کا تذکرہ ہے، ان دونوں روایات کو اس طرح یکجا کیا جا سکتا ہے۔ کہ ان لوگوں نے ہبہ کرنے کی پیش کش تو ضرور کی مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بلا قیمت قبول فرمانے سے انکار کر دیا۔ تو انہیں قیمت ادا کر دی گئی۔ جیسا کہ امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ/۸۴۴ء اور علامہ کرمانی نے امام زہری سے روایت بیان کی ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ قطعہ اراضی دس دینار میں خریدا۔ اور ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ یہ رقم ادا کر دیں۔[3]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء اسی روایت کو صحیح قرار دیتے ہیں، کہ وہ جگہ دس دینار میں خریدی اور رقم ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے پاس سے ادا کر دی۔[4]

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء نے بھی اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے جیسا کہ فتح الباری جلد ۷: ۲۴۶ اور ۲۶۶ میں تفصیلاً مذکور ہے۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۶۱، ۵۶۰ صحیح مسلم ج ۱: ۲۰۰ [2] فتح الباری ج ۷: ۲۴۶، ۲۶۶

[3] طبقات ابن سعد عنوان تعمیر مسجد ج ۲ [4] ارشاد الساری ج ۳: ۳۲۹ شرح صحیح مسلم ج ۱: ۲۰۰

Marfat.com

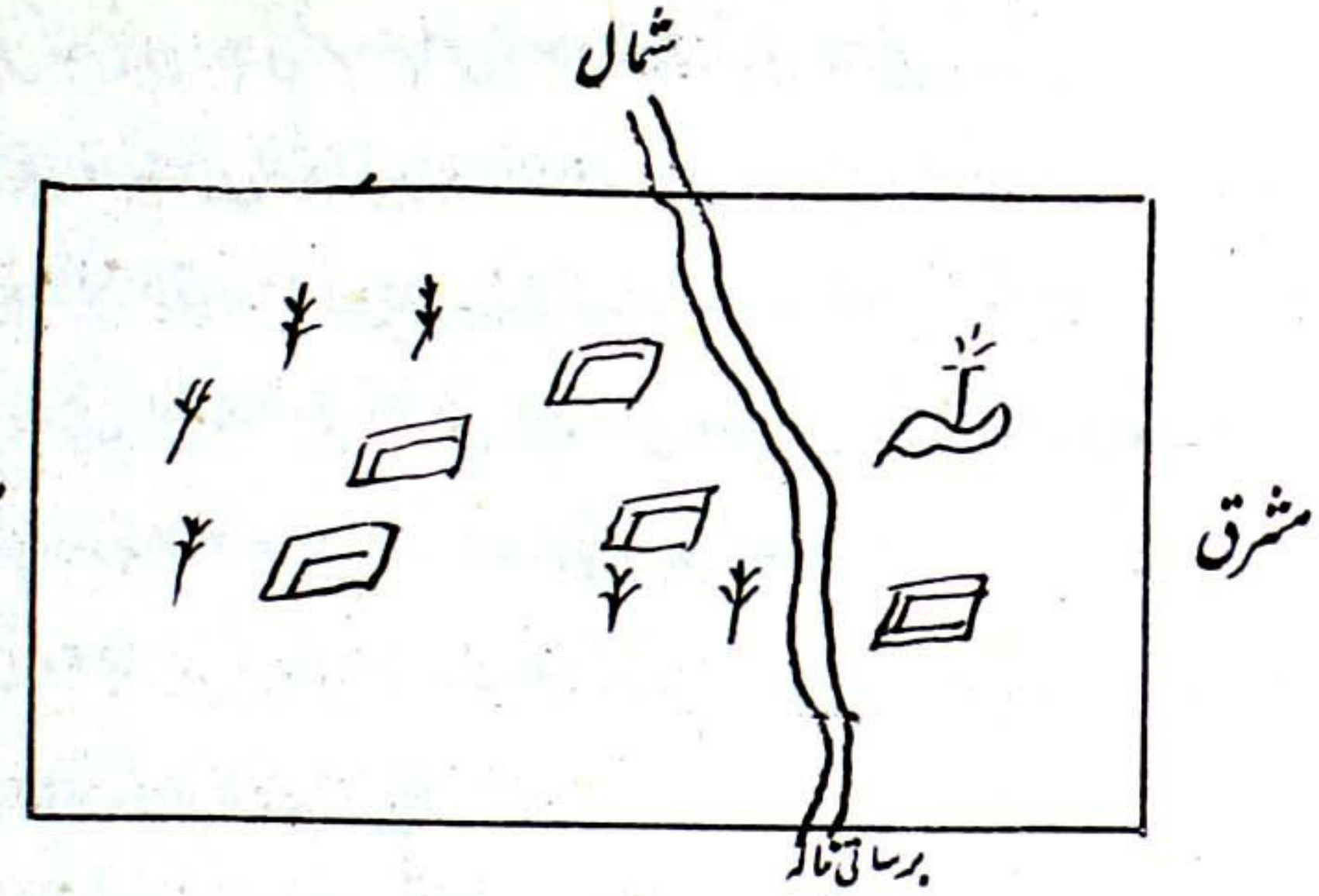

بیت ابوایوب انصاری

وہ افتادہ آراضی جس میں قبور کھجور کے درخت ناہموار زمین اور برساتی نالہ تھا۔ وفار

الوفاج ۱: ۲۳۳

اسی جگہ ہجرت نبویؐ سے پہلے سیدنا اسعد بن زرارہؓ مسلمان کو پنجگانہ نماز اور جمعہ پڑھ

تھے اس پر چھت نہ تھی، وفار الوفاج ۱: ۲۳۲

اس ضمن میں امام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ/۸۴۴ء بیان کرتے ہیں

فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے اس جگہ سیدنا اسعد بن زرا

رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محض ایک احاطہ کی شکل میں مسجد بنا رکھی تھی۔ جو بغیر چھت کے تھا اور

قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا۔ جہاں حضرت اسعدؓ مسلمان کو نماز پنجگانہ اور نماز جمعہ پڑھا

کرتے تھے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ بیان کردہ

---

[1] طبقات ابن سعد عنوان تعمیر مسجد ج ۲ نیز معالم دار الہجرہ ۴۲۰ میں بھی یہ روایت پائی جاتی ہے

Marfat.com

لکھتے ہیں کہ جس جگہ اونٹنی بیٹھی تھی اسی مقام پر تعمیر مسجد کے بعد آپؐ نے منبر شریف نصب کرایا تھا۔[1]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس جگہ کھجور کے درخت، بعض مشرکین کی قبریں اور کچھ ناہموار جگہ تھی۔ چنانچہ آپؐ کے حکم سے کھجوریں کاٹ دی گئیں۔ قبریں اکھاڑ کر ہڈیاں غیب کر دیں۔ (ہڈیاں نکال کر کہیں دوسری جگہ دفن کر دی گئیں) اور نشیب و فراز کو ہموار کر کے کھجوروں کے تنے قبلہ کی سمت یعنی شمال کی جانب ایک صف میں کھڑے کر کے دیوار بنا دی گئی اور دروازہ کی چوکھٹ کھڑی کر کے دونوں جانب پتھروں کی دیواریں بنا دی گئیں۔[2] اس افتادہ اراضی میں ایک برساتی نالہ بھی واقع تھا جسے پاٹ دیا گیا۔[3] تعمیر مسجد کے لئے کچی اینٹیں بنانے کا انتظام جنت البقیع کے مشرق میں بیر ایوب کے قریب کیا گیا تھا۔[4] صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بڑے وقار، انہماک، ولولہ اور جذبہ کے ساتھ اینٹیں لانے میں مصروف تھے اور سرور کون و مکان سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے شانہ بشانہ کام میں مصروف تھے۔ صحابہ کبار اپنے دلی جذبات کا اظہار مختلف اشعار سے کر رہے تھے اور محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ان کی آوازوں سے آواز ملا کر داد تحسین دیتے۔

هذا الحمال لاحمال خيبر　　هذا أبر ربنا واطهر

ترجمہ: باربرداری اور محنت مشقت جو بار آور اور نتیجہ خیز ہو وہ تو یہی ہے نہ کہ خیبر سے کھجوروں کا بوجھ اٹھانا۔

اللهم ان الاجر اجر الاخرة　　فارحم الانصار والمهاجرة[5]

---

[1] فتح الباری ج ۷ : ۲۴۶

[2] صحیح بخاری ج ۱ : ۵۶۰ صحیح مسلم ج ۱ : ۲۰۰

[3] طبقات ابن سعد وفاء الوفا ج ۱ : ۲۳۳

[4] وفاء الوفا ج ۱ : ۲۳۸

[5] صحیح بخاری ج ۱ : ۵۵۵

Marfat.com

اللھم انہ لاخیر الاخیر الاخرۃ فانصر الانصار والمھاجرۃ[1]

الا ان العیش عیش الاخرۃ فاغفر للانصار والمھاجرۃ[2]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ شعر پڑھنے میں مشغول تھے

الا یستوی من یعمر المساجدا یداٰب فیھا قائما وقاعدا

وصن یری عن التراب حائدا[3]

ترجمہ :۔ جو آدمی اٹھتے بیٹھتے تعمیر مسجد میں مصروف ہے اور جو شخص کپڑوں کو مٹی اور غبار بچاتا ہے۔ دونوں کب برابر ہو سکتے ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام کے ساتھ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اینٹیں اٹھانے میں مشغول تھے۔ میں نے دیکھا کہ آپ نے اتنی زیادہ اینٹیں اٹھائی تھیں۔ کہ آپ کے سینہ مبارک تک پہنچی ہوئی تھیں، میں نے محسوس کیا کہ آپ بوجھ سے ہوئے ہیں۔ اس لئے میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے حبیبؐ یہ اینٹیں مجھے دے دیں پہنچا دیتا ہوں، مگر آپ نے فرمایا اینٹیں تو اور بھی بہت سی ہیں تم وہاں سے اٹھا لاؤ، یہ تمہارے لئے رہنے دو[4]

ایک موقع پر حضرت اُسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی گذارش کی کہ آپ یہ اینٹیں مجھے دے دیں مگر آپ نے فرمایا۔

اِذھَبْ فَجُئْ غیرھا فلستَ بافقر منی الی اللہ[5]

تم دوسری جا کر لے آؤ، اللہ تعالیٰ کی طرف نیکیاں حاصل کرنے میں تم مجھ سے زیادہ

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ : ۵۶۰ صحیح مسلم ۱ : ۲۰۰

[2] سنن ابن ماجہ : ۵۴

[3] فتح الباری ج ۷ : ۲۴۷

[4]

[5] جمع الفوائد ج ۱ : ۶۷

Marfat.com

محتاج نہیں ہو۔

ان مزدورانِ باصفا میں سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کچھ زیادہ ہی جاں فشانی اور مستعدی سے مصروف کار تھے، سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ ایک ایک اینٹ اٹھاتے مگر عمار دو دو اٹھاتے تھے، جب حضور انور سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ان پر پڑی۔ تو شفقت اور تاسف بھرے لہجہ میں ان کے وجود سے مٹی جھاڑتے ہوئے فرمایا۔

"افسوس کہ عمار کو باغیوں کی ایک جماعت قتل کرے گی۔ عمار انہیں جنت کی دعوت دیں گے اور وہ انہیں جہنم کی طرف بلائیں گے"

یہ سنتے ہی حضرت عمار کہنے لگے میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں[1]

امام سہیلی اور علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء فرماتے ہیں کہ حضرت معمر کی روایت میں یہ وضاحت بھی ہے کہ سیدنا عمار ایک اینٹ اپنی طرف سے اور ایک اینٹ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے لاتے تھے[2]

سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب مسجد نبوی شریف کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا۔ تو سردار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا پتھر اپنے دستِ اطہر سے نصب فرمایا، پھر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پتھر لائے۔ اور اس کے ساتھ رکھ دیا۔ بعد میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے ساتھ اپنے ہاتھ سے پتھر رکھا اور پھر سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے نصب کردہ پتھر کے ساتھ اپنے ہاتھ سے پتھر لگا دیا۔

میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی۔ کہ اے اللہ کے حبیب غور فرمائیں یہ لوگ کس لگن کے ساتھ کام میں مصروف ہیں، آپ نے جواباً ارشاد فرمایا۔ عائشہ یہ لوگ

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۶۴، ۳۹۴،

[2] روض الانف ج ۲: ۱۳، فتح الباری ج ۱: ۵۴۲

Marfat.com

میرے بعد خلعتِ خلافت سے نوازے جائیں گے۔ امام حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح اور شیخین کی شرائط کے مطابق ہے[1]

اس روایت سے جہاں خلفاء ثلاثہ کی فضیلت و منقبت مترشح ہوتی ہے وہاں ان کی بدرجہ خلافت کا واضح اور واشگاف ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے۔ چنانچہ اللہ کریم نے انہیں اسی منصب خلافت سے سرفراز فرمایا۔

سیدنا طلق بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

کہ میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوا۔ جبکہ آپ اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ تعمیر مسجد میں مصروف و منہمک تھے۔ آپ کو گارا پسند نہ آیا۔ میں پھاوڑہ لے کر گارا بنانے لگا۔ جب اسے اچھی طرح گوندھ کر تیار کیا۔ تو آپؐ نے بہت پسند فرمایا، اور فرمایا کہ یمامی گارا بنانے میں خوب مہارت رکھتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہی خدمت لی جائے[2]

امام ابن نجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں

نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کی بنیادیں پتھروں سے اٹھائیں اور دیواریں کچی اینٹ سے بنوائیں۔ اور مسجد کے تین دروازے رکھے، ایک جنوب میں دوسرا مغرب کی طرف عاتکتہ جسے باب الرحمت بھی کہا جاتا تھا۔ اور تیسرا مشرق کی جانب باب عثمان، جس سے آپ مسجد میں تشریف لاتے تھے۔

پھر جب بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ قبلہ مقرر ہوگیا۔ تو آپ نے جنوب کا دروازہ بند کر کے اس کے برابر میں شمال کی طرف دروازہ بنا دیا۔ دوسرے دونوں دروازے اپنی جگہ قائم رہے۔ مسجد مربع شکل تھی۔ جس کا طول و عرض ۷۰ × ۷۰ ذراع[3] تھا۔ پہلی تعمیر کے

---

[1] زرقانی علی المواہب ج ۱: ۳۶۶، البدایہ والنہایہ ج ۳ : ۲۱۸

[2] جمع الفوائد ج ۱: ۶۷ وفاء الوفا ج ۱ : ۲۳۸

[3] اخبار مدینہ : ۶۹

Marfat.com

وقت دیواروں کی بلندی قدم آدم سے کچھ زیادہ تھی۔[1]

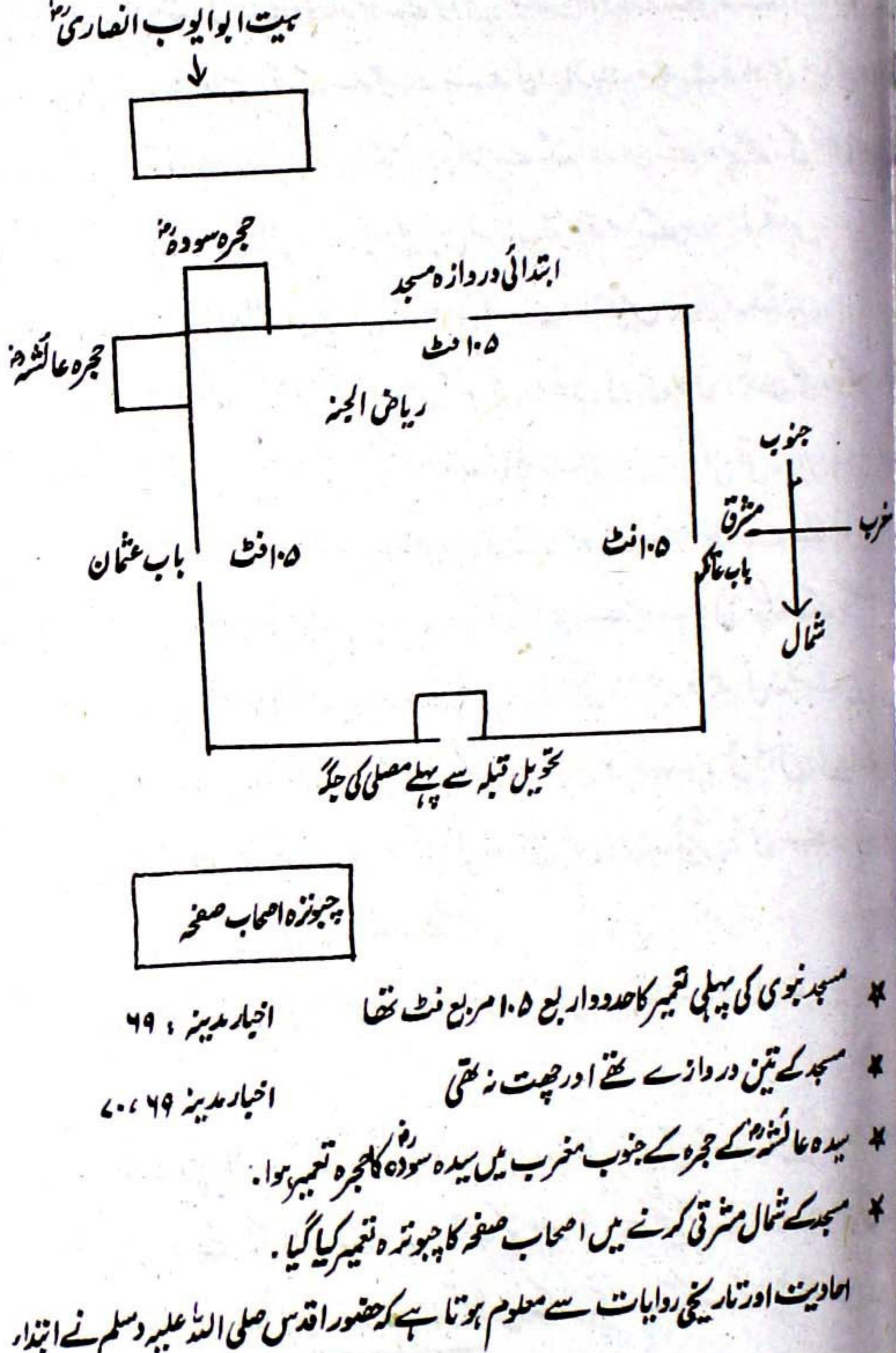

چبوترہ اصحاب صفہ

* مسجد نبوی کی پہلی تعمیر کا حدود اربع ۱۰۵ مربع فٹ تھا — اخبار مدینہ ؛ ۶۹
* مسجد کے تین دروازے تھے اور چھت نہ تھی — اخبار مدینہ ۶۹، ۷۰
* سیدہ عائشہ رضؓ کے حجرہ کے جنوب مغرب میں سیدہ سودہ رضؓ کا حجرہ تعمیر ہوا۔
* مسجد کے شمال مشرقی کرنے میں اصحاب صفہ کا چبوترہ تعمیر کیا گیا۔

احادیث اور تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدار

[1] معالم دار الہجرۃ ؛ ۴۵

Marfat.com

میں چھت کے بغیر صرف دیواروں پر مشتمل مسجد بنائی تھی۔ پھر جب صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین گرمی کی شدت سے دوچار ہوئے تو اس تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے آپؐ سے چھت بنانے کی اجازت چاہی، آپؐ نے چھت بنانے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ چنانچہ صحابہ نے تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھجور کے ستون کھڑے کئے اور ان کے اوپر کھجور کی لکڑی شاخیں اور اذخر وغیرہ گھاس ڈال دیا[1] جبکہ دیواریں صرف قدم قدم کے برابر بلند تھیں۔

اس کیفیت کو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کچی اینٹوں کی بنی ہوئی، ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی[2] جبکہ مسجد کی چھت ۸ھ میں بنائی گئی تھی۔ (ابن ماجہ)

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ چھت صرف دھوپ سے بچاؤ کے لئے بنائی گئی تھی۔ مگر اس سے بارش کا پانی نہیں رک سکتا تھا۔ اس لئے جب پانی ٹپکنے کے باعث صحابہ کو دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ تو پھر محبوبِ انس وجاں صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اجازت ہو تو چھت پر مٹی ڈال دی جائے کیونکہ بارش کی وجہ سے پانی ٹپکتا ہے (اور نماز کی ادائیگی میں دقت پیش آتی ہے)، آپؐ نے فرمایا میری مسجد عریش موسیٰ کے مانند ہے[3]

علامہ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء یعلی بن شداد سے روایت بیان کرتے ہیں۔

انصار باوقار کچھ مال جمع کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے۔ اللہ کے حبیبؐ! مسجد کو مضبوطی سے تعمیر کرنے اور اسے مزین کرنے کی اجازت عنایت کی جائے۔ ہم اِن تنوں کے نیچے کب تلک نماز پڑھتے رہیں

---

[1] اخبار مدینہ: ۷۰، معالم دار الہجرۃ: ۴۴ [2] معالم دار الہجرۃ ۴۵

[3] صحیح بخاری ج ۱: ۶۴، ابوداؤد ج ۱: ۴۷ [4] اخبار مدینہ: ۷۰

Marfat.com

گے۔ آپؐ نے فرمایا۔

مالی رغبۃ عن اخی موسی
عریش کعریش موسی[1]

میں اپنے بھائی موسیٰؑ کے طریق سے اعراض نہیں کرنا چاہتا، بس یہ ایک چھپر ہے موسیٰ کے چھپر کی طرح

سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے جس چھپر کی مطابقت کے کاربند حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تھے اس کی نوعیت یہ تھی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوتے تو سر چھت کے ساتھ لگ جاتا تھا[2]

امام زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء بیان کرتے ہیں کہ بالآخر حالات اور ضرورت کے پیش نظر آپؐ نے مٹی، گارا لگانے کی اجازت دے دی تھی۔ جس کے باعث لوگوں نے چھت پر مٹی ڈال کر بہتر بنا دیا[3]

لیکن بایں ہمہ مسجد نبوی شریف معمولی اور سادہ بناوٹ میں اپنی مثال آپ تھی۔ اور عریشی موسوی سے بھی کچھ زیادہ ہی سادہ تھی۔ بارش کے دوران چھت سے پانی ٹپکتا اور مسجد کیچڑ سے بھر جاتی، لیکن نیازمندی کا ایسا انوکھا مظاہرہ شاید چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہو کہ سرور کون و مکان، سلطان زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلم اور شمع رسالت کے پروانے اسی مٹی گارے میں خالق کائنات کے حضور جبین نیاز نہادہ ہیں اور اس کی کبریائی اور یکتائی کا ورد نوک زباں ہے وہ قدسی نفوس اس سادہ سی مسجد کی زینت تھے، جن کے دامن ایمان کی تابانیوں، دین کی سرشاریوں، ذکر و فکر کی لذتوں، تسبیح و تہلیل کی حلاوتوں اور جلوۂ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی کیف سامانیوں سے جگمگا رہے تھے، اس لئے انہیں مسجد کی سادگی میں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۳: ۲۱۵
[2] وفاء الوفا ج ۱: ۲۳۳
[3] معالم دار الہجرۃ: ۴۵

Marfat.com

کیف وسرور حاصل ہوتا تھا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کیفیت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

"محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں کچھ صحابہ کرام نے مسجد نبوی شریف میں اعتکاف کیا۔ اس اثنا میں رات کو بارش ہوگئی اور چھت سے پانی ٹپکنے لگا۔ کیونکہ چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ اسی حالت میں نماز فجر ادا کی گئی۔

میں یہ حیرت انگیز منظر دیکھ رہا تھا۔ کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم اسی پانی اور کیچڑ میں سجدہ ریز ہیں۔ حتیٰ کہ نماز سے فارغ ہوجانے کے باوجود آپ کی پیشانی پر کیچڑ کے نشانات نظر آرہے تھے۔[1]

مسجد نبوی شریف کی سادگی بے مثل و بے مثال اور نادرالوجود ہونے کے باوصف اس کی عزت وعظمت اور شان بیان سے فزوں تر ہے۔ اس کی رفعتِ شان اور قدر و منزلت کا کیا کہنا جس کے ذروں پر سرور کون ومکاں، سلطان زمین وزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدوں کے نشانات آج تک تابندہ ہیں۔

جیسا ابھی بیان ہوا کہ مسجد کا فرشِ خاکی بارش کے باعث کیچڑ کی شکل اختیار کرلیتا تھا ایک مرتبہ رات کو بارش ہوئی اور فجر کی نماز کیچڑ ہی میں پڑھی جارہی تھی۔ کہ ایک آدمی باہر سے کنکریاں کپڑے میں ڈال کر لایا اور اپنی نشست گاہ پر بچھالیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہوکر کنکریاں دیکھیں تو انہیں پسند فرمایا۔[2]

چنانچہ اس کے بعد کنکریاں ڈالنے کا عام رجحان ہوگیا۔ جو بعد کے زمانہ میں بھی قائم رہا پھر جب مسجد کے اندرونی حصہ میں فرش پختہ بنادیا گیا تو صحنِ مسجد میں کنکریاں ڈالی جانے لگیں بالآخر ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں کنکریاں ہٹا کر سارا فرش سنگ مرمر کا بنادیا گیا۔

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۲۷، صحیح مسلم ج ۱: ۳۷۰، [2] سنن ابوداؤد شریف ج ۱: ۴۸،

Marfat.com

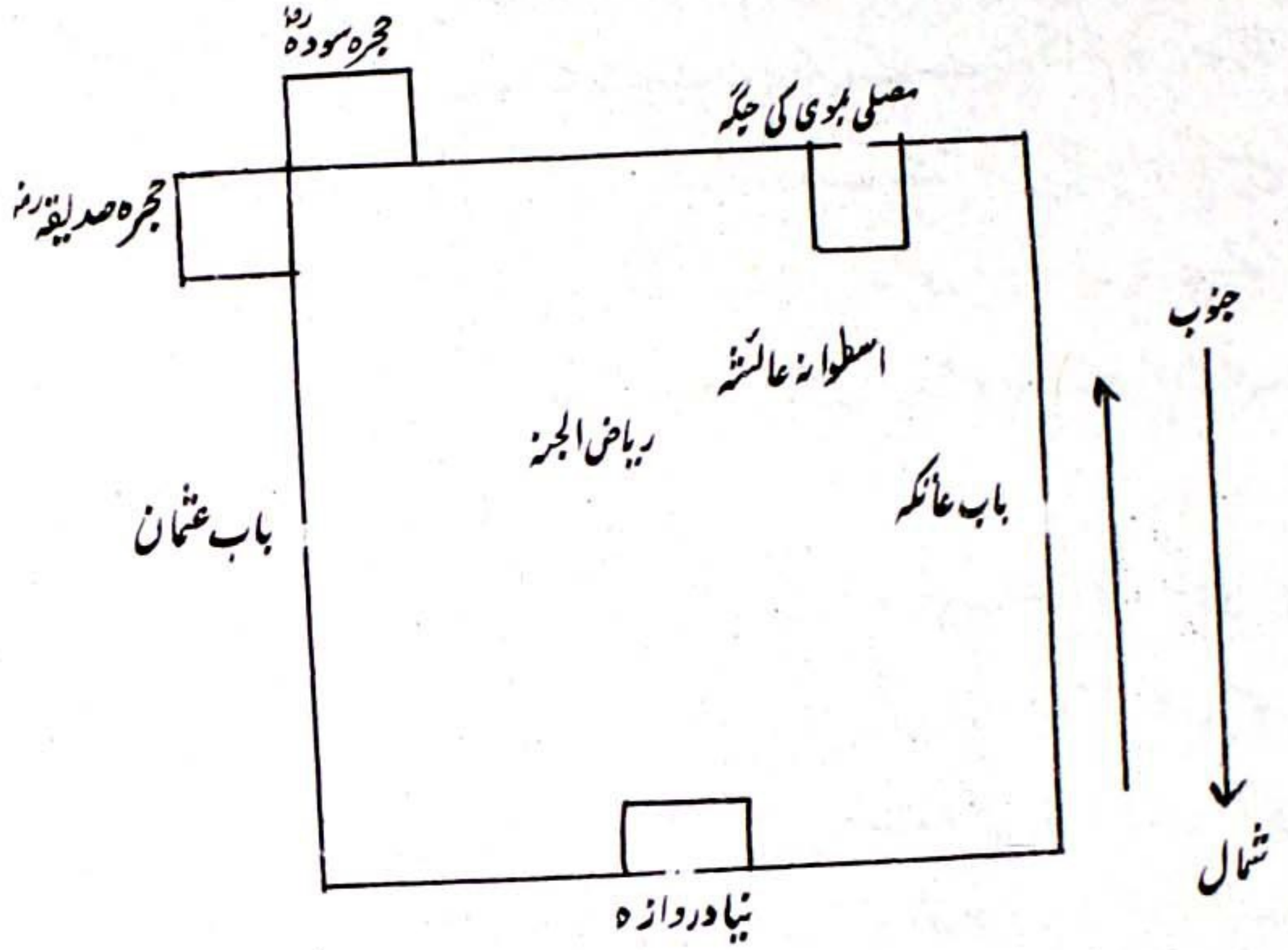

چبوترہ اصحاب صفہ

* ۲ ہجری میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہونے پر بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ قبلہ مقرر ہوا،
* جنوب والا دروازہ بند کر کے اس کے بالمقابل شمال میں دروازہ بنایا گیا.

فتح خیبر ۷ھ کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں اضافہ کیا.
نئے اضافہ کے بعد طول و عرض ۱۵۰ × ۱۵۰ فٹ ہو گیا وفاء الوفا ج ۱ : ۲۴۳

Marfat.com

تعمیر دوم

سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم، ہجری میں شجر یہودیت کو بیخ و بُن سے اکھاڑ کر اور اسے نیست و نابود کر کے بے پناہ غنائم اور فاتحانہ شان کے ساتھ خیبر سے مدینہ کریمہ واپس تشریف لائے۔ تو آپ نے مسجد کی تجدید اور توسیع کا پروگرام بنایا۔ کیونکہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر مسجد میں نمازیوں کے لیے گنجائش بہت کم تھی۔ علاوہ ازیں کھجور کے ستون، شاہتیر اور شاخیں۔ بوسیدہ ہو جانے کے باعث تجدید ناگزیر تھی۔

چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے متصل ایک انصاری کا مکان مسجد میں شامل کرنے کا پروگرام بنایا۔ اسے ترغیب و تحریص دی گئی۔ کہ اگر تم اپنا مکان مسجد کی توسیع کے لئے ہمیں دے دو، تو اس کے عوض تمہیں جنت کا محل ملے گا۔ لیکن وہ اپنی نادار اور غربت کے باعث ایسا نہ کر سکا، جس کے باعث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو آدمی فلاں شخص کی جگہ خرید کر مسجد کی نذر کر دے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دینگے جب یہ آواز سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گوش گذار ہوئی۔ تو انہوں نے اس مسلمان سے بیس ہزار یا پچیس ہزار درہم میں وہ مکان خرید لیا۔ پھر یہ خوش کن خبر سنانے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان یہ جگہ مسجد میں شامل کر دو۔ اس کا اجر تمہیں اللہ کریم مرحمت فرمائیں گے[1]

ترمذی شریف میں ہے۔

"نمازیوں کے لئے مسجد میں جگہ کی کمی کے باعث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو آدمی فلاں خاندان کا قطعہ اراضی خرید کر مسجد کشادہ کر دے۔ اسے اس سے کہیں بہتر جنت کا محل عطا کیا جائے گا۔ چنانچہ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے اپنے ذاتی

---

[1] سنن نسائی باب مناقب عثمان رضی ج ۲، ۵۳ ۔ سنن الدارقطنی ج ۴ : ۱۹۵

Marfat.com

مال سے خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔[1]"

علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ طبرانی کی روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صاحب مکان سے فرمایا کہ اگر تم اپنا مکان مسجد کی توسیع کے لئے وقف کر دو، تو تمہیں اس کے عوض جنت میں محل ملے گا۔ لیکن وہ ایسا نہ کر سکا۔ پھر سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مکان خرید لیا۔ اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ انصاری کے جس مکان کو جنت کے محل کے بدلے خریدنا چاہتے تھے۔ وہ مجھ سے جنت کے بدلے خرید فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے وہ قطعۂ اراضی بمعاوضہ جنت حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرید کر مسجد میں شامل کر دیا۔[2]

محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جیسی عظیم المرتبت عبادت کے لئے مسجد کی تعمیر اور توسیع کی دو مرتبہ خدمت سرانجام دی۔ پہلی دفعہ تعمیر مسجد کے لئے جس جگہ کا انتخاب ہوا وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی اور دوسری مرتبہ جب توسیع کی ضرورت پیش آئی تو ایک عام مسلمان کا مکان اس کی زد میں آتا تھا جسے حاصل کرنا ناگزیر تھا، آپ کے ایک اشارہ ابرو پر مسلمان تن من دھن سب کچھ قربان کرتے تھے۔ زمین یا مکان رضا مولا کی خاطر آپ کی نذر کر دیتا تو معمولی سی بات تھی۔

مگر آپ نے مسجد کے تقدس اور علو شان کے پیش نظر جبر و اکراہ سے زمین حاصل کرنا تو کجا، رضا و رغبت اور قلبی مسرت کے ساتھ پیش کی جانے والی زمین بھی بلا معاوضہ قبول کرنے سے صاف انکار فرما دیا تھا۔

آپ کے اس مستحسن اقدام نے جہاں تعمیر مسجد کے لیے عدل و انصاف پر مبنی ایک زریں اصول فراہم فرمایا۔ وہاں اس تصور کی بیخ کنی بھی ہو گئی کہ مسجد کی خاطر حقوق العباد کو پامال کر کے

---

[1] جامع ترمذی باب مناقب عثمانؓ ح ۲۱۱۲ [2] وفاء الوفا ج ۱ : ۲۴۱

Marfat.com

کسی کی جگہ پر غاصبانہ قبضہ کیا جاسکتا ہے۔ انہی غیر متزلزل بنیادوں پر خلیفہ دوم امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے لے کر آج تک بیسیوں مرتبہ مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کا عظیم الشان کام ہوا۔ مگر بلا معاوضہ اور جبر و اکراہ سے کبھی ایک انچ زمین بھی حاصل نہیں کی گئی۔ اور نہ ہی معاوضہ دینے میں تنگ نظری اور بخل کا کبھی مظاہرہ ہوا۔ قارئین اس بات کی تائید و تصدیق کے متعدد شواہد آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

جب دوسری مرتبہ تعمیر کا کام شروع ہوا۔ تو بنیادوں سے اوپر بھی تین ذراع پتھر کی دیواریں بنا کر بقیہ دیواریں کچی اینٹوں سے مکمل کی گئیں۔ تعمیر جدید میں اضافہ کے باعث طول اور عرض ۱۰۰ ذراع ہوگیا[1] یعنی ۱۵۰ × ۱۵۰ فٹ۔ امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء فرماتے ہیں۔

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف دو مرتبہ تعمیر فرمائی پہلی تعمیر میں طول عرض ۱۰۰ ذراع سے کم تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے خیبر کی فتح عطا فرمائی۔ آپ نے مسجد کی توسیع اور تجدید کر کے اس کے اضلاع ۱۰۰ × ۱۰۰ ذراع کر دیئے اور مسجد کے درمیان میں صحن بنایا گیا[2]

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء نے طول و عرض ۷۰ × ۷۰ ذراع بھی لکھا ہے[3]

امام مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء نے امام یحییٰ کی روایت کے مطابق طول و عرض شرقاً غرباً ۶۳ ذرائع اور شمالاً جنوباً ۵۴ ذراع بیان کیا ہے جبکہ دوسری جگہ شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً کی روایت نقل فرمائی ہے[4]

علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء فرماتے ہیں کہ تعمیر ثانی کے بعد مسجد کا طول و عرض ۱۰۰ ذراع ہوگیا تھا[5] اور یہ قول امام ابن النجار نے بھی نقل کیا ہے۔

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ عنوان تعمیر مسجد نبوی، وفاء الوفا ج ۱ : ۲۳۹

[2] اخبار مدینہ : ۷۰

[3] ایضاً

[4] معالم دار الہجرہ : ۴۳

[5] وفاء الوفا ۱ : ۲۴۳

Marfat.com

فضائل مسجد نبوی

مسجد نبوی شریف اسلام کے ایک ناقابل تسخیر قلعہ کی حیثیت رکھتی ہے، جہاں سے آفتاب نبوت کی نورانی شعاعیں چار دانگ عالم میں پھیلیں، ایک طرف تو یہ دینی، دینوی ملی اور ملکی آئین وقوانین کے نفاذ کا سرچشمہ تھا اور دوسری طرف اسے مجاہدین اسلام کا ہیڈ کوارٹر اور حرب وضرب اور دفاع کی تربیت گاہ ہونے کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ یہ اسلام کا اولیں دارالعلوم (یونیورسٹی) اور رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کا شاہی دربار بھی تھا اور یہی تعلیم وتربیت، رشد وہدایت اور دعوتِ فکر وعمل کا مرکز تھا۔ خدائے بزرگ وبرتر نے محبوب انس وجاں صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک مسجد کو ایسا قابل رشک رتبہ عطا فرمایا جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخ عاجز ہے

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں۔

جو آدمی گھر میں نماز پڑھے، اسے ایک نماز کا ثواب ملے گا۔ محلہ کی مسجد میں یہ ثواب پچیس گنا زیادہ ہو جائے گا۔ جامع مسجد میں اس میں پانچ سو گنا اضافہ ہو جاتا ہے، مسجد اقصیٰ میں پچاس ہزار گنا بڑھ جاتا ہے اور میری مسجد میں پچاس ہزار گنا تک پہنچ جاتا جبکہ مسجد حرام میں ایک لاکھ گنا تک ملتا ہے[1]

---

[1] ابن جامہ: ۱۰۲ جامع الصغیر ج ۱: ۴۶

Marfat.com

آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

میری اس مسجد میں ایک نماز، دوسری مسجد میں پڑھی جانے والی ایک ہزار نمازوں سے بہتر ہے سوا مسجد حرام کے[1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں کی نسبت ہزار درجہ فضیلت رکھتی ہے۔ سوائے مسجد حرام کے۔ اور میری مسجد میں ایک جمعہ دوسری مساجد کے ہزار جمعہ سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے اور میری اس مسجد میں ایک رمضان دوسری مساجد میں ایک ہزار رمضان سے افضل ہے، سوائے مسجد حرام کے[2]

سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

میری اس مسجد میں ایک نماز دنیا کی دوسری مساجد کے مقابلہ میں ایک ہزار گنا فضیلت رکھتی ہے۔ سوائے مسجد حرام کے اور مسجد حرام کی ایک نماز میری مسجد سے بھی سو گنا زیادہ فضیلت رکھتی ہے[3] (یعنی ایک لاکھ گنا)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

مسجد نبوی میں ایک نماز دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ہزار نمازوں سے افضل ہے مسجد حرام کے سوا، بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کی مسجد انبیاء کی مسجدوں میں سے آخری مسجد ہے[4]

---

[1] صحیح بخاری شریف ج ۱: ۱۵۹، مسلم شریف ج ۱: ۴۴۶ [2] کنز العمال ج ۱۲: ۲۳۶

[3] ایضاً: ۲۳۵، سنن کبری ج ۵: ۲۴۶ [4] صحیح مسلم ج ۱: ۴۴۶ سنن نسائی ج ۱: ۷۱

Marfat.com

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں کے برابر ہے مگر مسجد حرام اس سے افضل ہے[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان کرتے ہیں۔
جو شخص میری مسجد میں بھلائی کی بات سیکھنے یا سکھانے کی غرض سے آئے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے آدمی کی مانند ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس نیت سے نہ آئے (بلکہ لوگوں سے مجلس و صحبت اور باتیں کرنے کی غرض سے آئے) تو اس کی مثال اس شخص جیسی ہے۔ جو دوسروں کے مال کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھتا ہے[2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
جو شخص میری مسجد میں چالیس نمازیں اس طرح پڑھے کہ اس کی کوئی نماز جماعت سے فوت نہ ہونے پائے۔ تو اسے جہنم کی آگ سے نجات مل جاتی ہے اور عذاب اور نفاق سے اسے بری کر دیا جاتا ہے[3]

ان ارشاداتِ مصطفیٰ میں نماز کے اجر و ثواب کا جو تناسب بیان ہوا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ دنیا کی تمام مساجد کے مقابلہ میں مسجد نبوی شریف میں ایک نماز کا ثواب ہزار گنا، بلکہ پچاس ہزار گنا ملتا ہے۔ البتہ کعبہ شریف میں نماز مسجد نبوی شریف سے بھی ایک سو درجہ افضل ہے۔ یعنی ایک لاکھ گنا ثواب ملتا ہے۔

علماء کرام میں سے بعض بیت اللہ شریف کی نماز کو مسجد نبوی شریف کی نماز پر فضیلت

---

[1] السنن الکبریٰ ج ۵ : ۲۴۶، [2] ابن ابی شیبہ ج ۲ : ۳۷۱ [3] شریف ۱۷
مسند امام احمد

Marfat.com

کے قائل ہیں. بعض مسجد نبوی کے ثواب کو بیت اللہ کی نماز سے افضل سمجھتے ہیں اور بعض مساوات کو ترجیح دیتے ہیں. بعض علماء کا خیال ہے کہ مسجد نبوی شریف کو مسجد حرام پر صرف سو گنا فضیلت اور برتری حاصل ہے اور بعض نو سو ننانوے گنا ثواب کے قائل ہیں. جبکہ تمام علماء احادیث سے ہی استدلال کرتے ہیں اگرچہ جمہور علماء کرام مسجد حرام کو مسجد نبوی پر سو درجہ برتری کے قائل ہیں[1]

شیخ عبدالحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں

احادیث کی چھان بین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض مساجد کے ثواب کو بعض پر جو فوقیت بیان کی گئی ہے. اس میں کمی بیشی کا مدار اوقات مختلفہ میں وحی کا نزول اور مساجد کے حقائق منکشف ہونے پر ہے. اور یہ بات مسلمہ ہے کہ عدد کی کمی زائد تعداد سے متعارض نہیں ہوتی[2]

آداب مسجد نبوی شریف

مسجد نبوی شریف وہ عالی مرتبت دربار گوہر بار ہے. جس کی خاکروبی کو اولیاء دس بھی مایہ افتخار سمجھتے ہیں، اسی دربار کے ایک گوشہ میں مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم آرام خواب ہیں. اس لئے اس دربار ذی وقار میں نہایت ادب و احترام، خشوع خضوع انکساری کے ساتھ داخل ہونا چاہیئے. شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں.

جب مسجد نبوی شریف میں آئیں تو اس کی عظمت و شرف اور عزت کے تصرف سے غافل نہ ہوں. یہ بات ملحوظِ خاطر رہے کہ یہ مقام وحی کے اترنے کی جگہ اور جائے عزت و شرف ہے اور یہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد ہے.

جب اس مقدس مسجد میں داخل ہونا نصیب ہو تو اس کی تعظیم کے پیش نظر نہایت خشو

---

[1] فتح الباری ج ۳: ۶۸ جذب القلوب: ۱۲۷ [2] جذب القلوب: ۱۲۸

Marfat.com

خشوع، سکون ووقار اور ہیبت کے ساتھ داخل ہوں۔ مسجد کی زیبائش وآرائش کی طرف توجہ نہ کریں۔ بے کار کاموں سے اجتناب کریں۔ نہایت ادب واحترام کے ساتھ مقدور بھر قیام کریں

مسجد شریف میں داخل ہوتے وقت اعتکاف کی نیت کرلیں اگرچہ تھوڑی سی دیر ہی کے لئے داخل ہونا ہو، کیونکہ یہاں اجر وثواب بہت ہی زیادہ ملتا ہے بلکہ جب بھی کسی مسجد میں داخل ہوں تو اعتکاف کی نیت کرلیں۔ کاہلی اور تساہل کو قریب نہ آنے دیں۔ یہ چھوٹا سا عمل اجر جزیل کا حامل ہے۔

دخولِ مسجد کے بعد (اگر ممکن ہو) ریاض الجنہ میں آئیں اور سید الاتقیاء والابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی یعنی محراب النبیؐ کے دائیں جانب تحیۃ المسجد کے دو نفل ادا کریں۔ اس میں قرات طویل نہ ہو بلکہ پہلی رکعت میں قل یاایھا الکافرون اور دوسری میں سورۃ اخلاص پر اکتفا کریں۔

اگر مصلی شریف میں جگہ نہ مل سکے۔ تو حتی الامکان اس کے قریب کسی جگہ پڑھ لیں۔ اگر جماعت کا وقت قریب ہو۔ تو تحیۃ المسجد کے نفل چھوڑ دیں۔ تحیۃ المسجد سے فارغ ہو کر رب ذوالجلال کا شکریہ ادا کریں۔ جس نے اس نعمت غیر مترقبہ سے مشرف فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی، نعمت خداوندی اور مقصود دارین کے لئے دعا کریں۔ اور اس بات پر یقین محکم رکھیں کہ اس دربار سے کوئی طالب صادق اور فقیر سائل محروم اور نہی دست نہیں لوٹتا ہے[1]

مسجد نبوی شریف اور ہر ایک مسجد میں داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

اے اللہ میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اور جب باہر نکلیں تو یہ دعا پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ[2] الٰہی میں تجھ سے تیرے فضل کا طلبگار ہوں۔

---

[1] خذا القلوب ۲۳۱، ۲۳۲

[2] مسلم شریف ج ۱: ۲۴۸ بکتاب صلوۃ المسافرین نسائی شریف ج ۱: ۷۵

Marfat.com

سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے وقت درود وسلام کے بعد یہ دعا پڑھتے۔

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

میرے رب میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

اسی طرح جب مسجد سے باہر تشریف لے جاتے تو درود سلام کے بعد اس طرح دعا پڑھتے

رَبِّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ وَفْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ فَضْلِکَ[1]

میرے رب میرے گناہ معاف فرمادے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔

مسجد نبوی شریف میں دھیمی آواز سے بات کریں۔ آواز اونچی نہ ہونے پائے غیر ضروری اور دنیوی باتوں سے کامل پرہیز کریں۔

سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ کہ میں ایک دن مسجد میں سو رہا تھا کہ کسی نے کنکر مار کر جگا دیا۔ دیکھتا کیا ہوں کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اشارہ سے فرما رہے ہیں کہ ان دو آدمیوں کو جو مسجد میں شور وغل کر رہے ہیں میرے پاس لے آؤ۔ میں نے تعمیل ارشاد میں انہیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے باشندے ہیں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے رہنے والے ہوتے تو اپنے کئے کی ضرور سزا پاتے، تم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مبارک میں اس طرح بلند آواز سے باتیں کر رہے ہو۔ میں تمہیں محض مسافر ہونے کی وجہ سے معاف کر دیا ہے[2]

---

[1] ترمذی شریف ج ۱ : ۷۱

[2] بخاری شریف ج ۱ : ۶۷

Marfat.com

مسجد نبوی شریف میں جتنا وقت گذاریں ذکر و فکر، عبادت، ریاضت، تلاوت اور صلوٰۃ و سلام میں مصروف رہیں۔ وہاں فرض نماز کے بعد افضل ترین عبادت سید الاتقیاء والابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں ہدیہ صلوٰۃ و سلام پیش کرنا ہے اس حاضری کو غنیمت سمجھیں وقت کی قدر کریں، لغو اور بے ہودہ باتوں سے پرہیز کریں۔ نماز باجماعت کا سختی سے اہتمام کریں اور کوئی بدبودار چیز کھا کر یا لے کر مسجد نبوی میں نہ جائیں۔

مسجد نبوی شریف کے غایت احترام کا تقاضا تو یہ ہے کہ جوتا بھی اندر لے کر نہ جائیں بلکہ دروازوں کے باہر رکھی ہوئی الماریوں میں رکھیں۔ اس شاہی دربار کی تعظیم و توقیر میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جائے۔ فرض نماز صفِ اول میں ادا کرنے کی کوشش کریں۔ اور نوافل حتی المقدور ریاض الجنہ میں پڑھیں۔ عموماً دیکھنے میں آیا ہے کہ سحری کے وقت جب دروازے کھلتے ہیں تو لوگ جگہ حاصل کرنے کے لئے خوب دوڑ لگاتے ہیں۔ حالانکہ یہ حرکت انتہائی نازیبا اور آداب مسجد کے بالکل خلاف ہے۔ اس سے گریز کریں۔ یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ مسجد نبوی کا اطلاق صرف اُسی حصہ پر نہیں ہوتا جو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تعمیر فرمائی تھی بلکہ مسجد کی مستقل اور عارضی تمام عمارت پر مسجد نبوی شریف کا اطلاق ہوتا ہے۔ فضائل و برکات اور اجر و ثواب کے اعتبار سے ساری مسجد یکساں ہے اگر ہجوم کی وجہ سے مسجد شریف کے اندر نماز پڑھنے کے لئے جگہ نہ مل سکے۔ تو ایسی صورت میں باہر پڑھی جانے والی نماز بھی کامل اجر و ثواب کی حامل ہے۔ البتہ بلا عذر اور غفلت کی وجہ سے باہر نماز نہیں پڑھنی چاہیے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میری اس مسجد کو اگر صنعاء (یمن) تک وسیع کر دیا جائے۔ تو پھر بھی یہ میری ہی مسجد ہے[1]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ذی شان ہے

اگر مسجد نبوی شریف کو ذوالحلیفہ تک وسیع کر دیا جائے تب بھی وہ مسجد نبوی ہی

---

[1] کنز العمال ج ۱۲ : ۲۳۷

Marfat.com

کہلائے گی۔ اور اس کی منقبت وعظمت برقرار رہے گی[1]

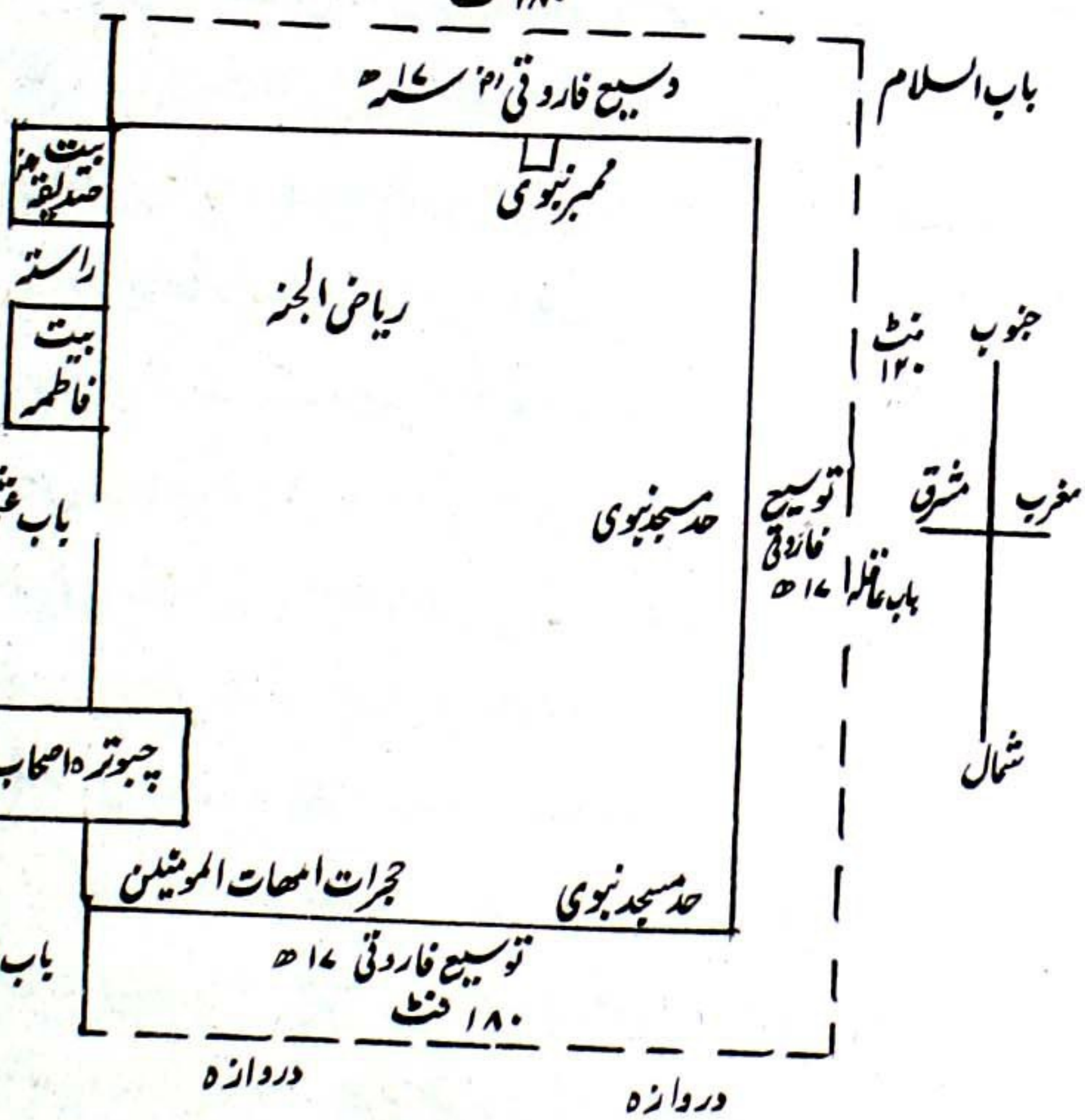

سیدنا عمرؓ کی ۱۷ھ میں تعمیر و توسیع مسجد نبوی

جنوب میں ۱۵ فٹ مغرب میں ۳۰ فٹ اور شمال میں ۴۵ فٹ اضافہ کیا۔

الوفاج ۱ : ۳۴۹

آپ نے تین نئے دروازے بنوائے جن کے باعث کل چھ دروازے ہو گئے۔

الوفاج ۱ : ۴۹۵

---

[1] کنز العمال ج ۱۲ : ۲۳۷

Marfat.com

تعمیر فاروقیؓ

شاہ کونین، رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم اسی مثیلِ عریش موسویؑ میں خالقِ کون و مکاں کے حضور بصد عجز و انکساری سربسجود ہو کر حقِ عبدیت ادا فرماتے رہے جس کی نادر الوجود اور بے مثال سادگی آپ کی تسکین و طمانیت قلبی کو دوبالا کرتی تھی، آپ کے سفرِ آخرت فرما جانے کے بعد خلیفہ اوّل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی شریف کو اپنے حال پر برقرار رکھا۔ چند ستونوں کی تبدیلی کے سوا کوئی قابلِ ذکر خدمت انجام نہیں دی۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد کے ستون کھجور کے تنے کے اور چھت کھجور کی شاخوں سے بنی ہوئی تھی۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف بوسیدہ ستونوں اور شاخوں کو تبدیل کرنے پر اکتفا فرمایا۔[1]

خلافت صدیقیؓ کے بعد جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلعتِ خلافت سے نوازا گیا تو آپ نے مسلمانوں کی روز افزوں کثرت کے پیش نظر مسجد نبوی شریف کی توسیع

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب فی بناء المساجد ج ۱ : ۴۷

Marfat.com

ضروری سمجھی جیسا کہ سیدنا نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میں نے اپنے آقا اور مولا حبیب کُل ختم رُسل صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد نہ سنا ہوتا کہ "مناسب ہے کہ ہم مسجد میں کچھ توسیع کریں تو اضافہ کرنے کی جرأت نہ کرتا[1]

امام ابن نجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء حضرت مسلم بن خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روا بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اپنی جائے نماز پر بیٹھے ہوئے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

لوزدنا فی مسجدنا[2]

اگر ہم مسجد میں اضافہ کر دیتے (تو کیسا اچھا ہوتا)

۱۷ھ/۶۳۸ء میں نمازیوں کی بہتات کے باعث سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ ع سے یہ تقاضا کیا جانے لگا۔ کہ مسجد تنگ اور چھوٹی ہے اسے کشادہ اور وسیع کرنا چاہیے آپ نے مسجد کے مغرب، شمال اور جنوب کی طرف توسیع کا پروگرام بنایا لیکن مشرق کی جا امہات المومنین کے حجرات منیفہ کے باعث اضافہ نہ کیا۔ سیدنا حضرت نافع رضی اللہ تعا بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے رحمت عالم صلی اللہ ع کے مبارک زمانہ میں مسجد شریف کی دیواریں کچی اینٹوں کی، چھت کھجور کی ٹہنیوں کی اور س کھجور کے تنے کے تھے، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس میں کوئی اضافہ نہیں البتہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ بھی کیا اور تجدید بھی فرمائی، اور اسے بنیادوں پر استوار کیا، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھیں۔ انہوں نے دیواریں کچی اینٹ اور چھت کھجور کی ٹہنیوں کی بنوائی۔ لیکن ستون کھجور کے تنوں کی بجائے

---

[1] مسند احمد بحوالہ حیات الصحابہ [2] اخبار المدینہ : ۹۳

Marfat.com

کے بنوائے۔

بعدازاں سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد میں عظیم الشان اضافہ کیا۔ دیواریں منقش پتھروں اور گچ سے بنوائیں، ستون منقش پتھروں کے اور چھت ساگوان کی لکڑی کی بنوائی۔[1]

مذکورہ روایت کے اس جملہ "وزاد فیہ عمرو بناہ علی بنیانہ" اور زیادہ کیا مسجد کو حضرت عمر نے اور بنی علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کیا۔ کی تشریح علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی سادگی اور ہیت کو برقرار رکھتے ہوئے صرف توسیعی کی خدمت انجام دی[2]

اور عمدۃ المحدثین علامہ خلیل احمد مھاجر مدنی المتوفی ۱۳۴۷ھ فرماتے ہیں۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کو قبلہ کی جانب کشادہ کیا لیکن دیواروں اور چھت کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے مطابق کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں ہی سے بنوایا۔[3]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد کی تنگی کے باعث لوگوں نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے اسے کشادہ کرنے کی تجویز پیش کی۔ چنانچہ انہوں نے توسیع کا کام شروع کر دیا۔ شمال اور جنوب میں حسب پروگرام توسیع کر دی۔ لیکن مشرق میں امہات المومنینؓ کے حجرات طیبات اور مغرب میں سیدنا عباس عم رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کے باعث کام میں تعطل پیدا ہوا۔ اس مشکل سے عہدہ برا ہونے کی غرض سے خلیفہ موصوف سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بتایا کہ مسجد کے توسیعی پروگرام میں ایک طرف امہات المومنین کے مکانات اور دوسری سمت آپ کا مکان رکاوٹ کا موجب ہے۔ میں اُمہات المومنین کے مکانات کو منہدم کرنے کی

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۶۴، ابوداؤد ج ۱: ۴۷ [2] فتح الباری کتاب الصلوۃ، باب بنیانِ المسجد ج ۱: ۵۴۰

[3] بذل المجہود ج ۱: ۲۶۱

Marfat.com

جسارت تو نہیں کر سکتا. البتہ آپ کے مکان کے متعلق تین تجاویز پیش کرتا ہوں آپ ان میں سے جو چاہیں قبول فرمالیں.

(۱) آپ مکان میرے ہاتھ فروخت فرمادیں آپ کی منہ مانگی قیمت بیت المال سے ادا کر دی جائے گی.

(۲) مکان کے عوض مدینہ باسکینہ میں جو جگہ آپ پسند فرمائیں گے. وہ دے دی جائے گی.

(۳) آپ اپنا مکان مسلمانوں کے لئے وقف فرمادیں.

سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اس قضیے کو سلجھانے کے لئے کسی کو حکم بنا لیا جائے. تو بہتر ہوگا. چنانچہ فریقین نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم تسلیم کر کے انکے سامنے معاملہ پیش کیا. موصوف نے فریقین کے بیانات سن کر فرمایا. میں تمہیں اسی نوعیت کا ایک واقع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کی روشنی میں سناتا ہوں.

رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل وعلیٰ شانہ نے سیدنا داؤد علیہ السلام کو بیت المقدس کی تعمیر کا حکم دیا. انہوں نے حسب ارشاد خداوندی تعمیر کا کام شروع کر دیا. اتفاق سے تعمیر کے مجوزہ حصہ کے ایک گوشہ میں کسی آدمی کا مکان پڑتا تھا. سیدنا داؤد علیہ السلام نے اسے کہا کہ مکان کا معاوضہ ہم سے لے لیں. تاکہ ہم بیت المقدس کی تعمیر بحسن و خوبی کر سکیں. مگر اس نے انکار کر دیا. آپ نے زیادہ سے زیادہ قیمت کی پیش کش فرمائی. مگر وہ پھر بھی مکان دینے پر آمادہ نہ ہوا.

سیدنا داؤد علیہ السلام نے سوچا کہ یہ اللہ کا بندہ خواہ مخواہ اڑ گیا ہے کیوں نہ ہم زبردستی مکان منہدم کر کے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیں. لیکن اس کے فوراً بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام تشریف فرما ہوئے. اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا. کہ ہم نے بیت المقدس کی تعمیر کا حکم اس غرض سے دیا تھا کہ لوگ اس میں عبادت کریں گے. لیکن آپ نے حقوق العباد کا خیال نہ کرتے ہوئے لوگوں کے مکان غصب کر کے عبادت گاہ بنانے لگے ہیں. حالانکہ کسی کا حق

Marfat.com

غضب کرنا میری شایانِ شان نہیں۔

اندریں حالات آپ تعمیرِ بیت المقدس بند کر دیں۔ جب یہ اندیشیں حکم ملا تو داؤد علیہ السلام نے بارگاہ خداوند قدوس میں استدعا کی کہ پروردگار میں تو اس سعادت سے محروم رہا۔ لیکن میری اولاد میں سے کسی کو توفیق مرحمت فرما کہ وہ اس مقدس گھر کی تعمیر کر سکے۔ اللہ رب العزت نے آپ کی اس دعا کو شرف قبولیت سے نوازا اور سیدنا سلیمان علیہ السلام کے ہاتھوں بیت المقدس کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچائی۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ واقع سنا۔ تو وہ اپنے مطالبہ سے دست کش ہو گئے۔ لیکن سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفۃ المسلمین کے خلوص کے پیش نظر از خود برضا و رغبت اپنا مکان ان کے حوالے کر دیا۔ جسے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منہدم کر کے مسجد کشادہ فرما دی[1]

قبل ازیں سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کا ایک اور واقع بھی پیش آیا تھا۔ کہ اس کے پرنالہ کا پانی مسجد میں گرتا تھا۔ جس سے نمازیوں کو اذیت پہنچتی تھی۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے اکھاڑ دیا تھا۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مذکورہ میزاب کا پانی راستہ میں گرتا تھا ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جمعہ کے دن مسجد میں تشریف لا رہے تھے کہ اس کا پانی پڑنے سے ان کے کپڑے خراب ہو گئے تھے۔ جس کی وجہ سے اسے اکھاڑ دینے کا حکم دیا۔

سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار فاروقی میں تشریف لائے اور اس واقعہ پر نالش کی نیز فرمایا کہ یہ پرنالہ سرور کونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے کندھوں پر کھڑے ہو کر اپنے دستِ اطہر سے اس جگہ نصب فرمایا تھا اے عمرؓ آپ نے اسے اکھاڑ پھینکا

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱، ۳۴۲ تا ۳۴۶

Marfat.com

ہے یہ سنتے ہی خلیفۃ المسلمین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے اے ابوالفضلؓ عم رسول مقبول آپ میری پیٹھ کو سیڑھی بنائیں اور اس پر کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ سے پرنالہ اسی جگہ نصب کر دیجیے تاکہ میری غلطی کی تلافی ہو جائے۔ چنانچہ اسی ترکیب سے سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرنالہ اپنی جگہ دوبارہ لگا دیا۔[1]

علامہ سمھودی ہر دو روایات میں اس طرح تطبیق دیتے ہیں۔

کہ سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے دو حصے تھے۔ ایک ان کے زیر تصرف اور دوسرا مروان بن الحکم کے پاس تھا۔ دونوں کے الگ الگ پرنالے تھے ایک کا پانی مسجد میں اور دوسرے کا راستہ میں گرتا تھا۔ جبکہ مذکورہ واقعہ دونوں کا پیش آیا تھا۔[2]

علاوہ ازیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان جو سیدنا عباسؓ کے مکان سے متصل تھا اس کا نصف حصہ ایک لاکھ درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کر دیا تھا۔ جبکہ اس کا بقیہ نصف سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں خرید کر مسجد کی توسیع فرمائی۔[3]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ نے مسجد شریف کی تین اطراف میں جو توسیع فرمائی اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ مغرب کی سمت منبر شریف سے ساتویں ستون تک، جنوب میں ستون کی موجودہ صف تک، جبکہ شمال میں ازواج مطہرات کے حجرات کو قائم رکھتے ہوئے ان کے گرداگرد توسیع کر دی اور حجرات ان کے درمیان آ گئے۔ لیکن مشرق میں حجرہ منیفہ تقدس برقرار رکھتے ہوئے اضافہ نہیں کیا۔

امام ابن نجار، امام زین الدین مراغی اور امام سمھودی وغیرہ مورخین اس بات پر متفق

---

[1] ایضاً ۳۴۷، ۳۴۸

[2] وفاء الوفا ج ۱: ۳۴۸

[3] اخبار مدینہ ۹۶

Marfat.com

ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافہ توسیع کے بعد مسجد نبوی شریف کا طول ۱۴۰ ذراع اور عرض ۱۲۰ ذرائع ہوگیا تھا۔[1]

علامہ سمھودی اس کی تفصیل اس طرح بیان کرتے ہیں.

مغرب کی جانب بیس ذراع جنوب میں دس اور شمال کی طرف سات ذراع کا اضافہ کیا ہے۔[2]

علامہ سمھودی کے نزدیک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کا حدود اربعہ ۱۰۰ × ۷۰ ذرائع تھا۔ بنا بریں حضرت عمرؓ نے طول میں ۷۰ ذراع اور عرض میں ۲۰ ذراع کا اضافہ کیا. جبکہ صحیح یہ ہے کہ آپ نے طول میں جنوب کی طرف ۱۰ ذراع اور شمال میں ۳۰ ذراع اور عرض میں مغرب کی سمت ۲۰ ذراع کی توسیع فرمائی. علامہ عبدالقدوس انصاری اس طرح تفصیل بیان کرتے ہیں مغرب میں ۱۰ میٹر، جنوب میں ۵ میٹر اور شمال میں ۱۵ میٹر کا اضافہ کیا۔[3]

علاوہ ازیں آپ نے چھت کو زمین سے گیارہ ذراع اونچا کر دیا۔[4] اور چھت کے اوپر تین ذراع بلند دیوار بنوائی. قد آدم تک بنیادیں پتھر کی بنوائیں. چھ دروازے بنائے، مشرق میں باب عثمان کے علاوہ باب النساء مغرب میں باب عاتکہ کے قریب ہی باب السلام کا اضافہ کیا. اور دو دروازے شمال میں بنوائے۔[5]

سیدنا ابن مسعود الثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تجویز پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وادی عقیق سے سنگ ریزے لاکر مسجد میں ڈالنے کا حکم دیا۔[6]

---

[1] اخبار المدینہ: ۹۴، معالم دار الہجرت، ۴۶؛ وفاء الوفاء ۱: ۳۵۰

[2] وفاء الوفاء ۱: ۳۵۸ [3] آثار المدینہ: ۱۰۴

[4] وفاء الوفاء ۱: ۳۴۹ [5] ایضاً: ۳۹۵

[6] اخبار المدینہ ۹۶

Marfat.com

بطیحا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد نبوی شریف کے تقدس اور عظمت کے تحفظ کی خاطر ایک جدت یہ بھی کی، کہ مقام صفہ کے قریب مشرق میں ایک چبوترا بنوا دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ جسے شعر پڑھنا ہو۔ یا کوئی دنیوی گفتگو کرنی ہو تو مسجد سے نکل کر وہاں چلا جائے۔ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض لوگ مسجد میں بلند آواز سے دنیوی گفتگو کرتے اور بعض شعر پڑھتے ہوئے پائے گئے۔ جنہیں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تنبیہہ فرمائی تھی۔ یہ کون نہیں جانتا کہ مسجد دربار الٰہی اور جلوہ گاہ رحمت ہے پھر ایسے مقدس اور متبرک دربار میں دنیا کی باتیں کس قدر نامناسب، نازیبا، عقل و خرد سے بعید اور بیحد مذموم جسارت ہے۔

آپ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ مسجد کے اندر دنیوی اور غیر اسلامی گفتگو سے پوری طرح اجتناب کیا جائے۔ کیونکہ اس سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس معاملہ میں بے حد حساس اور سخت گیر تھے وہ مسجد کی معمولی سی بے حرمتی کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ آپ نے ایک مرتبہ کسی کی بلند آواز سنی۔ تو تیزی سے اس کے قریب ہو کر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ تم کہاں کھڑے ہو[1] مسجد نبوی شریف میں اونچی آواز سے باتیں کرنے پر آپ نے دو آدمیوں کو سخت تنبیہہ کی تھی:

سیدنا سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف میں شعر پڑھ رہے ہیں، آپ نے ان کی طرف تیز نظر سے دیکھا۔ حضرت حسانؓ کہنے لگے آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں۔ میں تو مولائے کل ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں مسجد کے اند

---

[1] سنن نسائی شریف بحوالہ اسلام میں نظام مساجد: ۱۸۵

Marfat.com

شعر سنایا کرتا تھا۔ اس مجلس میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تشریف فرما تھے۔ چنانچہ سیدنا حسانؓ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا آپ نے بھی امام الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وحی ترجمان سے میرے حق یہ تعریفی جملہ سنا ہوگا۔

اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ

اے اللہ تو جبرئیل آمین کے ذریعہ حسان کی مدد فرما۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تصدیق و توثیق کرتے ہوئے کہا

اَللّٰھُمَّ نَعَمْ[1]

البتہ بوقت ضرورت حمد باری تعالیٰ، نعتِ رسول مقبولؐ اور اسلام کی حقانیت و صداقت پر مشتمل اشعار احترام مسجد کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھنا جائز بھی ہیں۔ جیسا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مسجد میں ایک منبر بنوایا تاکہ اس پر کھڑے ہو کر کفار کی ہجو میں شعر پڑھیں۔ اور محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر یہ الفاظ جاری ہوتے تھے

اِنَّ اللّٰہَ یُؤَیِّدُ حَسَّانَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ[2]

مسجد نبوی شریف میں توسیع اور اضافہ کا لامتناہی سلسلہ جس کا آغاز خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیا تھا اور جسے سیدنا فاروقؓ نے دوہرا کر اس حقیقت کو واضح کر دیا۔ کہ مسجد نبوی میں خواہ کتنی ہی توسیع کر دی جائے۔ اور اس کی حدود کو جتنا بھی پھیلا دیا جائے۔ اس تمام تر عمارت پر مسجد نبوی ہی کا اطلاق ہوگا۔ آپ کے دستِ مبارک سے تعمیر شدہ مسجد کا حصہ اور بعد میں توسیع کردہ عمارت فضائل و مناقب، برکات و درجات اور اجر و ثواب کے اعتبار سے بالکل یکساں اور مساوی ہے بلکہ آپ کے ارشادات مستقبل میں ہونے والی توسیع کی برملا نشاندہی

---

[1] بخاری شریف: ج ۱: ۶۴، ۶۵ مسلم شریف: ج ۲: ۳۰۰

[2] ترمذی شریف ابواب الاداب باب فی انشاد الشعر ج ۲: ۱۱۱

Marfat.com

کرتے ہیں. گویا کہ مسجد شریف میں توسیع اور اضافہ کی اجازت کا پروانہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی مرحمت فرما چکے تھے. چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا. اگر میری اس مسجد کو صنعاء (یمن) تک وسیع کر دیا جائے. تب بھی یہ میری ہی مسجد رہے گی۔[1] اس پر حضرت ابوہریرہؓ فرماتے تھے کہ اگر مسجد نبوی میرے دروازہ تک کشادہ ہو جائے تو مجھے دروازہ کے پاس ہی نماز پڑھنے میں کوئی عذر مانع نہیں ہو سکتا.

ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. یہ میری مسجد ہے اور اس میں جو اضافہ کیا جائے گا وہ بھی اسی کے حکم میں ہو گا. اور [illegible] سے صنعاء تک وسیع کر دیا جائے تو بھی میری ہی مسجد رہے گی.[2]

سید الکونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ہی فرمانین کی روشنی میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اگر مسجد نبوی شریف کو ذوالحُلَیفہ تک وسیع کر دیا جائے تب بھی یہ مسجد نبوی ہی کہلائے گی. اس کی منقبت اور رفعت شان برقرار رہے گی.[3]

تعمیر فاروقی کی خصوصیات

- پہلے مسجد شریف کا طول و عرض ۱۰۰ × ۱۰۰ ذراع تھا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافہ سے ۱۴۰ × ۱۲۰ ذراع ہو گیا.
- قبل ازیں مسجد کا رقبہ ۲۴۷۵ مربع میٹر تھا. جبکہ سیدنا فاروق اعظم نے ۱۱۰۰ مربع میٹر کا اضافہ کیا. جس کے بعد مسجد کا مجموعی رقبہ ۳۵۷۵ مربع میٹر ہو گیا.

---

[1] اخبار مدینہ ۹۴ وفاء الوفاء ج ۱ : ۳۵۲ [2] ایضاً

[3] وفاء الوفاء ج ۱ : ۳۵۲

Marfat.com

★ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسجد میں چھت تقریباً ۹ فٹ اونچی تھی۔ آپ نے اسے ۱۱ ذرائع اونچا کر دیا (تقریباً ۱۵½ فٹ)

★ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ستون کھجور کے تنوں کے بنائے تھے۔ حضرت فاروقؓ نے لکڑی کے بنوا دیئے۔

★ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تین دروازے رکھے تھے۔ جبکہ لوگوں کی سہولت کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے تین دروازوں کا اضافہ کر کے چھ دروازے کر دیئے۔

★ دینوی گفتگو اور شعر گوئی کے لئے مسجد کے ایک گوشے میں علیحدہ جگہ بنا دی :: تاکہ مسجد کا تقدس برقرار رہے۔

Marfat.com

Marfat.com

توسیع عثمانیؓ

اقلیم شہادت کے تاجدار سیدنا عثمان باعتبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کشور کشا دور کا جب آغاز ہوا۔ اور فتوحات اسلامی کا غیر متناہی سلسلہ جس کا تابناک سہرا تاریخ نے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر سجایا، اب وہ ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو چکا تھا۔ شمع رسالت کے پروانے، عشق نبوی کے دیوانے حجرہ مقدسہ مطہرہ کے دیدار کے شوق میں بینا یانہ دربار رسالت مآب میں حاضر ہوتے اور بالخصوص جمعۃ المبارک کو مسلمانوں کے کا عظیم الشان اجتماع ہوتا۔ لیکن مسجد نبوی شریف اپنی وسعتوں کے باوجود دیوان گان مصطفویؐ کو اپنے دامن میں سما لینے سے قاصر تھی۔ زائرین حجرہ مطہرہ کا اصرار اور حالات کا تقاضا تھا۔ کہ مسجد نبوی شریف کا دامن اور بھی وسیع ہو اور اس کی تنگی دامن کو لامحدود وسعتوں سے ہمکنار کیا جائے۔ چنانچہ حالات کی نزاکت اور مسلمانوں کے پیہم اصرار کے باعث خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مقدس اور عظیم المرتبت کام کی انجام دہی کے لئے آمادہ ہو گئے اور مسجد نبوی شریف کے بایانِ شان تجدید، توسیع اور تزئین کا عزم مصمم فرمالیا۔

احادیث و آثار میں عہد نبویؐ اور عہد فاروقیؓ کی تعمیر کی کیفیت اور عثمانیؓ تجدید کی نوعیت اس طرح اُجاگر کیا گیا ہے۔ سیدنا نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن

Marfat.com

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مسعود میں مسجد شریف کی دیواریں کچی اینٹوں کی، چھت کھجور کی ٹہنیوں کی اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے۔ آپ کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی اضافہ نہیں فرمایا۔ البتہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی ہیت اور کیفیت کو برقرار رکھتے ہوئے اس طرح اضافہ کیا۔ کہ عہدِ نبوی ہی کی طرح کچی دیواریں اور کھجور کی ٹہنیوں کی چھت بنوائی۔ البتہ کھجور کے تنے کی بجائے لکڑی کے ستون بنوائے۔ بعدازاں سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قابل قدر اضافہ اور عظیم الشان تبدیلیاں کیں۔ انہوں نے منقش پتھروں اور گچ سے مضبوط اور مزین دیواریں بنوائیں۔ ستون بھی منقش پتھروں سے دیدہ زیب بنوائے اور چھت ساگوان کی لکڑی کی بنوائی۔ [1]

ابو داؤد شریف کی روایت میں یہ بھی ہے۔ کہ کھجور کے ستون بوسیدہ ہو گئے تھے اس لئے سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پختہ بنوا دیئے۔ [2]

سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد شریف کی تجدید اور توسیع کا پروگرام بنایا تو لوگوں کو یہ بات پسند نہ آئی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یادگار مسجد کو تعمیر کے نئے قالب میں تبدیل کر دیا جائے۔ اس پر خلیفۃ المسلمین رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیر مساجد سے متعلق فضائل سے روشناس کیا۔ کہ جس آدمی نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے مسجد تعمیر کی، تو اللہ جل جلالہ، اس کے لئے جنت میں ایسا ہی محل بنائیں گے۔ [3]

امام بغوی فرماتے ہیں صحابہ نے مسجد کی وسعت اور اضافہ پر ناپسندیدگی کا اظہار

---

[1] بخاری شریف ج ۱ : ۶۴ ابوداؤد شریف ج ۱ : ۴۷

[2] ابوداؤد شریف ج ۱ : ۴۷ [3] مسلم شریف ج ۱ : ۲۰۱

Marfat.com

کیا تھا۔ بلکہ انہیں منقش پتھروں کی جدت سے اختلاف تھا۔[1]

مورخین عظام کا بیان ہے کہ ۲۴ھ/ ۶۴۵ء میں جب امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندِ خلافت پر رونق افروز ہوئے، تو لوگوں نے شکایت کی کہ مسجد نبوی شریف تنگ ہونے کی وجہ سے جمعہ کے دن لوگوں کو مسجد میں جگہ نہیں ملتی اور وہ باہر میدانوں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اس لئے مسجد کشادہ کرنی چاہیے۔ خلیفہ موصوف نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دانشور اور اہل الرائے حضرات کا اجلاس طلب فرمایا انہیں صورت حال اور مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کر کے مشورہ طلب کیا۔ تمام حضرات نے تعمیر نو اور توسیع کرنے پر اتفاق کیا۔

کابینہ کے فیصلہ کے بعد رائے عامہ معلوم کرنے کی غرض سے آپ نماز ظہر کے بعد منبر پر رونق افروز ہوئے اور خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا، اے لوگو! میں نے مسجد نبوی شریف کو منہدم کرنے اور توسیع کے ساتھ اسے تعمیر کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ میں اس ارشاد نبویؐ پر گواہ ہوں، جو میں نے خود آپؐ کو فرماتے سنا تھا۔ کہ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے مسجد تعمیر کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں محل عطا فرمائیں گے اور تعمیر مسجد کی خدمت انجام دینے میں میرے پیش رو مجھ سے سبقت لے گئے، یعنی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر جدید اور اضافہ بھی کیا۔ علاوہ ازیں میں نے "شوریٰ" سے منظوری بھی حاصل کر لی ہے۔ مسجد کی تجدید اور توسیع پر سب کا اتفاق ہے آپ کی اس تقریر دلپذیر سے لوگوں کے دلوں سے شبہات کا غبار زائل ہو گیا۔ اور اس مقدس کام کی انجام دہی کے لئے سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو متفقہ طور پر انچارج بنا دیا گیا۔

اگلے روز معمار بلا کر کام شروع کرا دیا۔ اور خلیفۃ المسلمین بنفس نفیس کام میں تعاون و نگرانی کرنے لگے۔ آپ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے (یعنی ہمیشہ روزہ رکھنے اور راتیں عبادت میں بسر کرنے والے تھے) آپ کام کی نگرانی کی خاطر ہر وقت مسجد میں موجود رہتے۔

[1] فتح الباری ج ۱: ۵۴۴

Marfat.com

چونکہ اب کی بار دیواریں مٹی گارے کی بجائے چونہ سے مضبوط تعمیر کرنے کا پروگرام تھا اس لے
بطن نخلہ میں چونا تیار کرنے کا حکم صادر فرمایا۔[1]

امام ابن شبہ نے حضرت مالک سے سیدنا کعب اخبار کی روایت اس طرح بیا
کی ہے کہ جب سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالی عنہ نے مسجد نبوی شریف کی تعمیر
شروع کر دی۔ تو اسے دیکھ کر حضرت کعب کہتے کاش یہ تعمیر مکمل نہ ہونے پائے۔ اگر اس
کی ایک سمت مکمل ہو جائے تو دوسری گر جائے، تاکہ اس کی تعمیر کا سلسلہ جاری ہی رہے
لوگوں کے لیے یہ بات بڑی تعجب انگیز تھی، انہوں نے دریافت کیا کہ ابو اسحاق آپ
ایسا کیوں کہتے ہیں؟ جبکہ خود آپ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہم سے
بیان کی ہے۔ "اس مسجد میں ایک نماز دوسری کسی بھی مسجد میں پڑھی جانے والی ہزار نماز
سے افضل ہے سوا کعبۃ اللہ کے"۔

سیدنا کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا یہ بات بالکل درست ہے اور میں اب
اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ لیکن جو فکر مجھے کھائے جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ انتہائی اندوہناک
فتنہ آسمان سے نازل ہونے والا ہے، جو بالکل تیار ہے، اس کے اور زمین کے درمیان
صرف ایک بالشت فاصلہ باقی ہے۔ لیکن اس کا اظہار تعمیر مسجد تک موقوف ہے جس
وقت یہ عمارت پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گی تو پھر اس کے ظہور میں دیر نہیں لگی۔

لوگوں کو تشویش لاحق ہوئی اور وہ حضرت کعبؓ کے درپے ہو گئے کہ آپ اس
کی حقیقت سے ہمیں جلد اور ضرور آگاہ کریں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ سیدنا عثمان ذی النورین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا المناک فتنہ ہے۔ ایک آدمی نے دریافت کیا۔ کیا اس
سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح قتل کر دیا جائے گا؟ حضرت کعبؓ نے جب

---

[1] اخبار مدینۃ: ۹۷، وفا الوفا ج ۱: ۳۵۵،

Marfat.com

دیا کہ اس کی ہولناکی اور سنگینی اس سے لاکھوں گنا زیادہ ہو گی۔ ان کی شہادت کے بعد عدن سے روم تک ہر جگہ قتل کا بازار گرم ہو جائے گا۔ حضرت مالک بیان کرتے ہیں۔ کہ تعمیر کی تکمیل کے ساتھ ہی ہر سو فتنہ بپا ہو گیا۔ اور بالآخر امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جام شہادت نوش کیا[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء نے بھی اختصار کے ساتھ یہ روایت بیان کی ہے[2]

"تاریخ کے وقائع میں یہ واقع انتہا درجہ فرسا، دل دوز و جاں سوز اور کربناک ہے۔ کہ خلیفہ عادل اقلیم شہادت کے تاجدار سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو انتہائی مظلومیت اور بے کسی کے عالم میں شہید کر دیا گیا۔ ظالم بلوائیوں نے ذی النورین رضؓ کی شمعِ حیات بجھا دی۔ اس جگر فگار موت پر عالمِ امکان بھی ماتم کدہ بن گیا۔ کائنات ارضی و سمادی نے خونِ ناحق پر آنسو کی ندیاں بہا دیں۔ کارکنانِ قضاو قدر نے پکار کر کہا جو خون آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے، اب یہ قیامت کی صبح تک بے نیام ہی رہے گی۔ اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے یہ حشر تک کھلا رہے گا"[3]

خلیفہ عادل امام مظلوم سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی تجدید، تزئین اور توسیع کا عظیم الشان کام ابتداء ربیع الاوّل ۲۹ھ/ ۶۴۹ء کو شروع کیا اور محرم الحرام ۳۰ھ/ ۶۵۰ء کے ابتداء میں دس ماہ کی جد و جہد اور محنت شاقہ سے پایہ تکمیل کو پہنچا اس طرح اپنی شہادت کے پانچ سال قبل اس یادگار خدمت کی انجام دہی سے عہدہ برآ ہو چکے تھے جبکہ آپ کی شہادت کا المناک سانحہ ۳۵ھ/ ۶۵۶ء میں رونما ہوا[4]

---

[1] وفاالوفا ج ۱: ۳۵۷

[2] فتح الباری ج ۱: ۵۴۵

[3] بخاری شریف کتاب الفتن ملخصاً

[4] اخبار مدینہ: ۹۷، وفاالوفا ج ۱: ۳۵۶،

Marfat.com

اضافہ عثمانی رضی اللہ عنہ

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شمال، جنوب اور مغرب میں توسیع کی۔ مشرق میں حسب سابق ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ مقدسہ جو کہ آرام گاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم ہے کی وجہ سے توسیع نہ کی۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مسجد کے مغرب میں واقع سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کا نصف حصہ خلیفہ ثانی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کر دیا تھا۔ اس مکان کا بقیہ نصف خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم کے عوض خرید کر مسجد میں شامل کیا۔[1]

اسی سمت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ ذی شان مکان بھی واقع تھا جس کے دروازے کے متعلق رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دروازہ کے علاوہ مسجد کی جانب جتنے دروازے ہیں انہیں بند کر دیا جائے۔"[2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ کہ فخر کون و مکان، سرور زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے آخری ایام میں حجرہ مطہرہ سے برآمد ہوئے، تکلیف کی شدت کے باعث سر مبارک پر کپڑے کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور خطبہ مسنونہ کے بعد فرمایا۔

"کوئی شخص ابوبکر بن ابو قحافہ سے زیادہ جان و مال کے ساتھ مجھ پر احسان کرنے والا نہیں ہے۔

ولو کنت متخذا من الناس خلیلا لاتخذت ابابکر خلیلا ولکن خلۃ الاسلام

اور اگر میں انسانوں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو خلیل بناتا۔ لیکن اسلامی دوستی افضل ہے۔

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۳۶۰

[2] بخاری شریف ج ۱: ۶۷، ۵۱۶، ۵۵۲،

Marfat.com

اور وہ تمام کھڑکیاں جو مسجد کی طرف کھلتی ہیں انہیں بند کر دو، لیکن ابوبکرؓ کی کھڑکی بند نہ کی جائے بلے

ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ میں اپنے مکان میں مسجد کی جانب روشندان بنالوں تاکہ آپ کی تشریف آوری پر آپ کے دیدار پُر انوار سے لطف اندوز ہوسکوں، مگر آپ نے ان کی درخواست مسترد فرمادی۔

اس پر حضرت عمرؓ عرض گذار ہوئے کہ اپنے دوست ابوبکرؓ کو بڑی فراخ دلی سے اجازت عطا فرمادی ہے جبکہ ہمیں محروم فرمارہے ہیں، آپؐ نے ارشاد فرمایا، ابوبکرؓ کو میں نے اپنی مرضی سے نہیں بلکہ حکم خداوندی سے اجازت دی ہے۔ مجھے اجازت دینے یا نہ دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے بہ

حضرت عاصم بن عدی سے روایت ہے کہ سیدنا عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے حبیب! آپ نے کچھ لوگوں کو مسجد کی طرف دروازے کھولنے کی اجازت دے رکھی ہے اور بعض کے دروازے بند کرنے کا حکم دیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عباسؓ: نہ میں نے اپنے حکم سے کھلے رہنے کی اجازت دی اور نہ ہی بند کرائے ہیں بلکہ یہ سب کچھ حکم خداوندی سے ہی کیا گیا ہے سے

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوا دوسرے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن علماء کرام فرماتے ہیں یہ واقع بہت پہلے کا ہے۔ جبکہ آپ نے وصال سے صرف چند یوم پہلے صرف حضرت ابوبکرؓ کا دروازہ کھلے رہنے کی اجازت دی تھی ہے

لے صحیح بخاری ج ۱: ۶۷، ۵۱۶ صحیح مسلم ج ۲: ۲۷۲ ۲ے وفاالوفا ج ۱: ۳۵۰

۳ے طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۳۲ وفاالوفا ج ۱: ۳۴۰ ۴ے زرقانی ج ۱: ۲۵۲ وفاالوفا ج ۱: ۳۳۸

Marfat.com

اور علامہ بدر الدین عینی رقمطراز ہیں کہ امام ترمذی نے "قال سدوا الابواب الا باب علی" والی روایت کو غریب قرار دیا ہے۔ امام بخاری فرماتے وہی حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں باب ابوبکرؓ کھلے رہنے کا فرمان ہے۔ امام حاکم نے اس روایت کے ایک راوی مسکین بن بکیر کو منفرد کہا ہے۔ جبکہ ابن عساکر کہتے ہیں کہ یہ راوی کا محض وہم ہے[1]۔ یہ واقع سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت اور برتری کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے۔

لیکن سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حیات مستعار کے آخری ایام میں بعض ضرورتوں اور مجبوریوں کے پیش نظر مذکورہ مکان ام المومنین سیدہ حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھ چار ہزار درہم میں فروخت کر کے وہ ساری رقم اپنے ہاں آئی ہوئی مسلمانوں کے کی ایک جماعت پر خرچ کر دی تھی۔

بعد ازاں جب سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تعمیر مسجد کی خدمت انجام دے رہے تھے تو سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں گذارش کی۔ کہ آپ یہ مکان ہمیں دے دیں۔ تاکہ مسجد کی توسیع بحسن و خوبی ہو جائے۔ ہم اس کے عوض اس سے کشادہ اور وسیع مکان آپ کو دے دیں گے۔ چنانچہ سیدہ حفصہؓ نے خوشی کے ساتھ مکان تبدیل کر لیا۔ اور انہیں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے حد کشادہ حویلی دے دی گئی[2]۔

مذکورہ مکان باب السلام اور باب الرحمۃ کے درمیان واقع تھا، موجودہ تعمیر مسجد میں وہ جگہ دروازہ سے کافی اندر واقع ہے، جس کی نشاندہی کے لئے ایک تختی آویزاں تھی جس پر جلی حرفوں میں یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

هذه خوخة ابوبكر الصديق رضي الله عنه

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکا

---

[1] عمدۃ القاری ج ۴: ۲۴۵

[2] فتح الباری ج ۷: ۱۴ وفاء الوفاء ج ۱: ۳۵۰، ۳۶۰

Marfat.com

کا بقیہ حصہ بھی خرید کر مسجد میں شامل فرما دیا[1]

امام عادل موصوف نے مسجد کی دیواریں منقش پتھروں سے مضبوط بنوائیں۔ جن میں مٹی گارے کی جگہ چونا استعمال کیا۔ چھت ساگوان کی خوبصورت بنائی۔ اور ستون منقش پتھروں کے بنوائے جن میں لوہے اور سیسہ کے راڈ رکھے گئے۔ ستونوں کے لئے پتھروں کی تراش خراش اور ڈیزائن بنانے کی خدمت سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انجام دی ستونوں کی بلندی سابقہ کھجور کے ستونوں کے برابر تھی۔ اور مسجد میں چونا کی سفیدی بھی کرائی۔ نیز مشرق اور مغرب میں دو کھڑکیاں بھی رکھی تھیں۔ آپ نے شمال کی طرف ۵۰ ذراع اضافہ کیا۔ جنوب میں موجودہ دیوار تک اور مغرب میں صرف ستونوں کی ایک صف کا اضافہ کیا[2]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر شریف سے مغرب کی جانب ساتویں ستون تک اضافہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے ستونوں کی دو صفیں بڑھا دی تھیں۔ جبکہ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مزید ایک صف کا اضافہ کیا۔ جس کی انتہا آٹھواں ستون ہے پھر ان کے بعد مغرب کی جانب ولید بن عبد الملک نے دو ستونوں کا اضافہ کیا۔ جس کے بعد آج تک مغرب میں اضافہ نہیں ہوا[3]

حضور سرور کونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ منیفہ کی جالی شریف سے مسجد کی مغربی دیوار تک ستونوں کی کل ۱۳ صفیں ہیں۔ جالی شریف اور منبر شریف کے درمیان چار ستون ہیں۔ جبکہ منبر شریف سے مغرب میں پانچ ستونوں تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کردہ مسجد کی آخری حد ہے۔ اور ان ستونوں کے اوپر یہ الفاظ لکھے

---

[1] اخبار مدینہ ۹۸ وفاء الوفا ج ۱ : ۳۶۰ [2] اخبار مدینہ : ۹۷ معالم دار الہجرۃ ۴۸

[3] وفاء الوفا ج ۱: ۳۵۸

Marfat.com

ہوئے ہیں۔

"حَدَّ المسجد النبوی"

اس طرح منبر شریف سے مغرب میں پانچویں ستون کے بعد سے ساتویں ستون تک دو صفوں کا اضافہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا اور ساتویں سے آٹھویں تک سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اور ان کے بعد موجودہ مغربی دیوار تک ولید بن عبدالملک کا اضافہ ہے البتہ نئی توسیع کے لئے سعودی حکومت مصروف کار ہے۔

امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر جدید میں حسب سابق چھ دروازے بحال رکھے۔ مشرق میں باب النبیؐ جسے باب جبرئیل کہا جاتا ہے اور باب النساء مغرب میں باب مردان جسے باب السلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور باب عاتکہ جسے باب الرحمۃ بھی کہا جاتا ہے۔ جبکہ دو دروازے شمال کی جانب بھی تھے،[1] مگر ان کے نام مذکور نہیں۔

تعمیر جدید اور اضافہ و توسیع کے بعد مسجد شریف کا طول و عرض کتنا ہو گیا تھا۔ اس کے متعلق علامہ ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء اور امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء لکھتے ہیں۔

طول ۱۶۰ ذراع (یعنی ۲۴۰ فٹ) اور عرض ۱۵۰ ذراع[2] (یعنی ۲۲۵ فٹ) امام ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے[3]

حالانکہ امام ابن النجار نے توسیع فاروقی کے بعد طول ۱۴۰ ذراع بیان کیا اور توسیع عثمانی میں ۵۰ ذراع کا اضافہ بھی تحریر کیا ہے[4]۔ جس کے مطابق ۱۹۰ ذراع ہونا چاہیئے۔

---

[1] اخبار مدینہ: ۹۸، معالم دار الہجرہ ۴۷ و فاء الوفاء ج ۱: ۳۵۹، [2] اخبار مدینہ: ۹۸، معالم دار الہجرہ: ۴۷

[3] البدایہ والنہایہ: ج ۷: ۱۵۳ [4] اخبار مدینہ ۹۴ و ۹۷

Marfat.com

یونہی امام المراغیؒ بھی اضافہ فاروقی کے بعد طول ۱۴۰ ذراع اور عرض ۱۲۰ ذراع بیان کرتے ہیں اور عثمانیؓ اضافہ کے بعد ۱۶۰ ذراع اور ۱۵۰ ذراع تحریر کیا ہے[1]

امام سمھودی المتوفی ۹۱۱ھ نے حسب دستور طویل جرح و قدح کے باوجود کوئی فیصلہ کن چیز پیش نہیں کی۔ البتہ ۱۶۰ ذراع طول ہی صحیح قرار دیا ہے۔ بعد کے مورخین نے بھی یہی طول و عرض بیان کیا ہے۔

امام کے لئے مقصورہ

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء اور امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء وغیرہ کا بیان ہے۔ کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اندھوگیں شہادت کے واقعہ کے بعد سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام کے کھڑا ہونے کے لئے کچی اینٹوں سے ایک مقصورہ بنایا اور اس میں ایک دریچہ رکھا تاکہ امام کو مقتدی دیکھ سکیں۔ خلیفہ موصوف بھی اسی میں کھڑے ہو کر فریضہ امامت انجام دیتے تھے[2]

لیکن امام سمھودی نے مقصورہ کی اولیں تعمیر کے متعلق متعدد اقوال نقل کئے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں۔

عبدالحکیم بن عبداللہ بن حنظب سے روایت ہے کہ مروان بن الحکم پہلا شخص ہے جس نے مسجد میں امام کے لئے منقش پتھروں سے مقصورہ بنوایا۔ اور مالک کی روایت میں ہے کہ جب یمانی نے مروان پر نیزہ سے حملہ کیا تو اس کے بعد انہوں نے مقصورہ بنوالیا تھا۔

جبکہ امام نووی فرماتے ہیں کہ سیدنا امیر معاویہؓ پر جب ایک خارجی نے حملہ کیا۔ تو انہوں نے مسجد میں مقصورہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ بہرحال یہ مقصورہ ۶۵۴ھ/۱۲۶۵ء میں مسجد نبوی شریف میں پہلی آتش زدگی میں جل گیا تھا[3]

---

[1] معالم دارالھجرہ: ۴۶، ۴۷

[2] اخبار مدینہ: ۹۷ معالم دارالھجرہ: ۴۸

[3] وفاالوفا ج ۱: ۳۶۲، ۳۶۳

Marfat.com

تعمیر عثمانیؓ کی خصوصیات

- اضافہ فاروقیؓ میں مسجد کا طول و عرض ۱۴۰×۱۲۰ ذراع تھا جبکہ عثمانی اضافہ کے مطابق ۱۶۰×۱۵۰ ذراع ہوگیا
- قبل ازیں مسجد کا رقبہ ۳۵۷۵ مربع میٹر تھا، سیدنا عثمانؓ نے ۴۹۶ مربع میٹر اضافہ کیا جس سے مجموعہ رقبہ ۴۰۷۱ مربع میٹر ہوگیا۔
- سیدنا عثمانؓ نے تمام دیواریں منقش پتھروں کی چونے سے بنوائیں۔
- سیدنا عثمانؓ نے ستون لکڑی کی بجائے منقش پتھروں کے بنوائے اور ان کے بیچوں بیچ لوہا اور سیسہ رکھا۔
- مسجد کی چھت کھجور کی شاخوں کی بجائے عمدہ اور مضبوط ساگوان کی بنوائی۔
- مسجد کو پہلی بار چونا کرایا۔
- حسب سابق چھ دروازے رکھے۔
- امام کی حفاظت کے لیے مقصورہ تعمیر کرایا۔

ولید بن عبدالملک کی تجدید و اضافہ

خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعمیر و توسیع کے بعد خلیفہ رابع سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعد ازاں سیدنا معاویہؓ، یزید بن معاویہ، مروان بن عبدالحکم اور عبدالملک بن مروان میں سے کسی نے بھی مسجد نبوی شریف کی تجدید یا توسیع کی خدمت انجام نہیں دی۔ جب ولید بن عبدالملک کا عہد خلافت شروع ہوا۔ تو موصوف نے ربیع الاول ۸۷ھ/۷۰۵ھ ہشام بن اسماعیل مخزومی کو امارت مدینہ سے سبکدوش کر کے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کو امارت کا عہدہ تفویض کیا۔ جبکہ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔[1]

[1] تاریخ طبری اردو ج ۵: ۴۲۷

Marfat.com

۸۸ھ/۷۰۶ء خلیفہ ولید بن عبدالملک نے امیر مدینہ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے نام فرمان جاری کیا کہ مسجد نبوی شریف کی تجدید، توسیع اور آرائش وزیبائش کا کام شروع کر دیں۔ مسجد کے ملحقہ تمام مکانات خرید کر مسجد کشادہ کریں۔ اگر کوئی شخص مکان دینے سے انکاری ہو۔ تو معززین شہر سے اس کی قیمت کا صحیح اندازہ لگا کر اسے نقد ادا کر دیں اور جو آدمی معاوضہ لینے سے بھی انکار کرے۔ تو وہ رقم فقراء میں تقسیم کر دیں۔ اور مکان جبراً لے لیا جائے، اس معاملہ میں سیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان ذی شان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عمل سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں ازواج مطہرات کے حجرے بھی منہدم کر کے وہ جگہ مسجد میں شامل کر لیں لے

اکثر حضرات نے اپنے مکانات بلا جبر و اکراہ مناسب معاوضہ وصول کر کے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کے حوالے کر دیئے۔

البتہ سیدنا عبیداللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ام المومنین سیدہ حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مقدسہ فروخت کرنے سے انکار کیا۔ کیونکہ سرور کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے مدتوں سکونت سے اسے رونق بخشی تھی۔ مگر عمر بن عبدالعزیز حکم شاہی کی بنا پر اسے چھوڑ نہیں سکتے تھے اس لئے اس طرح مفاہمت ہوئی کہ مکان والی جگہ مسجد کا دروازہ بنا دیا جائے۔ جس سے موصوف کے خاندان کو مسجد میں آمد و رفت کی سہولت میسر ہو۔ اور مکان کا جتنا حصہ توسیع سے بچ جائے وہ ان کی ملکیت رہے مزید براں یہ کہ متاثرہ حصہ کے عوض دار لعتیق بھی دیا جائے گا ۲ے

لے البدایہ والنہایہ ج ۹: ۷۴، معالم دارالھجرہ: ۴۹

۲ے اخبار مدینہ: ۹۹

Marfat.com

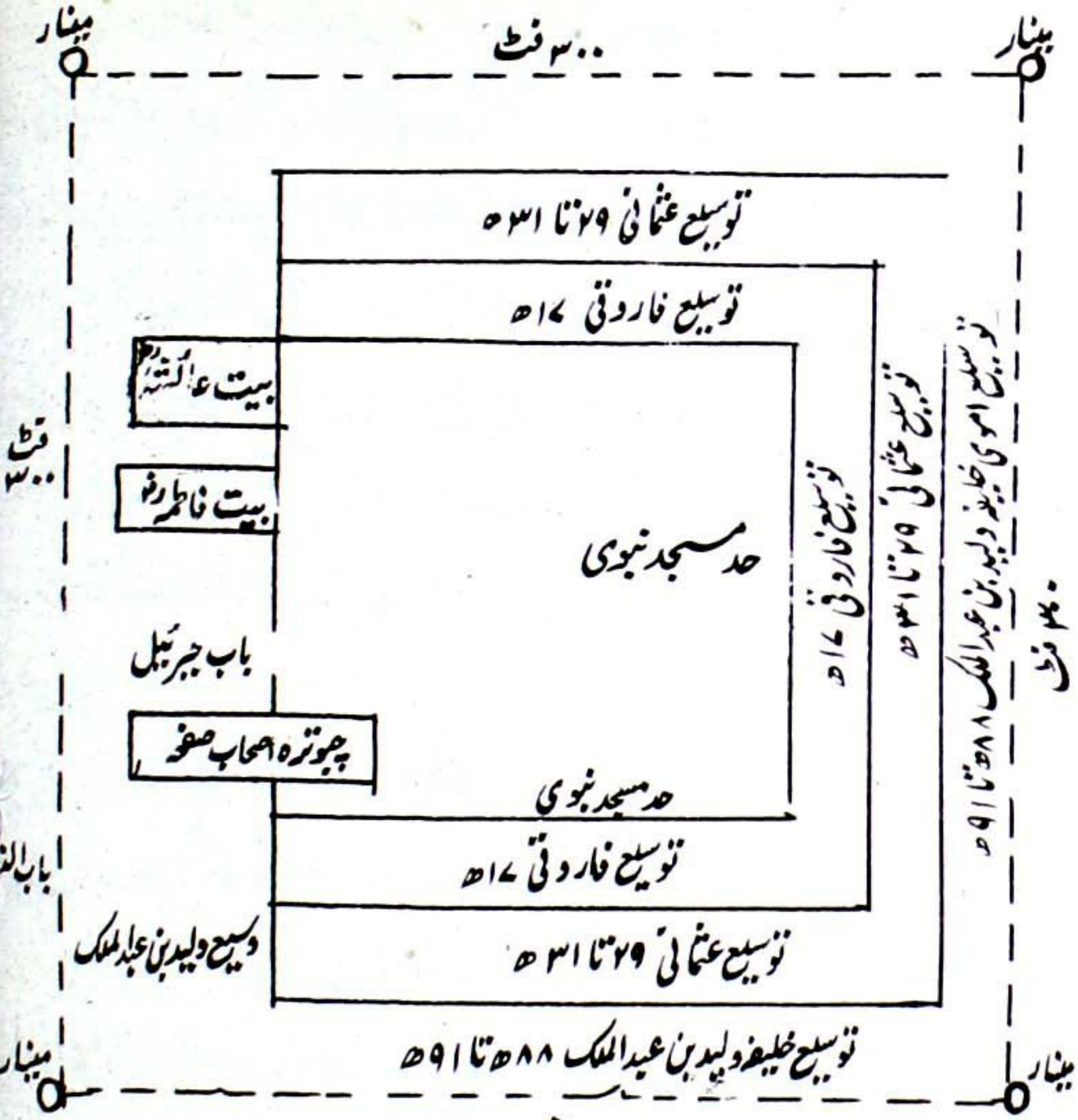

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے حکم سے ۸۸ھ/تا ۹۱ھ مسجد نبوی شریف کی مشرق، مغرب اور شمال کی جانب توسیع کی۔

پہلی مرتبہ مسجد نبوی کی محراب تعمیر کرائی اور چاروں کونوں پہ مینار بنوائے۔

اہالیانِ مدینہ باسکینہ نے ایک عظیم مقصد کی خاطر اپنے مکانات کا نذرانہ پیش کر دیا۔ جس پر انہیں نہ تو بے گھر ہونے کا قلق تھا۔ اور نہ ہی تعمیرِ نو کی صعوبتوں سے رنجیدہ خاطر تھے۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ خلیفہ نے ازواج مطہرات کے حجرات طاہرات کے انہدام کا حکم بھی دیا ہے۔ تو وہ لوگ اس جگر فگار خبر سے دھاڑیں مار کر رونے لگے انہیں یہ کب گوارا تھا کہ جن مقدس مکانات کو سراجِ منیر صلی اللہ علیہ وسلم نے برسوں اپنی سکونت

Marfat.com

سے رونق بخشی ان کا وجود ہی معدوم کر دیا جائے۔ وہ اس المیہ کو نہ صرف اپنے لئے بلکہ پوری امت کے لئے ناقابل تلافی نقصان سمجھتے تھے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ جہاں شاہی فرامین میں لچک کا عنصر معدوم ہوتا ہے وہاں وقتی اور شخصی مصلحتوں کو مذہبی اور ملی عظیم تر مقاصد پر قربان کرنے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ چنانچہ ان متبرک حجروں کو مسجد میں تبدیل کرنے سے ایک ایسے عظیم المرتبت صدقہ نے جنم لیا۔ جس کے فیوضات سے ازواج مطہرات تا ابد مستفیض ہوتی رہیں گی۔ ہم اس سلسلہ سے متعلق ان مسلمانوں کے احساسات اور تاثرات تاریخ کے آئینہ میں دیکھتے ہیں۔

امام حافظ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/۱۳۷۳ء رقمطراز ہیں۔

امام ابن جریر بیان کرتے ہیں۔ کہ ربیع الاول ۸۸ھ/۷۰۷ء میں ولید بن عبدالملک نے عمر بن عبدالعزیز کے نام فرمان جاری کیا کہ مسجد نبوی شریف کو شہید کر کے ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجرے شامل کریں۔ اور ہر طرف سے اضافہ کریں تاکہ اس کا رقبہ ۲۰۰ × ۲۰۰ ذراع ہو جائے۔ جو شخص خوشی سے مکان بیچ دے اسے قیمت ادا کر کے خرید لیں اور جو خوش اسلوبی سے نہ دے معززین سے اس کی قیمت طے کرا کے اس کے حوالے کر دیں۔ بسیدنا فاروق اعظم اور سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا رہنما اصول آپ کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے دس جید فقہا کرام، معززین اور اہالیان شہر کو جمع کر کے خلیفہ کا فرمان پڑھ کر سنایا۔ یہ اندوہناک خبر سن کر وہ سخت رنجیدہ اور پریشان ہوئے اور کہنے لگے۔ اے افسوس یہ لوگ امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سادہ و بے نمود حجروں کو اسی حال میں چھوڑ دیتے تاکہ بعد میں آنے والی نسلیں انہیں دیکھ کر عبرت حاصل کرتیں۔ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی میں کس قدر سادگی کے ساتھ زندگی بسر فرما گئے ہیں۔ یہ حجرے جن کی دیواریں کچی اینٹوں کی، چھتیں کھجور کی ٹہنیوں کی اور

Marfat.com

وہ بھی بہت نیچی اور دروازوں پہ ٹاٹ کے پردے لٹکے ہوتے ہیں۔

اگر انہیں اسی حالت میں قائم رکھا جاتا تو حجاج، زائرین اور مسافران سادہ رہائش کو دیکھ کر دنیا کی زیب وزینت سے متنفر ہوتے اور ضرورت سے زائد مکان بنانے پر دولت صرف نہ کرتے۔

لیکن جب حجرے منہدم کرنے کی کارروائی شروع کی گئی۔ تو اہالیان مدینہ کی رقت انگیز اور کربناک حالت قابل دیدنی تھی۔ ان کی آہ وفغاں اور چیخ وپکار سے دل دھل جاتے تھے۔ ہر آدمی آشک بار اور جگر فگار تھا۔ نالہ وفریاد اور غم والم سے یوں محسوس ہوتا کہ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا آج یوم الوصال ہے۔[1]

حضرت عطار کہتے ہیں جب لوگوں کو معلوم ہوا۔ امہات المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے حجرے بھی منہدم کر کے مسجد میں شامل کر لئے جائیں گے۔ تو ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی اور میں نے اس دن سے زیادہ کبھی لوگوں کو روتے نہیں دیکھا۔[2]

حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں۔ افسوس کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجروں کو نہ رکھا جاتا اور بعد میں آنے والے مسلمان جو مکانات ومحلات بنانے میں بیجا اسراف کریں گے۔ وہ شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی کچی کوٹھڑوں کو دیکھ کر عبرت حاصل کرتے۔

سیدہ فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا حجرہ مقدسہ جو اس وقت ان کی اولاد کے زیر تصرف تھا۔ منہدم کر کے مسجد میں شامل کر لیا گیا۔ اسی طرح شمال کی جانب سیدنا بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین حویلیاں جنہیں "دار القرائن" کہا جاتا تھا۔ سیدنا بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دار القراء اور سیدنا ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص کے کئی مکانات

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۹ : ۷۴، ۷۵

[2] معالم دار الہجرہ : ۵۰

[3] ایضاً

Marfat.com

اور مغرب کی سمت سیدنا طلحہ بن عبیداللہ، ابی سبرہ بن ابی رُھم، سیدنا عمار بن یاسر اور سیدنا عباس بن عبدالمطلب کے بعض مکانات بھی شامل کر لئے گئے لے

صالح بن کیسان بیان کرتے ہیں کہ صفر المظفر ۸۸ھ / ۷۰۶ء میں مسجد نبوی شریف کے گرانے کا کام شروع ہوا۔ اسی اثنار میں ولید بن عبدالملک نے مسجد نبوی شریف کی مثالی اور قابل قدر تعمیر و توسیع کے لئے قیصر روم سے امداد طلب کی۔ تعمیر مسجد کے عظیم الشان منصوبہ سے موصوف کو آگاہ کیا کہ قدیم عمارت کے انہدام اور تعمیر جدید کے اخراجات کا پورا کرنا ہماری بساط سے باہر ہے۔ لہٰذا آپ بھی اس لافانی صدقہ جاریہ میں حصہ لیں۔

چنانچہ قیصر روم نے بڑی فراخ دلی اور فیاضی کے ساتھ ایک لاکھ مثال سونا جس کا وزن اگیارہ من سے کچھ زائد بنتا ہے) ایک سو ماہر کاریگر، نفیس اور منقش پتھروں سے لدے ہوئے چالیس اونٹ اور قدیم مسمار شدہ شہروں اور قصبوں سے مینا کاری کئے ہوئے بہت سے پتھر ولید کے پاس بھیج دیئے ۲

امام زرین کی روایت کے مطابق شاہ روم کے امدادی سامان کی تفصیل اس طرح ہے

چالیس ماہرین فنِ تعمیر قبطی، بڑی تعداد میں فُسَیْفِسَاء (جواہرات کے ٹکڑوں سے مینا کاری کئے ہوئے پتھر) قندیلیں لٹکانے کے لئے کثیر تعداد میں چاندی کی زنجیریں اور اسی ہزار مثقال سونا ۳ (پچھتر ہزار تولہ)

حضرت صالح بن کیسان بیان کرتے ہیں، سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے مسجد شریف کے انہدام اور تعمیر کے کام کا مجھے نگران مقرر فرمایا۔

لے وفاالوفا، ج ۱، ۳۶۶، ۳۶۷

۲ے تاریخ طبری اردو اج ۵ : ۴۳۶، تاریخ ابن خلدون اردو اج ۲ : ۲۴۳

۳ے اخبار مدینہ ۹۸، دارالھجرہ، ۴۹

Marfat.com

بنا بریں مسجد شہید کرنے کے لئے مزدور اور کاریگر اہالیان مدینہ منورہ سے لئے گئے۔ یہ کام صفر المظفر ۸۸ھ / ۷۰۶ء میں شروع ہوا۔ سب سے پہلے ازواج مطہرات کے مکانات گرائے گئے۔ اسی دوران شاہ روم کے بھیجے ہوئے کاریگر وغیرہ پہنچ گئے۔ جنہوں نے محنت، جاں فشانی اور پوری لگن سے کام شروع کر دیا۔[1]

امام ابن زبالہ نے انہدام کی تاریخ ۹۱ھ / ۷۰۹ء بیان کی ہے جبکہ تعمیر تین سال تک جاری رہی، اور دوسری روایت کے مطابق کام کی ابتداء ۸۸ھ / ۷۰۶ء میں اور تکمیل ۹۱ھ / ۷۰۹ء میں ہوئی۔[2]

امام عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ / ۱۳۷۳ء رقمطراز ہیں۔

کہ تعمیر مسجد کے لیے جب مشرقی دیوار کی بنیادیں کھودی جا رہی تھیں۔ تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں سے پاؤں نظر آئے۔ جنہیں دیکھ کر لوگ پریشان ہوئے کہ کہیں یہ پاؤں مبارک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہوں۔ مگر تحقیق و تجسس سے معلوم ہوا کہ یہ پاؤں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں۔[3]

قدمین شریفین کے ظاہر ہونے کا تفصیلی واقع گنبد خضرا کے ضمن میں "مزارات طاہرہ کی ترتیب" کے عنوان سے بیان کیا جائے گا۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے مسجد شریف کی بنیادیں پتھروں کی بنوائیں۔ دیواریں تراشے منقش پتھروں کی چونے سے کھڑی کیں۔ ستون پتھر کے بنوائے جن میں لوہا اور سیسہ بھرا ہوا تھا۔ دیواروں پر جواہرات اور مرمر کے ٹکڑوں سے جاذب نظر اور دلربا مینا کاری کرائی۔ انہیں لگانے کے لئے خاص قسم کا مصالحہ بنوایا۔ چھت ساگوان کی بنوا کر سونے

---

[1] تاریخ طبری اردو ج ۵ : ۳۶۴

[2] البدایہ والنہایہ ج ۹ : ۵۰۷

[3] معالم دار الہجرہ : ۵۱،

Marfat.com

نقش و نگار کرایا۔

جو کاری گر دیواروں پر بیل بوٹے بنانے میں فن کی نفاست کا جتنا عمدہ مظاہرہ کرتا۔ سیدنا عمر فرطِ مسرت میں اسے یومیہ مزدوری کے علاوہ تیس درہم انعام عطا فرماتے

سیدنا عمر بن عبدالعزیز جب قبلہ والی دیوار بنوانے لگے تو قریش، انصار، عرب اور دیگر معززین کو بلا لیا کہ ان کی موجودگی میں سنگ بنیاد رکھا جائے تاکہ کسی کے دل میں کوئی شبہ اور وسوسہ پیدا نہ ہونے پائے۔ چونکہ اس سے پہلے مسجد میں محراب کی علامت نہیں تھی اس لئے حضرت عمر نے محراب بھی بنوائی۔ اور منڈھیر پر خوبصورت کنگرے بنوائے۔ اور پرنالے لگوا کے بنوائے۔

علاوہ ازیں عمر بن عبدالعزیز نے دیواروں پر مختلف سورتیں اور آیتیں لکھوائی۔ قبلہ والی دیوار پر باب السلام سے باب جبرئیل تک سورۃ فاتحہ، سورۃ والشمس اور قل اعوذ برب الناس لکھوائی۔ یونہی صحن مسجد کی قبلہ والی دیوار یعنی پیشانی پر خوبصورت اور بیش بہا قیمتی پتھروں کے جڑاؤ سے یہ عبادت کندہ کرائی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، مُحَمَّدٌ عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، اَرْسَلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ، اَمَرَ عَبْدَ اللّٰہِ امیر المومنین بتقویٰ اللّٰہ وطاعتہ والعمل بکتاب اللّٰہ عزوجل، وسنۃ نبیہ محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وبصلتہ الرحم وتعظیم اصغر الجبابرۃ من حق اللّٰہ سبحانہ وتصغیر ما عظموا من الباطل واحیأ ما اماتوا من الحقوق واماتۃ ما احیوا من العدوان والجور وان یطاع اللّٰہ سبحانہ ویعصی العباد فی طاعۃ اللّٰہ فالطاعۃ للّٰہ سبحانہ وله هل طاعتہ۔ لا طاعتہ لاحد فی معصیۃ

لہ اخبار مدینہ: ۱۰۰

Marfat.com

اللہ ۔ید عوا لی کتاب اللہ سبحانہٗ وسنۃ نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم والی العد
فی احکام المسلمین والقسم باسویۃ فی فیہم ووضع الاخماس فی مواضعھا التی ام
سبحانہ بھا لذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل[1]

ولید بن عبدالملک کی تعمیر سے پہلے مسجد کے مینار بنانے کا طریقہ رائج نہیں تھ
ولید ہی نے سب سے پہلے مینار بنانے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسجد کے چاروں کونوں میں مینا
بنا دیئے گئے۔ بعدازاں جب خلیفہ سلیمان بن عبدالملک مناسک حج سے فراغت کے
بعد زیارت مدینہ باسکینہ کو آیا۔ موصوف نے مروان کے مکان میں قیام کیا اس دوران
بادشاہ نے دیکھا کہ مینارہ باب السلام پر موذن کے چڑھنے سے اہل خانہ کی بے پردگی
ہے۔ بنابریں اس نے مینار کو مسجد کی چھت تک گرا دینے کا حکم دیا۔[2]

امام ابن زبالہ نے بقیہ تین میناروں کی بلندی ۶۰ ذرائع بیان کی ہے جبکہ ان
دوسری روایت کے مطابق بلندی کی تفصیل اس طرح ہے۔ جنوب مشرقی اور شمال مش
مینار ۵۵، ۵۵ ذراع اور شمال مغربی مینار ۵۳ ذراع بلند تھے۔ جبکہ ہر ایک مینار کی چ
۸ × ۸ ذراع تھی[3]

سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کو تین اطراف سے کشادہ کیا۔ حجرہ مقدسہ کو شامل کر
لینے کے بعد مشرق سے مغرب تک چھ ستون، شمال کی جانب چودہ ستون، اور مشرق
سات ستونوں کا اضافہ کیا۔[4]

تعمیر مکمل ہوجانے پر رقبہ حسب ذیل تھا۔

شمالاً جنوباً باطول : ۲۰۰ ذراع (۳۰۰ فٹ) شرقاً غرباً عرض قبلہ کی سمت ۲۰۰ ذرا

---

[1] اخبار مدینہ ۱۰۱، ۱۰۲
[2] اخبار مدینہ ۱۰۰
[3] وفا الوفا ج ۱ : ۳۷۳
[4] اخبار مدینہ : ۱۰۰

Marfat.com

(۳۰۰ فٹ) اور شمال کی طرف ۱۸۰ ذراع[1] (۲۷۰ فٹ)

مذکورہ تعمیر میں ایک جدت یہ بھی عمل میں لائی گئی کہ باب السلام کے اندر ستونوں کی پہلی قطار میں ایک چوکور ستون بطور مخصوص علامت کے بنایا گیا۔ جس کی چوکھٹ تقریباً دو فٹ تھی تاکہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اضافہ کی انتہا اور ولید بن عبدالملک کے اضافہ کی ابتداء معلوم ہو سکے۔ مغرب کی جانب بعد میں کسی نے بھی اضافہ نہیں کیا۔[2]

خلیفہ ولید بن عبدالملک کی چاہت کے مطابق سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ایک اور قابل قدر کام یہ بھی کیا کہ پانی کا ایک فوارہ بنوایا جو باب السلام کے سامنے واقع تھا، جب ولید بن عبدالملک نے یہ نظارہ دیکھا تو بیحد مسرور ہوا۔ اور حکم دیا کہ اس کا پانی نمازیوں کے سوا کسی کو استعمال نہ کرنا دیا جائے۔

اس فقید المثال اور نادرہ روزگار تعمیر کی ابتداء ۸۸ھ/۷۰۶ء میں ہوئی اور تین سال کے مختصر سے عرصہ میں تعمیری مراحل طے کر کے ۹۱ھ/۷۰۹ء میں تکمیل پذیر ہوئی۔[3]

جب یہ عالی شان تعمیر مکمل ہو گئی تو ۹۱ھ/۷۰۹ء میں خلیفہ ولید بن عبدالملک فریضہ حج ادا کرنے گیا۔ مناسک حج سے فارغ ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر کی حاضری کے لئے مدینہ کریمہ میں بھی گیا۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ کو تعمیر جدید کی نفاست، تزئین اور نقش و نگار کا نظارہ کرایا۔ خلیفہ نے کام کی عمدگی اور حسن و خوبی پر داد تحسین دی۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جس طرح قبلہ والی دیوار اور حجرہ منیفہ کی چھت انتہائی خوبصورت تزئین اور دیدہ زیب بنائی گئی ہے۔ اس طرح پوری مسجد اور چھت کیوں نہیں بنائی؟

اس پر عمر بن عبدالعزیز عرض پرداز ہوئے۔ عالی مرتبت! آپ کو معلوم ہونا چاہیے

---

[1] اخبار مدینہ ۱۰۰
[2] وفاء الوفاء ج ۱: ۳۵۸
[3] طبری ج ۵
[4] معالم دارالہجرہ: ۵۱

Marfat.com

کہ صرف قبلہ والی دیوار پر پینتالیس ہزار دینار اور مقصورہ شریف کی چھت پر چالیس ہزار دینار خرچ ہوئے ہیں۔ اس قدر بیش بہا مصارف سے بچنے کی خاطر اسی پر اکتفا کیا گیا ہے۔[1]

جنوبی دیوار پر مینا کاری، طلائی نقش و نگار، قرآنی آیات اور اسمار نبوی بخط طغرا نہایت خوش خط مُطلّا لکھے گئے تھے۔ جس پر چالیس ہزار دینار کا غیر معمولی خرچہ ہوا تھا۔[2]

تعمیر ولید کی خصوصیات

✯ اضافہ عثمانی کے باعث مسجد کا طول و عرض
۱۶۰ × ۱۵۰ ذراع ہو گیا لیکن
تقریباً ۲۰۰ × ۲۰۰ ذراع
] ولید بن عبدالملک کی تعمیر و توسیع کے بعد
] پیمائش اس طرح ہے

✯ اس سے پہلے مسجد کا رقبہ ۴۰۷۱ مربع میٹر تھا خلیفہ ولید نے ۲۳۶۹ مربع میٹر اضافہ کیا جس سے مجموعی رقبہ ۶۴۴۰ مربع میٹر ہو گیا۔

✯ ولید نے امہات المومنین کے حجرات مقدسہ کو منہدم کر کے مسجد نبوی کو کشادہ کیا۔

✯ ولید بن عبدالملک پہلا شخص ہے جس نے مسجد کی تزئین میں بیحد مبالغہ کیا۔ دیواریں چھت جواہرات اور آبِ زر کی مینا کاری مرصع کرائے۔

✯ مسجد میں محراب کی ابتداء ولید بن عبدالملک نے کی جبکہ اس سے پہلے مساجد میں محراب نہیں ہوتے تھے۔

✯ خلیفہ موصوف نے مسجد نبوی شریف کی دیواروں پر آیات قرآنی لکھنے کی طرح ڈالی

✯ موصوف نے پہلی مرتبہ مسجد نبوی شریف کے مینار تعمیر کرائے۔

---

[1] اخبار مدینہ : ۱۰۲ [2] آئینہ حرم : ۸۲

Marfat.com

توسیع خلیفہ المہدی عباسی

علماء مورخین کا بیان ہے کہ ولید بن عبدالملک کی توسیع کے بعد عرصہ تک کسی خلیفہ نے مسجد کی تعمیر و توسیع کی خدمت سرانجام نہیں دی۔ یہاں تک کہ ابو جعفر عبداللہ المنصور محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس کو اقتدار حاصل ہوا۔ خلیفہ موصوف کی خدمت میں مدینہ منورہ سے حسن بن زید نے لکھا کہ مسجد نبوی شریف جنوب مشرقی حصہ سے کشادہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ خلیفہ نے جواباً کہا فی الحال توقف کریں۔ مگر اتفاق سے اسی دوران خلیفہ کا انتقال ہو گیا اور وہ کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کر سکا۔ پھر ۱۵۸ھ/۷۷۵ء میں ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ المہدی کو جانشین مقرر کیا گیا۔ خلیفہ موصوف ۱۶۱ھ/۷۷۸ء میں فریضہ حج ادا کرنے کے بعد زیارت مدینہ کریمہ سے شرف بار ہوا۔ وہاں پہنچ کر جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس کو مدینہ منورہ کا گورنر مقرر کیا۔ اور اسے مسجد نبوی شریف کی تعمیر و توسیع کا حکم دیا۔ اور اس مقدس کام میں عبداللہ بن عاصم بن عمر بن عبدالعزیز اور عبدالملک بن شبیب الغسانی کو معاون مقرر کیا۔[1] لیکن ابھی اس عظیم المرتبت کام کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ کہ نوشتہ ازل نے عبداللہ بن عاصم کا پروانہ موت پیش کر دیا۔ خلیفہ نے اس کی جگہ عبداللہ بن موسیٰ الحمصی کے تقرر کا حکم صادر فرمایا۔[2]

چنانچہ ان کی نگرانی میں مسجد کی توسیع کا عظیم الشان کام شروع ہوا۔ مشرق، مغرب اور جنوب میں کوئی اضافہ یا تبدیلی کئے بغیر شمال میں ایک سو ذراع تک اضافہ کیا۔ اس حصہ کو کشادہ کرنے کی خاطر متعدد مکانات خریدے گئے، جن میں دار عبدالرحمن بن عوف جو دار ملیکہ کے نام سے شہرت رکھتا تھا، دار شرحبیل بن حسنہ، بقیہ دار عبداللہ بن مسعود اور دار المسورین

---

[1] لمحات جامعہ مدینہ، ۱۰۳، ۱۰۴

[2] وفاء الوفا ج ۱: ۳۸۰

Marfat.com

محرمہ الزہری شامل ہیں۔

جس طرح سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے مسجد کی پیشانی پر خلیفہ ولید بن عبدالملک کا نام وغیرہ لکھوایا تھا۔ اسی طرح خلیفہ مہدی کی توسیع کی تاریخ اور نام وغیرہ ان الفاظ میں تحریر کیا گیا۔

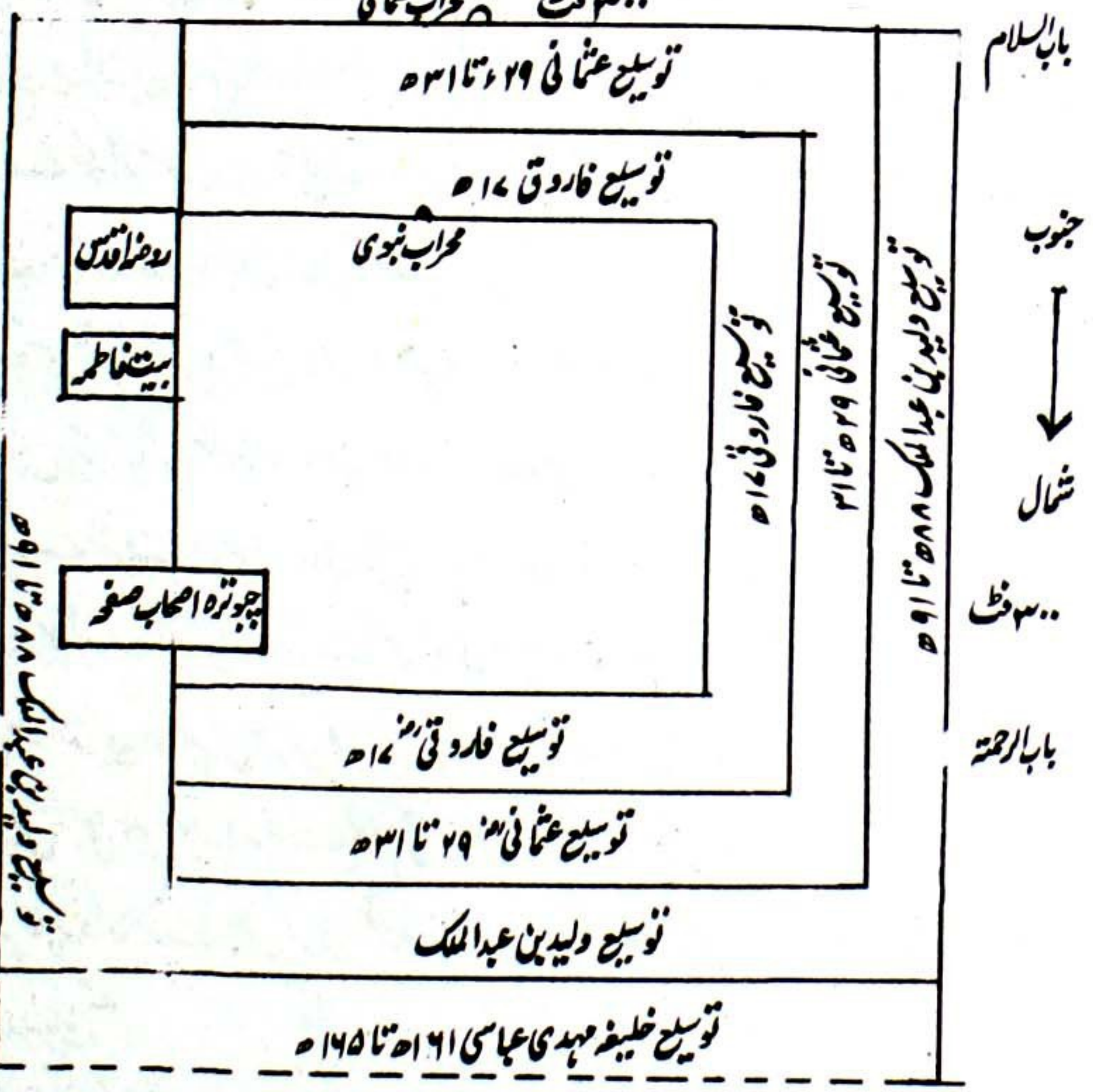

"امر عبدہ اللہ المہدی امیر المومنین اکرمہ اللہ واعز نصرہ بالزیادۃ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحکام عملہ ابتغاء وجہ اللہ عز وجل والدار الاخرۃ الحسن اللہ ثوابہ باحسن الثواب والتوسعۃ لمن صلی فیہ من اھلہ وابنائہ من جمیع المسلمین فاعظم اللہ اجر امیر المومنین فیما نوی من حسنتہ فی ذلک واحسن ثوابہ بسم اللہ الرحمن الرحیم"

علاوہ ازیں سورۃ فاتحہ اور آیت اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ الخ لکھنے کے بعد یہ عبارت لکھوائی

Marfat.com

"وکان مبتدأ امر بہ عبد اللہ المہدی امیر المومنین اکرمہ اللہ من الزیادہ فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی سنتہ اثنین وستین ومائۃ وفرغ منہ سنۃ خمس وستین ومائۃ"[1]

اس عظیم الشان کام کی ابتداء ۱۶۲ھ/۷۷۹ھ میں ہوئی اور ۱۶۵ھ/۷۸۲ء میں بحسن وخوبی پایہ تکمیل کو پہنچا[2]

امام ابن زبالہ کے بیان کے مطابق خلیفہ مہدی نے آل عمر کے مکان کا وہ دروازہ بند کر دیا۔ جو مسجد شریف میں کھلتا تھا۔ اور اس کی جگہ لوہے کی ایک کھڑکی لگادی۔ جس کے لئے مسجد کے اندر تین زینے بھی بنوائے۔ اسی طرح مقصورہ شریف کے فرش کو مسجد شریف کے فرش کے برابر کر دیا[3]

خلیفہ مہدی کی توسیع وتعمیر کے بعد مسجد شریف کے طول میں ۱۰۰ ذراع یعنی ۱۵۰ فٹ کا اضافہ ہوا۔ اور مجموعی طول ۳۰۰ ذراع یعنی ۴۵۰ فٹ ہوگیا۔ قبل ازیں مسجد شریف کا مجموعی رقبہ ۶۴۴۰ مربع میٹر تھا جبکہ خلیفہ موصوف نے ۲۴۵۰ مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ اس طرح مجموعی رقبہ ۸۸۹۰ مربع میٹر ہوگیا۔

مشہور روایات کے مطابق اس کے بعد کسی خلیفہ نے تعمیر یا اضافہ نہیں کیا۔ البتہ امام زین الدین مراغی نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ۲۰۲ھ/۸۱۷ھ میں خلیفہ مامون الرشید نے تعمیر کی خدمت انجام دی ہے جس کی تائید امام سہیلی کے قول سے بھی ہوتی ہے لیکن دیگر مورخین اس کا انکار کرتے ہیں۔ امام مراغی کا کہنا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ خلیفہ موصوف نے صرف تجدید کی ہو اور اضافہ و توسیع نہ کی ہو۔ اس طرح دونوں روایات کی توجیہہ ہوسکتی ہے[4]

---

[1] اخبار المدینہ ۱۰۴ [2] ایضاً
[3] وفاء الوفا ج ۱: ۳۸۲ [4] دار الھجرہ: ۵۴

Marfat.com

خلیفہ موصوف کی توسیع سے پہلے کی جانے والی توسیعات کے باعث مسجد نبوی شریف کا جنوبی حصہ عریض اور مشرق ومغرب کی سمت سے مسجد بیضوی ہوتی گئی اور مذکورہ بالا اضافہ سے شمال میں گولائی اور نمایاں ہوگئی۔

۵۷۶ھ/۱۱۸۰ء میں ملک الناصر لدین اللہ نے مسجد نبوی شریف کے ذخائر اور بعض آثار قدیمہ کی حفاظت کی غرض سے صحن مسجد میں ایک چبوترہ بنانے کا حکم دیا جس کے تیار ہوجانے پر حسب ذیل چیزیں محفوظ کر دی گئیں۔

مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اُونی چادر اور تہبند، یہ دونوں چیزیں وصال کے وقت آپ کے وجود اطہر پر تھیں۔ دیباج کی کناری سے بنا ہوا طیالسی جبہ، مصحف عثمانی، غلاف کعبہ کا ٹکڑا، جائے نماز نبوی، جھنڈے، بعض ہتھیاروں کے دستے اور کئی ایک صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار کی محفوظ شدہ چیزیں ہے

مسجد نبوی میں آتش زدگی

خداوند قدوس کی شانِ بے نیازی انسانی عقل وفہم اور ادراک سے انتہائی بلند و بالا ہے، اللہ جل شانہ نے جن مقدس مقامات کی عزت وعظمت کو بڑھا کر انہیں ہم دوش عرش مجید کر دیا انہیں بھی ایسی ناگہانی آفات سے دوچار کیا۔ جن سے وہ پیوند زمیں ہوکر رہ گئے اسی نوعیت کا دل دوز جاں گداز واقعہ ۶۵۴ء میں پیش آیا جس میں مسجد نبوی شریف جل کر خاکستر ہوگئی۔

یکم رمضان المبارک ۶۵۴ء/۱۲۶۵ھ شب جمعہ کا واقعہ ہے کہ ابوبکر الفراش بن ا[illegible] مسجد میں غربی جانب واقع گدام سے کچھ سامان نکالنے کی غرض سے چراغ لے کر داخل

ہے تاریخ الحرمین للعباس کرارہ : ۱۷۹

Marfat.com

ہوا. اس کی غفلت کے نتیجہ میں چراغ سے سامان کو آگ لگ گئی. (یاچو ہے کے چراغ الٹنے کے باعث آگ بھڑک اٹھی / اور آن واحد میں نہ صرف اس کمرہ میں پھیل گئی. بلکہ پوری مسجد شریف کو اپنی لپیٹ میں لے لیا. خادم موصوف جل کر لقمہ اجل بن گیا مسجد مبارک لکڑی کے ستون جل جانے اور پتھر کے ستون گر جانے کے باعث منہدم ہوگئی اور جل کر راکھ بن گئی. حجرہ منیفہ اور منبر نبوی بھی آگ کے بے رحم شعلوں کی زد سے نہ بچ سکے. البتہ صحن میں واقع چبوترہ بالکل محفوظ رہا. بہت سے قرآن مجید، نادر اور نایاب کتابیں قیمتی اور تاریخی صندوق اور مسجد کی ہر ایک چیز جل گئی تھی [1]

مورخین اور شعراء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شیعہ مسجد نبوی شریف کے تقدس کو پامال کرنے میں بکثرت مصروف تھے۔ ان کے خلاف سنت اعمال اور صحابہ کرام پر سب وشتم کرنے کے باعث مسجد مقدس کے در و دیوار بھی متاثر ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے مسجد کو ان اثرات سے پاک کرنے کی خاطر قدرتی طور پر اس المیہ سے دوچار کر دیا گیا. جیسا کہ علامہ جمال الدین یوسف بن تغری بردی المتوفی ۸۷۴ھ/۱۴۷۰ء نے بعض شعراء کا کلام نقل کیا ہے۔

معین الدین بن تولو المغربی کہتے ہیں.

قل للروافض بالمدینۃ مالکم ۔۔۔ یقتادکم للذم کل سفیہ

ما اصبح الحرم الشریف محرقا ۔۔۔ الا لسبکم الصحابۃ فیہ

ایک اور شاعر یوں گویا ہوتا ہے.

لم یحترق حرم النبی لحادث ۔۔۔ یخشی علیہ ولادھاء العار

لکنھا ایدی الروافض لامست ۔۔۔ ذاک الجناب فطھرتہ النار [2]

[1] معالم دار الھجرۃ: ۶۸۱

[2] النجوم الزاہرۃ فی ملوک المصر والقاہرۃ ج ۷: ۳۶

Marfat.com

علامہ ازرقی المتوفی ۱۱۹۰ھ نے بعض شعراء کے نام اور کلام بیان کرنے کے ساتھ
ساتھ روافض کی غلط کاریوں کی تفصیل بھی ذکر کی ہے[1]

اس جان کاہ حادثہ اور ناقابلِ تلافی نقصان کی اطلاع فوری طور پر خلیفہ المستعصم باللہ
ابی احمد عبداللہ بن المستنصر باللہ کو دی گئی لیکن جنگی مصروفیات کے باعث خلیفہ کا جواب
موصول ہونے میں طویل عرصہ گزر گیا۔ اسی دوران ۶۵۶ھ میں خلیفہ موصوف کو قتل کر دیا گیا بعد ا
الملک المنصور نورالدین علی بن الملک المعز عزالدین أیبک الصالحی المصری اور ملک المظف
شمس الدین یوسف صاحب یمن کی طرف سے تعمیراتی سامان پہنچا اور تعمیر شروع ہوئی الی
باب السلام تک کام ہوا تھا کہ ملک المنصور نورالدین علی کو معزول کر دیا گیا۔ جس کے باعث
کام میں تعطل پیدا ہو گیا۔ اس کی جگہ ملک المظفر سیف الدین قطز المعزی یعنی محمود بن محمد
کو ۶۵۷ھ/ ۱۲۵۹ء عنانِ حکومت سپرد کی گئی۔ ملک موصوف کی والدہ ماجدہ سلطان جلا
خوارزم شاہ کی بہن تھیں

سلطان موصوف کے حکم سے ۶۵۸ھ/ ۱۲۶۰ء میں صرف باب السلام سے باب الرحم
تک تعمیر کا کام ہوا۔ پھر اسی سال الظاہر رکن الدین بیبرس الصالحی المعروف البُندقداری م
کے بادشاہ مقرر ہوئے۔ جن کے عہد حکومت میں باب الرحمت سے شمال میں مسجد
انتہا تک اور مشرق میں باب النساء تک دیواریں مکمل کر کے پوری چھت بنائی گئی
آتش زدگی سے پہلے کی طرح دوہری چھت تھی اغالباً دوہری چھت سے مراد یہ ہے
جنوبی حصہ کی چھت مشرقی اور مغربی چھت کے برابر نہیں تھی بلکہ مشرقی اور مغربی چھت
اونچی تھی۔[2]

اس طرح ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۷ء میں سلطان المستعصم باللہ کے عہد حکومت میں شروع ہ
والی تعمیر ۶۵۸ھ/ ۱۲۵۸ء میں سلطان ظاہر رکن الدین بیبرس کے دور میں مکمل ہوئی۔[2]

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱: ۴۲۹ [2] معالم دار الہجرۃ: ۷۰

Marfat.com

سلطان ظاہر رکن الدین نے مصر سے تر پن[۵۳] کاریگر، لکڑی، لوہا، رصاص اور دیگر تعمیراتی سامان امیر جمال الدین محسن الصالحی کی سربراہی میں بھیجا اور دیگر اخراجات کیلئے نقدی بھی عنایت کی۔[۱]

ملوکِ مصر کی تعمیری خدمات

عرصہ دراز کے بعد ملک الناصر محمد بن الملک المنصور قلاؤون الصالحی کے عہدِ حکومت میں ۷۰۵ھ/۱۳۰۵ء میں مسجد شریف کی چھت کی تجدید ہوئی اور شمالی چھت کی طرز پر مشرقی اور مغربی چھت بنا کر ایک ہی چھت کر دی گئی۔[۲]

۷۲۷ھ/۱۳۲۷ء میں ملک الناصر محمد مذکور نے مسجد کے جنوبی یعنی قبلہ والے حصہ میں دو برآمدوں کے اضافہ کا حکم دیا جو مکمل ہو جانے سے بہت نفع بخش ثابت ہوئے۔

۸۳۱ھ/۱۴۲۷ء میں چھت کمزور ہو جانے کے باعث گرنے کا اندیشہ ہوا۔ تو سلطان الاشرف برسبائی نے ذیقعدہ ۸۳۱ھ میں چھت کی تجدید کرائی۔ یہ عظیم الشان خدمت قرص کے امیر مقبل الدقدیدی کے ہاتھوں انجام پذیر ہوئی ۸۵۳ھ/۱۴۴۹ء میں چھت کمزور ہو جانے کے باعث ملک الظاہر جقمق نے امیر بردبک الناصری المعمار کے ذریعہ اس کی تجدید کرائی۔

۸۷۹ھ/۱۴۷۴ء میں بھی سلطان موصوف نے کچھ ستون اور برآمدوں کی اصلاح، تجدید اور مرمت کی خدمت انجام دی۔ اسی طرح ۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء میں امیر جدہ خواجہ الشمسی شمس الدین ابن الزمن کی نگرانی میں بھی اصلاح و مرمت کا کام انجام دیا گیا۔[۳]

---

[۱] وفاء الوفا ج ۱: ۴۳۲ [۲] معالم دار الہجرۃ: ۱۷ [۳] وفاء الوفا ج ۱: ۴۳۳

Marfat.com

دوسری مرتبہ آتش زدگی کا سانحہ

۱۳ رمضان المبارک ۸۸۶ ہجری کی شب کا واقع ہے کہ مسجد نبوی شریف اپنی بے مثال عظمتوں اور رفعتوں کے باوجود ایک مرتبہ پھر آگ کے بے رحم شعلوں کی نذر ہو گئی۔ ہوا یوں کہ مذکورہ رات کو باد و باراں کی شدت اور کڑک و چمک کا خوفناک سماں بپا تھا۔ اسی اثنا میں رات کے آخری حصہ میں رئیس المؤذنین، صدر المدرسین الشیخ الشمسی شمس الدین محمد بن الخطیب اعلانِ سحری کے لئے منارہ شرقی یمانیہ (یعنی روضۂ منیفہ کے قریب والے) پر چڑھے ہی تھے کہ آسمانی بجلی مینار پر گرنے سے آگ بھڑک اٹھی اور آنِ واحد میں ساری مسجد کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مؤذن موصوف اس حادثہ میں جان بحق ہو گئے۔ امیر مدینہ شیخ زین الدین فیصل الجمازی اور دیگر شہری فوراً مسجد میں پہنچ گئے۔ آگ بجھانے کے لئے بھرپور کوشش کی گئی، لیکن آگ کی شدت کے سامنے ساری تگ و دو بیکار ثابت ہوئی۔ خطۂ ارضی کا یہ مقدس و متبرک مقام آگ کا لجر عمیق دکھائی دیتا تھا۔ تَرْمِیْ بِشَرَرٍ کَالْقَصْرِ کا سماں تھا۔ انتہائی بڑے بڑے شرارے گرد و نوع کے مکانوں پر گولہ باری کر رہے تھے۔ اور اس ناگہانی آفت سے بچاؤ کی کوئی تدبیر مفید ثابت نہ ہو سکی حجرہ مقدسہ کی چھت، متعدد ستون، منبر مبارک، نادر اور نایاب قرآن مجید والا صندوق، نادر کتب کا علمی ذخیرہ اور بہت سے اشیاق آگ کی نذر ہو گئے۔ روضۂ مقدسہ اور مسجد نبوی شریف کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ صحن میں واقع چبوترہ کے سوا ہر ایک چیز آگ کی چیرہ دستیوں کی نذر ہو گئی۔

اس اندوہناک حادثہ کی اطلاع ۱۷۔ رمضان المبارک کو سلطان قایتبائی کی خدمت میں پہنچائی گئی۔ لیکن موصوف کی جانب سے ہدایات و انتظامات کئے جانے سے پہلے ہی امیر مدینہ، قضات، معززین اور عام باشندگان مدینہ منورہ نے ملبہ اٹھانے اور

Marfat.com

صفائی کا کام از خود شروع کر دیا۔ باب جبرئیل کے علاوہ دوسرے دروازوں کی جگہ عارضی دروازے بنائے گئے۔ پختہ اینٹوں سے وقتی طور پر منبر بنایا گیا اور محراب نبوی والی جگہ نماز پڑھانے کا انتظام کیا گیا۔ مسجد مبارک کو ملبہ سے پاک صاف کر لینے کے بعد حجرہ مقدسہ اور اس کے گرد و نواح کی صفائی کا کام شروع ہوا۔ ابتداء میں حجرہ مقدسہ اور مسجد کے درمیان عارضی طور پر دیوار کا پردہ بنا دیا گیا تاکہ اس مقدس مقام کے در و دیوار کی خستہ و شکستہ حالت عوام کی نظروں سے اوجھل رہے۔

یہ روح فرسا واقعہ نقل کرنے کے بعد علامہ سمہودی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں۔ درحقیقت مسلمانوں کی عملی بدحالی کے باعث عبرت اور موعظت کی خاطر یہ حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا۔

اور ہم ڈرانے کے لئے یہ نشانات ظاہر کرتے ہیں۔

ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنِ [1]

ایسے واقعات سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے۔ کہ اے میرے بندو مجھ سے ڈرتے رہو۔

سلطان قایتبائی جب اس اندوہناک سانحہ سے آگاہ ہوا۔ تو موصوف نے امیر سنقر جمالی کی سربراہی میں ایک سو ماہر کاری گر جن میں تعمیر کرنے والے، لکڑی اور لوہے کا کام کرنے والے، رنگ و روغن کرنے والے اور دیگر عمارتی کام کے ماہر شامل تھے اور سامان اٹھانے کے لئے کثیر تعداد میں خچر اور گدھے بھیجے، علاوہ ازیں الاشرفی الشجاعی شاھین اور امیر قاسم الفقیہ شیخ الحرم کے ہاتھ بیس ہزار دینار نقد ارسال کئے۔ اور بہت بڑی تعداد میں تعمیر کا سامان اور آلات بھی فراہم کئے، ادھر امیر خواجہ الشمسی شمس الدین بن رمن نے تین سو کاریگر اور دیگر

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۴۵۵ تا ۴۵۸۔

Marfat.com

خدمات انجام دینے والے اور بار برداری کے لئے دو سو اونٹ اور ایک سو خچر فراہم کر لئے تھے. جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو تعمیر نو کے لئے پہلی دیواریں گرا کر نئے سرے سے بنانے کا فیصلہ ہوا۔

چنانچہ ماہ ربیع الاول ۸۸۷ھ/۱۴۸۲ء میں دوسری مرتبہ سلطان اشرف قایتبائی کی طرف سے تعمیر کا کام شروع ہوا۔ منارۂ رئیسہ جس پر بجلی گرنے کا سانحہ پیش آیا تھا اسے بنیادوں تک صاف کر دیا گیا۔ اسی طرح باب السلام تک قبلہ والی دیوار، باب جبرئیل تک مشرقی دیوار اور مغرب میں باب الرحمۃ تک دیواریں اکھاڑ دینے کے بعد تعمیر شروع کر دی گئی۔ معمولی سی توسیع کے ساتھ نئی دیواریں بنا کر منارہ رئیسہ بھی تعمیر کر دیا گیا اور روشنی کے لئے متعدد کھڑکیاں بنائی گئیں۔ تمام برآمدوں پر برابر کی چھت بنائی گئی۔ نئی تعمیر میں ستونوں کے اوپر پختہ اینٹوں سے ڈاٹیں بنائی گئیں جب کہ پہلے ستون چھت تک بلند تھے۔ محراب عثمانی کو وسیع کر کے اس کے اوپر خوشنما گنبد بنایا گیا اور اسے نقش و نگار سے مرصع کر دیا گیا۔ مؤذن کے لئے اذان کی جگہ تعمیر کرائی۔

روضۂ مقدسہ کی دیواروں پر ایک گنبد بنا کر اس کے اوپر بڑے گنبد تعمیر کرانے علاوہ ازیں باب السلام کے اندر بھی دو گنبد بنوائے۔ اور باب السلام کو سفید اور سیاہ سنگ مر کے حسین و جمیل امتزاج سے منقش کیا گیا[1] اس طرح اس پُر شکوہ تعمیر پر سلطان اشرف قایتبائی نے ایک لاکھ بیس ہزار دینار خرچ کیا فجزاہ اللہ احسن الجزاء[2]۔

یہ عظیم الشان تعمیر ۸۹۹ھ/۱۴۹۵ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچی[3]۔ گویا کہ چار سال کا طویل عرصہ مسلسل کام جاری رہا۔

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱، ۴۵۵ تا ۴۶۴،

[2] تاریخ الحرمین للعباس کرار ۵: ۴۷،

[3] المدینہ ... الیوم: ۳۷۔

Marfat.com

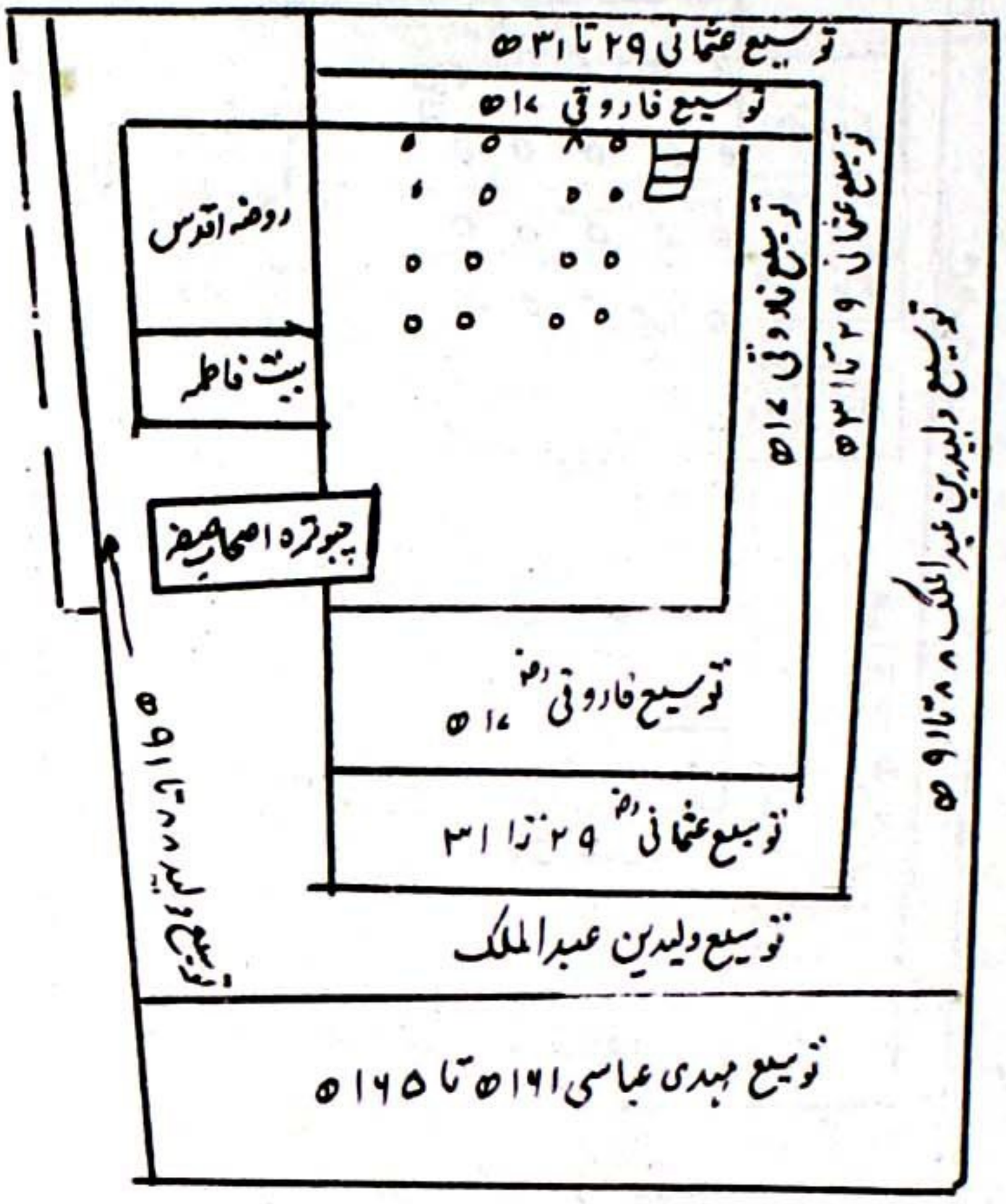

تعمیر قاینتبائی کی خصوصیات

- پہلی مرتبہ برآمدوں کی ڈاٹیں بنائی گئیں۔
- روشنی کی خاطر متعدد کھڑکیاں بنائی گئیں۔ جب کہ اس سے پہلے کبھی بھی کھڑکیں نہیں رکھی گئی تھیں۔
- مؤذن کا چبوترہ پہلی مرتبہ تعمیر ہوا۔
- روضہ اقدس کے گنبد بنوائے گئے۔

Marfat.com

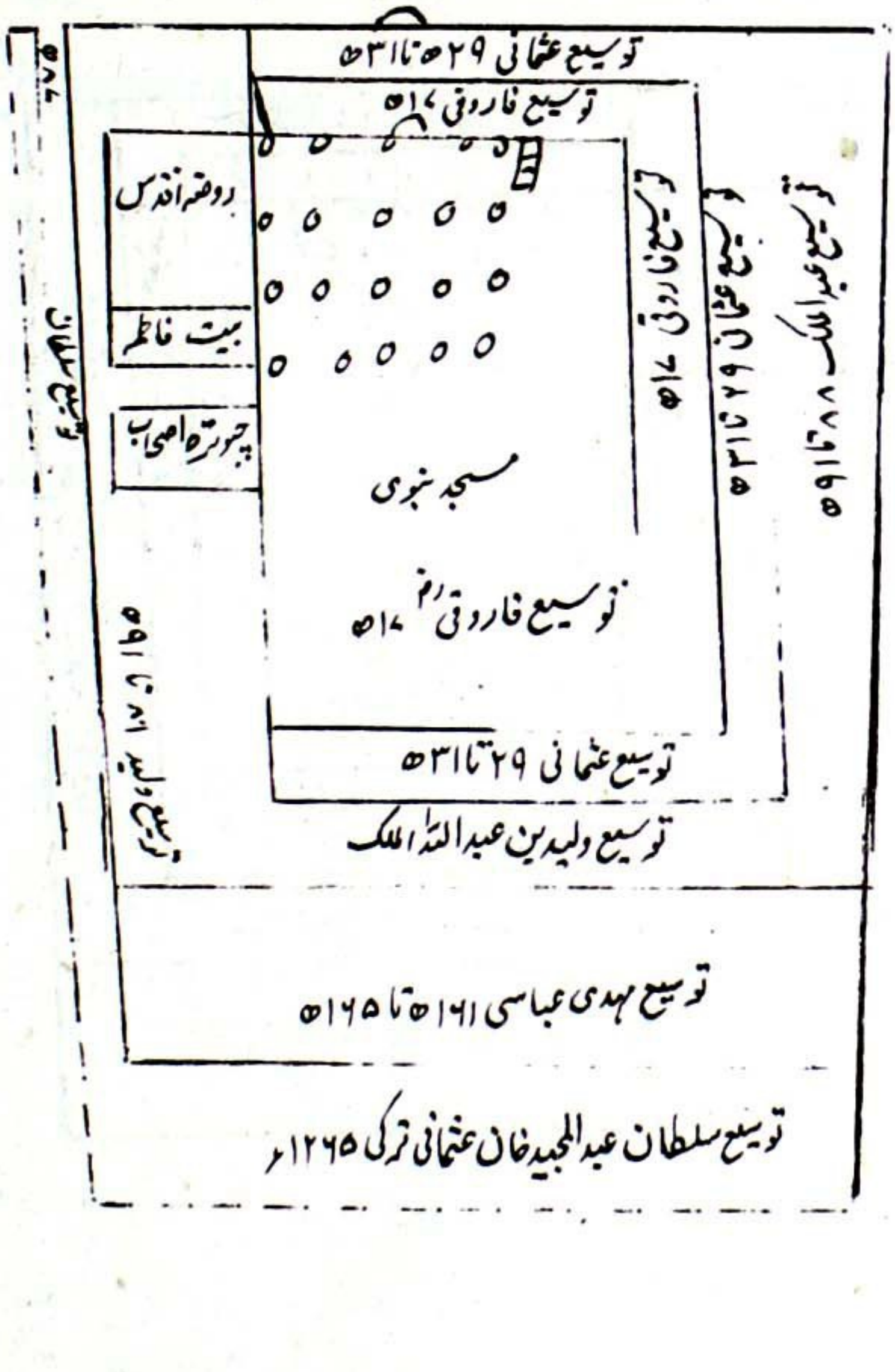
توسیع عثمانی ۲۹ھ تا ۳۱ھ
توسیع فاروقی ۱۷ھ
روضہ اقدس
بیت فاطمہ
چبوترہ اصحاب
مسجد نبوی
توسیع فاروقی رقم ۱۷ھ
توسیع عثمانی ۲۹ تا ۳۱ھ
توسیع ولید بن عبداللہ الملک
توسیع مہدی عباسی ۱۶۱ھ تا ۱۶۵ھ
توسیع سلطان عبدالمجید خان عثمانی ترکی ۱۲۶۵ھ

Marfat.com

زینۃ المسجد للنبوی

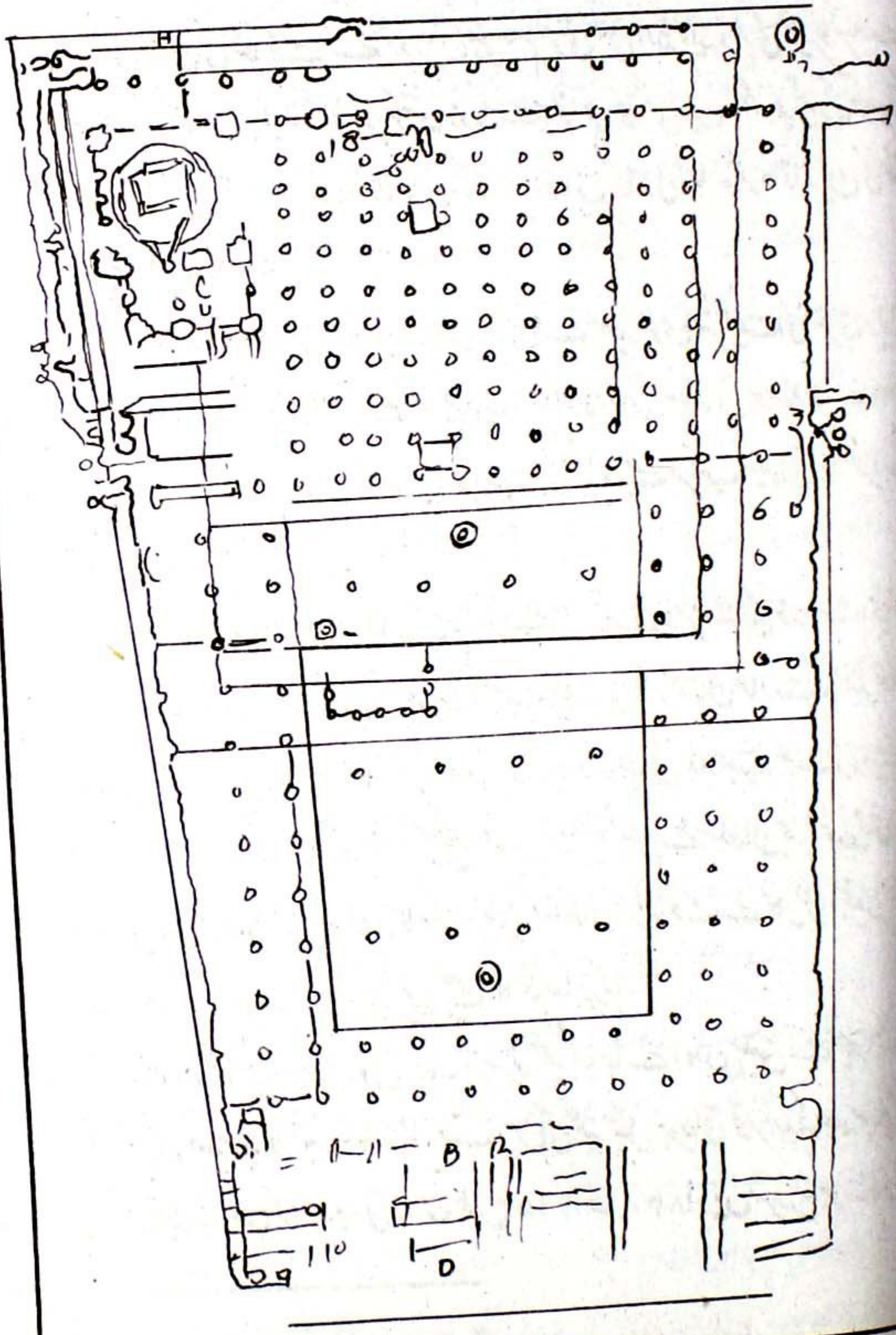

Marfat.com

خلافت عثمانی کی تعمیری خدمات

اہلِ عثمان کی خلافت کے دور میں بھی حرمِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر و مرمت اور تزئین و آرائش کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی گئی ہیں۔ اگرچہ تعمیر کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں، تاہم اختصار اور اجمال کے ساتھ ان کا دل ربا تذکرہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

۹۷۴ھ/۱۵۶۶ء میں سلطان سلیمان خان نے مسجد نبوی شریف کی مغربی دیوار نئی بنوائی اور اسے نقش و نگار سے مزین کیا۔ علاوہ ازیں سلطان موصوف نے ۹۳۸ھ/۱۵۳۱ء میں مسجد کے وسط میں ایک نیا محراب بنوایا۔ جسے محراب سلیمانی یا محراب حنفی کہا جاتا ہے۔[1]

۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں سلطان سلیم ثانی نے بھی تعمیری و مرمت کی خدمات انجام دیں۔ سلطان اشرف قایتبائی کی تعمیر کردہ مسجد شریف کی عظیم الشان عمارت کو اللہ تعالیٰ صدیوں تک دوام بخشا، ۱۲۶۳ھ/۱۸۴۷ء میں چار سو سال بعد جب چھت بوسیدہ ہو گئی اور گرنے کا اندیشہ ہونے لگا تو شیخ داؤد پاشا شیخ الحرم نے سلطان عبدالمجید عثمانی کو استنبول میں صورت حال سے آگاہ کیا۔ چنانچہ سلطان موصوف نے کاریگر، انجینئر، تعمیراتی سامان اور دیگر ضروریات کی چیزیں بھیجنے کا حکم صادر کیا۔[2]

طے پایا کہ مسجد کو بنیادوں سے ازسرِ نو تعمیر کیا جائے، وادی عقیق سے پتھر منگوائے گئے اور کچھ حصہ مسجد کا شہید کیا جاتا۔ جب اس کی تعمیر مکمل ہو جاتی تو مزید کچھ حصہ منہدم کر کے اس کی تعمیر شروع کر دی جاتی۔ اس طرح ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں شروع ہونے والی

---

[1] آثار المدینہ: ۱۰۵،

[2] المدینہ ۔۔۔ الیوم: ۳۷،

Marfat.com

تجدید و تعمیر کا عظیم المرتبت کام ۱۲۷۷ھ/۱۸۵۸ء تک دس سال کے طویل عرصہ میں بیحد شان و شوکت کے ساتھ تکمیل پذیر ہوا۔ آج بھی مسجد نبوی شریف کا قدیم حصہ سلطان عبدالمجید کی تابندہ و پائندہ تعمیری یادگار کا دل کش منظر پیش کر رہا ہے[1] یہ رقبہ حسن و تجمل ۱۸۹۳ مربع میٹر پر مشتمل ہے[2] سلطان موصوف نے صرف شمال کی جانب ہی اضافہ کیا تھا، اس طرف ایک نیا دروازہ بھی بنوایا۔ جو سلطان موصوف کے نام کی نسبت سے "باب المجیدیؒ" کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔[3]

موصوف نے صحن مسجد میں واقع چبوترہ ختم کرکے حوض بنوایا۔ جس میں عین الزرقاء سے پانی لایا گیا۔ اور خوبصورت خواہ بھی نصب کردیا۔ جو بیحد دل فریب اور دیدہ زیب منظر پیش کرتا تھا۔[4]

ترکوں نے تعمیر مسجد نبوی پر مال و زر ہی خرچ نہیں کیا، بلکہ اپنے خلوص، عشق اور احترام رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجسم کردیا اور ہر نقش محبت و خلوص کا آئینہ دار ہے۔ امتدادِ زمانہ کے باوصف، اس تعمیر میں ترکوں کے دل دھڑکتے نظر آتے ہیں پھر پتھر اور ہر زاویے سے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت جھلک رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ترکوں نے تعمیر مسجد کے لئے اس بات کا التزام کیا کہ ہر معمار حافظ کلام پاک ہو۔ کام شروع کرنے سے پہلے ہر معمار غسل کرتا، دو نوافل ادا کرتا اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا۔ ہر ایک معمار تقویٰ کا پیکر اور پاکیزگی کا نمونہ تھا۔

سلطان موصوف نے ساری چھت کی نقاشی اور طلائی کا کلام بے نظیر کرایا، چھت میں جا بجا ۶۔ اور ۹ فٹ اونچے ہشت پہلو شیشے کے دو تہرے دروازے ہیں جن پر دیدہ زیب

---

[1] تاریخ الحرمین للعباس کرارہ: ۱۷۶۔
[2] المدینہ فی التاریخ: ۸۴۔
[3] آثار المدینہ: ۱۰۷۔
[4] المدینہ فی التاریخ: ۸۴۔

Marfat.com

خوبصورت قبے بنوائے، ان ہی بلند و بالا دروازوں سے سورج کی روشنی مسجد
مقدس کو ضیا بار کرتی ہے۔ دَر کی کمانیں بے جوڑ ایک ہی پتھر سے تراشی ہوئی ہیں
فولادی سلاخوں سے سیسہ پلا کر کمانوں کو باہم مربوط کر دیا گیا ہے۔ آج بھی باب السلا
سے باب الرحمۃ تک مغرب میں اور بشمول روضہ منیفہ باب جبرئیل سے باب النسا
تک، سرخ پتھر کی عمارت موصوف کی ناقابل فراموش یادگار ہے۔ موصوف نے قبلہ
والی دیوار میں رنگین آئینوں کے بلند و بالا روشن دان "اگزاسٹ فین" کے قائم
مقام بنوائے[1]

تعمیر و تجدید مجموعی مصارف ۷ ½ لاکھ عثمانی گنی ہوئے تھے، جو سات کروڑ
روپیہ کے مساوی ہیں[2]

سلاطین عثمانیہ نے مسجد نبوی شریف کی ایسی پُرشکوہ عمارت تعمیر کرا
جس کے در و بام پر گردشِ ایام اثر انداز نہ ہو سکی۔ باب السلام سے مقام جبرئیل
تک ساری دیوار قرآن پاک کے سنہری حروف سے مزین اور اسماء مقدس نہا
دیدہ زیب خطاطی میں نقش کئے گئے۔ چھت میں واقع گنبدوں میں مختلف
آیات و سورہ نہایت اعلیٰ خط میں تحریر کرائیں۔ جن کے حسن و زیبائش میں نظر
ڈوب کر رہ جاتی ہے۔ ہر نقش محبت کا آئینہ دار، ہر سطر خلوص کا مظہر اور ہر گوشہ
عقیدت کی تصویر ہے۔

اس قدیم تعمیر کو رنگا رنگ، جاذبِ نظر اور خوشنما فانوسوں سے آراستہ کیا گ
ہے۔ جب بجلی کے قمقموں کی روشنی ان کے حسین و جمیل ٹکڑوں سے آنکھیں چار
ہے۔ تو ایک ایک شیشے کے ٹکڑے سے مختلف روشنیاں پھوٹتی نظر آتی ہیں

---

[1] آئینہ حرم: ۸۶، ۸۷،

[2] آئینہ حرم: ۸۸۔

Marfat.com

سی جنبش سے ہر ٹکڑا کبھی سبز، کبھی قرمزی اور کبھی نیلا نظر آتا ہے، جھل مِل، جھل مِل کہتے یہ فانوس زائرین کو دعوتِ نظارہ دیتے اور عقیدت و محبت کا نقشِ جمیل پیش کرتے ہیں۔ ماہرین فن تعمیر کا اندازہ ہے کہ ترکوں کی اس عظیم الشان تعمیر کو پانچ سو سال تک شکست و ریخت کا کوئی اندیشہ نہیں،

علاوہ ازیں سلاطین علویین نے بھی مختلف اوقات میں مسجد نبوی شریف اور روضۂ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلاح و مرمت کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔

Marfat.com

خاندانِ سعود کی تعمیری خدمات

سعادت مند سلطان عبدالمجید عثمانی کی تعمیر کو ایک صدی گزرنے کے بعد مرمت و اصلاح کی ضرورت پیش آئی۔ جس وقت خاندان سعود کا مہتاب سعادت نشان سرزمین حجاز کو اپنی تابندگی و درخشندگی سے جگمگانے لگا تو مسجد نبوی شریف کی پرشکوہ عمارت مجموعی حیثیت سے پائیدار ہونے کے باوجود کہن سالی اور گردشِ ایام کی ستم ظریفوں کا بزبانِ حال سے شکوہ کر رہی تھی، دیواروں کا سینہ بعض مقامات سے شق، کئی ستونوں اور سرورِ قد مینار مخدوش حالت میں مدد کے طلب گار تھے اور مسجد تنگیٔ داماں کی شکایت بھی کر رہی تھی۔

ان حالات کے پیش نظر سلطان عبدالعزیز بن سعود نے ایک جامع اور عظیم الشان منصوبہ تیار کیا۔ اور حجاز کے علاوہ دوسرے ممالک سے بھی ماہر انجنیئر طلب کیئے۔ تاکہ مسجد نبوی کی شایان شان اور مسلمانان عالم کی دلی خواہش کے مطابق تعمیر کی خدمات انجام دی جا سکے۔ نیز یہ طے پایا کہ قدیم تعمیر کی قیمتی اور خوبصورت اشیا کو برقرار رکھا جائے۔ موصوف نے بڑی فراخدلی سے یہ اعلان کیا کہ اس منصوبہ کی تکمیل کی خاطر جتنی رقم درکار ہو شاہی خزانہ سے فراہم کی جائے۔

چونکہ ہر دور کا فن تعمیر جداگانہ، ہر زمانہ کی تعمیر کے نقوش فرزانہ ہوتے ہیں جیسے لباس کی وضع قطع تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ افکار و خیالات بھی تغیر پذیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح فن تعمیر بھی جدت کا خوگر ہوتا ہے۔ چنانچہ دورِ جدید کے انداز تعمیر کو ملحوظ

Marfat.com

رکھتے ہوئے پرانے دور سے جداگانہ فن تعمیر کا مظاہر دکھایا۔ تاریخ نے جب ماضی سے پلٹ کر دیکھا تو مسجد نبوی فن تعمیر کا نادر نمونہ اور موجودہ دور کی حسین ترین عمارت نظر آئی۔

مسجد کی زیبائش وآرائش اور تزئین وتحسین کا احاطہ کرنے سے قلم عاجز اور زبان اس کی شایانِ شان تعریف وتوصیف سے قاصر ہے۔ وہ پُرکیف وسرور اور دلکش ودلربا منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کا دلفریب و دیدہ زیب نظارہ آنکھیں ہی کر سکتی ہیں۔ ورنہ دیکھے بغیر اس کی آرائش وزیبائش کا تصوّر نہیں کیا جا سکتا۔ مسجد کی یہ پُرشکوہ عمارت اس پر شاہدِ عدل ہے کہ سلطان عبدالعزیز کے دل میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آگ شعلہ زن اور اس کا دل حُبِّ رسول سے سرشار تھا اور موصوف اسلام اور حرمین شریف کا مخلص خدمت گار تھا۔

۱۳۶۸ھ/۱۹۴۹ء میں سلطان موصوف نے اس فقید المثال منصوبہ اور ایمان افروز خوشخبری سے مسلمانان عالم کو آگاہ کرنے کی غرض سے ایک کھلا خط شائع کیا۔ جو ۴ صفر ۱۳۶۸ھ اور ۱۲ شعبان ۱۳۶۸ھ کو اخبار "المدینہ" میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس جامعہ منصوبہ کی تکمیل اور نگرانی کے لیے پچاس افراد پر مشتمل ایک مستقل شعبہ قائم کیا گیا۔ جو شعبہ تحریر، حسابات، خزانہ امانت اور انجینئرنگ پر محیط تھا۔ ایک ورکنگ کمیٹی تشکیل دی گئی جس میں مدینہ باسیکنہ کے معززین اور نامور حضرات شامل تھے، دکانوں اور مکانات کی قیمت کا صحیح تخمینہ لگا کر مالکان کو معاوضہ ادا کرنا اور ان کی خوشنودی کا خاص خیال رکھنا اس کمیٹی کے فرائض میں شامل تھا، پتھروں اور سنگِ مرمر کی تراش خراش کے لیے مکینکل آلات پر مشتمل ایک کارخانہ ذوالحلیفہ میں قائم کیا گیا۔ ماہرینِ فنِ تعمیر کے زیر نگرانی چار سو سے زائد عملہ کام کرتا تھا۔

تعمیر میں سہولت بہم پہنچانے کی خاطر کرین، ہیوی گاڑیاں اور مختلف اقسام کے جدید ترین آلات بھی فراہم کیے گئے۔ جنہیں چالیس گروپوں میں تقسیم کیا گیا۔ مدینہ منورہ کی بندرگاہ ینبوع اسی کام کے لیے وقف کر دی گئی تاکہ جہاز عمارتی سامان لکڑی، لوہا، سیمنٹ وغیرہ

Marfat.com

پہنچاتے رہیں۔ جہازوں سے سامان ساحل تک پہنچانے کے لیے تیس سے زائد کشتیاں بھی مصروف کار تھیں۔ مختلف ممالک سے جہازوں کے ذریعہ لایا جانے والا سامان ۳۰۰،۰۰۰ ٹن سے زائد تھا۔ میکنیکل آلات کی مرمت اور صفائی کے لیے بھی ایک فیکٹری قائم کی گئی جس میں کام کرنے والے مکینک، انجینئر کاریگر اور مزدور تمام تر سعودی عرب کے باشندے تھے۔[1]

اس جلیل القدر کام کے نگران اعلیٰ الشیخ محمد صالح قزاز اور الشیخ محمد بن لادن المتوفی ۱۳۸۲ھ مقرر ہوئے۔[2]

جب تمام انتظامات مکمل ہو گئے تو ۵ شوال ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء کو مسجد شریف کی بیرونی دیوار، ملحقہ مکانات اور دکانیں منہدم کرنے کا کام شروع ہوا، مسمار شدہ عمارتوں کا ملبہ شہر سے باہر منتقل کیا جانے لگا۔ ۱۴ شعبان ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء کو باب الرحمت کی جانب والی غربی دیوار کی بنیاد کھودنے کی ابتدا ہوئی جبکہ ۱۴ رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء کو باقاعدہ تعمیر شروع ہوئی۔ ایک پر ہجوم اور باوقار تقریب میں تعمیر جدید کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

تعمیر کی مقدس خدمت انجام دینے میں ۱۲ مصری۔ ایک شامی اور ایک پاکستانی انجینئر تھے۔ جن کے ماتحت دو سو سے زائد مصری اور شامی ماہرین مصروف کار تھے۔ پاکستانی سوڈانی، یمنی اور حضر موتی مزدوروں کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ پندرہ سو سعودی مزدور بھی خدمت پر مامور تھے۔

تعمیر جدید میں اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا کہ حتی المقدور قدیم تعمیر کے ساتھ مشابہت اور مطابقت کو برقرار رکھا جائے۔ اسی فارمولے کے پیش نظر نئی عمارت کو پرانی عمارت کے برابر اونچا رکھا گیا۔ البتہ امتیازی شان کو اجاگر کرنے کی خاطر

۱۔ تاریخ الحرمین للعباس کرارہ : ۸۸ تا ۹۰ ۲۔ المدینۃ المنورہ فی التاریخ ۸۵۰

Marfat.com

سعودی تعمیر میں ستونوں کی زنگت کو ریاض الجنتہ کے ستونوں سے کے اہم آہنگ بنایا گیا ریاض الجنتہ میں واقع ستون سفید زنگ کے ہیں جبکہ بقیہ ستون سُرخ ہیں۔ نئے ستون کنکریٹ کے بنے ہوئے ہیں جن کی بنیادیں نہایت گہری کھود کر کالے سنگِ مَرمَر سے بے حد مضبوط بنائی گئیں۔ ستونوں اور چھت کے سنگم میں بے حد نفیس۔ منقش پتیل کی عربی طرز کی جالیاں لگائی گئیں۔ جن پر خوبصورت قندیلیں آویزاں ہیں۔ ڈاٹیں ایسی عمدگی اور مضبوطی سے بنائی گئی ہیں جو کسی بھی سمت دیکھنے میں ذرا برابر اوپنج۔ پنج نظر نہیں آتا۔ چھت بھی نقش و نگار سے مرصع ہے۔

چھت میں کچھ روشندان رکھے گئے تھے تاکہ بوقت ضرورت مسجد کو ایرکنڈیشن بنانے کے لیے برقی آلات نصب کیے جاسکیں۔ دیواروں میں عربی طرز کی خوشنما اور دلکش کھڑکیاں اور انتہائی منقش و مزین دروازے مسجد شریف کی خوبصورتی کو دو بالا کرتے ہیں۔ دروازوں پر مختلف آیات کندہ ہیں[1]

سعودی تعمیر و توسیع کی تفصیلات

دیواروں سے ملحق چوکور ستون	۴۷۴
گول ستون	۲۳۲
دروازے	۱۰
کھڑکیاں	۴۴
محراب دار ستونوں کی ڈاٹیں	۱۸۹
مغربی دیوار کی لمبائی	۱۲۸

[1] تاریخ الحرمین للعباس کرارہ : ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

Marfat.com

شمالی دیوار کی لمبائی	۱۹۱ میٹر
مشرقی دیوار کی لمبائی	۱۲۸ ،،
دیواروں اور ستونوں کی بنیادوں کی گہرائی	۵ ،،
میناروں کی بنیادوں کی گہرائی	۱۷ ،،
میناروں کی بلندی	۷۰ ،،

راقم الحروف نے سعودی تعمیر کو ان اوصاف سے متصف پایا ہے۔

سعودی تعمیر میں ستونوں کی بناوٹ اس طرح ہے۔ سیاہ رنگ کے سنگِ مرمر کی کرسی پر بلند و بالا سفید ستون استادہ ہیں جن کی چوٹی پر بے حد نفیس اور دیدہ زیب پیتل کی جالی ہے جس کے چاروں طرف پلستر میں تین تین ستارے ہشت پہلو بنے ہوئے ہیں ان کے بیچ و بیچ شیشے کے خول میں دو، دو سفید ٹیوب لائٹ نصب ہیں۔ جن کی پیشانی پر یہ آیت مبارکہ لکھی ہوئی ہے۔ اَللّٰہُ نورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ۔ یہ ٹیوبیں جب رات کو جلتی ہیں تو سارے حرم میں خنک روشنی پھیل جاتی ہے اور حرم بقعۂ نور بن جاتا ہے۔ جا بجا روشنیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے جیسے حرم کی دیواروں میں ستارے جڑ دیے گئے ہوں۔

ستونوں کے چاروں طرف ایسی ہی جالیدار شمعیں نصب ہیں جبکہ ہر دو محرابی ڈاٹوں کے سنگم میں چھت کے قریب گول سفید ٹیوب لگی ہے جن کا قطر تقریباً ۹ انچ ہوگا، چند سال قبل تک پوری مسجد شریف میں سرخ قالین بچھے تھے۔ البتہ ریاض الجنہ کے امتیاز کو برقرار رکھتے ہوئے سبز قالین جلوہ نما تھے، مگر اب ساری مسجد میں سبز قالین پائے جاتے ہیں۔ تمام مسجد صناعی اور عقیدت کا حسین امتزاج معلوم ہوتی ہے۔ جنوبی دیوار کے ساتھ بہت سے ایئر کنڈیشن لگا دیے گئے ہیں اور مزید لگانے کا پروگرام بھی ہے۔

Marfat.com

مصارف کی تفصیلات

خُدّام حرمین شریفین، کارپردازانِ سعودی حکومت نے مسجد نبوی زاد اللہ تعظیماً و تشریفاً و تکریماً کی توسیع اور تعمیر نو کے لیئے ملحقہ مکانات اور دکانیں خطیر رقم خرچ کرکے حاصل کیں، ہر شخص کو منہ مانگی قیمت سے نوازا، جبر و تشدّد کی بجائے رضا و رغبت کو ترجیح دی گئی اور کسی کی حق تلفی کیئے بغیر معقول معاوضہ ادا کرکے املاک حاصل کی گئیں جو سو دوکانوں اور دو سو مکانوں پر مشتمل تھیں۔ املاک کے مجموعی مصارف

املاک کے مجموعی مصارف	۳۰ ملین ریال	(تین کروڑ ریال)
تعمیر نو کے مصارف	۲۵ ملین "	(اڑھائی کروڑ ریال)
میزان	۵۵ ملین "	

تعمیر میں استعمال ہونے والے بعض سامان کی تفصیل اس طرح ہے۔

لوہا	۱۵۰۰ ٹن
چپس	۲۵۰ "
منقش و غیر منقش پتھر	۱۵۰۰۰۰ عدد

رمضان المبارک ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء میں شروع ہونے والی عظیم الشان تعمیر اوّل ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء میں تکمیل پذیر ہوئی۔

مسجد نبوی شریف کی قبلہ والی دیوار کی حفاظت اور بنیادوں کو پانی سے محفوظ رکھنے کی غرض سے باہر کی جانب کنکریٹ کا ایک مضبوط پشتہ بنایا گیا جس کی بنیادیں چار میٹر گہری ہیں۔ مسجد شریف میں آنے کے لیئے چاروں طرف کشادہ اور صاف ستھری سڑکیں بنائی گئیں جس کے باعث زائرین اور نمازی حضرات کو بے حد سہولت اور آسائش حاصل ہو گئی ہے۔

تاریخ الحرمین للعباس کرارہ : ۱۹۲، ج ۱۹۶

Marfat.com

اس وسیع و عریض، دیدہ زیب اور پرشکوہ عمارت نے تعمیر کے مراحل ابھی طے کیے ہی تھے کہ حجاج اور زائرین کے بے پناہ ہجوم کے پیش نظر تنگیٔ داماں کی شکایت کرنے لگی۔ منتظمین حرم نبوی اور ارباب اقتدار ایک مرتبہ پھر توسیع کی ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کرنے لگے۔ چنانچہ ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں شاہ فیصل شہید نے ایک اور جامع منصوبہ کے تحت مسجدِ نبوی شریف کی مغربی جانب توسیع کا حکم دیا۔ جس کے مطابق پچاس ملین ریال کے عوض ملحقہ تمام املاک خرید کر انہیں مسمار کر دیا گیا اور شارع العینی تک بازار، منڈیاں اور مکانات سب کو مسجد میں شامل کر لیا گیا۔ یہ قطعہ اراضی شرقاً غرباً ۱۶۵ میٹر لمبا تھا جبکہ اس کا مجموعی رقبہ ۵۵۵۰ مربع میٹر تھا۔

سعودی تعمیر میں قدیم عمارت کے مشرق، مغرب اور شمال کے بعض حصے منہدم کر کے از سر نو تعمیر کیے گئے اور بہت سا نیا رقبہ مسجد میں شامل بھی کیا گیا۔ جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

قدیم عمارت کا نو تعمیر شدہ رقبہ	۶۲۴۷	مربع میٹر
جدید تعمیر کا رقبہ	۶۰۲۴	" "
سعودی توسیع کا مجموعی رقبہ[1]	۱۲۲۷۱	" "

اس وقت مسجدِ نبوی شریف زاد اللہ تعظیماً وتکریماً کی توسیع وتعمیر کا ایک ایسا لامتناہی سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ جس سے مخبر صادق امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کو تابندگی حاصل ہوتی ہے۔

"اگر مسجد نبوی ذی الحُلَیفہ تک وسیع ہو جائے۔ تب بھی اس پر مسجد نبویؐ کا ہی اطلاق ہوگا۔"

آج سعودی حکومت جس جانفشانی، خلوص، جذبہ ایمانی اور محنت شاقہ کے ساتھ

---

[1] المدینہ ..... الیوم: ۴۲، آثار المدینہ: ۱۱۲۔

Marfat.com

مصروف کار ہے۔ وہ انتہائی قابلِ قدر اور لائق صد تحسین و توصیف ہے۔ آل سعود مسلمانانِ عالم اور زائرین کی راحت رسانی اور ہر ممکنہ آسائش بہم پہنچانے کی خاطر مسجد شریف کی ترقی اور توسیع کے لیے شاہی خزانہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں۔ مذکورہ بالا توسیعی رقبہ کو عارضی طور پر سایہ دار بنایا گیا تھا۔ جس میں روشنی اور پنکھوں کا انتظام بھی کیا گیا۔ اس وقت توسیع کے ایسے جامعہ منصوبہ کی تکمیل کی خاطر مسجد کے مشرق۔ مغرب اور شمال میں دور دور تک بے پناہ معاوضہ ادا کر کے تمام املاک خرید کر مسمار کر دی گئی ہیں۔ جبکہ جنوبی جانب بے حد کشادہ اور طویل و عریض پارکنگ بنائی ہے۔

"شاہ فہد کی ذاتی ہدایات پر مسجدِ نبویؐ کی توسیع کا کام شروع ہو گیا ہے، اس کی تکمیل پر مسجد کی گنجائش میں پانچ گنا اضافہ ہو جائے گا۔ اس کا رقبہ جو اس وقت ۱۶ ہزار مربع میٹر ہے بڑھ کر ۸۲ ہزار مربع میٹر ہو جائے گا۔ اور اس میں ایک لاکھ ۳۰ ہزار افراد کی گنجائش ہو گی۔ جبکہ اس وقت زیادہ سے زیادہ ۲۸ ہزار افراد کی گنجائش ہے۔ یہ کام کئی سال میں مکمل ہو گا۔ مسجد کے ۹۰ میٹر بلند چھ مینار ہوں گے۔ موجودہ میناروں کی بلندی ۷۲ میٹر ہے۔ ۱۶ نئے دروازے بنائے جائیں گے۔ جن میں سے سات صدر دروازے ہوں گے۔ توسیعی پروگرام کے تحت پوری مسجد میں سنٹرل ائر کنڈیشننگ سسٹم لگایا جائے گا۔"[1]

تعمیر کی مقدس خدمت اور اس عظیم الشان سعادت کو حاصل کرنے کے لیے پاکستانی فرم نے کام شروع کر دیا ہے۔

"پاکستان کی ایک نجی فرم مدینہ منورہ میں مسجد نبوی میں توسیع، تزئین و آرائش اور مرمت کے کام کی نگرانی کرے گی۔ سعودی حکومت اور ایسوسی ایٹڈ کنسلٹنگ انجینئرز کے درمیان طے پانے والے معاہدہ کے مطابق یہ منصوبہ سات اعشاریہ پانچ ارب ریال سعودی کی لاگت سے مکمل ہو گا جب کہ سعودی حکومت توسیع کے لئے پانچ ارب ریال

[1] روزنامہ جنگ راولپنڈی مورخہ ۹ر جولائی ۱۹۸۳ء

Marfat.com

کے عوض اراضی پہلے ہی حاصل کر چکی ہے۔[1]

راقم الحروف ۱۲ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ یکم فروری ۱۹۸۸ء کو جب زیارت مسجد نبوی شریف کو حاضر ہوا۔ تو دیکھا کہ مشرق میں جنت البقیع تک اور اس کے متوازی شمال مغرب تک اور مغرب میں باب الرحمت تک زیر زمین تعمیر بہت حد تک مکمل ہو چکی تھی جبکہ پہلی منزل کے لیے بلند و بالا ستون کھڑے کیے جا چکے ہیں۔

سعودی تعمیر کی خصوصیات

قدیم عمارت کی تجدید اور تعمیر جدید کا مجموعی اضافہ ۱۲۲۷۱ مربع میٹر

مزید توسیع کے لیے جو املاک خرید کی گئیں ان کا رقبہ ۵۵۵۰ " "

سعودی حکومت نے پہلی مرتبہ مسجد ایرکنڈیشن کرنے کا منصوبہ بنایا اور نئی تعمیر میں اس پروگرام کو شامل کیا۔

قدیم اور جدید تعمیر کے فرق کو واشگاف کرنے کے باوجود بہت سی چیزوں میں یکسانیت قائم رکھی۔

پہلی مرتبہ مسجد کے دس دروازے بنائے گئے۔

تعمیراتِ مسجد نبوی تاریخ کے آئینہ میں

مسجد نبوی شریف کے یوم تاسیس سے اس وقت تک ۱۴۰۷ھ سال گزر چکے ہیں۔ اتنا طویل زمانہ بیت جانے کے باوجود صرف چند مرتبہ اس کی تعمیر و تجدید اور توسیع کی ضرورت پیش آئی ہے۔ جس کی تفصیلات گذشتہ صفحات میں قارئین پڑھ چکے ہیں۔

---

[1] روزنامہ جنگ راولپنڈی ۲۳ ستمبر ۱۹۸۵ء

Marfat.com

ان نادر تاریخی دستاویزات کا اجمال تاریخ کے حسین آئینہ میں قارئین کے سامنے پیش کرنا ادبی ذوق کی تکمیل کا موجب ہوگا۔

۱- پہلی مرتبہ مسجد نبوی شریف کی تعمیر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے پہلے سال فرمائی۔ اس وقت اس کی بنیادیں پتھروں کی، دیواریں کچی اینٹوں کی، ستون کھجور کے تنوں کے اور چھت کھجور کی شاخوں کی تھی۔ طول شمالاً جنوباً ۳۵ میٹر اور عرض شرقاً غرباً ۳۰ میٹر تھا۔

۲- ۷ ہجری/ ۶۲۸ء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ تعمیر و توسیع فرمائی جس سے طول اور عرض برابر ہو گیا۔ ۱۰۰ × ۱۰۰ ذراع کی پیمائش کے مطابق کل رقبہ ۲۴۷۵ مربع میٹر ہو گیا۔

۳- ۱۷ ہجری/ ۶۲۸ء سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے توسیع اور تجدید فرمائی۔ آپ نے ۵ میٹر جنوب، ۱۰ میٹر مغرب اور ۱۵ میٹر شمال میں اضافہ فرمایا جو مجموعی طور پر ۱۱۰۰ مربع میٹر تھا۔ اس طرح کل رقبہ ۳۵۷۵ مربع میٹر ہو گیا۔

۴- ۲۹ ھ/ ۶۴۹ء میں سیدنا عثمان ذو النورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے نہایت مضبوط اور عالیشان تعمیر و توسیع کی خدمت انجام دی۔ مشرق، مغرب، شمال اور جنوب میں اضافہ فرمایا۔ جنوب کی سمت موصوف کے اضافہ کے بعد آج تک اضافہ نہیں ہوا آپ نے ۴۹۶ مربع میٹر اضافہ کیا جس کے بعد کل رقبہ ۴۰۷۱ مربع میٹر ہو گیا۔

۵- ۸۸ ھ/ ۷۰۶ء میں ولید بن عبدالملک نے مغرب اور مشرق میں معمولی اضافہ کیا اور امہات المومنین کے حجرات کو مسجد میں داخل کیا۔ تعمیر کی تکمیل ۹۱ ھ/ ۷۰۹ء میں ہوئی ۲۳۶۹ مربع میٹر کا اضافہ کیا بنا بریں کل رقبہ ۶۴۴۰ مربع میٹر ہو گیا۔

۶- ۱۶۱ھ/ ۷۷۷ء میں خلیفہ مہدی عباسی نے شمال کی جانب اضافہ کرایا جس کی تکمیل ۱۶۵ ھ/ ۷۸۱ء میں ہوئی۔ یہ اضافہ اور توسیعی ۲۴۵۰ مربع میٹر پر مشتمل تھی جس

Marfat.com

کے باعث کل رقبہ ۸۸۹۰ مربع میٹر تک جا پہنچا۔

۷۔ ۶۵۵ھ/۱۲۵۷ء میں مسجد میں آتشزدگی کے باعث خلیفہ المستعصم نے تجدید کا کام شروع کرایا جو سلطان الظاہر بیبرس البند قداری کے عہدِ سلطنت میں مکمل ہوا۔

۸۔ ۷۰۵ھ/۱۳۰۵ء - ۷۰۶ھ/۱۳۰۶ء اور ۷۲۹ھ/۱۳۲۹ء میں ملک الناصر محمد بن قلاوون نے مشرقی اور مغربی چھت تبدیل کرائی اور جنوبی چھت کے دو برآمدوں کا اضافہ کیا۔

۹۔ ۸۲۱ھ/۱۴۲۷ء میں ملک اشرف برسبائی نے مذکورہ دونوں برآمدوں کی تجدید کرائی

۱۰۔ ۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء ملک الظاہر نے روضہ مقدسہ اور مسجد کی چھت کا بعض حصہ نیا بنوایا۔

۱۱۔ ۸۷۹ھ/۱۴۷۴ء میں ملک قایتبائی نے تعمیر و توسیع کی خدمت سرانجام دی موصوف نے ۱۲۰ مربع میٹر اضافہ کیا۔ جس کے باعث مسجد نبوی شریف کا مجموعی رقبہ ۹۰۱۰ مربع میٹر ہو گیا۔

۱۲۔ ۹۷۴ھ/۱۵۶۶ء میں سلطان سلیمان نے مینارہ سلیمانیہ سے باب رحمت کے [illegible] میں غربی دیوار مکمل بنوائی۔ سلطان موصوف نے ۹۳۸ھ/۱۳۳۴ء میں محراب سلیما اور محراب نبوی کی تعمیر بھی کرائی۔

۱۳۔ ۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں سلطان سلیم الثانی نے تعمیر مسجد کی خدمت انجام دی۔

۱۴۔ ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۸ء میں سلطان عبد المجید نے عظیم الشان تعمیر شروع کرائی جس [illegible] سلسلہ ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، اور اس تعمیر میں شمال کی جانب [illegible] بنوایا جو "باب المجیدی" سے موسوم ہوا، سلطان موصوف نے ۱۲۹۳ مربع [illegible] کا عظیم الشان اضافہ کیا اور مسجد نبوی شریف ۱۰۳۰۳ مربع میٹر کی وسعت کی [illegible] ہو گئی۔

Marfat.com

۱۵- ۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء میں شاہ عبدالعزیز آل سعود نے کچھ ترمیم اور اصلاح کی خدمت انجام دی۔

۱۶- ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں مصری حکومت کے محکمہ اوقاف نے ترمیم و اصلاح کرائی۔

۱۷- ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۰ء شاہ عبدالعزیز آل سعود نے تعمیر و توسیع کا فقید المثال کام شروع کرایا جو انتہائی تزک و احتشام کے ساتھ اوائل ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۵ کو تکمیل پذیر ہوا۔ آل سعود کی توسیع ۶۰۲۴ مربع میٹر پر محیط تھی۔ جس نے مسجد نبوی شریف کے دامن کو ۱۶۳۲۷ مربع میٹر وسعتوں کا حامل بنا دیا۔[1]

توسیعی مراحل اور ان کی پیمائش

مسجد نبوی شریف کی عدیم النظیر عمارت جو اپنے دامن میں لامحدود وسعتوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ بارہا تجدید و توسیع کے مراحل طے کر چکی ہے اور ابھی کتنے طے کرنے ہیں یہ اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، اس وقت تک مختلف ادوار کی توسیع کی پیمائش انتہائی اختصار کے ساتھ ہم علامہ عبدالقدوس انصاری کے حوالے سے قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ موصوف نے جلالۃ الملک شاہ فیصل بن عبدالعزیز الشہید کی توسیع تک کی تفصیلات "مکتب توسعۃ السعودیۃ" میں مرقوم ۵ ربیع الاول ۱۳۷۵ھ کے مطابق بیان کی ہیں۔

۱۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کی پیمائش	۲۴۷۵	مربع میٹر
۲۔ امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اضافہ	۱۱۰۰	" "
۳ امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "	۴۹۰۶	" "
۴ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا اضافہ	۲۳۶۹	" "

[1] آثار المدینہ: ۱۰۴ تا ۱۱۰

Marfat.com

۵۔ مہدی عباس	۲۴۵۰	مربع میٹر
۶۔ ملک اشرف قایتبائی	۱۲۰	〃 〃
۷۔ سلطان عبدالمجید عثمانی	۱۲۹۳	〃 〃
میزان	۱۰۳۰۴	〃 〃
۸۔ سعودی حکومت کا پہلی مرتبہ اضافہ	۶۰۲۴	〃 〃
کل میزان	۱۶۳۲۷	〃 〃

سعودی توسیع کے بعد پیمائش کی نوعیت حسب ذیل ہے۔

عمارت کی سعودی توسیع	۶۰۲۴	مربع میٹر
ہر سہ اطراف میں جن حصوں کی دوبارہ توسیع ہوئی ان کی مجموعی پیمائش	۶۲۴۷	〃 〃
	۱۲۲۷۱	مربع میٹر سعودی توسیع [1]

[1] آثار المدینہ، ۱۱۰، ۱۱۱

Marfat.com

باب ششم

مُلحقاتِ مسجدِ نبویؐ شریف

Marfat.com

- ریاض الجنۃ
- ستونہائے رحمت
- منبر نبوی شریف
- محراب نبوی شریف
- اذان کی ابتداء
- مینار پُر انوار
- صُفّہ و اصحابِ صُفّہ

Marfat.com

ریاضُ الجنّہ

محبوبِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد مقدس کا ایک عظیم المرتبت حصّہ عظمت شان اور رفعت مقام میں منفرد حیثیت کا حامل ہے جسے آپؐ کی زبانِ وحی ترجمان سے ریاض الجنہ کالقب نصیب ہُوا، اس منبع رشد و ہدایت اور مرکزِ انوار و تجلیات کے مشرق میں سرورِ کون و مکان، سلطان زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلّم کا حجرۂ منیفہ اور مغربی انتہا پر منبر مبارک جلوہ نما ہے۔

سیدالاتقیاء و الابرار، حبیب کردگار صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ذی شان ہے۔

ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ و منبری علی حوضی [1]	میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر میرے حوض پر ہے۔

سیّدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے اس طرح بھی مروی ہے۔

ما بین قبری و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ [2]	میری قبر اور میرے منبر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

---

[1] بخاری شریف ج ۲: ۱۵۹، ۲۵۳، ایضاً ج ۲: ۹۷۵، ۱۰۹۰ مسلم شریف ج ۱: ۴۴۶ [2] سنن الکبریٰ ج ۵: ۲۴۶ کنز العمال ج ۱۲: ۲۶۰

Marfat.com

مابین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ [1]

میرے گھر اور مصلی کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے۔

بسند ناعبداللہ بن زید المازنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔

مابین منبری الی حجرتی روضۃ من ریاض الجنۃ [2]

میرے منبر سے میرے حجرے تک جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

گھر سے مراد حبیبہ حبیبِ خدا سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وہ حجرہ مقدسہ ہے جس میں سیدِ کائنات، رحمتِ موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل البرکات کی قبر مبارک بنی ہوئی ہے [3]

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے آپؐ نے فرمایا۔

ومابین المنبر وبیت عائشۃ روضۃ من ریاض الجنۃ [4]

میرے منبر اور عائشہ کے گھر کے درمیان جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے۔

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جو شخص جنت کے باغات میں سے کسی باغ میں نماز پڑھنے کا خواہش مند ہو تو اسے میری قبر اور میرے منبر کے درمیان نماز پڑھ لینی چاہیے [5]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی تشریح میں علما کرام کے

---

[1] کنزالعمال ج ۱۲ : ۲۶۰ [2] کنزالعمال ج ۱۲ : ۲۶۰ [3] نسیم الریاض ج ۳ : ۶۱
[4] جمع الفوائد ج ۱ : ۲۰۲ [5] کنزالعمال ج ۱۲ : ۲۶۰ [6] شرح صحیح مسلم ج ۱ : ۴۴۶ وفاء الوفا ج ۱ : ۳۰۴

Marfat.com

تین اقوال ہیں۔ اوّل یہ کہ اس مقدس خطّہ میں عبادت جنت کے باغ کے حصول کا ذریعہ ہے۔ دوسرا یہ کہ اللہ جل مجدہ کی خصوصی رحمتوں کا مورد ہونے کے اعتبار سے یہ حصّہ ایسا ہی ہے۔ جیسا جنت کا باغ، جس طرح جنت میں اللہ کریم کی بے پناہ رحمتیں ہر وقت نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اسی طرح اس مقام پر بھی ہمہ وقت رحمتوں کی بارش کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور تیسرا قول اس طرح ہے کہ یہ جگہ درحقیقت جنت کا ٹکڑا ہے۔ جو دنیا میں منتقل کیا گیا اور قیامت کے دن یہ حصّہ جنت میں چلا جائے گا۔ اکثر علمائے کرام کے نزدیک تیسرا قول ہی زیادہ صحیح ہے۔ [1]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/ ۱۴۴۲ء لکھتے ہیں۔

کہ وضۃ من ریاض الجنۃ فی نزول الرحمۃ وحصول السعادۃ	سعادت کے حصول اور خصوصی رحمتوں کے نزول کے باعث یہ قطعہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ کی مانند ہے۔

ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ اس میں عبادت جنت کے حصول کا باعث ہے۔ اگرچہ اس پر یہ اعتراض وارد ہو سکتا ہے کہ عبادت جہاں کی جائے، وہ جنت کا موجب ہوتی ہے۔ پھر اس قطعہ کی کیا تخصیص ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ خطّہ شرف و مجد میں دوسرے مقامات سے افضل اور برتر ہے، اس میں مومن انسان، جنّات اور فرشتے بکثرت ذکرِ خداوندی میں مصروف و مشغول رہتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ جنت کے باغ سے مماثلت اور مطابقت رکھتا ہے اور تیسرا قول یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن یہ خطہ اراضی اسی طرح جنت میں داخل ہو جائے گا۔ [2]

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء فرماتے ہیں۔

---

[1] شرح صحیح مسلم ج ۱: ۴۴۶ وفاالوفا ج ۱: ۳۰۴ [2] فتح الباری ج ۴: ۱۰۰، ج ۱۱: ۴۷۴

Marfat.com

اس قطعہ میں صحابہ کبار رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین معلم انسانیت حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمی و روحانی استفادہ کرتے تھے۔ اس لیے یہ مثلِ جنت ہے، جیسا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب تم ریاض الجنہ سے گزرو تو کچھ کھا لیا کرو۔" صحابہ نے دریافت کیا کہ ریاض الجنہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ذکر کے حلقے[1]

علامہ قسطلانی المتوفی ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء فرماتے ہیں، اس میں یہ احتمال پائے جاتے ہیں۔ یہ مقدس خطہ جسے ریاض الجنہ کہا جاتا ہے، حجر اسود کی مانند جنت کی چیز ہے یا یہ جگہ جنت میں منتقل ہو جائے گی۔ جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسطوانہ حنانہ کو جنت میں منتقل کر دیا تھا، یا یہ کہ اس جگہ عبادت و بندگی جنت کا موجب ہوگی۔[2]

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء لکھتے ہیں۔

میرے نزدیک صحیح قول یہی ہے کہ قیامت کے روز یہ حصہ بعینہ جنت میں چلا جائیگا[3]

یہ مقدس و متبرک، معزز و محترم قطعہ مسجد نبوی شریف میں اعجاز و امتیاز کی نرالی شان کا مظہر ہے اگرچہ ساری مسجد حسن و تجمل کا پیکر اور آرائش و زیبائش کا حسین مرقع ہے۔ مگر اس حصہ کی تزئین اور لطافت و نظافت کو انتہائی نفیس سبز قالین نکھارتے ہیں اور اس میں واقع سفید ستون منارہ نور کے مترادف ہیں۔

ریاض الجنہ میں نوافل پڑھنے اور تلاوت کرنے والوں کو ہر وقت جگمگا رہتا ہے مختلف اقسام کے قلمی اور مطبوعہ دیدہ زیب و خوشنما قرآن مجید جنوب کی سمت بنی ہوئی الماریوں میں رکھے رہتے ہیں، ریاض الجنہ اور فاروقیؓ و عثمانیؓ اضافہ مسجد کے درمیان ایک میٹر بلند پتل

---

[1] اخبار مدینہ: ۸۳۔

[2] ارشاد الساری ج ۲: ۳۴۷

[3] اخبار المدینہ، ۸۳

Marfat.com

کا دل کش جنگلہ حد فاصل کا کام دیتا ہے۔ اسی قطعہ میں محراب النبیؐ (جہاں امام الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر امامت فرماتے تھے) بھی ہے۔ اور آٹھ عظیم الشان ستون اس حصہ کی عظمت کو دوبالا کرتے ہیں۔ جن کی تعریف وتحسین آپؐ کے فرمان والا شان سے ظاہر ہے[1]

اس خبت نظیر خطہ میں بیش بہا قیمتی اور دیدہ زیب فانوس دلربا روشنی سے اسے بقعۂ نور بنائے ہوئے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل تک اس میں سبز قالین امتیازی نشان کی عکاسی کرتے تھے، لیکن ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء سے سرخ قالین بچھا دیے گئے ہیں۔

ریاض الجنہ کا طول ۲۲ میٹر اور عرض ۱۵ میٹر ہے[2]

ستون ہائے رحمت

ریاض الجنہ میں واقع آٹھ ستون مثالی اور تاریخی نوعیت کے حامل ہیں، جنہیں ستونہائے رحمت کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ستون نور کا مینار، فضیلت کا مرکز، سعادتوں کا مظہر، سرور وکیف کا مصدر، قبولیت دعا کی جگہ اور نجات ومغفرت کا آئینہ دار ہے، یہ تاریخی ستون ان ناموں سے یاد کیے جاتے ہیں۔ اسطوانہ حنانہ، اسطوانہ عائشہؓ، اسطوانہ ابی لبابہؓ، اسطوانہ سریر، اسطوانہ محرس، اسطوانہ وفود، اسطوانہ تہجد، اور اسطوانہ جبرائیل، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ان ستونوں کے پاس بڑے اہتمام سے نوافل ادا کرتے تھے[3]

ان ستونوں کے پاس نوافل پڑھنا اور دعا کرنا مستحسن اور مقدس عمل ہے، بشرطیکہ سہولت کے ساتھ ایسا کرنا ممکن ہو۔ البتہ فرض نماز کے لیے صف اول کا التزام کرنا ضروری ہے۔ اور نفل نماز کے لیے ریاض الجنہ کے مخصوص ستون زیادہ موزوں ہیں[4]

---

[1] رحلۃ المجازیہ: ۲۴۱ [2] رحلۃ المجازیہ: ۲۴۰ [3] صحیح بخاری ج ۱: ۱۷۲ [4] وفاء الوفا ج ۱ ص ۲۶۴

Marfat.com

اسطوانہ حنانہ اسے اسطوانہ حنّانہ اور اسطوانہ محلقہ بھی کہا جاتا ہے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف تیار ہونے سے پہلے کھجور کے جس تنے سے سہارا لگا کر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ آپ کے فراق کے باعث اس نے رونا اور چلانا شروع کر دیا تھا۔ اس رونے ہی کیوجہ سے اسے حنانہ کہا جاتا ہے۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل "منبر نبوی" کے ضمن میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ اور اسے مخلّق کہنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک مرکب خوشبو "خلوق" اسے بہت زیادہ لگائی جاتی تھی۔ اس وجہ سے اسے مخلّق کہا جاتا ہے یہ ستون محراب نبوی کے متصل امام کے دائیں جانب واقع ہے۔ [1]

اسطوانہ عائشہ اسے اسطوانہ القرع اور اسطوانہ مہاجرین بھی کہا جاتا ہے امام ابن زبالہ فرماتے ہیں،

تحویل قبلہ کے بعد محراب کی جگہ مقرر ہونے سے پہلے بارہ پندرہ دن تک امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ مصلیٰ بچھایا تھا۔ [2]

اکثر مہاجر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کی نشست اس جگہ رہتی، نوافل اور ذکر میں مصروف رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اسے اسطوانہ مہاجرین بھی کہا جاتا ہے۔ [3]

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کیا۔ "کہ مسجد نبوی شریف میں ایک جگہ بہت زیادہ بابرکت ہے اگر لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے تو انہیں اس جگہ پر نماز پڑھنے کے لیے ہجوم کی وجہ سے قرعہ ڈالنا پڑے۔"

صحابہ کرام رضؓ نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ سے وہ جگہ دریافت کرنا چاہی مگر انہوں نے بتانے سے پہلو تہی کی۔ بعد ازاں سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اصرار

---

[1] وفاالوفا ج ۱: ۲۶۳ [2] اخبار المدینہ: ۹۱ [3] ایضاً

Marfat.com

پر انہوں نے اس جگہ کی نشاندہی فرمادی۔ جس پر موصوف فوراً وہاں جا پہنچے اور نفل پڑھنے میں مصروف ہوگئے۔ اس طرح صحابہ کرام کو بھی اس ستون کا علم ہوگیا۔ اسی وجہ سے اسے اسطوانہ عائشہؓ کہا جاتا ہے۔[1]

ایک روایت کے مطابق دعا کی قبولیت کے لیے یہ جگہ خاص اہمیت رکھتی ہے۔[2]

اسطوانہ ابی لبابہؓ اسے اسطوانہ توبہ بھی کہا جاتا ہے، یہ ستون اسطوانہ عائشہ کے متصل مشرق میں حجرہ منیفہ سے دوسرا ہے جبکہ منبر مبارک سے چوتھا ہے قبلہ کی جانب سے تیسرا اور شمال کی طرف سے پانچواں ہے۔ اس ستون اور حجرہ مقدسہ کے درمیان بیس ذراع (یعنی ۳۰ فٹ) کا فاصلہ ہے۔[3]

سیدنا ابولبابہ بشیر بن عبدالمنذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ انصاری قبیلہ اوس کے چشم وچراغ اور نقباء انصار میں سے تھے۔ بتقاضائے بشریت ان سے ایک غلطی سرزد ہوگئی تھی جس کی پاداش میں انہوں نے اپنے آپ کو اس ستون کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ اس لیے ان کے نام سے یہ ستون مشہور ہوا اس واقعہ کی تفصیلات یوں ہیں۔

جب قبیلہ بنو قریظہ کے یہود نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی کا ارتکاب کیا تو آپ نے ان کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا جو اکیس روز تک جاری رہا، بالآخر تنگ آکر انہوں نے وطن چھوڑ کر ملک شام چلے جانے کی اجازت چاہی۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شرارتوں کے پیش نظر اجازت نہ دی بلکہ ارشاد فرمایا کہ صلح کی صورت صرف یہ ممکن ہے کہ سعد بن معاذؓ تمہارے متعلق جو فیصلہ کریں اس پر راضی ہو جاؤ۔

انہوں نے درخواست کی سعد بن معاذؓ کی بجائے یہ کام ابولبابہؓ کے سپرد کیا جائے،

---

[1] اخبار المدینہ: ۹۱ معالم دار الحجرہ: ۵۸ فتح الباری ج ۱: ۵۵۷ [2] ایضاً
[3] معالم دار الحجرہ: ۵۹،

Marfat.com

چونکہ حضرت ابو لبابہ رضؓ کے اہل وعیال اور جائیداد بنو قریظہ میں تھے۔ اس لیے ان سے ا
وابستہ تھی کہ وہ ہمارے معاملہ میں رعایت کریں گے۔ آپؐ نے ان کی درخواست پر حضر
ابو لبابہ رضؓ کو بھیجدیا۔ جب وہ ان کے پاس پہنچے تو بنو قریظہ کے سب مرد وزن ان کے
قدموں پر گر پڑے اور سخت گریہ وزاری اور آہ وبکا کرنے لگے۔ اور منت سماجت
کے کہنے لگے کہ اگر ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر اتر آئیں تو کیا ہمارے
معاملہ میں کچھ نرمی فرمائیں گے چونکہ حضرت ابو لبابہؓ کو معلوم تھا کہ ان کے معاملہ میں
برتنے کی رائے نہیں ہے۔ بنا بریں کچھ ان لوگوں کی گریہ زاری اور کچھ اپنے اہل وعیا
کی محبت سے متاثر ہو کر بتقاضائے بشریت حلق کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی تم سب قتل
دیے جاؤ گے۔ گویا اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز فاش ہو گیا۔ مگر فوراً
طاری ہو گئی اور سمجھ گئے کہ اللہ تعالےٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خ
ہو گئی ہے۔ اس بے ساختہ حرکت سے اس قدر ندامت اور پشیمانی کا غلبہ ہوا کہ وا
آکر اپنے آپ کو مسجد کے ستون کے ساتھ ایک وزنی زنجیر سے باندھ دیا اور قسم کھ
کہ جب تک میری توبہ قبول نہ ہو گی اسی طرح بندھا رہوں گا۔ خواہ اسی حالت میں
آجائے۔ چنانچہ سات روز مکمل اسی طرح بندھے کھڑے رہے ان کی بیوی اور بیٹی
کی نگہداشت کرتی تھیں۔ انسانی ضرورت اور نماز کے وقت کھول دیتی اور فارغ ہ
کے بعد پھر باندھ دیتی تھیں، کھانے پینے کے قریب تک نہ جاتے تھے یہاں تک کہ
طاری ہو جاتی۔ بھوک کی شدت اور ضعف کے باعث شنوائی جاتی رہی اور قریب
تھا کہ بینائی بھی جواب دے جائے۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا۔ اگر وہ پہلے
بارگاہ رسالت پناہی میں حاضر ہو جاتے تو میں ان کے لیے غفور الرحیم سے استغفار
لیکن اب تو انہوں نے اپنے آپ کو بارگاہِ خداوندی میں باندھ رکھا ہے۔ اس

Marfat.com

اذنِ خداوندی کے بغیر میں بھی نہیں کھول سکتا۔

ان کی ندامت اور خلوص دل کا ثمرہ تھا کہ قرآن مجید نے ان کی توبہ قبول ہونے کا مژدہ سنایا اور یہ توبہ قرآن مجید کا جزو بن گئی۔ چنانچہ سات روز کے بعد سحری کے وقت جبریلِ آمین یہ آیات لے کر تشریف لائے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ۔ الآیہ[1]

شفیع المذنبین رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت ام المومنین سیّدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر تشریف رکھتے تھے۔ مذکورہ ستون بھی سیدہ ام سلمہؓ کے گھر سے قریب واقع تھا۔ ام المومنین فرماتی ہیں۔ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ پُرضیا پر بشاشت اور ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر عرض کیا۔ آپؐ بڑے مسرور اور شاداں نظر آرہے ہیں، ارشاد فرمایا کہ ربِّ ذوالمنن نے حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی توبہ قبول فرمالی ہے۔

یہ خوش آئند خبر سن کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے سیّدنا ابولبابہؓ کو بشارت سنائی اور زنجیر کھولنے کی پیش کش کی مگر انہوں نے انکار کر دیا اور کہا کہ اب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود آزاد فرمائیں گے۔ چنانچہ آپؐ نمازِ صبح کے لیے تشریف لائے تو اپنے دست اطہر سے انہیں کھول دیا۔[2]

سیّدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما بیان کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف بیٹھتے تو اس ستون کے پاس آپ کے لیے بستر یا چارپائی بچھائی جاتی اور آپ ستون سے تکیہ لگاتے تھے۔[3]

---

[1] سورہ انفال: ۲۷ [2] تفسیر معارف القرآن ج ۴ : ۲۱۵، اخبار مدینہ ۸۹، ۹۰

[3] سنن ابن ماجہ : ۱۲۷، السنن کبریٰ ج ۵ : ۲۴۷،

Marfat.com

جس جگہ ان جلیل القدر صحابی کے آنسو اپنی فرد گذاشت پر گرے۔ وہ جگہ حرمت و فضیلت کا تابندہ نشان بن گئی۔ اس کا نتیجہ ہے کہ محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ کو اپنی مجلس کے لیے منتخب فرمایا۔ غربا و مساکین، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین اسی ستون کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھے تھے،

اسطوانہ سریر | یہ ستون حجرہ مقدسہ مطہرہ کی جالی کے ساتھ ملا ہوا ہے اور اسطوانہ ابی لبابہؓ کے متصل مشرق کو ہے، منبر شریف سے مشرق کو چوتھا ہے۔ حبیبہ حبیب خدا سیدہ عائشہؓ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے گھر کے بالکل قریب ہونے کی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم چارپائی اور چٹائی جس ستون کے قریب بچھائے تھے۔ وہ اسطوانہ سریر کے نام سے موسوم ہوا۔ آپ کی چارپائی کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی تھی جسے محلِ اعتکاف پر بچھا دیا جاتا اور چٹائی جس پر آپ رات بسر فرماتے دن کو اسے پاؤں مبارک کے نیچے رکھ لیا کرتے تھے[1] سرورِ کون و مکان، سلطانِ زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہ تو گاؤ تکیہ تھا، نہ ہی استراحت کے لیے نرم و گرم بستر، جو ذاتِ بابرکات وجہ تخلیقِ کائنات تھے انہوں نے دنیا کے خزانے پائے استحقار سے ٹھکرا دیے اور سادگی کو پسند فرمایا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کے دوران دروازے کی طرف سر مبارک کر لیتے تھے اور میں آپ کو کنگھا کرتی تھی۔[2]

اسطوانہ محرس | اسے اسطوانہ حرس اور اسطوانہ علیؓ بھی کہا جاتا ہے۔ حرس کے معنی پاسبانی کے ہیں۔ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت جب دولت کدہ میں تشریف لے جاتے تو اس مقام پر صحابہ میں سے کوئی آدمی پہرہ دینے کی غرض سے

---

[1] وفا الوفا ج ۱: ۳۱۷ [2] بخاری شریف ج ۱: ۲۷۱

Marfat.com

بیٹھتے۔ عموماً یہ خدمت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ انجام دیتے اور اکثر اوقات نوافل بھی اسی ستون کے پاس پڑھتے تھے۔ اس لیئے ان کے نام سے منسوب ہوگیا۔[1]

اسطوانہ وفود | یہ اسطوانہ محرّس سے شمال میں پہلا ستون ہے۔ سلطانِ عرب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں نواحی بستیوں اور مختلف ممالک کے وفود باریابی کے لیے حاضر ہوتے، تو اس ستون کی جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنی زیارت سے شرف فرماتے۔ آپ کا دربار گوہر بار سادگی کا موقع، پاکیزگی کا مطہر، نور کا سرچشمہ، اخلاق کا منبع اور لطف وکرم کا خزینہ تھا۔ جو ظاہری شان وشوکت سے بے نیاز تھا۔ بنا بریں اس کا نام اسطوانہ وفود مشہور رہوا، نیز جلیل القدر صحابہ کی جماعتیں بھی اس مقام پر خدمت اقدس میں حاضری دیتی تھیں۔[2]

اسطوانہ تہجد | یہ ستون سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کے حجرہ کے شمال میں واقع ہے اس کے بالمقابل اصحاب صُفّہ کا چبوترہ ہے۔ اس مقام پر سید الاوّلین والآخرین امام النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ تہجد ادا فرماتے تھے۔

سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت چٹائیوں کا حجرہ بنا لیتے اور اس میں نماز تہجد پڑھتے اور صبح انہیں اٹھا لیتے تھے۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کو اس بات کا علم ہوا تو وہ بھی آپ کے ساتھ مل کر نمازِ تہجد پڑھنے لگے مگر چند دن بعد آپ تہجد کے لیے باہر تشریف نہ لائے۔ صحابہ کے دریافت کرنے پر آپ نے ارشاد فرمایا مجھے اس بات کا خدشہ لاحق ہوا کہ کہیں تم پر تہجد فرض نہ ہو جائے اور تم اسے ادا نہ کر سکو، لہٰذا نفل نماز گھروں میں پڑھو۔[3]

اسطوانہ جبریل | یہ ستون اس وقت جالی مبارک کے اندر واقع ہے، جس کے

---

[1] عالم دار الہجرۃ ۶۰، وفا الوفا ج ۱: ۳۱۸ [2] وفا الوفا ج ۱: ۳۱۹ [3] مسلم شریف ج ۱: ۲۶۶

Marfat.com

باعث اس سے تبرک حاصل کرنا ممکن نہ رہا۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ سیدنا جبر
حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی شکل میں آتے اور عموماً اس جگہ تشریف ف
ہوتے تھے [1]

---

[1] وفاء الوفا ج ۱ : ۳۲۱،

Marfat.com

منبرِ نبوی شریف

سرورِ کونین، رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم منبر بننے سے پہلے موجودہ محراب کے
ریب غربی جانب کھڑے ہو کر صحابہ کرام کو خطبہ سے مشرف فرماتے تھے۔ جب طویل قیام
باعث تھکان محسوس ہوتی تو وہاں نصب شدہ کھجور کے تنے کے ساتھ سہارا لیتے۔ لیکن
ب ضعفِ پیری کے باعث تھکان زیادہ محسوس ہونے لگی اور مجمع بھی بڑھ گیا، تو منبر بنانے
تجویز پیش ہوئی۔ کتب احادیث اور تواریخ میں اس تجویز کے چند محرکات بیان ہوتے ہیں۔
رنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر میں جب کبرسنی کے باعث ضعف
ہ ہو گیا تو حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
رشاد فرمائیں تو میں آپ کے لیے ایک ایسا ممبر تیار کر دوں۔ جیسا میں نے ملکِ شام میں
دیکھا ہے تاکہ آپ اس پرسکون و طمانیت سے بیٹھ سکیں۔ آپ نے اس تجویز کو پسند فرمایا
منبر بنانے کی اجازت مرحمت فرما دی چنانچہ آپ کے لیے دو زینوں کا منبر تیار کر لیا گیا[1]

حضرت ابو زناد رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔

---

[1] سنن ابو داؤد شریف کتاب الجمعہ باب فی اتخاذ منبر ج ۱: ۱۰۸

Marfat.com

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز کھجور کے تنا کے پاس خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا۔

اَنّ القیام قد شق علیّ وشکا ضعفا فی رجیه — مجھ پر قیام شاق گزرتا ہے۔ اور میرے پاؤں میں ضعف آگیا ہے۔

اس پر فلسطین کے باشندے تمیم داریؓ نے گذارش کی، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپؐ کے لیے ایک منبر بنا دوں جیسا کہ میں نے ملک شام میں دیکھا ہے چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحاب الرائے کا اجلاس طلب فرمایا اور اس معاملہ میں ان سے مشورہ لیا، سیدنا عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے کہا کلاب نامی میرا ایک غلام بہت اچھا کاریگر ہے آپ نے فرمایا اسے کہو منبر بنا دے۔

سیدنا عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے غلام کو غابہ جنگل میں آثلہ کی لکڑی کاٹنے بھیج دیا (یہ لکڑی سخت اور مضبوط ہوتی ہے) چنانچہ کلاب نے لکڑی لاکر منبر بنایا جس کے دو درجے اور ایک نشست گاہ تھی۔ پھر منبر اس مقام پر رکھا گیا جہاں آج بھی نصب ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز اس پر راحت و طمانیت سے تشریف فرما ہوئے۔[1]

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، مسجد چھت ڈالنے سے پہلے آپؐ کھجور کے خشک تنا کے پاس نماز کے لیے کھڑے ہوتے اور اسی تنا کے پاس خطبہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ صحابہ میں سے ایک آدمی نے عرض کیا۔ ہم آپؐ کے لیے کوئی ایسی چیز بنا دیں جس پر کھڑے ہو کر آپ جمعہ کو خطبہ دیں تاکہ لوگ آپ کو دیدار کر سکیں اور ارشادات عالیہ بھی سن سکیں آپ نے اس رائے کو پسند فرما کر اجازت عنایت فرمائی اور آپ کے لیے تین زیتون کا منبر تیار کر لیا گیا۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعود عنوان منبر رسولؐ ج ۲، اخبار مدینہ ۷۹، ۸۰ [2] سنن ابن ماجہ: ۱۰۲

Marfat.com

سیدنا عباس بن سہل بن سعد الساعدی اپنے والد سے روایت بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے روز ایک دو شاخہ لکڑی سے تکیہ لگا لیتے تھے جو آپ کے مصلیٰ کے قریب واقع تھی، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگئی ہے۔ اگر آپ کو اجازت دیں تو کوئی ایسی چیز بنالیں جس پر آپ کھڑے ہو کر خطبہ پڑھیں اور لوگ آپ کا دیدار بھی کر سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا کر لو۔ حضرت سہل کہتے ہیں مدینہ منورہ میں صرف ایک ہی ماہر کاریگر تھا۔ میں اسے ساتھ لے کر جنگل کو گیا اور آثل کی لکڑی لا کر منبر تیار کرا دیا۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی نے یہ روایت "شرف المصطفیٰ" کے حوالہ سے نقل کی ہے، لیکن اس میں حضرت سہل بن سعد کے غلام کا نام "میمون" بیان کیا ہے جبکہ امام ابن سعد نے غلام کا نام ذکر نہیں کیا۔[2]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ میرا ایک غلام نجار ہے۔ کیا میں آپ کے لیے کوئی ایسی چیز بنوا دوں جس پر آپ بیٹھ کر خطبہ دیں، آپ نے ارشاد فرمایا۔ جس طرح تجھے پسند ہو۔[3]

دوسری روایت میں ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کے پاس آدمی بھیجا کہ اسے کہو اپنے غلام نجار سے لکڑی کا منبر بنوا دے تاکہ میں اس پر بیٹھوں۔[4]

حضرت ابو حازم بن دینار سے روایت ہے کہ کچھ آدمی حضرت سہل بن سعد الساعدی

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ : عنوان منبر رسول [2] فتح الباری کتاب الجمعہ باب الخطبۃ علی المنبر ج ۲ : ۳۹۸
[3] بخاری شریف کتاب الصلوٰۃ ج ۱، ۶۴، [4] ایضاً

Marfat.com

رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس آئے۔ وہ باہم اختلاف کر رہے تھے کہ منبر کی لکڑی کس درخت کی ہے چنانچہ انہوں نے حضرت سہل رضؓ سے اس کی حقیقت دریافت کی تو حضرت سہل رضؓ نے کہا۔ خدا کی قسم! مجھے معلوم ہے کہ منبر کس درخت کی لکڑی کا ہے اور بخدا پہلے ہی دن جب اسے رکھا گیا تو میں نے دیکھا تھا اور مجھے اس دن کا بھی علم ہے جبکہ پہلی مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی فلاں عورت کے پاس کہلا بھیجا کہ تم اپنے بڑھی غلام کو کہو کہ میرے لیے لکڑی کا ایسا منبر بنا دے جس پر میں بیٹھ کر لوگوں سے خطاب کر سکوں۔

چنانچہ اس انصاری عورت نے اپنے غلام کو ایسا کرنے کو کہا۔ وہ غابہ جنگل سے جھاؤ کے درخت کی لکڑی لایا اور اس سے منبر تیار کر کے اس عورت کے پاس لے آیا۔ پھر مذکورہ عورت نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منبر پہنچا دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے منبر اس مقام پر رکھ دیا گیا جہاں آج بھی موجود ہے۔[1]

مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ غلام نے تین زینوں کا منبر بنایا تھا۔[2] مذکورہ انصاری عورت کے غلام کا نام "مینا" بیان کیا گیا ہے۔[3]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء فرماتے ہیں۔

وہ بڑھی اسی عورت کا غلام تھا، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں منبر بنانے کی پیش کش کی تھی۔ بعد ازاں آپؐ نے اس کی طرف پیغام بھیجا اور اس خاتون سے اجازت طلبی کے بعد غلام کو اس کام پر مامور کیا گیا۔[4]

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۱۲۵، ۳۴۹، مسند ابوداؤد ج ۲: ۲۰۵ [2] مسلم شریف کتاب المساجد باب جواز صلوٰۃ الامام علی موضع ارفع من المامون ج ۱: ۲۰۶ [3] فتح الباری ج ۲: ۳۹۸، وفاء الوفا ۱: ۲۸۰ [4] شرح مسلم شریف ج ۱: ۲۰۶

Marfat.com

ایک روایت میں ہے کہ جس بڑھی نے منبر بنایا تھا۔ اس کا نام "باقوم" تھا اور اسی کاریگر نے قریش کے دور میں کعبہ شریف تعمیر کیا تھا۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء فرماتے ہیں۔

ان روایات کو آپس میں یوں مطابقت دی جاسکتی ہے کہ مدینہ منورہ میں لکڑی کے کام میں مہارت رکھنے والا ایک ہی بڑھئی تھا اور دیگر حضرات اس کے معاون کے طور پر کام کرتے ہوں گے۔[2]

علامہ احمد شہاب الدین الخفاجی نے مذکورہ غلام کے نام کے متعلق متعدد روایات نقل کی ہیں ایک روایت کے مطابق اسکا نام قبیصہ المخزومی بیان ہوا اور اسکا نام صبیح بھی بتایا جاتا ہے جو سیدنا عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا غلام تھا۔ نیز اس کا نام باقوم یا باقول تھا اور وہ سیدنا سعید بن العاص کا غلام تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ تمیم الداری کا غلام تھا۔ ایک روایت میں اسے سعد بن عبادہ کا غلام بیان کیا گیا ہے جبکہ ایک روایت کے مطابق وہ ایک انصاری عورت کا غلام تھا۔[3]

علاوہ ازیں علامہ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن سعد کی تصریح کے مطابق منبر سن ۷ ہجری میں بنایا گیا۔ مگر یہ روایت محل نظر ہے کیونکہ اس سلسلہ کی روایات میں حضرت عباس اور حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہما کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جبکہ سیدنا عباسؓ فتح مکہ کے بعد ۸ ہجری میں اور سیدنا تمیم داریؓ ۹ھ میں مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے اور امام ابن نجار نے منبر بنانے کی قطعی تاریخ ۸ ہجری قرار دی ہے۔[4]

محدث کبیر علامہ خلیل احمد انبیٹھوی رقم طراز ہیں۔

ابوداؤد شریف کی روایت میں منبر کے دو زینوں کا ذکر ہے اور مسلم شریف میں

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۳، ۱۸۳ [2] فتح الباری ج ۲ : ۳۹۹ [3] نسیم الریاض ج ۳ : ۶۰
[4] فتح الباری ج ۲ : ۳۹۹

Marfat.com

تین زینے بیان کیے گئے ہیں۔ بظاہر تضاد پایا جاتا ہے لیکن درحقیقت جن روایات میں دو زینے بیان کیے گئے ہیں ان میں نشستگاہ کا ذکر نہیں۔ جبکہ نشست گاہ سمیت تین ہی درجے تھے [1]

بعض تاریخی روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ لکڑی کا منبر تیار ہونے سے پہلے عارضی طور پر مٹی گارے سے منبر بنایا گیا جس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے [2]

منبر مبارک کی تعریف و توصیف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان قوائم منبری رواتب فی الجنۃ [3]	میرے منبر کے پائے جنت کے درجات ہیں۔
قوائم منبری رؤیت فی الجنۃ [4]	میرے منبر کے پائے جنت کے مراتب ہیں۔
وضع منبری علی ترعۃ من ترع الجنۃ۔ وما بین منبری وبیتی روضۃ من ریاض الجنۃ [5]	میرا منبر جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر رکھا جائے گا اور میرے منبر اور گھر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغوں میں سے ایک ہے۔
ما بین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ، وان منبری لعلی حوضی [6]	میری قبر اور منبر کے درمیانی جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر حوض کوثر پر ہے۔

---

[1] بذل المجہود ج ۲ : ۱۷۸ [2] فتح الباری ج ۲ : ۳۹۹ [3] مصنف عبدالرزاق ج ۳ : ۱۸۲ [4] سنن الکبریٰ ج ۵ : ۲۴۸ [5] کنزالعمال ج ۱۲ : ۲۶۱، ۳۳۵ [6] ایضاً ۲۶۰ : ۲۶۱ کنز [7] کنزالعمال ج ۱۲، ۲۶۰، ۲۶۱ مصنف عبدالرزاق ج ۲، ۲

Marfat.com

ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ وقوائم منبری رواتب فی الجنۃ [1]

میرے گھر اور منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے اور میرے اس منبر کے پائے جنت کے درجات ہیں۔

منبری ھذا علی ترعۃ من ترع الجنۃ [2]

میرا یہ منبر جنت کے دروازے پر ہے۔

حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں سے دریافت کیا، تمہیں معلوم ہے کہ "الترعہ" کیا ہے انہوں نے کہا کہ ترعہ دروازہ کو کہا جاتا ہے [3]

امام ابن نجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں کہ ابو عبید القاسم بن سلام کہتے ہیں کہ "الستوعہ" میں تین قول پائے جاتے ہیں

۱۔ کسی بلند جگہ باغ کا ہونا۔

۲۔ دروازہ

۳۔ زینہ [4]

علامہ ابن منظور المصری نے بھی یہی معنی مراد لیے ہیں [5] موصوف مذکورہ بالا حدیث کا ترجمہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔

یعنی: ان منبری ھذا علی ترعۃ من ترع الجنۃ

منبری علی باب من ابواب الجنۃ [6]

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت ہے کہ حضور اقدس صلعم ایک

---

[1] سنن الکبریٰ ج ۵ : ۲۴۷ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] اخبار مدینہ : ۸۱

[5] لسان العرب ج ۸ : ۳۲ تحت لفظ ترع [6] ایضاً

Marfat.com

مرتبہ منبر پر جلوہ افروز تھے اور فرمایا کہ میرے پاؤں اس وقت جنت کے دروازے پر رکھے ہوئے ہیں [1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں .

ان قدمی علی ترعۃٍ من ترع الحوض ۔ [2]

بے شک میرے دونوں پاؤں حوض کے ایک دروازے پر ہیں ۔

امام محمد بن مکرم ابن المنظور المصری المتوفی ۷۱۱ھ/۱۳۶۹ء فرماتے ہیں.

آپ کے ارشادات کا مطلب یہ ہے کہ منبر مبارک کے قریب نماز اور ذکر و تسبیح میں مشغولیت جنت میں جانے کا موجب ہے ۔ اس اعتبار سے گویا کہ وہ آدمی جنت کے ایک حصہ میں بیٹھا ہوا ہے ۔ [3]

خشک تنہ کی گریہ وزاری

شفیع المذنبین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جب منبر تیار ہو گیا تو آپ حسبِ معمول جمعہ کے دن خشک تنہ کے پاس سے گزر کر منبر پر رونق افروز ہوئے ہی تھے کہ وہ خشک لکڑی فراق محبوب میں زار و قطار رونے لگی کیونکہ وہ اس سعادت عظمیٰ اور اس سرچشمہ راحت سے محروم ہو گئی وہ مقدس و معجز جسم اس سے مس نہ ہوا تھا ۔ جو سعادت اور عظمت کی نعمت بے پایاں اسے حاصل تھی ۔ اس سے وہ یکسر محروم ہو گئی ۔ اس دل فگار صدمہ کی شدت سے اس کا دجور شق ہو گیا اور رونے کی ایسی ہیبت ناک آواز آنے لگی ۔ جیسے گابھن اونٹنی آواز کرتی ہے ۔ [4]

---

[1] معالم دار الحجرۃ : ۶۵ [2] لسان العرب ج ۸ : ۳۳

[3] لسان العرب ج ۸ : ۳۳ زیر لفظ ترع

Marfat.com

حیرت انگیز اور محیر العقول واقع سے تمام حاضرین پر بھی رقت طاری ہو گئی [1]

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جس خشک تنہ سے ٹیکہ لگایا کرتے تھے، منبر آجانے کے بعد ہم نے اس سے ایسی آواز سنی جیسے گابھن اونٹنی دلارت کے وقت آواز نکالتی ہے چنانچہ سرورِ کون و مکان صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر اس کے پاس آئے اور اپنا دستِ شفقت اس پر پھیرا اور وہ خاموش ہو گیا [2]

سیدنا جابر عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اس رقت انگیز منظر کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

فَصَاحَتِ النخلۃ صِیَاحَ الصَّبِیّ وہ لکڑی بچے کی طرح چلّا اٹھی

رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر سے اتر کر اسے گلے لگایا اور وہ بچے کی طرح سسکیاں بھرتی ہوئی خاموش ہو گئی۔ وہ لکڑی ذکرِ خداوندی کے سننے سے محرومی پر گریہ و زاری کر رہی تھی [3]

امام ابن البخار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء سیدنا عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مذکورہ بالا روایت کا آخری حصہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب سرورِ کون و مکان فخرِ زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے تنہ کے پاس سے گزر کر منبر پر تشریف فرما ہونے لگے۔ تو اس لکڑی نے چلانا شروع کر دیا۔ اس کی آواز گابھن اونٹنی کے بچھڑے کی طرح تھی اور تین مرتبہ یہ خوفناک آواز سنی گئی جس پر لوگ کھڑے ہو گئے۔ بعض آدمی

---

[1] سنن دارمی ج ۱ : ۲۴، وفاء الوفا ج ۱ : ۲۷۶

[2] بخاری شریف کتاب جمعہ ج ۱ : ۱۲۵ ، ۵۰۶

[3] بخاری شریف کتاب المناقب باب علامۃ النبوت ج ۱ : ۵۰۶ سنن ابکری ج ۳ : ۱۹۵

Marfat.com

ایڑھیاں اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے کہ کیا ہو گیا ہے پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اپنا دست شفقت پھیرا جس پر وہ خاموش ہو گیا۔[1]

سرورِ کونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اگر میں اس تنا کو تسلی اور تشفی دے کر خاموش نہ کرتا تو وہ اس جاں گذاز صدمہ میں قیامت تک روتا رہتا۔[2]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء سیدنا بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سنن دارمی کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں۔

سرورِ کون و مکان سلطانِ زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس خشک تنے کو پیار اور محبت سے چپ کرا دیا تو اس سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اگر تیری چاہت ہو تو تجھے سابقہ حالت پر لوٹا دیا جائے اور پھر سرسبز و شاداب اور پُر از میوہ و بہار ہو جائے۔ اور اگر تیری خواہش ہو تو تجھے بہشت بادداں میں بٹھا دیا جائے جنت کی نہروں اور چشموں سے سیراب ہو کر جنت کی ابدی بہاروں سے لطف اندوز ہو تیرا پھل جنت میں اولیاء و اتقیاء اصفیاء واز کیا کھائیں۔

اس نے جواب میں عرض کیا، یا نبی الرحمتؐ، میں جنت میں جانا پسند کرتا ہوں پھر آپؐ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ اس نے جنت الخلد کو اختیار کر لیا ہے۔[3]

قاضی عیاض الاندلسی المتوفی ھ/ ؎ مذکورہ بالا روایت کا آخری جملہ ان الفاظ میں نقل فرماتے ہیں۔

اختار دار البقاء علی دار الفناء — اس نے جہانِ فانی پر عالم جاودانی کو ترجیح دی۔

---

[1] اخبار مدینہ ۸۰ [2] ابن ماجہ ۱۰۲۱ مصنف عبدالرزاق ج ۳: ۱۸۶ سنن دارمی ج ۱: ۲۵، ۲۵ الشفا قاضی عیاض ۲۱۱ فتح الباری ج ۶: ۶۰۲ [3] سنن دارمی ج ۱: ۲۲ فتح الباری ج ۶: ۶۰۳، ۶۰۲ الشفا قاضی عیاض ج ۱: ۲۰۰

Marfat.com

چنانچہ اسی جگہ یا منبر کے نیچے گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا گیا اور اب وہ جنت کی لازوال نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہے[1]

حضرت خواجہ حسن بصری رحمت اللہ تعالےٰ علیہ جب یہ حدیث پڑھتے یا بیان فرماتے تو ان پر گریہ طاری ہو جاتا تھا، وہ ارشاد فرماتے، اے بندگانِ خدا، کس قدر عبرت کا مقام ہے کہ ایک خشک لکڑی محبوبِ انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں زار و قطار رونے لگی، کیا تم اس سے کہیں زیادہ اس بات کے مستحق نہیں کہ حبیب کردگار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کی خاطر ہر وقت فکرمند اور گریہ کناں رہو[2]

کھجور کے خشک تنہ کے رونے کا واقعہ مشہور و معروف ہے اور اسلاف نے تواتر کے ساتھ اسے نقل کیا اور صحابہ کرام کی ایک بڑی جماعت نے اس واقعہ کو بیان کیا ہے[3]

قاضی سلمان منصور پوری نے راویوں اور کتابوں کے نام تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہیں جن میں یہ واقع مذکور ہے، صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مسند شافعی، مسند احمد، سنن نسائی، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، مستدرک حاکم، بیہقی، طبرانی اور ابو یعلی، نے اس واقع کو روایت کیا ہے۔ صحابہ کرام جو اس روایت و دلایت کے عینی شاہد ہیں ان کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

سید القراء ابی بن کعب المتوفی ۱۹ھ - جابر بن عبداللہ المتوفی ۷۲ھ خادم الرسول انس بن مالک المتوفی ۹۲ھ عائشہ الصدیقہ عبداللہ بن عمر فاروق المتوفی ۷۳ھ ابن عم النبی عبداللہ بن عباس المتوفی ۸۸ھ، سہل بن سعد الساعدی المتوفی ۹۱ھ ابو سعید سعد بن مالک الخدری المتوفی ۷۸ھ بریدہ بن الخطیب سلمی المتوفی ۶۳ھ ام المومنین سیدہ ام سلمہ المتوفی ۵۹ھ اور مطلب بن ابو رداعہ القرشی رضوان اللہ

---

[1] معالم دار الہجرۃ ۶۱۰، وفا الوفا ج ۱: ۲۷۶ [2] الشفا قاضی عیاض ج ۱: ۲۰۰ فتح الباری ج ۶: ۶۰۲
[3] شفا ج ۱: ۲۰۱

Marfat.com

تعالےٰ علیہم اجمعین [1]

آج اگر ہم اپنے عشق و محبت کا جائزہ لیں زبان و دل کے تفاوت کو پرکھیں، تو معلوم ہوگا کہ ہم سرورِ کون و مکان سلطانِ زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا دعویٰ زبان تک محدود رکھتے ہیں، اسے دل کی گہرائیوں اور روح کی پہنائیوں میں بہت کم جگہ دی ہے۔ ورنہ اس خشک لکڑی سے کہیں زیادہ ہمارے سینے متاعِ سوز لیے ہوتے ہماری آنکھوں کے چشمے کبھی خشک نہ ہوتے، ہماری زبان و دل بیک وقت عشقِ نبویؐ سے سرشار رہتے۔ ہر لمحہ محبوبِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد بیتاب رکھتی۔ مگر افسوس ہماری زبانیں اس نامِ نامی کی تلاوت سے پوری طرح آشنا نہیں۔

مولانا رومی اس واقعہ کو اس طرح پیش فرماتے ہیں۔

استن حنانہ از ہجر رسول نالہ می زد ہمچو ارباب عقول

وہ تنہ جسے استوانہ حنانہ کہا جاتا ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے اس طرح رو رہا تھا جیسے ارباب عقول یعنی انسان روتا ہے۔

در تحیر ماندہ اصحابِ رسول کز چہ می نالد ستوں با عرض و طول

اس آوازِ گریہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالےٰ عنہم تعجب میں پڑ گئے کہ یہ ستون اپنے پورے حجم طول و عرض سے کس طرح رو رہا ہے۔

گفت پیغمبر چہ خواہی اے ستوں گفت جانم از فراقت گشت خوں

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اے ستون تو کیا چاہتا ہے؟ وہ کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی جدائی کے صدمہ سے میری جان خون ہو رہی ہے۔

---

[1] رحمت اللعالمین ج ۲ : ۱۷۴

Marfat.com

از فراقِ تو مرا چوں سوخت جاں　　چوں ننالم بے تواے جانِ جہاں

آپ کی جدائی سے میری جان اندر ہی اندر جل رہی ہے پھر اس آتش غم کے ہوتے ہوئے آپ کے فراق سے میں کیوں نہ آہ و فغاں کروں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہی تو جانِ کائنات ہیں۔

مسندت من بودم از من تاختی　　بر سر منبر تو مسند ساختی

میں آپ کے سہارا لگانے کی جگہ تھا۔ آپ مجھ سے الگ ہو گئے اور آپ نے میری جگہ دوسرا منبر پسند فرما لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ اے مبارک ستون اگر تُو چاہتا ہے تو تیرے لیے دعا کر دوں کہ تو سرسبز و ثمر بار درخت ہو جائے اور تیرے پھلوں سے ساری دنیا کے لوگ مستفید ہوں یا تو عالم آخرت میں سے کچھ چاہتا ہے اور تو ہمیشہ کے لیے تر و تازہ ہونا چاہتا ہے۔

اسطوانہ حنانہ نے جواب میں عرض کیا میں تو دائمی اور ابدی نعمت چاہتا ہوں۔

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقاش　　بشنو اے غافل کم از چوبے مباش

مولانا رومی نصیحت فرماتے ہیں کہ غافلو! سن لو تمہیں اس لکڑی سے سبق لینا چاہیے کہ انسان ہو کر بھی تم دُنیائے فانی پر گرویدہ اور آخرت سے روگردان ہو رہے ہو۔ اور وہ خشک لکڑی ابدی نعمت کو فانی نعمت پر ترجیح دے رہی ہے[1]

آں ستون را دفن کردند زیں　　تا چو مردم حشر گردد یوم دیں

پھر اسطوانہ حنانہ کو زمین میں دفن کر دیا گیا تاکہ مثل انسانوں کے روزِ جزا اس کا حشر ہو۔

---

[1] معارف مثنوی : ۳۴۰ تا ۳۴۲

Marfat.com

سیدِ عالم رحمتِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک خلفاء راشدین کے زمانہ میں اپنی ہیئت میں موجود رہا بعدازاں ۵۰ ہجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پہلی مرتبہ اس میں چھ زینوں کا اضافہ کیا جیسا کہ مورخین کی روایات سے ظاہر ہے امام محمد بن محمود بن النجار المتوفی ۶۴۳ ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں۔

"سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے گورنر مدینہ مروان بن الحکم کو لکھا کہ منبر مبارک کو زمین سے اونچا کر دیا۔ چنانچہ گورنر موصوف نے کاریگر بلا کر چھ زینے بنوائے اور ان کے اوپر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک نصب کر دیا اس طرح منبر شریف نشست گاہ سمیت نو درجات کا ہو گا۔ منبر شریف میں نہ تو اس سے پہلے کسی نے اضافہ کیا تھا اور نہ ہی بعد میں۔[1]

امام ابن النجار کے اس آخری جملہ سے معلوم ہوتا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا تیار کردہ منبر چھ سو سال تک موجود رہا اس میں کسی نے بھی اضافہ یا کمی نہیں کی اگرچہ بعد کے سلاطین و امراء نے اس میں اضافہ ضرور کیا ہے جس کی تفصیلات عنقریب بیان ہونے والی ہیں۔

علامہ احمد شہاب الدین الخفاجی رقم طراز ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب زیارت مدینہ منورہ کو آئے تو منبر مبارک پر قباطی چادر چڑھائی پھر شام لوٹ جانے کے بعد امیر مدینہ مروان کو لکھا کہ منبر شریف بلند کر دو۔ چنانچہ امیر موصوف نے منبر میں چھ درجے بڑھا دیئے اس طرح کل نو درجے ہو گئے۔[2]

علامہ محمد بن ابو بکر البشاری فرماتے ہیں۔

میں نے اخبار مدینہ میں پڑھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر مبارک

---

[1] اخبار مدینہ: ۸۱، [2] نسیم الریاض ج ۲: ۶۱

Marfat.com

کو محراب شریف کے قریب نصب کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ محراب و منبر کا قرب کا ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے۔ لیکن منبر مبارک اکھاڑ کر قریب کیا جانے لگا۔ تو مدینہ منورہ میں زلزلہ آگیا اور اور گڑگڑاہٹ کی خوفناک آوازیں آنے لگیں۔ جس کی وجہ سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔[1]

محدث شہیر امام عبدالرزاق المتوفی ۲۱۱ھ/ ۸۲۶ء سیدنا اسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں۔

"باقوم نجار نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تین زینوں کا منبر بنایا تھا۔ بعد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے اس میں اضافہ کر دیا تو اس وقت سورج کو گہن لگ گیا"[2]

علامہ اسماعیل بن عمر بن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ/ ۱۳۷۳ء نے واقدی سے اس سلسلہ کی دو روایات نقل کی ہیں۔

(۱) یحییٰ بن سعید بن دینار نے اپنے باپ سے یوں روایت بیان کی ہے کہ سن ۵۰ ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے منبر مبارک اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عصا مبارک کو دمشق لے جانے کا ارادہ کیا۔

جب سیدنا ابو ہریرہ اور سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس بات کا پتہ چلا تو انہوں نے امیر المومنین سے کہا کہ آپ کا یہ اقدام صحیح نہیں ہے۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور عصا کو مدینہ طیبہ سے باہر نہ لے جائیں۔ انہوں نے اس مشورہ کو قبول کر لیا اور منتقلی کا ارادہ ترک کر دیا اور صحابہ سے اس پر معذرت کر لی البتہ منبر میں چھ درجے بڑھا دیے۔[3]

---

[1] احسن التقاسیم فی معرفۃ الاقالیم: ۸۲ [2] مصنف عبدالرزاق ج ۲: ۱۸۲
[3] البدایہ والنہایہ ج ۸: ۵۰

Marfat.com

۲۔ واقدی کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ جب مذکورہ ارادہ سے منبر کو حرکت دی گئی تو سورج کو گہن لگ گیا[1]

"سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے گورنر مدینہ مروان بن الحکم کو لکھا کہ منبر مُبارک کو زمین سے اونچا کر دیا جائے۔ جس پر موصوف نے بڑھئی بلائے اور اس کے نیچے چھ درجے بڑھا کر زمین سے اونچا کر دیا اس طرح منبر کے نو درجے ہو گئے"۔ اور ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ مروان نے منبر مبارک کو سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاس بھیجنے کا ارادہ کیا تو سورج کو اس قدر شدید گہن لگ گیا کہ ستارے نظر آنے لگے شہر سخت اندھیرے میں ڈوب گیا اور تند و تیز جھکڑ چلنے لگے"[2]

"سیدنا سعید بن عمرو رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا منبر شریف کو حرکت دینے سے صرف یہ دیکھنا مقصود تھا کہ کہیں لکڑی کو دیمک تو نہیں کھا گئی"[3]

مذکورہ بالا روایات باہم سخت متضاد اور مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ جیسے جلیل القدر ممتاز صحابی کی کردار کشی کا موجب بھی ہیں۔ حالانکہ آپ کی ذات ستودہ صفات سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جا سکتی کہ انہوں نے کسی سیاسی غرض یا ذاتی مفاد کے باعث ان مقدس چیزوں کو شام منتقل کرنے کا عزم کیا ہو۔ بعید نہیں کہ محض بنو امیہ کو بدنام کرنے ہی کی خاطر روایات میں قطع و برید سے کام لیا گیا ہو کیونکہ کسی معتبر روایت سے دمشق منتقل کرنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ البتہ منبر میں اضافہ آپ نے یقیناً کرایا ہے کیونکہ آپ کے دور تک نمازیوں کی بہتات کے پیشِ نظر مسجد نبوی شریف میں تین مرتبہ اضافہ ہو چکا تھا۔ ابتداء میں

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۸ : ۴۵ [2] معالم دار الہجرۃ : ۶۶، ۶۷ [3] وفاء الوفاء ۱ : ۲۸۲

Marfat.com

صرف ۷۰ × ۶۰ ذراع تھی جبکہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اضافے کے بعد ۳۰۰ × ۱۵۰ ذراع پر محیط تھی۔ ان حالات کے باعث لوگوں تک خطیب کی آواز پہنچانے کی غرض سے سیّدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے منبر میں اضافہ کر کے امت پر احسانِ عظیم فرمایا۔ یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں ہے۔ اگر شرعی نقطہ نگاہ سے یہ طرزِ عمل صحیح نہ ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین ایسا کبھی نہ ہونے دیتے لیکن جیسا کہ امام ابن العربی المتوفی ۵۴۳ھ/ ۱۱۴۸ء رقمطراز ہیں۔

"کہ صحابہ کرام کی خاموشی اس اضافہ کے جواز کی بیّن دلیل ہے۔"[1]

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/ ۱۴۱۳ء نرقمطراز ہیں۔

کہ سیّدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا اضافہ شدہ منبر جب عرصہ دراز کے بعد بوسیدہ ہو گیا تو خلفاء بنو عباس میں سے بعض نے اس کی تجدید کرائی کیونکہ امام ابن النجار نے ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء میں منبر کی جو پیمائش بیان کی ہے وہ اس قدیم منبر کی پیمائش سے مطابق نہیں رکھتی۔ علاوہ ازیں امام موصوف کے زمانہ میں موجود منبر واقع آتشزدگی سے پہلے کا بنا ہوا تھا۔ کیونکہ موصوف کا انتقال ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ میں ہوا۔ جبکہ آتش زدگی کا المیہ یکم رمضان المبارک ۶۵۴ھ/ ۱۲۵۶ پیش آیا تھا۔ امام ابن نجار کی بیان کردہ پیمائش اس طرح ہے۔

طول تین ذراع ایک بالشت اور تین انگل ہے۔ منبر کے نیچے سنگِ مرمر کی چوکی رکھی ہوئی ہے جس کے باعث زمین سے منبر کی چوٹی تک بلندی ۵ ذراع ایک بالشت اور چار انگل ہے اس زمانہ میں منبر کے باہر دو زینے اور بڑھا کر دروازہ لگا دیا گیا ہے۔ جو جمعہ کے دن کھولا جاتا ہے۔[2]

---

[1] العواصم من القواصم: ۱۰۳ [2] معالم دار الہجرۃ: ۶۷ بحوالہ اخبار مدینہ ۸۲

Marfat.com

ابنِ جبیر الاندلسی کی تصریح کے مطابق امام ابن نجار کا بیان کردہ منبر ۵۶۳ھ/۱۱۶۷ء میں بنایا گیا تھا کیونکہ اس کی ہیئت اور کیفیت وہی تھی جو ابن نجار نے بیان کی ہے[1] جو منبر سرورِ کون ومکان، سلطانِ زمین وزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ اس کے تین زینے تھے۔ آپ منبر پر رونق افروز ہوتے وقت تیسرے درجے پر بیٹھتے اور دوسرے درجہ پر پاؤں مبارک رکھتے تھے۔ بعد میں امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ جب خلیفہ بنائے گئے تو آپ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک والی جگہ یعنی دوسرے زینے پر بیٹھتے اور پہلے زینہ پر پاؤں رکھتے تھے۔ ان کے بعد خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس ادب کو ملحوظ رکھا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے پاؤں والی جگہ یعنی پہلے زینے پر بیٹھتے اور پاؤں زمین پر رکھ لیتے تھے۔ پھر جب سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا عہدِ خلافت شروع ہوا تو انہوں نے چھ سال تک سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نشست کو اختیار کیا۔ یعنی پہلے درجہ پر بیٹھ کر زمین پر پاؤں رکھتے تھے مگر چھ سال بعد اس ہیئت کو تبدیل کر کے تیسرے زینے یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست کو اختیار کر لیا۔[2]

اس عمل کو توجیہہ اس طرح کرتے تھے کہ پہلے اور دوسرے زینہ پر بیٹھنے سے یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ میں شیخین کی برابری کا دعویدار ہوں۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات، مساوات اور برابری کے شبہ سے بالا و اعلیٰ ہے۔ اس لیے آپ کی نشست گاہ کو اختیار کیا۔[3]

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں۔

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۲۸۷ [2] اخبار مدینہ: ۸۱ معالم دار الہجرۃ: ۶۵ [3] وفاء الوفا ج ۱: ۲۸۲

Marfat.com

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر مبارک کا طول دو ہاتھ ایک بالشت اور تین انگل، عرض ایک ہاتھ، درمیان والا حصہ جس کے ساتھ تکیہ لگاتے تھے، ایک ہاتھ لمبا اور وہ بازو جن پر آپ خطبہ کے لیے بیٹھتے وقت ہاتھ رکھتے تھے وہ ایک بالشت اور دو انگل اونچے تھے[1]

منبر مبارک کے تینوں جانب پانچ لکڑیاں لگی ہوئی تھیں۔ منبر کی یہ کیفیت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان غنی اور سیدنا علی المرتضیٰ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں قائم رہی[2]

سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک جب مسجد میں رکھا گیا تو قبلہ والی دیوار اور منبر کے درمیان صرف اتنا سا فاصلہ تھا، جس سے بکری گزر سکتی ہو[3]

مروان بن الحکم نے منبر مبارک کے درجات اور تختوں میں اضافہ کیا۔ انہوں نے چھ درجات بڑھائے اور دس لکڑیاں لگا دیں تاکہ منبر اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے اس اضافہ سے منبر شریف کا طول ۶ ذراع یعنی ۹ فٹ ہو گیا۔

بعد ازاں سنگِ مرمر کی ۳½ فٹ بلند چوکی پر منبر شریف رکھا گیا جس سے مجموعی بلندی ۷ ذراع اور ایک بالشت ہو گئی، جبکہ منبر شریف کی اپنی بلندی صرف ۶ ذراع ۹ فٹ تھی[4]

۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء میں جب مسجد نبوی شریف میں آتشزدگی کا روح فرسا حادثہ پیش آیا (جس کی تفصیلات صفحہ ۳۵۷ میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں) تو اس سانحہ میں جہاں مسجد مبارک کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، وہاں منبر شریف بھی نذرِ آتش ہو گیا، جو تھوڑا بہت حصہ جلنے سے بچ گیا اسے صندوق میں بند کر کے اسطوانہ حنانہ کے قریب دفن کر دیا۔

---

[1] اخبار مدینہ ۸۱، ۲ [2] معالم دار الہجرۃ: ۴۶۶ [3] بخاری شریف ج ۲: ۱۰۹۰ [4] وفاء الوفا ج ۱ ص ۲۸۴، ۲۸۶

Marfat.com

۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں ملک مظفر شاہ یمن نے صندل کی لکڑی کا عالیشان منبر بنوا کر بھیجا۔ جو ۶۶۶ھ/۱۲۶۸ء تک دس سال مسجد نبوی شریف کی زینت بنا رہا۔ پھر ملک ظاہر رکن الدین بیبرس نے ۶۶۶ھ/۱۲۶۷ء میں نیا منبر بھیجا اور پہلا منبر ہٹا دیا گیا اس منبر کا طول چار ذراع تھا جبکہ دہلیز سے چوٹی تک ۷ ذراع سے بھی زائد بلندی تھی اور ۷ زینے تھے[1] اس منبر پر ۱۳۲ سال خطبہ پڑھا جاتا رہا۔ بالآخر لکڑی بوسیدہ اور کرم خوردہ ہوگئی جس کے باعث ۷۹۶ھ ۱۳۹۵ء ملک ظاہر برقوق سلطانِ مصر نے نیا منبر بھیجا۔ جو ۲۳ سال مسجد نبوی شریف کی زینت بنا۔ ۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء میں ملک مؤید نے نیا منبر نصب کرایا۔ ۸۸۶ھ رمضان المبارک میں مسجد نبوی شریف ایک مرتبہ پھر آگ کے بے رحم شعلوں کی لپیٹ میں آگئی جس میں منبر شریف بھی جل کر خاکستر ہوگیا۔ اہالیان مدینہ نے عارضی طور پر پختہ اینٹوں کا منبر بنا لیا۔ بعد ازاں ۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء ملک اشرف قایتبائی نے نیا منبر بنوا کر نصب کرایا۔ ۹۹۸ھ ۱۵۸۹ء میں عثمانی بادشاہ سلطان مراد خان نے سنگِ مرمر کا خوبصورت، نفیس، دیدہ زیب دلفریب اور عجائبات قدرت کا نادر نمونہ منبر بنوا کر بھیجا جس کے بارہ زینے تھے۔ جن میں سے تین دروازہ کے باہر اور ۹ زینے اندر تھے اور ملک قایتبائی والا منبر مسجد قبا میں منتقل کر دیا گیا[2]

علامہ عبدالقدوس انصاری رقم طراز ہیں۔

۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں منبر شریف بارہ زینوں پر مشتمل ہے جس کے اندر ۹ اور دروازے سے باہر تین زینے ہیں۔ منبر کے اوپر انتہائی خوشنما اور دلکش چھوٹا سا قبہ بنا ہوا ہے۔ جو سنگِ مرمر کے زیبا اندام چار ستونوں پر قائم ہے۔ دروازہ کے اوپر دلفریب و دیدہ زیب کنگرے بنے ہوئے ہیں۔ منبر شریف انتہائی نفیس، نادرہ

---

[1] معالم دارالحجرہ: ۱۷ [2] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۷۱

Marfat.com

فاخرہ آبِ زر کی مینا کاری سے مرصع اور مزین ہے۔ دروازے پر بے حد عمدہ خط میں متعدد اشعار کندہ ہیں[1]

سلطان مراد خان کے مذکورہ منبر کو اللہ تعالےٰ نے ایسی لازوال عزت و عظمت سے نوازا کہ اس وقت تک یعنی محرم الحرام ۱۴۰۸ھ / اکتوبر ۱۹۸۷ء تک ۴۱۱ سال گزرے جانے کے باوجود یہ مسجد کی رونق اور مرجعِ خلائق بنا ہوا ہے۔ اس کے استحکام اور مضبوطی میں کوئی خلل واقع نہیں ہوا۔ البتہ اس کی تزئین و آرائش میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ راقم اثم ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو جب اس کی زیارت سے مشرف ہوا تو اس کے بارہ زینے موجود پائے۔ دروازے کے باہر تین اور ۹ اندر ہیں۔ اندر والے زینوں پر سُرخ قالین بچھا ہوا ہے دروازے کے کواڑوں پر پیتل کی گرل لگی ہوئی اور پیشانی پر پیتل کے بنے ہوئے حروف میں کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ خطیب صاحب کے لیے سب سے اوپر والے زینے پر لاؤڈ سپیکر کا مائیک رکھا ہے اور گنبد کے اندر برقی پنکھا لگا ہوا ہے۔ دروازہ صرف جمعہ کے دن خطیب صاحب کے لیے کھولا جاتا ہے۔ عام اوقات میں مقفل رہتا ہے۔ اس کی حفاظت اور نگہداشت کے لیے ایک سپاہی موجود رہتا ہے۔ اللہ رب العزت اس کی عزت و شان کو دوبالا کرے اور اس کی زیارت سے ہر کسی کو بار بار مشرف فرمائے۔

خلاصۂ کلام

۸ھ	پہلا چوبی منبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بنایا گیا۔
۵۰ھ	سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے حکم سے مروان بن الحکم نے چھ زینوں کا اضافہ کیا
۵۶۲ھ/۱۱۶۷ء	میں نیا منبر بنایا گیا۔
۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء	آتشزدگی میں منبر مبارک جل گیا۔

[1] آثار المدینہ ۹۵

Marfat.com

۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں ملک مظفر شاہ یمن نے نیا منبر بھیجا جو ۶۶۶ھ/۱۲۶۸ء تک رہا۔

۶۶۶ھ/۱۲۶۸ء ملک ظاہر رکن الدین بیبرس نے منبر ارسال کیا جو ۱۳۲ سال موجود رہا۔

۷۹۷ھ/۱۳۶۵ء ملک ظاہر برقوق سلطان مصر نے منبر بنوایا جو ۳۲ سال رہا۔

۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء ملک مؤید نے منبر بھیجا۔

۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں دوسری مرتبہ منبر آتشزدگی کی نذر ہو گیا۔

۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء ملک اشرف قایتبائی نے منبر بنوایا۔

۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء میں ملک سلطان مراد خان عثمانی نے سنگِ مرمر کا منبر نصب کرایا۔

Marfat.com

محراب نبوی شریف

مسجد نبوی شریفؐ کی تعمیر کے بعد عرصہ دراز تک محراب کی علامت نہیں تھی۔ پہلی مرتبہ مساجد کے محراب سیّدنا عمر بن عبدالعزیز نے بنوائے تھے، پہلے پہل کسی ایک جگہ امام کے لیے لیے جائے نماز بچھادی جاتی تھی۔ یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ تشریف لانے کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ پھر آپ کی چاہت کے مطابق کعبۃ اللہ قبلہ قرار دے دیا گیا۔ حضرت جبرئیل آمین آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے کعبۃ اللہ اور مسجد نبوی شریف کے درمیان حائل درختوں، پہاڑوں اور تمام پردوں کو ہٹا دیا گیا جس کے باعث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ شریف کو سامنے دیکھ رہے تھے۔ جبرئیل نے عرض کیا۔ آپ قبلہ سمت فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے میزاب کعبہ کی سیدھ میں قبلہ متعین کرلیا، پھر جبرئیل آمین نے وہ تمام اشیاء اپنی اپنی جگہ لٹا دیں۔[1]

تحویل کعبہ کے بعد چودہ پندرہ دن تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا مصلی اسطوانہ عائشہ کے سامنے بچھایا جاتا رہا۔ بعدازاں محراب والی جگہ متعین ہوئی۔[2]

سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے اس خشک تنے کے پاس امامت کے لئے کھڑے ہوتے جس

---

[1] اخبار مدینہ: ۷۰ - [2] وفاء الوفا ۱: ۲۶۲

Marfat.com

کے ساتھ خطبہ کے وقت تکیہ لگایا کرتے تھے۔[1]

امام سمہودی بیان فرماتے ہیں :

" امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تین متفرق جگہوں پر کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے رہے۔ تحویل قبلہ سے پہلے جس جگہ آپ کھڑے ہو کر نماز پڑھاتے تھے وہ جگہ اس طرح معلوم کی جا سکتی ہے کہ آدمی اسطوانہ عائشہ کی سیدھ میں شمال کی جانب اتنے فاصلہ پر کھڑا ہو کہ باب جبرئیل دائیں کندھ کے برابر ہو جائے تو وہ جگہ آپ کے مصلی کی ہو گی۔ بعد ازاں جب قبلہ بیت اللہ شریف مقرر ہو گیا تو آپ نے جنوب کی طرف رُخ کر کے اسطوانہ عائشہ کے سامنے کچھ دن نماز پڑھائی۔ پھر اسطوانہ حنانہ کے پاس کھڑے ہو کر امامت کرانے لگے۔ چنانچہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے ۸۸ھ/۷۰۶ء میں اسی مقام پر محراب بنوا دی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ وسلم اور خلفائے راشدین[2] کے زمانہ میں محراب کی علامت نہیں تھی۔"

اس وقت مسجد نبوی شریف میں چار خوشنما اور دل کش محرابیں پائی جاتی ہیں۔ محراب نبوی[1]، محراب عثمانی[2]، محراب تہجد[3] اور محراب حنفی یا محراب سلیمانی۔

علامہ محمد لبیب البتنونی رقمطراز ہیں :

امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم نے موجودہ محراب والی جگہ ۱۵ شعبان سن ۲ ہجری کو پہلی مرتبہ نماز پڑھائی تھی۔ اس وقت محراب نبوی بیحد خوبصورت، دیدہ زیب اور انتہائی دلکش میناکاری سے مرصع ہے۔ جو "آیۃ" من آیاتِ اللہ" کا صحیح مصداق ہے۔ نقش و نگار اور صنعت کے اعتبار سے فقیدالمثال ہے۔[3]

---

[1] سنن ابن ماجہ [2] وفاء الوفاء ۱ : ۲۶۴ [3] رحلۃ الحجاریہ : ۲۴۱

Marfat.com

علامہ عبدالقدوس انصاری لکھتے ہیں :

محراب نبوی سُرخ سنگ مرمر اور سرمیائی رنگ کے حسین امتزاج سے مزین ہے۔ پیشانی پر قرآنی آیات خطِ ثلث میں آبِ زر سے لکھی ہوئی اس کی زیبائش کو دوبالا کرتی ہیں۔ محراب کے دونوں جانب دو حسین و جمیل ستون اس کے حسن کو نکھارتے ہیں۔ محراب کے غربی حصہ میں "ھذا مصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہوا ہے۔[1] محراب کے اوپر ایک دائرہ میں ھذا محراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم " لکھا ہوا ہے، محراب کے دونوں جانب ایک انچ موٹی پیتل کی خمدار خوشنما سیڑھی بنی ہوئی ہے جو محراب کے استحکام اور زیبائش کا کام دیتی ہے۔ محراب کے دونوں جانب گزرگاہوں کے اوپر کمان نما آہنی تختی پر ریاض الجنہ والی سمت یہ حدیث شریف لکھی ہوئی ہے" ما بین بیتی و منبری روضۃ من ریاض الجنۃ" اور اسی تختی کی قبلہ سمت" من زار قبری وجبت لہ شفاعتی صدق رسول اللہ" لکھا ہے۔ مغربی گزرگاہ کے اوپر اندر کی جانب یہ حدیث لکھی ہوئی ہے" ان الایمان لیاز رالی المدینۃ کما تاز ر الحیۃ الی جحرھا" اور اس تختی کے دوسری سمت یہ حدیث مرقوم ہے" قال علیہ السلام شفاعتی یوم القیامۃ حق ، فمن لم یومن بھا لم یکن اھلھا۔"

الحاج محمد صبغۃ اللہ نے اس جگہ حسب ذیل حدیث کا ذکر کیا ہے جو غالباً تبدیل کر دی گئی ہے :

" من زارنی بعد مماتی فکانما زارنی فی حیاتی [2]

محراب حنفی یا محرب سلیمانی :۔ یہ محراب منبر نبوی شریف سے مغرب میں واقع ہے۔ ۸۶۰ھ/ ۱۴۵۶ء میں الشیخ طوغان نے بنوایا تھا۔ عہد نبوی سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ ایام حج کے علاوہ امام

---

[1] آثار المدینہ ۹۴، [2] السکینہ باخبار مدینہ : ۴۷،

Marfat.com

محراب نبوی میں امامت کراتے اور ایام حج میں ہجوم کے باعث محراب عثمانی میں کھڑے ہوتے تھے، لیکن شیخ طوغان کی خواہش تھی کہ حنفی مسلک کے لوگ علیٰحدہ امام کی اقتداء میں نئے محراب میں نماز پڑھیں چنانچہ وہ دولت مصریہ کے زمانہ میں اس کوشش میں کامیاب ہوگیا، کہ شافعی مسلک کے امام محراب نبوی میں اور حنفی مسلک کے امام نئے محراب میں جماعت کرائیں جبکہ نماز تراویح بیک وقت دونوں محرابوں میں پڑھائی جاتی تھی۔ یہ سلسلہ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۴ء تک سلطان محمود کے دور تک جاری رہا۔ بعد ازاں محمد علی پاشا جب زیارت مدینۃ المنورہ کے لیے آیا تو اس کی مخلصانہ کوششوں کے باعث یہ طے پایا کہ بجائے دونوں محرابوں میں ہر ایک نماز علیحدہ علیحدہ دو امام پڑھائیں۔ مناسب ہوگا کہ ایک دن رات کی نمازیں شافعی مسلک کے امام محراب نبوی میں پڑھائیں اور سب لوگ ان کے پیچھے نماز ادا کریں۔

۹۳۸ھ/۱۵۳۱ء میں اس محراب کی تعمیر جدید سلطان سلیمان نے کرائی۔ اسے سفید اور سیاہ سنگ مرمر کے حسین امتزاج سے بنوایا جو خوبصورتی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس کے بعد یہ محراب سلیمانی کے نام سے مشہور ہوگیا، محراب کی پیشانی پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضاها فول وجهك شطره۔ قل صدق اللہ فاتبعوا ملة ابراهیم حنیفاً وما کان من المشرکین۔ الخ صدق اللہ العظیم وصدق نبیہ الکریم۔

التائبون العابدون تاوبشر المومنین۔ صدق اللہ۔ اللّٰھم صلی علی سیدنا محمد والہ [1]

---

[1]: رحلۃ الحجازیہ: ۴۶۹ تا ۴۷۰

Marfat.com

مسجد نبوی ؐ کے دروازے

رحمتِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد شریف تعمیر فرمائی تو اس کے صرف تین دروازے تھے، چونکہ تعمیر مسجد کے وقت قبلہ بیت المقدس تھا اس لئے ایک دروازہ جنوب میں دوسرا مشرق میں جسے باب عثمان اور باب جبرئیل بھی کہا جاتا تھا اور مغرب میں باب عاتکہ جسے باب الرحمۃ بھی کہتے تھے، بنائے گئے۔ بعدازاں جب تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا اور بیت المقدس کی بجائے بیت اللہ قبلہ مقرر ہوگیا تو آپ نے جنوبی دروازہ بند کرکے اس کے برابر شمالی دروازہ بنا دیا۔[1] جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہ دروازے محض گزرگاہ کی حیثیت رکھتے تھے، چوکھٹ اور کواڑ نہیں تھے۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسجد نبوی شریف تعمیر فرمائی، تو ایک دروازہ صرف عورتوں کے لئے رکھا اور حکم دیا کہ اس دروازہ سے کوئی مرد داخل نہ ہو۔

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضؓ کو اس دروازہ سے نہ کبھی داخل ہوتے دیکھا اور نہ ہی نکلتے دیکھا۔[2]

ممکن ہے جس دروازہ کا نام مورخین نے بیان نہیں کیا وہی باب النساء ہو۔ مگر بعد میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرق کی جانب اس نام سے نیا دروازہ بنا دیا ہو۔

۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء میں سلطان محمود نے باب النساء کے اندر مسجد کے کچھ حصہ میں لکڑی کی جالی نصب کرادی تاکہ عورتیں علیحدہ اور پردہ میں نماز پڑھیں، تاہم جالی میں چار گزرگاہیں

---

[1] اخبار مدینہ: ۶۹، [2] مسند ابوداؤد طیالسی ج ۲: ۲۰۵

Marfat.com

بھی بنوائیں، جن سے آمدورفت میں آسانی ہو۔[1]

علامہ عبدالقدوس انصاری نے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں مذکورہ جالی کا ذکر کیا ہے جس پر سبز اور زرد رنگ کیا ہوا ہے۔ لیکن سعودی توسیع کے دوران اسے ختم کر دیا گیا تھا۔[2]

راقم الحروف نے ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں زرد المونیم کی بنی ہوئی خوبصورت جالی دیکھی جو تقریباً دو میٹر اونچا تھی جبکہ ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۸ء وہ جگہ کھلی تھی غالباً ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں جالی بنائی گئی ہے۔ ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۸ء کو جب زیارت سے مشرف ہوا تو ایک نئے دروازہ کا اضافہ بھی پایا۔ جنوب مشرقی کونے میں باب جبریل کے جنوب میں بنا دروازہ بنایا گیا ہے تاکہ سلام پیش کرنے کے بعد لوگ اس دروازہ سے سہولت کے ساتھ باہر جا رکھیں۔

اس طرح آپ کے دور اور سیدنا صدیق اکبر کے دور میں بھی تین دروازے تھے۔ لیکن جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعمیر و توسیع کی خدمت سرانجام دی تو دروازوں میں بھی اضافہ کر دیا۔ جیسا کہ امام ابن النجار لکھتے ہیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ دروازے بنوائے۔ مشرقی دیوار میں باب عثمان کے علاوہ ایک دروازہ اور بنوایا۔ مغربی دیوار میں باب عاتکہ کو قائم رکھا اور دار مروان بن الحکم کے قریب ایک نیا دروازہ بنایا گیا اسی طرح شمالی دیوار میں بھی دو نئے دروازوں کا اضافہ کر دیا۔[3]

امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء لکھتے ہیں :

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشرق کی جانب باب عثمان کو برقرار رکھا اور اور باب النساء کا اضافہ کیا اور مغرب میں باب عاتکہ کے علاوہ باب السلام بنایا

---

[1] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۶۷ ، [2] آثار المدینہ: ۹۸۔ [3] ایضاً ص ۹۴

Marfat.com

اور دو دروازے شمال کی جانب بھی بنائے۔[1]

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توسیع اور تجدید کے وقت دو دروازے بند کر دیئے اور چار باقی رکھے۔[2]

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ رقمطراز ہیں۔

ولید بن عبدالملک نے توسیع مسجد کے وقت ۲۰ یا ۲۴ دروازے رکھے تھے، لیکن بعد ازاں ان کی تعداد خاصی کم کر دی گئی۔[3]

بَابُ النَّبِیؐ :۔ یہ دروازہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ انور کے برابر میں ہونے کی وجہ سے اس نام کے ساتھ شہرت پذیر ہوا۔ بعد میں اسے بند کر دیا گیا اور دیوار میں لکڑی کی جالی دار کھڑکی بنا دی گئی، جس سے لوگ آپؐ کے حجرہ انوار کی زیارت کر لیتے تھے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے اسی کے قریب جنازہ پڑھانے کا اہتمام کیا تھا۔ کیونکہ مسجد میں جنازہ پڑھانے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔[4]

بَابُ عَلِیؓ :۔ چونکہ یہ دروازہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حجرہ کے سامنے واقع تھا۔ اس لیے اس نام سے موسوم ہوا۔ مگر بعد میں حجرہ منیفہ کی دیوار بناتے وقت اسے بند کر دیا گیا۔[5]

بَابُ عُثمانؓ :۔ اسے باب جبرئیل بھی کہا جاتا ہے اور اسی دروازہ سے یعنی اسی راستہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لایا کرتے تھے۔ اسے باب عثمان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سامنے سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان واقعہ تھا اور اسی سمت میں آل عثمان کے دیگر مکانات بھی تھے۔ اسی نسبت سے یہ باب عثمان کے

---

[1] وفاء الوفاء ۱: ۴۹۵، [2] آثار المدینہ: ۱۰۴، [3] معالم دار الہجرہ: ۷۵
[4] معالم دار الہجرہ ۷۵، [5] ایضاً: ۷۶،

Marfat.com

نام سے مشہور ہوا۔[1]

اسے باب جبرئیل کہنے کی کئی وجوہات بیان کی گئی ہیں جن میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ غزوہ احزاب کے بعد غزوہ بنو قریظہ کا پیغام خداوندی لے کر جب جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو وہ گھوڑے پر سوار تھے اور اسی دروازہ کے قریب کھڑے تھے اس بنا پر اسے باب جبرئیل کہا جانے لگا۔[2]

بَابُ رَتِیطَۃ :۔ اسی کو باب النساء کہتے ہیں۔ یہ دروازہ رُتیطہ بنت ابی العباس السفاح کے مکان کے بالمقابل واقع ہونے کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوا۔ مگر اسے باب النساء سے دائمی شہرت نصیب ہوئی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ امام ابوداؤد نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کی ہے کہ حضور اقدس سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ایک دروازہ عورتوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے تو بہتر رہے گا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب تجدید و توسیع کی خدمت انجام دی تو مشرق کی سمت باب جبرئیل سے کچھ فاصلہ پر جو دروازہ دکھا اسے باب النساء کے نام سے نوازا۔ اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عورتوں کے احترام کے پیش نظر اس دروازہ سے نہیں گزرتے تھے[3]

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء کا بیان ہے کہ اس دروازہ پر ایک تختی پر الفسیفساء سے آیت الکرسی لکھی ہوئی تھی۔[4]

مشرقی دیوار میں پانچواں دروازہ اسماء بنت حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مکان کے سامنے تھا لیکن امام الناصر لدین اللہ نے جب ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء میں مشرقی شمالی مینار کی تجدید کرائی اور دیوار بھی نئی بنائی گئی تو یہ دروازہ بند کر دیا گیا۔[5]

---

[1] معالم دار الہجرۃ ۷۵ [2] وفاء الوفاء ۱: ۴۹۸ ، [3] معالم دار الہجرہ: ۷۶ ،
[4] معالم دار الہجرہ: ۷۷ ، [5] ایضاً ،

Marfat.com

البتہ امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء کا کہنا ہے کہ علامہ ابن جبیر الاندلسی کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دروازہ اور دوسرے دروازے بھی ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ھ سے پہلے بند ہو چکے تھے کیونکہ ابن جبیر کا سفر ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ھ میں ہوا ہے اور انہوں نے ان دروازوں کا ذکر نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بند ہو چکے تھے۔[1]

علاوہ ازیں امام زین الدین مراغی بیان کرتے ہیں کہ شمالی دیوار میں بھی چار دروازے تھے مگر اس وقت ان میں سے صرف باب السقایۃ باقی ہے جسے امام الناصر لدین اللہ کی والدہ ماجدہ نے ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء میں تعمیر کرایا تھا۔ مغربی دیوار میں آٹھ دروازے تھے چھ بند کر دیئے گئے اور دو کھلے رہے۔ اس سمت واقع باب عاتکۃ، عاتکہ بنت عبداللہ بن یزید بن معاویہ کے مکان کی طرف ہونے کی وجہ سے اس نام سے مشہور ہوا۔ اسی کو بعد میں باب الرحمۃ کہا جانے لگا۔[2]

باب الرحمۃ یہ قدیم وضع سے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیر کے وقت سے چلا آرہا ہے۔ امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء فرماتے اسے باب الرحمۃ کہنے کی وجہ یہ ہے۔ فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ جمعہ کے خطبہ میں مصروف تھے کہ مغربی دروازہ سے ایک آدمی داخل ہوا، اور اس نے بارش نہ ہونے کے باعث خشک سالی کا شکوہ کیا اور بارانِ رحمت کے لیے دعا کی التماس کی۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور فوری طور پر بارش شروع ہو گئی جو مسلسل ایک ہفتہ جاری رہی۔ پھر آئندہ جمعہ کو وہ شخص اسی دروازہ سے آیا اور بارش کی بندش کے لیے استدعا کی، جسے اللہ پاک نے قبول فرما لیا۔ چونکہ مذکورہ شخص اس دروازہ سے داخل ہوا اور بارش کی رحمت کا موجب بنا اس لیے اس دروازہ کو باب الرحمۃ کہا جانے لگا۔

---

[1] وفاء الوفاء ۱: ۵۰۰ - [2] معالم دار الھجرہ: ۸۰

Marfat.com

بَابُ السَّلام اسے باب المروان بن الحکم اور باب الخشوع بھی کہا جاتا تھا۔ یہ دروازہ جسے ولید بن عبدالملک نے بنوایا تھا۔ مروان بن الحکم کے مکان کے سامنے ہونے کی وجہ سے باب المروان سے مشہور ہوا۔[1]

مزید تفصیلات کے لیے وفاء الوفا جلد اوّل باب بتیس ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ فرید وجدی نے سعودی تعمیر سے پہلے حسب ذیل پانچ دروازوں کا ذکر کیا تھا مغرب میں باب السلام اور باب الرحمت، شمال میں باب المجیدی اور مشرق میں باب النساء اور باب جبرئیل۔ باب جبرئیل جنت البقیع کی سمت واقع ہونے کی وجہ سے اسے باب البقیع بھی کہا جاتا تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور سے یہ طریقہ جاری ہے کہ نماز عشاء کے بعد مسجد نبوی شریف کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور نماز فجر سے پہلے کھولے جاتے ہیں۔

سلطان عبدالمجید خان نے باب الرحمت اور باب السلام کے قریب وضو کے لیے جگہ بنوائی تھی۔[2]

آج کل نماز عشاء سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سحری کی اذانِ تہجد کے ساتھ ہی کھول دیئے جاتے ہیں۔ البتہ موسم حج اور رمضان المبارک میں ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔

علامہ عبدالقدوس الانصاری اس وقت موجود دروازوں کی کیفیت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

سعودی تعمیر و تجدید سے قبل مسجد نبوی شریف کے پانچ دروازے تھے۔ جنوب مغرب میں باب السلام جسے باب مروان بھی کہا جاتا تھا۔ اس کے شمال میں باب الرحمۃ جسے باب عاتکہ

---

[1] وفاء الوفا ۱:۵۰۳ [2] دائرۃ المعارف ج ۸: ۵۴۶

Marfat.com

کہا جاتا تھا۔ مشرقی دیوار میں باب النساء جو باب الرحمۃ کے بالمقابل تھا اور اسے باب رَبطہ بھی کہتے تھے۔ باب جبرئیل جو کہ باب النساء کے جنوب میں واقع تھا اور شمال مشرقی کونے میں باب المجیدی۔ جسے سلطان عبدالمجید عثمانی نے تعمیر کرایا تھا۔ یہ تمام دروازے خوبصورتی، تزئین و آرائش، مضبوطی اور موٹاپے کے اعتبار سے بے حد قابل تعریف تھے۔

بعدازاں جب سعودی حکومت نے مسجد کی قابل قدر توسیع و تعمیر کی خدمت انجام دی تو پانچ دروازوں کا اضافہ کر دیا۔ اس طرح اس وقت کل دس دروازے ہیں۔ باب الصدیق رضؓ اس کے تین بڑے دَر ہیں اور یہ باب السلام اور باب الرحمت کے درمیان واقع ہے۔ باب الملک یہ دروازہ بھی تین در پر مشتمل ہے اور باب الصدیق کے شمال میں مغربی دیوار میں ہے۔ باب عمر رضؓ بن الخطاب شمال مغربی کونے میں باب عثمان رضؓ بن عفان شمال مشرقی کونے میں اور باب عبدالعزیز جو کہ مشرقی دیوار میں باب النساء کے جنوب میں واقع ہے لے

اذان کی ابتداء

اسلامی عبادات وحدت و اجتماعیت کا ایک مثالی مظاہرہ ہیں۔ اسی مقصد کے حصول کی خاطر نماز با جماعت کا اہتمام کیا گیا۔ اس قدرتی اجتماع کے لیے شریعت مطہرہ نے جو دل نشین طریقہ اختیار کیا وہ بے شمار فوائد کا حامل ہے۔ اس کی ابتدا کب اور کیسے ہوئی۔ ہم احادیث کی روشنی میں اس کے پس منظر کو دیکھتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ کریمہ میں ہجرت کر کے آئے تو از خود نماز کے لیے جمع ہو جاتے تھے۔ بعد میں ایک مجلس مشاورت میں یہ بات زیر بحث آئی کہ نماز کے لیے لوگوں کو جمع کرنے کی کیا ترکیب اختیار کی جائے کسی نے ناقوس بجانے کسی نے آگ روشن کرنے اور کسی

لے آثار المدینہ، ۹۹،

Marfat.com

نے نرسنگھا پھونکنے کا مشورہ دیا۔ لیکن سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تجویز پیش کی کہ ایک آدمی بازاروں میں جاکر الصلوۃ جامعۃ کی صدا لگا دیا کرے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف یہی تجویز پسند آئی اور آپ نے اسی وقت حضرت بلال رضؓ کو حکم دیا کہ اٹھیں اور لوگوں میں جاکر نماز کا اعلان کریں[1]

کچھ عرصہ تک یہ سلسلہ جاری رہنے کے بعد پھر اس موضوع پر عہد رسالت مآب میں مشورہ ہوا۔ چنانچہ ایک مجلس مشاورت منعقد ہوئی جس میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے علاوہ امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، ہر ایک نے اپنی اپنی رائے پیش کی۔ کسی نے آگ روشن کرنے کی تجویز پیش کی۔ کسی نے نرسنگھا پھونکنے کا مشورہ دیا اور کسی نے ناقوس کی رائے دی لیکن آپ نے ان میں سے کسی بھی مشورہ کو قبول نہ کیا۔ کیونکہ ان میں سے ہر ایک غیر مذہب کا شعار تھا، مجوسی آگ جلاتے، یہودی نرسنگھا پھونکتے اور عیسائی ناقوس بجاتے تھے۔ اس طرح اس مجلس میں کوئی بات طے ہوئے بغیر مجلس برخواست ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہ بہت فکر مند ہوئے اسی فکر اور سوچ بچار میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے گھر واپس لوٹے اور بستر پر لیٹ گئے۔ پھر نیم خوابی اور نیم بیداری کی حالت میں دو سبز چادریں زیب تن کئے ایک شخص دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں ناقوس ہے، انہوں نے پوچھا ناقوس فروخت کروگے؟ اس شخص نے مقصد دریافت کیا۔ جواب دیا کہ نمازیوں کو بلاؤں گا۔ وہ شخص کہنے لگا اگر تم کہو تو اس سے بہتر صورت بتادوں۔ انہوں نے کہا بتادیں۔ اس مردِ خدا نے آذان اور اقامت کے کلمات مرتب طور پر بتادیئے۔ عبداللہ بن زید رضؓ نیند سے بیدار ہونے پر آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] جامع ترمذی شریف ج ۱ : ۴۸

Marfat.com

انھا لرویا حق ان شاء اللہ خدا نے چاہا تو یہ خواب حق ہے۔

زید آپ جائیں اور بلال رضؓ جو تم سے بلند آواز ہیں انہیں بتاؤ اور وہ ان کلمات کو پکاریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اس آواز کو سنا تو اپنی چادر کھینچتے ہوئے حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

یارسول اللہ والذی بعثک بالحق لقد رایت مثل ما اری فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فللہ الحمد[1]

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا، میں نے بھی وہی دیکھا جو انہیں دکھلایا گیا۔ یہ سن کر آپؐ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

ایک روایت میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ ایک آدمی دو سبز چادریں پہنے مسجد کی دیوار پر کھڑا یہ کلمات کہہ رہا ہے۔ اذان کے کلمات پورے کرنے کے بعد تھوڑی سی دیر کے لیے بیٹھ گیا۔ پھر کھڑے ہو کر وہی کلمات دہرائے اور ان میں قد قامت الصلوٰۃ کا دو مرتبہ اضافہ کیا۔ صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنا خواب بیان کیا۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہے مگر آپ کو اطلاع دینے میں انصاری سبقت لے گئے اور مجھے عرض کرنے میں حجاب محسوس ہوتا رہا[2]

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث الدہلوی المتوفی اس واقعہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"یہ واقعہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ احکام شرعیہ کا مدار حکمتوں اور مصلحتوں پر ہے۔ حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہوا کہ اذان صرف اعلام اور آگاہی تک محدود نہ رہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہ شعائر دین میں ایک مستقل شعار بھی ہو۔ اس طرح سے جو لوگ غافل

---

[1] سنن دارمی ج ۱: ۲۱۴، ابوداود ج ۱: ۵۱۔ سنن الکبریٰ ج ۱: ۳۹۰، ۳۹۱۔ [2] مصنف عبدالرزاق ج ۱: ۴۶۱۔ ابوداؤد شریف ج ۱: ۵۳

Marfat.com

ہوں یا خبردار ہوں لیکن مسجد سے دور رہتے ہیں ان تک بھی اس اعلان کو پہنچا دیا جائے اور اس شعائر دین کی عزت و توقیر کی جائے، اور جو جماعت اسے قبول کرے، اس کے متعلق یہ علامت قرار پا جائے کہ یہ دین الٰہی کے تابع ہیں، یہی وجہ ہوئی کہ کلمات اذان ذکر اللہ اور شہادتین سے مرتب ہیں اور ان میں ایسے کلمات بھی ہیں جن میں صراحتاً نماز کی طرف دعوت پائی جاتی ہے۔"[1]

سیدنا عبداللہ بن زید بن عبد ربہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں اذان اور اقامت کے جو کلمات تلقین کئے گئے وہ دو مرتبہ ادا ہوئے تھے[2] بنا بریں سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مجھے اذان کے کلمات اس طرح سکھلائے، مجھ سے فرمایا کہو:

اللہ اکبر اللہ اکبر۔ اشہدان لا الہ الا اللہ۔ اشہدان لا الہ الا اللہ۔ اشہدان محمدًا رسول اللہ۔ اشہدان محمدًا رسول اللہ حیّ علی الصلوٰۃ۔ حیّ علی الصلوٰۃ۔ حیّ علی الفلاح۔ حیّ علی الفلاح اللہ اکبر اللہ اکبر۔ لا الہ الا اللہ[3]

سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کے انیس کلمے اور اقامت کے سترہ کلمات سکھائے تھے۔[4]

سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ مکہ مکرمہ جا کر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس طرح اذان دینے کی اطلاع کروں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر یعنی تمام کلمات دو دو مرتبہ ادا کئے جائیں اور صبح کی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب الاذان: ج ۱: ۱۹۱۔ [2] سنن دارمی ج ۱: ۲۱۴، ابوداؤد ج ۱: ۱ وغیرہ۔ [3] مسلم شریف ج ۱: ۱۶۵۔ [4] ترمذی شریف ج ۱: ۴۸ نسائی شریف ج ۱: ۶۵۔

Marfat.com

اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم کا دو مرتبہ اضافہ کیا جائے اور اقامت کے کلمات بھی دو دو مرتبہ دہرائے جائیں اور ان میں قد قامت الصلوٰۃ کا اضافہ کیا جائے۔[1]

مختلف روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اذان کے لئے ایک جگہ متعین نہیں تھی بلکہ متعدد مقامات پر اذان دی جاتی رہی ہے جیسا کہ سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنی نجار کی ایک معزز خاتون کا کہنا ہے کہ مسجد نبوی شریف کے گرد و پیش واقع تمام مکانات میں میرا مکان زیادہ بلند تھا۔ اس لیے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ صبح تڑکے وہیں آجاتے اور طلوع فجر کا انتظار کرتے۔ جب صبح طلوع ہوتی تو اسی مکان کے اوپر اذان دیتے تھے۔ ان کا روزمرہ کا معمول تھا جسے کبھی ترک نہیں کیا تھا۔[2]

علامہ ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء لکھتے ہیں کہ مورخین کا بیان ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی شریف کے قبلہ سمت واقع ایک ستون پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھتے اور اس پر کھڑا ہو کر اذان کہتے تھے۔ مذکورہ سیڑھی حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں ۶۴۳ھ/ تک موجود تھی۔[3]

حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسجد نبوی کے متصل سیدہ حفصہ بنت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مکان میں واقع مینار پر چڑھ کر آذان کہتے تھے۔[4]

الشیخ ابراہیم رفعت پاشا لکھتے ہیں:

عہد نبوی اور عہد خلفاء راشدین میں موذن کے لیے جگہ متعین نہ تھی۔ مسجد کے مغرب

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۱: ۴۶۱۔ ایسی ہی روایت نسائی شریف ج ۱: ۶۶ میں بھی ہے مگر اس میں عتاب بن اسید کا ذکر نہیں [2] سنن الکبریٰ ج ۱: ۴۲۵ کتاب الصلوٰۃ باب اذان فی المنارہ۔

[3] اخبار مدینہ: ۸۶۔ [4] اخبار مدینہ: ۸۶۔

Marfat.com

میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مکان جسے دارالعشرہ کہا جاتا تھا میں واقع ایک ستون پر حضرت بلال رضؓ آذان کہتے تھے، جس پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھتے تھے۔ ولید بن عبدالملک کے عہد میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد نبوی کے چاروں کونوں میں مؤذنے یعنی اذان کے لیے مینار بنوائے۔ باب السلام کے قریب والا مؤذنہ جس سے دارِ مردان کی بے پردگی ہوتی تھی سلیمان بن عبدالملک نے منہدم کرا دیا تھا۔ بعد میں ۷۰۶ھ میں سلطان محمد بن قلاوون نے اسے تعمیر کرایا۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ قرونِ اولیٰ سے مسجد نبوی کے تمام میناروں پر اذان دینے کا طریقہ رائج چلا آرہا تھا۔ سعودی حکومت کے دوران مدینہ منورہ میں برقی نظام قائم ہو جانے کے باعث مسجد نبوی شریف میں لاؤڈ سپیکر بھی نصب کر دیئے گئے، جن پر اذان کہی جانے لگی۔ پہلے مکبرہ سے موذن اذان شروع کرتا تھا۔ اس کے وقفہ کے دوران چاروں میناروں سے لاؤڈ سپیکر پر اذان کی آواز گونجتی تھی۔ اسی طرح پوری اذان مسجد شریف میں پانچ جگہوں سے کہی جاتی تھی سابقہ مغرب کی اذان بیک وقت پانچ جگہوں سے ایک آواز کے ساتھ کہی جاتی تھی، لیکن ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء میں بعض حضرات کی پیہم کوششوں سے مسجد انتظامیہ نے یہ طریق ختم کر دیا ہے اب صرف مکبرہ سے اذان دی جاتی ہے۔

مکبّرہ یا مقصورہ مبلغین

محراب نبوی کے سامنے ۲.۵۰ سنٹی میٹر اونچا ایک مقصورہ بنا ہوا ہے جو آٹھ خوبصورت ستونوں پر قائم ہے۔ جنوب مغرب میں اوپر چڑھنے کے لیے زینہ ہے جس کا دروازہ مقفل رہتا ہے اس پر لاؤڈ سپیکر کے علاوہ براڈ کاسٹ کے آلات بھی نصب ہیں موذن اور مکبر اذان اور اقامت کے علاوہ چند مخصوص رفقاء سمیت اسی پر نماز پڑھتے ہیں۔ بعض احتیاطی تدابیر کے پیش نظر

[1] مراۃ الحرمین: ۴۵

Marfat.com

چند سالوں سے پولیس کا ایک سپاہی نگرانی پر مامور ہے۔

مینار پُر انوار

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں مسجد نبوی شریف کے مینار نہیں تھے۔ سیدنا عمر بن عبدالعزیز المتوفی ۱۰۱ھ/۷۱۹ء نے جب مسجد نبوی کی تعمیر و توسیع کی خدمت سرانجام دی تو ان کے قابل ستائش کارناموں میں سے یہ بھی قابل قدر کارنامہ تھا کہ مسجد کے چاروں کونوں میں مینار بنوائے۔ مروان بن الحکم کے مکان کے قریب باب السلام پر جو مینار بنایا گیا تھا، اس پر چڑھنے سے مکان کے اندر نظر پڑتی تھی۔ چنانچہ سلطان سلیمان بن عبدالملک حج کے بعد زیارت مدینہ منورہ کو حاضر ہوا اور مروان امیر مدینہ کے مکان میں قیام کیا۔ سلطان موصوف نے دیکھا کہ موذن جب مینار پر اذان کے لیے چڑھتا ہے، تو وہ سامنے نظر آتا تھا، اس لیے سلطان نے اس مینار کو منہدم کر دینے کا حکم دیا تاکہ اہل خانہ کی بے پردگی نہ ہو۔ بعد ازاں زمانہ دراز تک تین مینار ہی مسجد کی زینت بنے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مورخین نے تین میناروں کا ذکر کیا ہے۔

جیسا کہ امام ابن زبالہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کے تین مینار تھے۔ جن میں سے ہر ایک ۶۰ ذراع (یعنی ۹۰ فٹ) بلند تھا۔ موصوف دوسرے مقام پر ان کی تفصیل اس طرح لکھتے ہیں۔ جنوب مشرقی مینار ۵۵ ذراع (۸۲ فٹ ۹ اِنچ) شمال مشرقی مینار ۵۵ ذراع اور شمال مغربی مینار ۵۳ ذراع (۷۹ فٹ ۹ اِنچ) بلند ہیں۔ جبکہ ہر ایک مینار ۸ × ۸ ذراع چوڑا ہے۔

علامہ ابن جبیر رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اپنے دور میں میناروں کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔ جنوب مشرق میں محراب کے قریب مینار واقع ہے۔ جب کہ شمال مشرق اور جنوب مغرب میں دو بہت چھوٹے مینار ہیں۔

Marfat.com

بعد میں کسی وقت مذکورہ دونوں مینار بھی بلند کر دیئے گئے جیسا کہ علامہ سمہودی کے زمانہ میں مؤذنہ رئیسہ یعنی جنوب مشرقی مینار سطح زمین سے چاند تک ۷۷ ذراع (یعنی ۱۱۵ فٹ ۹ انچ) بلند تھا۔ ایک مرتبہ اس پر بجلی گرنے سے اکثر حصہ منہدم ہوگیا تھا جس کی وجہ سے اس کی تعمیر جدید کی گئی اور دوسرے مینار سے اونچا کر دیا گیا۔ پھر اس میں کچھ خلل واقع ہو جانے کی وجہ سے سلطان اشرف الشجاعی شاہین الجمالی نے منہدم کر کے تعمیر نو کا حکم دیا۔ بنا بریں پانی کی سطح تک گہری بنیادیں کھود کر بیحد مضبوط کرایا اور بلندی میں اضافہ کر کے ۱۲۰ ذراع (۱۸۰ فٹ) اونچا کر دیا۔

مینار سنجاریہ جو شمال مشرقی کونے میں تھا۔ ۷۰ ذراع (۱۰۵ فٹ) اور شمال مغربی مینار جو مینار الخشبیہ کے نام سے مشہور تھا ۷۲ ذراع (۱۰۸ فٹ) بلند تھا۔ ان کی یہ پیمائش مینار کی چوٹی پر نصب ہلال سے مسجد کے باہر سطح زمین تک تھی

۷۰۶ھ/۱۳۰۶ء میں سلطان الملک الناصر محمد بن قلاوون کے حکم سے باب السلام پر جو تھا مینار بھی تعمیر کر دیا گیا جس کی بلندی ۹۵ ذراع تھی[1] (۱۴۲ فٹ ۹ انچ)

الشیخ عبدالقدوس الانصاری ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۲ء میں حسب ذیل پانچ میناروں کا ذکر کرتے ہیں۔ جنوب مشرق میں مینار الرئیسہ جسے سلطان قایتبائی نے بنوایا تھا۔ مینارہ باب السلام جنوب مغرب میں واقع ہے باب مجیدی پر مینارہ سلیمانیہ، اس کے شمال میں مینارہ الشکیلیہ اور مینارہ باب الرحمت۔ یہ مینار سب سے چھوٹا تھا اور جدید توسیع میں ختم کر دیا گیا[2]

۱۳۷۲ھ/۱۹۵۲ء میں جب شاہ فیصل شہید نے توسیع کی قابل قدر خدمت انجام دی تو شمال مشرق اور شمال مغرب میں نئی طرز کے دو مینار بھی بنوائے جبکہ جنوب مشرق اور جنوب مغرب والے مینار سابقہ حالت میں قائم رکھے۔ اس طرح اس وقت مسجد نبوی شریف کے چار مینار ہیں دو قدیم اور دو جدید ہیں۔

---

[1] وفاء الوفاء ۱: ۳۷۳، ۳۷۴ ء [2] آثار المدینہ: ۹۹۔

Marfat.com

صفّہ اور اصحابِ صفّہ

صُفّہ، سائبان اور سایہ دار جگہ کو کہا جاتا ہے اور اس سے مراد مسجد نبوی شریف میں واقع وہ سایہ دار جگہ ہے۔ جہاں فقراء مہاجرین اقامت پذیر تھے جن کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وَالصُّفَّةُ اَلظُّلَّةُ [1]

امام نووی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔

اصحاب صفہ زہد و تقویٰ کے پیکر، غریب و نادار ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی شریف میں اقامت گزین تھے۔ مسجد کے آخر میں مسجد سے علیحدہ ایک سایہ دار جگہ بنی ہوئی تھی جس میں وہ رہتے اور سوتے تھے [2]

توحید کے ان سرمستوں کو نہ بھوک کی پرواہ تھی نہ لباس کا ہوش۔ وہ بادۂ اُلست سے مخمور، ابدی و سرمدی کیف سے سرشار رہتے تھے۔ دنیوی ہوس اور اس عارضی عیش و نشاط کا خیال، ان کے قلب مطہرہ پر اثر انداز نہ ہو سکا۔ انہوں نے اپنی زندگی کی متاع عزیز، اسلام کی سربلندی و سرفرازی اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے وقف

---

[1] لسان العرب ردیف ف ج:۹:۱۹۵ [2] تہذیب الاسماء واللغات ج:۴، ۱۷۷

Marfat.com

کر رکھی تھی۔ علائق دنیا سے اس طرح کنارہ کشی اختیار کی کہ پھر دنیوی عیش وطرب، جاہ وجلال اور مال ومنال انہیں اپنی طرف راغب نہ کر سکا۔ وہ قدسی نفوس اور صاحب تقویٰ برگزیدہ انسان اس سادہ سی مسجد کی زینت تھے۔ جن کے دامن ایمان کی تابانیوں، دین کی سرشاریوں ذکر وفکر کی لذتوں، تسبیح وتہلیل کی حلاوتوں اور جلوہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی کیف سامانیوں سے جگمگا رہے تھے۔

مسجد کے شمال مشرق میں مساکین مہاجرین کے لئے ایک چھپڑ بنا ہوا تھا۔ جسے صفہ کہا جاتا تھا اور وہاں قیام کرنے والے غرباء کو اصحاب صُفّہ کا لقب ملا۔ اس وقت وہ چبوترہ کی شکل میں ہے۔ جو زمین سے نصف میٹر بلند، ۱۲ میٹر لمبا اور ۸ میٹر چوڑا ہے اس کے چاروں طرف تانبے کا جالی دار گھیرا بنا ہوا ہے اس سے ۴ میٹر کے فاصلہ پر جنوب کی طرف اغوات کا چبوترہ اور مشرق میں گودام ہے اس کے ساتھ ہی ایک چبوترہ شیخ حرم یعنی امام صاحب کی نشست گاہ بنی ہوئی ہے[1] صُفّہ کے جنوب میں مقصورہ شریف کے متصل ایک اور تھڑا بنا ہوا ہے جس میں محراب تہجد واقع ہے[2]

ضعفاء مہاجر مسلمین اور فقرا شاکرین جو اپنے فقر پر فقط صابر ہی نہیں بلکہ امرا واغنیاء سے کہیں زیادہ رضا الٰہی پر شاکر اور مسرور تھے۔ ان کی رہائش کے لئے رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ مخصوص فرمائی تھی۔ چونکہ ان کے نہ تو اہل وعیال تھے اور نہ ہی کوئی جائے پناہ۔ نہ انہیں تجارت کے گورکھ دھندوں سے سروکار تھا اور نہ ہی زراعت وباغبانی کی روح فرسا مشقت سے شناسائی دوسرے لفظوں میں شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جن کا طرہ امتیاز "الفقر فخری" تھا ان کی یہ خانقاہ تھی اور اصحاب صُفّہ ارباب توکل اور ارباب تبتّل کی ایک فاقہ مست جماعت تھی جو تزکیہ نفس اور علم ودانش کے حصول کی

---

[1] آثار المدینہ ۹۹

[2] رحلۃ الحجازیہ : ۲۴۰

Marfat.com

خاطر فیضان مصطفویؐ سے فیض بار ہونے کی غرض سے ہر گھڑی خدمت عالیہ نبویہ میں حاضر رہتی تھی۔ علوم قرآن وحدیث کے حصول کا شوق انہیں کشاں کشاں معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ معارف پناہ میں لاتا اور وہ روحانی غذا اور لذت سے ایسے محظوظ ہوتے کہ پھر اس در کو چھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔

ان قدسی نفوس نے اپنی آنکھوں کو محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ زیبا کے دیدار پرانوار کے لئے، کانوں کو آپؐ کے کلمات طیبات کی سماعت کی خاطر اور جسم وجان کو آپ کی صحبت ومعیت کے لئے وقف کر رکھا تھا۔ وہ اسلام کے معزز مہمان تھے۔[1]

یہ دل کے اغنیا اور ایمان کے اصفیا، جن کے افلاس وناداری کی وجد آفریں اور فکر انگیز داستان ان ہی میں سے ایک فرد فرید سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

"میں نے ستر اصحاب صُفّہ کو دیکھا کہ ان کے پاس چادر تک نہ تھی فقط تہ بند تھا یا کمبل جسے اپنی گردن میں باندھ کر لٹکا لیتے تھے اور وہ بھی اس قدر چھوٹا ہوتا کہ کسی آدھی پنڈلیوں تک پہنچتا اور کسی کے ٹخنوں تک، اور ہاتھ سے اسے تھامے رکھتے کہ کہیں ستر کھل نہ جائے۔"[2]

سیدنا مجاہد فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کیا کرتے تھے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں! کہ میں بسا اوقات بھوک کی شدت کے باعث اپنا شکم اور سینہ زمین پر لگا دیتا (تاکہ زمین کی نمی اور ٹھنڈک سے بھوک کی حرارت میں کچھ کمی آجائے) اور بعض اوقات پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تاکہ سیدھا کھڑا ہو سکوں۔

ایک روز سر راہ جا کر بیٹھ گیا۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ادھر سے گزر ہوا۔ میں نے ان سے ایک آیت قرآنی کا مطلب دریافت کیا۔ غرض تو یہ تھی کہ وہ میری صورت اور ہیئت دیکھ کر کھانا کھانے کے لئے اپنے ہمراہ لے جائیں گے۔ لیکن

---

[1] فتح الباری ج ۱۱ : ۲۸۶ [2] بخاری شریف باب نوم الرجال فی المسجد ج ۱ : ۶۳

Marfat.com

وہ چلے گئے اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ گزرے ان سے بھی ایک آیت کا مطلب دریافت کیا مگر وہ بھی گزر گئے۔

کچھ دیر بعد ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور میرے چہرہ کو دیکھتے ہی پہچان گئے اور دلربا مسکراہٹ کے ساتھ شگفتہ دہن ہوئے "اے ابوہریرہ" میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں۔ ارشاد ہوا میرے ساتھ چلیں۔ میں آپ کے ساتھ ہو لیا۔ جب آپ گھر تشریف فرما ہوئے تو ایک پیالہ دودھ رکھا دیکھا۔ دریافت فرمایا کہ یہ دودھ کہاں سے آیا! گھر والوں نے کہا فلاں نے آپ کو ہدیہ بھیجا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا ابوہریرہ اصحاب صُفّہ کو بلا لاؤ۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔

وَاھل الصفۃ اضیاف الاسلام اور اصحاب صُفّہ اسلام کے مہمان تھے نہ تو ان کا گھر بار اور نہ ہی ان کے پاس مال وزر تھا۔ غرض یہ کہ ان کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہیں سے صدقہ آتا تو اصحاب صُفّہ کے پاس بھیج دیتے۔ اور خود اس میں سے کچھ بھی نہیں لیتے تھے (اس لئے کہ آپ پر صدقہ حرام تھا) اور اگر ہدیہ آتا تو خود بھی اس میں سے کچھ تناول فرماتے تھے اور اصحاب صُفّہ کو بھی اس میں شریک کرتے۔

اس وقت آپ کا یہ حکم کہ اصحاب صُفّہ کو بلا لاؤ۔ میرے نفس کو کچھ شاق گذرا اور اپنے دل سے کہہ رہا تھا کہ یہ اتنا سا دودھ اصحاب صُفّہ کے لئے کیسے کافی ہوگا۔ اس دودھ کا تو سب سے زیادہ حقدار میں تھا کہ کچھ پی کر طاقت اور توانائی حاصل کرتا۔ پھر یہ کہ اصحاب صُفّہ کے آنے کے بعد مجھ ہی کو اس کی تقسیم کا حکم دیں گے اور تقسیم کے بعد یہ امید نہیں کہ میرے لئے اس میں سے کچھ بچ جائے لیکن اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سوا چارہ نہ تھا۔

چنانچہ اصحاب صُفّہ کو بلا لایا اور پھر آپ کے ارشاد کے مطابق ایک ایک کو پلانا شروع

Marfat.com

کیا۔ جب سب نے سیراب ہو کر پی لیا۔ تو میری طرف دیکھ کر آپؐ مسکرائے اور فرمایا کہ اب صرف میں اور تم باقی رہ گئے۔ میں نے عرض کیا بالکل درست ہے۔ آپؐ نے فرمایا بیٹھ جاؤ اور پینا شروع کرو۔ میں نے پینا شروع کیا اور آپ برابر یہ فرماتے رہے" اور پیو اور پیو" یہاں تک کہ میں بول اٹھا قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا۔ اب بالکل گنجائش نہیں۔ اس پر آپ نے میرے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی اور بسم اللہ شریف پڑھ کر باقی ماندہ سب نوش فرما لیا[1]

سیدنا عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ تعالےٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اصحاب صُفّہ فقیر تھے اس لئے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں صحابہ پر تقسیم فرما دیتے تھے، جس شخص کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے کو اور جس کے ہاں تین کا ہو وہ چوتھے کو اپنے ہمراہ لے جائے[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔ میں بھی اہل صُفّہ میں شامل تھا۔ شام کے وقت ہم سب رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جاتے آپ ایک ایک دو دو کو اغنیاء صحابہ کے سپرد فرما دیتے اور جو باقی رہ جاتے انہیں اپنے ساتھ شریک طعام فرماتے، کھانے سے فارغ ہو کر ہم لوگ مسجد میں سو جاتے[3]

محمد بن سیرین فرماتے ہیں جب شام ہوتی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صُفّہ کو لوگوں پر تقسیم فرما دیتے کوئی دو آدمی لے جاتا اور کوئی تین اور کوئی دس آدمی لے جاتا۔ یونہی سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ ہر روز اسّی اسّی آدمی اپنے ہمراہ لے جا کر انہیں کھانا کھلاتے[4]

---

[1] بخاری شریف کتاب الرقاق باب کیف کان عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ ج ۲: ۹۵۵، ۹۵۶

[2] بخاری شریف کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب السمر مع الاھل والضیف ج ۱: ۸۴ باب علامات النبوت فی الاسلام ج: ۱: ۵۰۶ نیز ج ۲: کتاب الاداب ۹۰۶

[3] فتح الباری ج: ۱۱، ۲۸۷ کتاب الرقاق [4] حلیتہ الاولیاء ج ۱: ۳۴۱

Marfat.com

سیدنا معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں بھی اصحاب صُفّہ میں شامل تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر اصحاب صفّہ کو انصار پر تقسیم فرما دیتے تھے ایک ایک، دو، دو اور تین تین ایک انصار کے ساتھ چلے جاتے جب چار فقراء اور پانچویں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باقی رہ جاتے تو آپ ارشاد فرماتے تم میرے ساتھ چلو[1]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جن حضرات کے باغات ہیں وہ اپنے ہر دس خوشوں میں سے ایک خوشہ مساکین کے لئے مسجد میں لایا کریں[2]

چنانچہ انصار با وقار اپنے باغات سے فقراء و مساکین اصحاب صفہ کے لئے کھجور کے خوشے لاکر سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں پیش فرماتے، جو ان کے نگران اور منتظم تھے۔ صفہ ہی کے قریب دو ستونوں سے بندھی ہوئی ایک رسی سے لٹکا دیتے۔ جنہیں اصحاب صفہ چھڑی سے جھاڑ کر بوقت ضرورت کھاتے تھے[3]

سیدنا فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے کہ اصحاب صُفّہ بعض اوقات بھوک کی شدت کے باعث اس قدر لاغر اور ضعیف ہو جاتے تھے کہ نماز کی حالت میں بھی بے ہوش ہو کر گر جاتے تھے۔ باہر سے آنے والے بدوی انہیں دیوانہ اور مجنوں سمجھتے، لیکن محسن کائنات صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنے دامان شفقت میں پناہ دینے اور ان کی دلجوئی اور دلداری سے عزم و ثبات میں پختگی سے ہمکنار فرماتے۔ اور انہیں ان وجد آفرین اور ایمان افروز کلمات سے نوازتے،

"اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کریم نے تمہارے لئے کیسے کیسے انعامات

---

[1] فتح الباری ج ۱۱: ۲۸۶ [2] طحاوی شریف ج: ۲ : ۱۷۳

[3] اخبار مدینہ: ۸۸

Marfat.com

تیار کر رکھے ہیں تو تم آرزو کرتے ۔۔۔ کہ یہ فقر و فاقہ کا سلسلہ اور بھی طویل ہو جائے"[1]

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی خودی کی خلوتوں میں کبریائی
زمین و آسمان و کرسی و عرش خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

سیدنا عیاض بن غنم رضی اللہ تعالےٰ عنہ اصحاب صُفّہ کی شان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو اس طرح بیان فرماتے ہیں، آپؐ نے فرمایا میری امت کے برگزیدہ اور پسندیدہ اور رفیع المرتبت، ذی شان شخصیات کے متعلق ملاءِ اعلیٰ (ملائکہ مقربین) نے یہ پیغام رسانی کی ہے کہ وہ حضرات ظاہر میں خدائے عزوجل کی رحمت واسعہ کا خیال کر کے مسرور و محفوظ ہوتے ہیں مگر خداوند ذوالجلال کے عذاب و عقاب کی شدت کے خوف سے ان کے دل مغموم و محزون ہیں، وہ، شب و روز خدا کے مقدس اور پاکیزہ گھروں یعنی مساجد میں ذکر و فکر میں مصروف و مشغول اور منہمک رہتے ہیں ان کی زبانیں رحمت خداوندی کی امید و رجاع کی آئینہ دار اور مالک حقیقی کے دیدار کے لئے ان کے قلوب اضطراب سیمابی میں مبتلا ہیں۔

لوگوں پر ان کا بار نہایت ہلکا اور خود ان کے نفوس پر بے حد بھاری اور گراں ہے زمین پر نہایت وقار اور طمانیت اور سکون کے ساتھ چلتے ہیں، ان میں تکبر غرور اور خود آرائی کا نام و نشان تک نہیں، ان کی چال سے تواضع انکساری اور مسکنت جھلکتی ہے۔

تلاوت قرآن ان کا ورد زبان پرانے اور بوسیدہ کپڑے زیب تن کئے رب کریم کی خصوصی رحمتوں سے ہر وقت مالا مال ہوتے رہتے ہیں، حفاظت خداوندی ان پر سایہ فگن ہے۔ ان کی روحیں دنیا میں ہیں مگر دل آخرت کی لگن میں، فکر آخرت نے انہیں دنیا کی عارضی

---

[1] ترمذی شریف ابواب الزہد باب ما جاء فی معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ح ۲:۶۲
حلیۃ الاولیاء، ج ۱: ۳۳۹

Marfat.com

خوشیوں سے بے پرواہ کر دیا ہے۔ قبر اور آخرت کے لئے ہر وقت رخت سفر باندھے تیار کھڑے ہیں۔ ایسے ہی قدسی نفوس سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذالک لمن خاف مقامی وخاف وعید [1]

یہ وعدہ اسی کے لئے ہے جس کے دل میں میرے سامنے پیش ہونے اور میرے عذاب کا خوف شعلہ زن ہے۔

اصحاب صُفّہ کی تعداد میں کمی زیادتی ہوتی رہتی تھی۔ ان میں سے کسی کی شادی ہو جانے سفر اختیار کر لینے اور موت و مرگ کے باعث کمی ہو جاتی تھی اور اسی طرح نئے طالبان حق غربت و مسکنت کے باعث ان میں شامل ہوتے رہے تھے اسی لئے مختلف روایات کے پیش نظر اگر ایک وقت میں ان کی تعداد ستر تھی تو کسی وقت وہ چار سو تک کی عظیم جماعت پر مشتمل ہوتے تھے۔ جیسا کہ عارف سہروردی نے عوارف میں ان کی تعداد چار سو تک لکھی ہے ابو عبدالرحمٰن سلمیٰ ابن اعرابی اور امام حاکم نے ان کے اسماء اور احوال کو شرح و بسط کے ساتھ قلمبند کیا ہے اور حافظ ابو نعیم نے حلیتہ اولیا میں سب کے نام تفصیل سے ارقام فرمائے ہیں۔

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبوگاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

مسجد نبویؐ کے خدمت گار

مسجد نبویؐ شریف کی مختلف نوعیت کی خدمات سرانجام دے کر کتنے ہی خوش نصیب حضرات ہمیشہ سے دارین کی سرفرازی حاصل کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ خدام نبویؐ خواہ

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳: ۳۵۵

Marfat.com

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ امامت کی پاسداری، خدمت انجام دینے والے ہوں یا ہادی انس وجاں صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت وارشاد کے امین مسجد نبویؐ کے خطبا ہوں یا معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وتبلیغ کو چار دانگ عالم میں پہنچانے والے مسجد نبویؐ کے مبلغین اور مدرسین ہوں یا داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو بصورت موذن ومکبر جاری وساری رکھنے والے ہوں اور خواہ اس دربار گوہر بار کے جاروب کش خدام ہوں۔ ہر ایک فرد مفوضہ خدمت کی انجام دہی کو دنیا کے تخت وتاج سے بھی عزیز رکھتا ہے اور اس اعزاز کو اپنے لئے مایہ افتخار سمجھتا ہے کیونکہ مسلمان کے سامنے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ذی شان ہے۔

"جب تم کسی آدمی کو مسجد کی خدمت کرتے دیکھو تو اس کے ایماندار ہونے کی گواہی دو"[1]

فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص مسجد کی صفائی کر کے خس وخاشاک نکال دے گا اللہ کریم اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا"[2]

امامت اور خطابت کا منصب علم وتقویٰ کے اعتبار سے یقیناً بلند اور عظیم المرتبت ہے۔ لیکن مسجد نبوی شریف کے جاروب کش کی قدر ومنزلت بھی انتہائی قابل رشک ہے۔ کیونکہ مسجد کی صفائی پر قیامت کے دن گراں قدر معاوضہ عطا ہوگا۔ یہ خدمت باعث ذلت نہیں باعث عزت ورضائے الٰہی ہے اور یہ ایسی عظیم الشان خدمت ہے جسے خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے انجام دیا اور آپ کے جلیل القدر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی انجام دیتے رہے۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ

---

[1] مشکوٰۃ شریف: ۶۹ [2] ابن ماجہ باب تطہیر مسجد: ۵۵

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

ایک سیاہ فام صحابیہ مسجد نبوی شریف میں جھاڑو دینے کی خدمت ہمیشہ انجام دیا کرتی تھیں۔ یہ ایک ایسا نیک کام تھا کہ اس کی وجہ سے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم اس بڑھیا کی بے حد قدر فرماتے تھے۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے انہیں راتوں رات دفن کر دیا اور ان کے انتقال کی اطلاع حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دی۔ آپؐ نے جب اسے مسجد کی خدمت سے غیر حاضر پایا تو صحابہ سے اس کے متعلق دریافت کیا۔ بتایا گیا کہ وہ انتقال کر گئی ہے۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اطلاع کیوں نہیں دی؟ صحابہ نے عرض کی۔

"حضورؐ آپ استراحت فرما رہے تھے ہم نے تکلیف دینا گوارا نہ کیا"[1]

آپؐ نے فرمایا مجھے اس کی قبر بتائی جائے۔ چنانچہ آپ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس کے لئے دعائے مغفرت فرمائی[2]

بعض روایات میں مذکورہ خادم کے مرد یا عورت ہونے کا شبہ ظاہر کیا گیا ہے لیکن تحقیق یہ ہے کہ وہ عورت تھی اور اس کی کنیت "ام محجن" تھی"[3]

لوگوں نے یہ خیال کیا ہوگا کہ ایک معمولی آدمی کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں بے آرام کیا جائے اور رات کے اندھیرے میں جنازہ کے ساتھ جانے کی تکلیف نہ دی جائے مگر آپ کی نگاہ میں اس کی اس حیثیت سے بڑی وقعت اور قدر تھی کہ اسے خادم مسجد نبوی ہونے کا شرف حاصل تھا۔

ابتدائی زمانہ میں یہ تمام خدمات رضا کارانہ طور پر انجام دی جاتی رہیں۔ لیکن وقت

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۱۰۰ کتاب الجنائز باب ماجاء فی الصلوٰۃ علی القبر:

[2] بخاری شریف ج ۱: ۱۷۸

[3] بحوالہ فتح الباری ج ۱:

Marfat.com

اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان انتظامات میں بھی تبدیلی ضروری تھی۔ چنانچہ ایک مستقل شعبہ کے تحت ان تمام خدمات کا نظم ونسق چلایا جانے لگا۔ پھر مختلف اوقات میں کتنے ہی خوش نصیب لوگ مسجد نبوی شریف کی خدمت گزاری سے سرفراز ہوتے چلے آئے ہیں۔ بعض اوقات کی ان مجموعی تعداد ہزاروں سے تجاز کر جاتی رہی، جیسا کہ علامہ البتنونی نے لکھا ہے۔

"مسجد نبوی شریف کے ہزاروں خدمت گار ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

منصب	تعداد	منصب	تعداد
خطیب	۴۶	خاکروب	۵۱
امام	۳۸	دربان	۲۱
نائب امام	۶۲	سنار اور درزی وغیرہ	۱۰
موذن	۵۰	پانی پلانے والے	۴
نائب موذن	۲۶	صفائی وروشنی کرنے والا عملہ	۵۷۰ [1]

اسی طرح موجودہ دور میں بھی ایک بہت بڑی تعداد ان خدمات کی انجام دہی میں مصروف ہے بلکہ سعودی حکومت نے حرمین شریفین کے آئمہ کرام کو ایک اور باوقار منصب "قضاۃ" کا بھی تفویض کیا ہے جس سے ان کی عزت تکریم اور قدر ومنزلت دوبالا ہو جاتی ہے۔

اغوات

خدام مسجد نبوی میں "اغوات" یا "طوشی" بھی شامل ہیں، طواشی ہیجڑے کو کہا جاتا ہے

---

[1] رحلۃ الحجازیۃ: ۲۴۲

Marfat.com

جبکہ آغا کی جمع اغوات ہے۔ عجمی لوگ حرم کے طواشی کو آغا جیسے ذی وقار نام سے یاد کرتے ہیں۔ زمانہ دراز سے یہ طریقہ جاری ہے کہ جن لوگوں کے گھر اولاد خنثی پیدا ہو تو وہ حرمین شریفین کی خدمت کے لئے انہیں آزاد کر دیتے ہیں۔ ان کا تعلق شریف اور معزز خاندانوں سے ہوتا ہے سر پہ سفید پگڑ اور سفید لمبا کرتا ان کا مخصوص لباس ہے۔

۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء میں سلطان نورالدین شہید نے پہلی مرتبہ مسجد نبوی شریف کی خدمت کے لئے بارہ طواشی بھیجے۔ جو سب کے سب حافظ قرآن اور متقی پرہیزگار تھے۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ جیسا کہ مشہور عالم سیاح علامہ ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ ۷۲۵ھ ۱۳۲۵ء میں لکھا ہے۔ مسجد نبوی شریف کے خدام میں کچھ حبشی نوجوان بھی ہیں۔ جن کے لباس سے وقار و متانت ٹپکتی ہے۔ ان کے رئیس کو "ایشخ الخدام" کہا جاتا ہے [1]

ابن بطوطہ نے اغوات کا تذکرہ بڑی تکریم کے ساتھ کیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں۔

"مسجد شریف کے خدام میں نوجوان حبشی اور دوسری اقوام کے لوگ بھی شامل ہیں جو نہایت حسین، پاکیزہ صورت اور خوش پوش ہیں ان کی ہیئت اور وضع امرائے کبار جیسی ہے [2]

ایشخ ابراہیم رفعت پاشا رقمطراز ہیں۔

۱۳۱۹ھ میں مسجد نبوی میں اغوات کی تعداد ۱۵، ہے ملک صالح عمادالدین نے ان کی ضروریات کو پورا کرنے کی غرض سے ۷۴۰ھ میں تین گاؤں وقف کئے تھے، بعد میں مغربی اور سوڈانی حکمران بھی مسجد نبوی کی خدمت کے لئے اغوات بھیجتے رہے جس کی بناء پر بعض اوقات ان کی تعداد دو سو تک پہنچ جاتی رہی [3]

---

[1] تاریخ القویم ج ۴: ۲۶۲ [2] سفرنامہ ابن بطوطہ اردو

[3] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۵۹

Marfat.com

مسجد نبویؐ میں روشنی کا نظام

اسلام کے عہد اولین میں سادگی مسلمانوں کا طرہ امتیاز تھی۔ جو ہر ایک کام میں آشکارا اور نمایاں نظر آتی تھی۔ حتیٰ کہ مسجد نبوی جیسی عظیم المرتبت عبادت گاہ کی تعمیر میں بھی اس شعار کو قائم رکھا اور اس میں روشنی کرنے کا انداز بھی بڑا سادہ تھا۔

"صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کھجور کی شاخوں کی مشعل بنا کر لاتے اور مسجد نبوی شریف میں روشنی کرتے تھے۔ مدتوں یہی طریقہ رائج رہا۔ بعدازاں حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا فتح نامی ایک تجارت پیشہ غلام بیت المقدس سے زیتون کا تیل اور قندیل لایا۔ جسے مسجد میں روشن کیا گیا۔ جب فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قندیل کی روشنی دیکھی اور خوشی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ کس کا کارنامہ ہے عرض کیا گیا کہ فتح نامی غلام یہ چیزیں بیت المقدس سے لایا ہے۔ اس پر آپؐ نے اس کا نام تبدیل کر کے سراج رکھ دیا۔ جس کے معنی چراغ جلانے والے کے ہیں [1]

اور سیدنا ابی ہند رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔ حضرت تمیم الداری رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسجد نبوی شریف کے لئے ملک شام سے قندیلیں، تیل اور قندیلیں لٹکانے کے لئے زنجیر لائے تھے۔ پھر انہیں مسجد میں آویزاں کرایا اور شب جمعہ کو روشن کی گئیں جب رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو دیکھا کہ مسجد روشنی سے بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا یہ کس کا کارنامہ ہے؟

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ انتظام تمیم الداری نے کیا ہے۔ آپؐ کی زبان حق ترجمانی سے گہر فشانی ہوئی۔

---

[1] اسد الغابہ ج ۲ : ۲۶۳ تذکرہ سراج

Marfat.com

نورت الاسلام نور اللہ علیک فی الدنیا والاخرۃ : اما انہ لو کانت لی ابنۃ ثم و جتکھا

تم نے مسجد اسلام کو منور کیا ہے اللہ تعالےٰ تمہاری دنیا اور آخرت دونوں جہاں منور فرمائے۔ افسوس! اگر میری کوئی بیٹی باقی ہوتی کوئی بیٹی ہوتی تو اس خوشی میں تمہارے ساتھ اس کا نکاح کر دیتا۔

یہ سن کر حضرت نوفل بن الحارث رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے عرض کی۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں بیٹی ہے جس کا نام مغیرہ ہے اگر آپ اس کا نکاح تمیم الداری کے ساتھ کر دیں تو کیا ہی اچھا ہو، چنانچہ آپ نے مغیرہ سے ان کا نکاح کر دیا[1]

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ سیدنا تمیم داری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے مساجد میں روشنی کا انتظام کیا تھا[2]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اور بھی وسیع پیمانے پر روشنی کے نظام کو فروغ دیا۔ چنانچہ سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسجدوں میں قندیلوں کی روح پرور جگمگاہٹ دیکھ کر فرمایا۔

نور اللہ علی عمر قبرہ کما نور علینا مساجدنا

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جس طرح ہماری مساجد کو روشن کیا ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ ان کی قبر کو منور فرمائے[3]

مسجد مقدس کو منور کرنے کی خاطر مختلف اوقات میں مسلمان بادشاہوں اور اصحاب

---

[1] تفسیر قرطبی ج ۱۲ : ۲۷۴ ، سورہ النور
[2] ابن ماجہ باب تطہیر المساجد تطیبہا ۵۵
[3] اسد الغابہ تذکرہ عمر رض ج ۴ : ۲۷

Marfat.com

ثروت کی طرف سے بیش بہا قیمتی اور نفیس قندیلیں مسجد کی نذر کی جاتی رہیں، جیسا کہ علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں۔

امام ابن نجار نے سونے وچاندی کی چھوٹی بڑی چالیس قندیلوں کا تذکرہ کیا ہے جو حجرۂ مقدسہ اور مسجد شریف کی قبلہ والی دیوار کے درمیان آویزاں تھیں۔ قاضی عبدالرحمٰن بن صالح نے مختلف سالوں میں ۱۵، ۱۱۳ اور ۲۱۲ قندیلوں کا ذکر کیا ہے۔

اسی طرح سلطان ناصر فرج کی والدہ محترمہ نے ایک ہزار مثقال وزنی بیش بہا قیمتی قندیل بھیجی اور سلطان موصوف کی ہمشیرہ محترمہ نے ۱۵۰۰ مثقال وزنی قندیل کا نذرانہ پیش کیا علاوہ ازیں چار بہت بڑی قندیلیں جن میں متعدد چھوٹی قندیلیں بھی نصب تھیں بھیجیں جن کا مجموعی وزن ۳۷۲۰ مثقال تھا یہ تمام قندیلیں سونے اور چاندی کی تھیں اور جواہرات سے مرصع تھیں [1]

یوسف بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کی قندیلوں کے لئے زیتون کا تیل شام سے ہی آتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۴۶ھ/۷۶۳ء میں جعفر بن سلیمان امیر مدینہ نے یہ سلسلہ منقطع کر دیا اور مدینہ منورہ کے بازار ہی سے اس ضرورت کو پورا کیا جانے لگا۔ بعد میں ۱۹۷ھ/۸۱۲ء میں امیر مدینہ داؤد بن عیسیٰ نے بیت المال سے تیل فراہم کرنے کا فیصلہ کیا۔

جبکہ امام ابن نجار المتوفی ۶۴۳ھ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں حکومت مصر کے اوقاف سے زیتون کا تیل، اقطار مصری سالانہ آتا ہے، جب کہ ایک قنطار کا وزن ۱۳۰ رطل ہے نہ صرف تیل مصر سے آتا ہے کہ بلکہ چھوٹی بڑی ۱۶۰ شمعیں ہر سال آتی ہیں علاوہ ازیں ایک سو مثقال بذّ سلگھانے کے لئے ہمراہ ہوتی تھی [2]۔ یہ عود، عنبر، لوبان اور صندل کا مرکب نفیس ترین خوشبو ہوتی تھی۔

۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء میں حسب ذیل قندیلیں مسجد نبوی زادالله تعظیماً وتکریماً کی زینت بنی ہوئی تھیں۔ سلطان اشرف کی طرف سے ۱۸ سونے کی قندیلیں اور دیگر آرائشی سامان بھیجا گیا

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: فصل ۲۵ [2] اخبار مدینہ: ۱۱۰

Marfat.com

جن کا وزن ۷۰۰۰ مثقال تھا۔ سلطان کلرجہ شہاب الدین احمد نے ۶۰۰۴ مثقال وزنی سونے کی قندیل ہدیہ بھیجی[1]۔ مزید تفصیل کے لئے وفاء الوفاء ج ۱ فصل ۲۵ ملاحظہ ہو۔

۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں محمد علی والی مصر نے ایک بہت بڑا شمعدان خالص سونے کا اور دو چاندی کے بھیجے جن پر یہ عبارت کندھی تھی: العبد المذنب محمد علی والی مصر ۱۲۲۸ھ

اسی طرح عباس پاشا اول نے چاندی کے شمعدان اور چاندی کے دو جھاڑ حجرہ مطاہرہ کے نذر کئے۔ ان میں سے ایک محراب عثمانی میں لٹکایا گیا۔ جس میں ۳۶ بتیاں جلتی تھیں اور دوسرا جھاڑ جو ۳۰ بتیوں پر مشتمل تھا اسے مواجیہہ شریف کے سامنے آویزاں کیا گیا[2]

علامہ رفعت پاشا لکھتے ہیں۔

"حجرہ منیفہ کے چاروں طرف ۱۰۶ قندیلیں آویزاں ہیں۔ ان میں سے جو قندیلیں مواجیہہ شریفہ کی طرف ہیں وہ خالص سونے کی ہیں اور یاقوت، الماس اور بیش بہا قیمتی جواہرات سے مرصع ہیں، جبکہ دیگر قندیلیں مسجد کی قندیلوں کی طرز کی ہیں اور سونے کی زنجیروں سے لٹکائی گئی ہیں حجرہ مقدسہ کے اوپر دائرہ میں بھی بے انتہا قیمتی جواہرات سے مزین قندیلیں لگی ہوئی تھیں۔ ۱۲۷۴ھ/۱۸۵۷ء میں سلطان عبدالمجید خان نے سونے کے دو شمع دان جو قد آدم کے برابر تھے الماس اور جواہرات سے مزین نذرانہ بھیجے جن کی قیمت تین لاکھ جنی تھی۔ ان میں سے ایک سر مبارک اور دوسرا قدمین شریفین کی طرف لٹکائے گئے[3]

راقم الحروف نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو حسب ذیل قندیلیں اور لالٹیں شمار کی ہیں۔

مسجد شریف کے قدیم حصہ میں کل ۵۲ قندیلیں آویزاں ہیں جن میں سے ۱۹ قندیلیں سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اضافہ شدہ حصہ میں ۵ روضہ مقدسہ

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱ فصل ۲۵
[2] تاریخ حرمین ندوی ۲۳۰
[3] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۵۲

Marfat.com

مشرقی حصہ میں ۳ محراب تہجد کے سامنے ہیں ان میں سے ۵ قندیلیں بہت بڑی ہیں ایک محراب نبوی کے سامنے دوسرے منبر نبوی کے قریب مشرق میں جبکہ ۳ قندیلیں محراب سے ستونوں کی پانچویں سطر کے بعد شمال میں آویزاں ہیں۔

قدیم حصہ میں جگ نما مرتبان محض خوبصورتی کے لئے ۲۵۵ آویزاں ہیں اور ۲۰۰ ٹیوب لائٹیں ہیں۔ جبکہ سعودی تعمیر میں ستونوں کے اوپر پیتل کے خول میں تقریباً ۱۰۰۰ ٹیوب لائٹیں نصب ہیں۔

۱۲ جمادی الثانی ۱۴۰۸ھ یکم فروری ۱۹۸۸ء کو جب راقم الحروف زیارت سے شرف بار ہوا تو مسجد نبوی شریف کے قدیم حصہ میں روشنی کا روح پرور نظام دیکھنے میں آیا۔ سابقہ تمام قندیلوں، ٹیوب اور بلبوں کو یکسر ختم کر کے بالکل نئے انداز کی ٹیوب اور عالیشان قندیلیں آویزاں ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

۱۶۰ قندیلیں ستونوں کے درمیان شمالاً جنوباً آویزاں ہیں۔ ان میں سے مواجہ شریف کے سامنے، محراب بنی کے سامنے اور محراب عثمان کے سامنے بڑی بڑی قندیلیں ہیں۔ جن پر جابجا کلمہ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ اسی طرح شمالاً جنوباً ستونوں کی لائنوں کے اندر دو۔ دو جگ آویزاں ہیں ان پر بھی کلمہ شریف لکھا ہے۔ جبکہ شرقاً غرباً ستونوں کے درمیان نئی طرز کے شہتیر جن پر پیتل کے عالیشان خول چڑھے ہوئے ہیں کے ساتھ دو۔ دو ٹیوب پلاسٹک کے مستطیل ڈبوں میں لگی ہوتی ہیں۔ جن کی شمالی اور جنوبی سمت میں اللہ اکبر لکھا ہے۔ ٹیوبوں کی مجموعی تعداد ۶۵۰ ہے جبکہ جگ نما لائٹیں بھی ۶۵ عدد ہیں۔

مسجد نبوی میں خوشبو کا اہتمام

سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود باجود خود بھی عنبر افشاں اور مشک بیز تھا اور آپ کی نفاست پسند طبیعت کو خوشبو بے حد مرغوب تھی جس کا استعمال بڑے اہتمام کے ساتھ فرماتے

Marfat.com

بنابریں مساجد کو معطر کرنے کا حکم بھی فرمایا ہے چنانچہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"مسجدیں بناؤ اور انہیں پاک وصاف اور معطر رکھو"[1]

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

مسجدوں کے دروازوں پر طہارت خانہ بناؤ اور مجمع میں خوشبو کی دھونی دیا کرو[2]

مسجد نبوی شریف میں پہلی مرتبہ خوشبو استعمال کرنے کا جو واقع پیش آیا اس کی تفصیل اس طرح ہے۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی شریف کی قبلہ والی دیوار کے قریب بلغم پڑی دیکھی جس سے آپ کو سخت اذیت پہنچی اور اس اذیت وناگواری کا اثر چہرہ مبارک سے ظاہر ہو رہا تھا یہ دیکھ کر ایک انصاری خاتون اٹھیں اور اسے کھرچ کر صاف کر دیا اور اس جگہ کو خوشبو لگا کر معطر کر دیا۔ آپ نے خوشی کے لہجے میں ارشاد فرمایا، اس خاتون نے کتنا ہی عمدہ کام کیا ہے[3]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے عہد خلافت میں ہر جمعہ کو دوپہر کے وقت مسجد کے اندر بڑے اہتمام کے ساتھ خوشبو کی دھونی دی جاتی تھی اور آپ نے ہر شہر کی تمام مساجد میں دوپہر کے وقت خوشبو کی دھونی دینے کا حکم دے رکھا تھا[4]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ جمعہ کے دن جب منبر شریف پر رونق افروز ہوتے تو ان کے فرزند ارجمند سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسجد میں خوشبو کی دھونی دیا کرتے تھے[5]

---

[1] ترمذی شریف ابواب السفر باب فی تطییب المساجد ج ۱: ۱۳۰۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ ج ۱: ۴۸

[2] ابن ماجہ ابواب المساجد ماکیرہ فی المساجد: ۵۴ [3] نسائی شریف ج ۱: ۷۴ باب المساجد عنوان تخلیق المساجد

[4] زاد المعاد ج ۱: ۱۰۴ بحوالہ اسلام میں نظام مساجد: ۲۰۶

[5] بذل المجہود ج ۱: ۲۶۳

Marfat.com

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں مال غنیمت میں عود کا ایک بنڈل آیا۔ جسے آپ نے حسب دستور مسلمانوں میں تقسیم کرنا چاہا۔ مگر مقدار تھوڑی ہونے کے باعث تقسیم نہ کرسکے اس لئے حکم دیا کہ اسے انگیٹھی میں رکھ کر مسجد میں سلگایا جائے تاکہ تمام مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔ پھر ان کے بعد تمام خلفائے اس انتظام کو برقرار رکھا [1]

یونہی ایک مرتبہ ملک شام سے چاندی کی ایک انگیٹھی خلیفۃ المسلمین سیدنا فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں بھیجی گئی۔ آپ نے فرمایا اس سے مسجد میں خوشبو سلگانے کا کام لیا جائے۔ پھر اسے آپ کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا۔ شب جمعہ اور جمعہ کے دن بالخصوص خطبہ کے دوران دھونی دی جاتی تھی۔ عرصہ دراز تک وہ انگیٹھی موجود رہی۔ بعد میں ابراہیم بن یحییٰ بن محمد گورنر مدینہ نے اس کی جگہ نئی سادہ انگیٹھی بنوائی جبکہ ۶۴۳ھ میں منقش اور خوبصورت انگیٹھی استعمال کی جاتی رہی [2]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ خلیفہ ثالث سیدنا عثمان ذوی النورین رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسجد نبوی شریف میں خوشبو کی دھونی دینے کا مستقل انتظام کیا تھا اس اعتبار سے وہ اس کام کے موجدین میں شمار ہوتے ہیں [3]

۱۷۰ھ/۷۸۶ء میں خلیفہ ہارون الرشید کی والدہ ماجدہ "الخیزران" زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئی تو اس نے جماعت کے وقت نمازیوں میں خوشبو کی دھونی دینے کے علاوہ حجرہ منیفہ کے گرداگرد دھونی دینے کا حکم بھی دیا۔ اور ان اخراجات کو شاہی خزانہ سے پورا کرنے کا حکم صادر کیا [4]

حرمین شریفین زادھما اللہ تعظیماً وتکریماً کے لئے بے حد قیمتی اور نفیس

---

[1] اخبار مدینہ: ۸۴
[2] ایضاً
[3] تحقیق النصرہ: ۸۸
[4] اخبار مدینہ

Marfat.com

قسم کی خوشبو کے تحفے تمام سلاطین وامراء کی طرف سے باقاعدگی سے آتے رہے خلافت عثمانیہ میں قسطنطنیہ سے مختلف اقسام کی خوشبو آیا کرتی تھی۔ اللہ رب العزت نے جب سے حرمین شریفین کی خدمت آل سعود کو تفویض فرمائی ہے۔ تو وزارت مالیات نے اس خدمت کے لئے مخصوص فنڈ کا انتظام کیا اور ہر سال بیش بہا قیمتی خوشبو اور عطریات پر ہزاروں ریال خرچ کئے جانے لگے [1]

علاوہ ازیں لوگ ازخود بڑی کثرت سے خوشبو چھاور کرتے ہیں، محراب نبوی۔ منبر نبوی کے علاوہ نمازی حضرات میں انتہائی قیمتی قسم کی خوشبو کا سپرے کیا جاتا ہے۔ جس سے پوری مسجد نبوی عطر فشاں اور مشک بار ہو جاتی ہے۔

وضو اور طہارت کا انتظام

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تعمیر مساجد کی ضرورت اور اہمیت کو بیان فرمایا۔ وہاں وضو اور طہارت کے انتظام کا بھی خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے

"مساجد کے دروازوں پر طہارت خانے بناؤ اور مساجد میں خوشبو کی دھونی دیا کرو" [2]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وضو اور طہارت کے لئے ایک عمومی جگہ بنا رکھی تھی۔ جہاں کالے، گورے سب ہی وضو کیا کرتے تھے [3]

علامہ رفعت پاشا لکھتے ہیں۔

مسجد کے شمال میں چار کمروں پر مشتمل دو بڑے کمرے بیت الخلا کے لئے ہیں جن کے درمیان وضو کی جگہ بنی ہوئی ہے۔ بالائی منزل میں غسل خانے اور حمام ہیں جن کا راستہ مسجد کے اندر بنی ہوئی سیڑھی کے ذریعہ جاتا ہے۔ [4]

---

[1] تاریخ القویم ج ۴ : ۱۶۱

[2] ابن ماجہ ابواب المساجد باب کیرہ فی المساجد: ۵۴

[3] ابن ابی سکیہ ج ۱ : ۱۲۹

[4] مراۃ الحرمین۔

Marfat.com

باب ہفتم

مساجدِ مدینہ کریمہ

Marfat.com

مسجد قبا

مسجد قبلتین

مسجد ذوالحلیفہ

مسجد عمامہ

Marfat.com

مدینہ منورہ کی قدیم وجدید مساجد

خالق کائنات نے مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بے شمار خصائص و کمالات اور امتیازات سے سرفراز فرمایا۔ ان میں سے بعض کا ذکر آپ کے اس ارشاد میں پایا جاتا ہے

" اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھ چیزوں میں فضیلت مرحمت فرمائی۔ مجھے جوامع الکلم عطا کیا (یعنی تھوڑے الفاظ زیادہ معانی) میری نصرت رعب کے ساتھ کی گئی۔ مال غنیمت میرے لئے حلال قرار دیا۔ میرے لئے ساری زمین کو پاک اور نماز کی جگہ بنایا گیا۔ اور مجھے ساری مخلوق کے لئے رسول بنایا گیا اور میں سلسلہ نبوت ختم کرنے والا ہوں [1]

سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ آپ نے ان خصوصیات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔

وجعلت لِی الارض مسجدًا وطھورًا۔	میرے لئے ساری زمین نماز کی جگہ اور پاک
فایما رجل من امتی ادرکتہ	بنادی گئی ہے۔ لہذا میرے امتی جہاں بھی

---

[1] صحیح مسلم شریف ج ۱: ۱۹۹ مسند ابو عوانہ ج ۱: ۳۹۵

Marfat.com

الصلوٰۃ فلیصل[۲] نماز کا وقت آجائے نماز پڑھ لیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی عبادت اور ان کی پراگندہ اور منتشر قوتوں کی شیرازہ بندی جیسے عظیم مقصد کی خاطر مساجد کا قیام عمل میں لایا گیا تاکہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو سلک مرواریدی میں پرو کر اللہ تعالیٰ کے حضور ایک صف اور ایک جماعت کے اندر بغل گیر کر دیا جائے تاکہ کمال نیاز مندی کے ساتھ پانچوں وقت وفاداری کا مظاہرہ کریں۔ مساجد کو بیوت اللہ ہونے کا جو شرف حاصل ہے۔ اس کے باعث مسجد کی سادہ اور معمولی سی عمارت کا مقابلہ عالیشان اور پرشکوہ شاہی محلات بھی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ مساجد کا وجود گناہ کی الائشوں اور ظاہری نجاستوں سے پاک، منزہ اور صاف ہوتا ہے اور ان کی تعمیر کا مقصد وحید اجتماعی عبادت ہے اور عبادت کے انوار و برکات کی وجہ سے شاہی محلات کی فقید المثال عمارات آرائش و زیبائش میں یگانہ روزگار ہونے کے باوجود مساجد کے تقدس کے ساتھ دور کی مناسبت بھی نہیں رکھتیں۔

آیئے ہم مساجد کی رفعت شان اور عزت و عظمت کا تذکرہ مشکوٰۃ نبوت کی روشنی دیکھیں اور کتاب اللہ میں تلاش کریں۔ اس میں شک نہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ قدرت میں ہے اور ہر شئ کا مالک وہی ہے۔ لیکن "مساجد" کے متعلق خصوصیت کے ساتھ فرمایا کہ یہ "میری ہیں"

ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا[۲] مسجدیں اللہ ہی کی ہیں۔ لہذا اللہ کے ساتھ کسی کو ہرگز نہ پکارو۔

فی بیوتٍ اذن اللہ ان ترفع وَ یذکر فیھا اسمہ[۳] اللہ تعالیٰ نے ان گھروں کی تعظیم کا حکم دیا اور ان میں اس کا نام لیا جائے۔

---

[۱] صحیح بخاری شریف ج ۱: ۸۴ اور ۶۲ صحیح مسلم شریف ج ۱: ۱۹۹ [۲] سورۃ جن ۲: ۱۸
[۳] سورۃ النور: ۳۶

Marfat.com

وآقیموا وجوھکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین [1]

اور ہر نماز کے وقت اپنے منہ سیدھے کرو اور اس کے خاص فرمانبردار ہو کر اسے پکارو۔

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اللہ تعالےٰ کو شہروں اور بستیوں میں مسجدیں بہت زیادہ پسندیدہ ہیں، جبکہ منڈیاں اور بازار اسے سخت ناپسند ہیں [2]

آپ کا فرمان ذی شان ہے

مسجدیں اللہ کے گھر ہیں اور یہ آسمان والوں کو ایسی منور دکھائی دیتی ہیں جس طرح زمین والوں کو آسمان میں ستارے چمکتے نظر آتے ہیں [3]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

بیشک مسجدیں زمین میں اللہ کے گھر ہیں اور اللہ رب العزت کے ذمہ ہے کہ وہ مساجد میں آنے والوں کا اکرام کرے [4]

آپ نے ارشاد فرمایا۔

مسجدیں خانہ خدا ہیں اور یہ جس کا گھر ہیں، اسی نے ان میں آنے والوں کے لئے مہربانی آرام اور پل صراط سے گزر کر جنت میں پہنچانے کی ضمانت دے رکھی ہے [5]

اسلام کا نیر تاباں جب مدینہ منورہ زادا اللہ تنویر کو مستنیر کرنے لگا اور پھر مدینہ باسکینہ کی ضیا گستریوں سے اطراف واکناف عالم منور ہونے لگے، تو سرور کون ومکان، فخر

---

[1] اعراف: ۲۹

[2] صحیح مسلم شریف ج ۱: ۲۳۶ مسند ابو عوانہ ج ۱: ۳۹۰

[3] جمع الفوائد ج ۱: ۶۹

[4] مصنف عبدالرزاق ج ۱۱: ۲۹۶ جمع الفوائد ج ۱: ۶۹

[5] کنز العمال ج: ۴

Marfat.com

زمین وزمان صلی اللہ علیہ وسلم نے مساجد کے انوار وبرکات سے مسلمانوں کے قلوب کو جلا کرنے کی خاطر قیام مساجد کے احکامات صادر فرمائے اور یہ شرف ومجد بھی مدینہ باسکینہ ہی کو نصیب ہوا کہ تاریخ اسلام کی اولین مسجد اسی سرزمین پر تعمیر ہوئی اور اسی شہر میں پہلی مرتبہ نماز جمعہ ادا کی گئی۔

آپ کی ہدایات کے مطابق سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی سربراہی میں مدینہ منورہ میں کتنی ہی مساجد معرض وجود میں آگئیں تھیں اگرچہ انہیں "مساجد البیت" سے تعبیر کیا جاتا تھا مگر فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ہی ہر قبیلہ محلہ اور شہر کی طرح تمام بستیوں میں ایسی مساجد موجود تھیں جن کی تفصیلات کتب احادیث، رجال اور تاریخ میں پائی جاتی ہیں۔

اگرچہ مسجد نبوی شریف اور مسجد قبا کو ایسی لازوال شہرت نصیب ہوئی کہ باقی مساجد تاریخ کے افق پر دھندلا سا نشان دکھائی دیتی ہیں۔ لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ اگر مسجد نبوی کو بدر منیر کی سی تابندگی و درخشندگی سے نوازا گیا تو مدینہ منورہ کی دیگر مساجد کو بھی اس بات پر بجا طور پر ناز ہے۔ کہ ان کے ریگ زاروں پر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جبین نیاز سجدہ ریز ہوئی اور ان کے فرش خاکی پر محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم میمنت لزوم کے انمٹ نقوش آج تک ثبت ہیں۔

چنانچہ سیدنا جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے مروی ہے۔

لقد لبثنا بالمدینۃ قبل ان یتقدم علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسنین نعمر المساجد ونقیم الصلاۃ [1]

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے کئی سال پیشتر مدینہ میں مسجدیں تعمیر کرتے اور ان میں نماز پڑھتے تھے۔

ایک دفعہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے دلنشین انداز سے فرمایا۔

---

[1] فتح الباری ج ۷: ۲۴۵

Marfat.com

جب تم جنت کے باغوں سے گزرو تو آسودہ ہوکر کھا پی لیا کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین نے عرض کی۔ یہاں دنیا میں جنت کے باغات کون سے ہیں:

ارشاد ہوا۔ "مَسَاجِد"

پھر دریافت کیا کہ آسودہ ہوکر کھانے سے کیا مراد ہے۔ آپ نے فرمایا، کہ:

سبحان اللہ والحمد اللہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر کا ورد کر لیا کرو۔[1]

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وَان المساجد للہ بمنزلۃ للکعبۃ[2] — بے شک اللہ تعالےٰ کے نزدیک مسجدیں کعبہ شریف کی طرح برگزیدہ ہیں۔

مورخین نے مساجد مدینہ کی تعداد مختلف ادوار میں مختلف بیان فرمائی ہے۔ اس کی دو وجوہ تھیں، قدیم زمانہ میں وسائل کی کمی کے باعث تعمیر مساجد کا انتظام معقول نہ ہونے کی وجہ سے جو مسجد منہدم ہوجاتی۔ سال ہا سال گزر جانے کے باوجود اس کی تجدید تعمیر کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ بعض اوقات ایسی تاریخی مساجد کے نشانات بھی مٹ جاتے تھے جیسا کہ امام سمہودی نے بعض مساجد کا محل وقوع بہت سی تحقیق و تجسس کے بعد دریافت کیا علاوہ ازیں آبادی نہ ہونے کی وجہ سے بھی بعض مساجد کی تعمیر جدید کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ لیکن موجودہ دور میں جہاں آبادی روز افزوں ترقی پذیر ہے وہاں وسائل کی بے پناہ فراوانی ہے۔ اس لئے تعمیر مساجد کے لئے مستقل فنڈ اور محکمہ قائم کر دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے مساجد کی تعداد بہت زیادہ ہوچکی ہے۔ بعض مورخین کی بیان کردہ تعداد سپرد قلم کی جاتی ہے۔

امام زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء کے دور میں ۲۹ مساجد تھیں

امام محمد بن محمود " ۱۳۸۴/۷۸۶ " ۳۰ "

---

[1] مشکوٰۃ شریف باب المساجد: ۷۰ [2] شرح میر کبیر ج ۴: ۸۵

Marfat.com

امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء ۶۴ مساجد تھیں

علامہ عبدالقدوس انصاری نے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں صرف قدیم ۱۲ بیان کی ہیں

عبدالسلام ہاشم ۲۸ " "

ابراہیم بن علی العیاشی قدیم وجدید ۴۰ " "

محمد صالح البلیہشی نے ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء " ۱۲۴ " "

سیدنا بکیر بن الاشج رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مسجد نبوی شریف کے گرد و نواح میں قبائل بنو عمر، بنو ساعدہ، بنو عبیدہ، بنو سلمہ، بنو رائح، بنو زریق، اسلم، جہینہ اور بنو سنان کی نو مسجدیں آباد تھیں جن میں سیدنا بلال رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اذان سن کر جماعت شروع ہوتی تھی[1]

جس وقت فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ باسکینہ میں اقامت گزین ہوئے تو پھر تعمیر مساجد کا لامحدود سلسلہ شروع ہو گیا جس کی ابتدا آپ نے بنفس نفیس مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر سے فرمائی۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم صادر فرمایا۔

ببناء المساجد فی الدور وان	محلوں میں مسجدیں تعمیر کرو اور انہیں
ینظف و یطیب[2]	صاف و ستھرا اور معطر رکھو۔

اس اذنِ عام کے بعد مساجد کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ جن مکانات کو پہلے "مساجد البیت" کہا جاتا تھا وہ مستقل مسجد کی صورت اختیار کر گئے، بعض نئے مکانات کو مسجدیں تبدیل کر دیا گیا اور بہت سی نئی مساجد بھی تعمیر ہو گئیں اور ان کی "رسم افتتاح" کے لئے امام الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں درخواست کی جاتی کہ

---

[1] سنن دار قطنی کتاب الصلوٰۃ باب تکرار مساجد ج ۲ : ۸۵

[2] ترمذی شریف ابواب السفر باب فی تطیب المساجد ج ۱ : ۱۳۰ ؛ ابوداؤد شریف کتاب الصلوٰۃ ج ۱ : ۴۸

Marfat.com

آپ نماز پڑھا کر مسجد کا افتتاح فرمائیں تاکہ یہ انوار و برکات سے معمور ہو جائیں۔ جیسا کہ سیدنا عتبان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا واقع مشہور ہے۔

سیدنا عتبان بن مالکؓ کی بینائی کمزور یا ختم ہو جانے پر انہوں نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر زبانی درخواست پیش کی کہ میں جس جگہ امامت کراتا ہوں بارش کے ایام میں میرے گھر اور اس جگہ کے درمیان سیلاب آجاتا ہے اور بینائی نہ ہونے کی وجہ سے نماز پڑھانے سے قاصر رہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپؐ میرے ہاں تشریف لائیں اور میرے گھر میں نماز ادا فرمائیں تاکہ میں اسے مسجد کا درجہ دے دوں۔

حضرت عتبانؓ کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے آپؐ نے تشریف فرما ہونے کا وعدہ کر لیا۔ دوسرے دن علی الصباح آپؐ پہنچ گئے اور دریافت فرمایا کہ تم اپنے گھر میں کس مقام پر نماز پڑھنا چاہتے ہو؟ عتبانؓ کی نشاندہی پر آپ نے دو رکعت جماعت سے ادا کیں اور اس جگہ کو مسجد کی حیثیت دے دی گئی [1]

علامہ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ عتبان بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے اس واقع کے وقت مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ بہت سی مساجد موجود تھیں [2]

سیدنا محمود بن لبید الانصاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضرت عتبانؓ کی بینائی ختم ہو جانے کے بعد انہوں نے یہ درخواست پیش کی تھی [3]

سیدہ ربیع بنت مُعَوَّذ بن عفراء رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حوالی مدینہ میں انصار کی جو بستیاں آباد تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عاشورہ کے دن ان میں عام اعلان کرا دیتے تھے۔ کہ جو لوگ روزہ دار ہیں وہ اپنا روزہ پورا کر لیں اور جو افطار کر چکے ہیں۔ وہ بقیہ دن

---

[1] بخاری شریف ج ۱ : ۷۶۰ [2] فتح الباری ج ۱ : ۵۲۲
[3] موطا امام مالک باب مساجد البیت ج ۱ : ۷۷۰

Marfat.com

کا روزہ رکھ لیں۔ چنانچہ صحابہ اپنے چھوٹے روزہ دار بچوں کو لے کر مسجد میں پہنچ جاتے تھے [1]

ان روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ باسکینہ میں تشریف فرما ہونے سے پہلے اور بعد میں بہت سی مساجد قائم ہو گئی تھیں اور ان سبھی میں آپ نے کسی نہ کسی وقت نماز ادا فرمائی۔ آپؐ نے انصار کی بستیوں کا دورہ کرنے کا معمول بنا رکھا تھا اور ان کی مساجد میں نماز پڑھتے تھے تاکہ وہ مساجد انوار و برکات سے معمور ہو جائیں۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ / ۱۴۲۲ء ابی غسان سے روایت بیان کرتے ہیں۔

سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے جب مساجد مدینہ کی تعمیر جدید کی خدمت انجام دی، تو انہوں نے لوگوں سے وہ مساجد دریافت کیں۔ جن میں مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی نہ کسی وقت نماز پڑھی ہو۔ چنانچہ انہیں تراشیدہ اور منقش پتھروں سے تعمیر کرا دیا تاکہ آئندہ آنے والے لوگ اس امتیازی علامت سے انہیں پہچان سکیں۔ اگرچہ اس وقت ان میں سے بعض کے نشانات مٹ چکے ہیں [2]

پہلے ان مساجد کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جن کی تاریخ قدیم ہے اور ان میں سے بعض میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز بھی ادا فرمائی تھی۔ اس کے بعد دور حاضر کی جدید تعمیر شدہ مساجد کا ذکر ہوگا۔

---

[1] مسلم شریف ج ۱: ۳۶۰

[2] فتح الباری ج ۱: ۵۷۱

Marfat.com

منقبت مسجد قباء

ظہور اسلام کے بعد مساجد کی تاریخ میں مسجد قبا کو نہ صرف اولیت کا شرف حاصل ہے بلکہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اطہر سے تعمیر ہونے کا اسے اعزاز بھی ملا اور اس پر مستزاد یہ کہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس کی زیارت کو باقاعدگی کے ساتھ تشریف لے جاتے تھے اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کو بھی اس کی زیارت سے شرف بار ہونے کی ترغیب و تحریص دی ، چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما بیان کرتے ہیں ۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاتی مسجد قبا کل سبت ماشیا وراکبا ۔ [1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا کی زیارت کو پیدل اور کبھی سواری پر تشریف لے جاتے تھے

آپ کے اس عمل کی پیروی میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین بھی باقاعدگی کے ساتھ اس کی زیارت سے فیض بار ہوتے رہے جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن دینار رضی اللہ

---

[1] صحیح بخاری شریف ج ۱ : ۵۹ صحیح مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۸

Marfat.com

تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نماز چاشت ہمیشہ مسجد قباء میں ادا کرتے تھے، کیونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سنیچر کو اس کی زیارت فرمایا کرتے تھے[1]

ایک روایت میں ہے کہ جو آدمی سوموار اور جمعرات کے دن مسجد قبا میں نفل ادا کرے اسے ایک عمرہ کے برابر ثواب ملے گا[2]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الصلوٰۃ فی مسجد قباء کعمرۃ[3] مسجد قبا میں نفل نماز پڑھنا عمرہ کے ثواب کے برابر ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جس آدمی نے اپنے گھر میں وضو کیا پھر مسجد قبا میں جا کر نماز پڑھی تو اسے عمرہ کے برابر ثواب ملے گا[4]

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس آدمی نے اچھی طرح وضو کیا اور مسجد قبا میں نماز پڑھنے کی نیت سے چل دیا، اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو، وہ علی الصباح نماز ہی کے لئے گیا ہو۔ پھر مسجد قباء میں پہنچ کر چار رکعت نماز ادا کرے تو اسے بیت اللہ کا عمرہ کرنے والے کے مانند اجر ملے گا[5]

ابن ابی شیبہ نے سہل بن حنیف سے یہ روایت بیان کی ہے اور ابن عمر سے بھی اس طرح کی روایت نقل کی ہے[6]

سیدنا سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ مسجد قبا کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں

---

[1] صحیح مسلم ج ۱ : ۴۴۸ سنن الکبریٰ ج ۵ : ۲۴۸

[2] کنز العمال ج ۱۲ : ۲۶۵

[3] سنن ترمذی ج ۱ : ۷۴ سنن الکبریٰ ج ۵ : ۲۴۸

[4] ابن ابی شیبہ ج ۲ : ۳۷۳ ابن ماجہ ۱۰۲

[5] معارف السنن ج ۳ : ۳۲۱

[6] ابن ابی شیبہ ج ۲ : ۳۷۳

Marfat.com

"میرے نزدیک مسجد قبا میں دو رکعت نفل ادا کرنا بیت المقدس کی زیارت سے بھی زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہے"[1]

امام ابن زبالہ زید بن اسلم رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔

"اللہ کا شکر ہے کہ مسجد قباء ہمارے قریب تعمیر ہوئی اور اگر یہ کسی دور دراز ملک میں ہوتی تب بھی ہم اس کی زیارت کے لئے اونٹوں کے جگر فنا کر دیتے"[2]

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ارشاد ہے۔ اگر مسجد قبا زمین کے کسی انتہائی دور مقام پر واقع ہوتی تب بھی ہم اس کی زیارت کے لئے سفر کرتے اور اونٹوں کے جگر فنا کر دیتے[3]

لمسجد اسس علی التقوٰی من اول یوم احق ان تقوم فیہ رجال، یحبون ان یتطھروا ط واللہ یحب المطھرین[4]

البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے ہی تقوٰی پر رکھی گئی، وہ زیادہ اس لائق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں وہاں ایسے لوگ ہیں جو پاکیزگی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ پاک رہنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ آیت اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی[5]

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی عمرو بن عوف کے ہاں قبا تشریف لے گئے۔ اور ان سے دریافت فرمایا، تمہارا کون سا پسندیدہ اور قابل تعریف عمل ہے جس کی وجہ سے قرآن مجید نے تمہاری تعریف و تحسین کی ہے۔

---

[1] ابن ابی شیبہ ج ۱: ۳۷۳ سنن الکبریٰ ج ۵: ۲۴۹ [2] مصنف عبدالرزاق ج ۵: ۱۳۳
[3] کنزالعمال ج ۴: ۱۴۰ [4] سورۃ توبہ ع ۱۳
[5] ابوداؤد شریف ج ۱: ۶

Marfat.com

وہ عرض کرنے لگے، اے اللہ کے حبیب آپ پر ہمارے ماں باپ قربان جائیں ہمیں بہت زیادہ محبوب عمل تو کوئی معلوم نہیں، البتہ ہم رفع حاجت سے فارغ ہو کر پانی سے استنجا کرتے ہیں اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اسی نظافت اور طہارت پسندی کے باعث اللہ کریم نے تعریف فرمائی ہے [1]

دوسری روایت میں ان الفاظ کا اضافہ بھی ہے۔

" ہم رفع حاجت سے فراغت کے بعد ڈھیلہ استعمال کر کے مزید طہارت کے لئے پانی بھی استعمال کرتے ہیں [2]

ایک مرتبہ دو صحابہ کرام کا اس بات پر باہم اختلاف ہوا کہ مذکورہ آیت میں جس مسجد کا ذکر ہے وہ کون سی ہے ؟ ان میں سے ایک قبیلہ خدری سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا بنی عمرو بن عوف میں سے تھا، خدری کا موقف تھا کہ اس سے مراد مسجد نبوی شریف ہے، جبکہ بنی عمرو کا آدمی اسے مسجد قبا قرار دیتا تھا چنانچہ دونوں اپنے نزاع کا فیصلہ کرانے حبیب کبریا اشرف انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے دونوں کا بیان سن کر ارشاد فرمایا۔

ھو ھذا ، یعنی مسجدہ [3] اس سے مسجد نبوی مراد ہے۔

جبکہ بخاری شریف میں ہجرت کے واقعہ کے ضمن میں مسجد قبا کی تعمیر کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

واسس المسجد الذی اسس علی التقویٰ [4]

ان روایات میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے لیکن امام عماد الدین ابن کثیر نے بڑی عمدگی کے ساتھ اس اشکال کو رفع فرما دیا، موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

---

[1] ترمذی شریف ج ۲ : ۳۶ ۱۳ سنن الکبری ج ۱ : ۱۰۵ روح المعانی ج ۶ پ ۱۱ : ابن کثیر ج ۲ : ۳۸۹

[2] روح المعانی ج ۲ پ ۱۱ : ابن کثیر ج ۲ : ۳۹۰ [3] ترمذی شریف ج ۲ : ۱۴۱ صحیح مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۷

[4] صحیح بخاری شریف ج ۱ : ۵۵۵

Marfat.com

ان دونوں روایات میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ جب مسجد قبا کی بنیاد تقوی پر ہونا یقینی ہے تو مسجد نبوی شریف اس سے کہیں زیادہ اس وصف سے متصف اور حقدار ہے[1] گویا کہ مسجد نبوی شریف بدرجہ اولیٰ اس کی اہل ہے۔

تعمیر مسجد قبا

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو چودہ دن تک قباء میں قیام فرمایا[2] اسی دوران آپ نے اسلام کے تابناک باب کی ابتداء تعمیر مسجد سے فرمائی۔

ابتداء میں جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف کے رئیس کلثوم بن عدم کے گھر فروکش ہوئے تو سیدنا عبداللہ بن عباس کی روایت کے مطابق ان ہی کے مکان میں نماز ادا فرماتے رہے۔ بعد ازاں آپؐ نے حضرت کلثوم بن الہدام کی ایک افتادہ زمین میں جہاں کھجوریں خشک کی جاتی تھیں، مسجد قبا کی رسم تاسیس ادا فرمائی۔ جسے بارگاہ احدیت میں ایسی قبولیت حاصل ہوئی کہ اس کی رفعت و عظمتِ شان کا تذکرہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

المسجد اسس علی التقویٰ[3] وہ مسجد جس کی بنیاد تقوی پر رکھی گئی

تاریخ تعمیر مسجد قبا

یہ تفصیل پہلے صفحہ میں بیان ہو چکی ہے کہ سرورِ کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم بروز دوشنبہ ۸، ربیع الاوّل ۱۳ نبوت مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ عیسوی قبا میں قدم رنجہ فرما ہوئے اور تین دن بعد مسجد قبا کی تعمیر شروع فرمادی اس طرح ۱۱، ربیع الاوّل ۱۳ نبوت مطابق ۲۳ ستمبر ۶۲۲ عیسوی کو مسجد قبا کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر ج ۲ : ۳۸۹

[2] صحیح بخاری شریف ج ۱ : ۵۶۰ صحیح مسلم شریف ج ۱ : ۲۰۰

[3] وفاء الوفاء ج ۱ : ۱۸۱ ج ۲ : ۱۶

Marfat.com

تعمیر مسجد میں شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم بھی عام مزدوروں کے شانہ بشانہ مصروف کار رہے۔ بڑے بڑے وزنی پتھر اٹھاتے وقت جسد عنبریں خم کھا جاتا مگر اس جلیل القدر کام میں تساہل گوارہ نہ کیا۔ عقیدت مند بڑی لجاجت اور مروت کے ساتھ عرض کرتے۔ آپ پر ہمارے ماں باپ قربان ہوں۔ آپ چھوڑ دیں ہم ایسے وزنی پتھر اٹھائیں گے۔ آپ ان کی دلداری کرتے ہوئے وہ پتھر تو چھوڑ دیتے مگر اسی کے برابر کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے۔[1]

شاعر اسلام سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی دیگر حضرات کے ساتھ اس کار خیر میں شریک تھے۔ جس طرح مزدور لوگ تھکن مٹانے کے لئے کچھ گنگنایا کرتے ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن رواحہؓ دوران کام اشعار پڑھنے میں مصروف رہتے۔ جن کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں۔

افلح من یعالج المساجد	مسجد تعمیر کرنے والا کامیاب ہے
ویقرء القران قائمًا وقاعدا	جو اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے
ولا یبیت اللیل عنہ راقدا	اور رات عبادت میں جاگ کر گزارتا ہے

اس خوش کن اور دلفریب ردیف کے ہر ہر قافیہ کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی آواز ملاتے جاتے تھے۔[2]

سیدنا زرعہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مسجد قبا کی تعمیر کے لئے حرہ شرقی سے پتھر لائے گئے تھے۔[3]

جب مسجد کا سنگ بنیاد رکھا جانے لگا تو مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے پہلا پتھر رکھا۔ پھر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ نے اس کے ساتھ پتھر رکھا ان کے بعد عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے اپنے ہاتھ سے صدیقؓ کے پتھر کے ساتھ پتھر رکھا پھر عثمان ذی النورین پتھر لائے اور اس کے ساتھ نصب کر دیا۔ اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱: ۱۸۱ | ج ۲: ۱۶ [2] وفاء الوفاء ج ۱ ۱۸۱ [3] کنز العمال ج ۴: ۱۴۱

Marfat.com

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میرے بعد انہیں اسی ترتیب میں خلافت عطا کی جائے گی امام حاکم فرماتے ہیں۔ ہذا حدیث صحیح الاسناد۔[1]

امام سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء یہ روایت قدرے وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

شمال کی جانب پہلا پتھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا پھر سیدنا صدیق اکبرؓ نے اس کے ساتھ پتھر رکھا پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے صدیقؓ کے پتھر کے ساتھ اپنے ہاتھ سے پتھر رکھا۔ بعدازاں ہر کس وناکس پتھر رکھتا گیا۔[2]

وہ قدسی صفات حضرات معمار اور مزدور کی خدمت ایک ساتھ خود ہی انجام دے رہے تھے۔ جنہوں نے بے حد ذوق وشوق اور خلوص کے ساتھ عہد رسالت کی پہلی مسجد تعمیر کی۔

ابن شبہ کی روایت کے مطابق مسجد قبا کا طول اور عرض ۶۶ ذراع اور بلندی ۱۹ ذراع تھی جبکہ صحن ۵۰ ذراع لمبا اور ۲۶ ذراع چوڑا تھا۔

امام ابن النجار بیان کرتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیز نے ۹۱ھ/۷۰۹ء میں مسجد نبوی شریف کی توسیع کے بعد قبا کی توسیع اور تعمیر جدید کی خدمت بھی سرانجام دی۔ موصوف نے چونہ وغیرہ سے پتھروں کی چنائی کرائی۔ پتھر کے بے حد مضبوط ستون بنوائے۔ جن کے درمیان میں سوراخ کرکے لوہے کی سلاخیں اور سیسہ وغیرہ ڈالا۔ پھر ان پر انتہائی دلفریب نقش ونگار کرایا چھت ساج کی عمدہ لکڑی سے بنوائی۔ برآمدوں کے درمیان صحن رکھا اور پہلی مرتبہ مسجد کا مینار بھی بنوایا۔[3] محراب پر نصب ایک کتبہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۴۳۵ھ/۱۰۴۳ء میں ابویعلی الحسینی نے بھی تجدید مسجد کی خدمت انجام دی تھی۔[4] اس عالیشان عمارت کے منہدم ہوجانے کے

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳: ۱۳

[2] روض الانف ج ۲: ۱۱

[3] اخبار مدینہ: ۱۱۳

[4] ایضاً

Marfat.com

بعد جمال الدین الاصبہانی جو شاہان موصل میں سے ایک بادشاہ کا وزیر تھا، نئی تعمیر کرائی جس کا طول اور عرض ۶۸ ذراع (۱۰۲ فٹ) تھا، بلندی ۲۰ ذراع (۳۰ فٹ) اور مینار بھی بنوایا تھا[1]

وزیر موصوف کا پورا نام جمال الدین محمد بن علی بن ابی المنصور الاصبہانی المعروف بالجواد تھا، اس نے تعمیری خدمات ۵۵۵ھ/۱۱۶۰ء میں انجام دی تھیں[2]

بعد میں ۶۷۱ھ/۱۲۷۲ء میں تجدید ہوئی، ۷۳۳ھ/۱۳۳۲ء میں ناصر الدین بن قلاوون نے جزوی طور پر بعض حصے نئے تعمیر کرائے، ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء میں سلطان اشرف برسبائی نے ابن قاسم المحلی کے ہاتھوں تجدیدی کارنامہ سرانجام دیا[3]

امام سمہودی نے ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں سلطان اشرف برسبائی کی تعمیر شدہ مسجد کا حدود اربعہ اس طرح بیان کیا ہے۔

مشرق سے مغرب تک شمالی دیوار ۶۹ ½ ذراع (تقریباً ۸۴ فٹ) اور قبلہ سے شمال کی طرف چوڑائی ۹۷ ذراع (یعنی تقریباً ۱۱۸ فٹ) چھت کی بلندی ۱۹ ذراع (۲۸ ½ فٹ) جبکہ صحن شرقاً غرباً ۵۱ ذراع اور شمالاً جنوباً ۲۶ ¼ ذراع[4]

۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں علامہ رفعت پاشا نے لکھا ہے کہ موجودہ مسجد ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء کی تعمیر شدہ ہے جو ۴۰۴۰ میٹر طویل و عریض ہے دیواروں کی بلندی ۶ میٹر ہے، پتھر کے بنے ہوئے ۲۶ ستون ہیں[5]

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں علامہ عبدالقدوس الانصاری مسجد قباء کی پیمائش اس طرح بیان

---

[1] اخبار مدینہ: ۱۱۳

[2] معالم دار الحجرہ، ۳۶

[3] وفاء الوفا ج ۲: ۲۵

[4] وفاء الوفا، ح ۲: ۲۵

[5] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۹۶

Marfat.com

کرتے ہیں، مسجد مربع شکل ہے اور اس کا ہر ضلع ۴۰ میٹر ہے۔ اس میں ۲۹ ستون ہیں۔ چھت میں گنبد بنے ہوئے ہیں چھ برآمدوں پر مشتمل ہے۔ مسجد کے باہر دیواروں کی حفاظت کی غرض سے شمال، جنوب اور مشرق میں ستون نما پشتے بنے ہوئے ہیں۔ برآمدوں میں ایک چھوٹا سا کمرہ سامان رکھنے کے لئے بنا ہوا ہے۔ صحن کے غربی حصہ میں ایک قبہ نما جگہ ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اس مقام پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی باندھی تھی [1]

۱۳۸۸ھ/۱۹۶۸ء میں سعودی حکومت کی وزارت حج و اوقاف کے زیر اہتمام مسجد کی تجدید و توسیع شمال کی جانب کی گئی اور حسب سابق جنوب مشرقی کونے میں مینار بھی بنوایا۔ تعمیر پر مجموعی مصارف کا تخمینہ آٹھ لاکھ ریال ہے [2] سعودی شاندار توسیع کے بعد اب مسجد قبا کا رقبہ ۱۳۰۱۰،۳۰ مربع میٹر ہو گیا ہے [3]

لیکن ۲۶ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ/۲۹ اکتوبر ۱۹۸۶ء کو ایک مرتبہ پھر تعمیر و توسیع ہوئی جو پہلی پیمائش سے تقریباً تین گنا زیادہ ہے۔ مسجد کے شمال اور مشرق و مغرب میں توسیع کی گئی اور عورتوں کے لئے شمال کی جانب الگ حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔ اس وقت مشرق، مغرب اور شمال میں دو۔ دو بڑے اور چار چار چھوٹے دروازے ہیں۔

محراب مسجد قبا

جس وقت فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد قبا کی تعمیر فرمائی تھی۔ اس وقت قبلہ بیت المقدس تھا۔ لیکن سولہ یا سترہ ماہ بعد جب بیت اللہ کو قبلہ قرار دے دیا گیا [4] تو مسجد قباء کا محراب بھی تبدیل ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد قبا

---

[1] آثار المدینہ: ۸۳ [2] ایضاً ۸۷

[3] المدینہ --- الیوم ۷۳ [4] صحیح مسلم شریف ج ۱: ۲۰۰ بخاری ج ۲: ۶۴۵

Marfat.com

میں نماز فجر ادا کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے بآواز بلند کہا کہ آج رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم خداوندی ملا ہے کہ کعبتہ اللہ کو اپنا قبلہ بنالو۔ لہذا تم سب نمازی اپنا منہ کعبہ شریف کی طرف پھیر لو جس پر ہم سب بیت المقدس کی طرف سے کعبتہ اللہ کی طرف نماز ہی میں پھر گئے۔

راقم الحروف ۱۳۹۸ھ ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو جب مسجد قبا کی زیارت سے مشرف ہوا تو اس وقت محراب وغیرہ کی صورت حال یوں تھی جب تحویل قبلہ کا حکم صادر ہوا تو اس کے بعد شمالی دیوار کی بجائے جنوبی دیوار میں کعبتہ اللہ کی طرف منہ کرنے کی غرض سے مصلیٰ کی جگہ مقرر کر دی گئی۔ جیسا کہ نقشہ میں دی گئی تفصیلات سے ظاہر ہے۔ اس طرح بیت المقدس کی طرف منہ کر کے جس جگہ نماز پڑھی جاتی رہی وہاں محراب بنا ہوا ہے جو کہ صحن مسجد میں واقع ہے اور منبر کے چبوترہ کے قریب ہے اس کے اوپر پتھر پر یہ عبارت کندہ ہے۔

هذا محل نزول الایۃ القبلتین قائم اول بودند، کل ای مقتدی اثر رسول

اس محراب پر ایک مختصر سا گنبد بنا ہوا ہے۔ اس محراب کے قریب مشرق میں موذن کے لئے سیڑھیاں ہیں جبکہ آذان کی جگہ برآمدہ میں ہے۔

تحویل قبلہ کے بعد جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اور صحابہ کرام نے نماز پڑھی وہاں بھی محراب بنا دی گئی ہے جو مسجد کی جنوبی اور شمالی محراب کے درمیان مائل بغرب ہے۔ اس کے اوپر سنگ مرمر کے دو پتھروں پر یہ آیت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ، لمسجد اسس علی التقوی من اول یوم احق ان تقوم فیہ ط فیہ رجال یحبون ان یتطہروا ط واللہ یحب المطہرین [۵۲]

---

[۵۱] صحیح بخاری شریف ج ۲: ۶۲۵ صحیح مسلم شریف ج ۱: ۲۰۰ [۵۲] سورۃ توبہ ۸-۱

Marfat.com

اس کے نیچے دوسرے دو پتھروں پر یہ حدیث شریف لکھی ہوئی ہے۔
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من تطھر فی بیتہ ثم اتی
مسجد قبا فصلی فیہ رکعتین کان کاجر عمرۃ

منبر مسجد قبا: مسجد قبا میں منبر کا تذکرہ قدیم تواریخ میں نہیں ملتا، پہلی مرتبہ جس منبر سے اس مسجد کو زینت بخشی گئی وہ سلطان اشرف قایتبائی کا تھا، جو موصوف نے ۸۸۸ھ ۱۴۸۲ء کو مسجد نبوی شریف کی نذر کیا تھا، پھر جب سلطان مراد خان عثمانی نے ۹۹۸ھ/۱۵۸۹ء کو فاخرہ اور نادرہ روزگار منبر کا مسجد نبوی شریف کے لئے ہدیہ بھیجا تو پہلا منبر مسجد قبا میں منتقل کر دیا گیا [1]

راقم الحروف ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو منبر کی زیارت سے مشرف ہوا۔ یہ سنگ مرمر سے تعمیر شدہ آٹھ زینوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پیشانی پر شیشے کے فریم میں یہ آیت تحریر ہے۔

اللہ نور السموت و الارض

منبر کے دروازہ پر بھی کچھ لکھا ہوا ہے، مگر پڑھا نہیں جا سکا۔

مسجد قبا کے ستون

مورخین میں سب سے پہلے امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء نے مسجد قبا کے ستونوں کا تذکرہ کیا تھا، موصوف نے ۳۹ ستون بیان کئے تھے، جبکہ ہر دو ستونوں کے درمیان، ذراع (۱۰ ½ فٹ) کا فاصلہ تھا [2]

امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ ان کی تفصیلات اس طرح بیان کرتے ہیں۔
امام ابن نجار کی بیان کردہ تعداد اب بھی پائی جاتی ہے، مسجد سات برآمدوں پر مشتمل ہے

[1] آثار المدینہ: ۸۱ [2] اخبار المدینہ: ۱۱۳

Marfat.com

جن میں ستونوں کی ترتیب اس طرح ہے قبلہ کی جانب یعنی جنوب میں ستونوں کی تین صفیں ہیں جبکہ ہر صف میں شرقاً غرباً سات ستون ہیں۔ اس طرح شمال کی جانب ۴ ستون ہیں، رحبہ کے قریب مغربی سمت میں دو اور مشرقی جانب دو ستون ہیں۔ کل تعداد ۳۹ ہے[۱]

علامہ عبدالقدوس الانصاری نے ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں ۲۹ ستون بیان کئے ہیں[۲]

۱۸ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو جب راقم الحروف نے مسجد قبا کی زیارت کی تو اس وقت ستونوں کی تعداد ۳۷ پائی۔ ۱۴۰۷ھ کی تعمیر و توسیع میں بھی ۳۷ ستون بنائے گئے ہیں جبکہ جنوبی حصہ میں چھت پر تین عظیم الشان گنبد بھی بنائے گئے ہیں۔

مینار مسجد قبا: مسجد قبا کا مینار غالباً سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے پہلے پہل بنایا تھا[۳] بعد کے مورخین نے اس کی بلندی کا تذکرہ اس طرح کیا ہے۔ امام ابن شبہ نے ۵۰ ذراع (۷۵ فٹ) بلند اور تقریباً ۹ ذراع (۱۳ فٹ) چکور بیان کیا ہے اور ابن النجار نے مینار کی بلندی جنوب کی طرف سے ۱۰ ذراع اور مغرب کی جانب ۸ ذراع بیان کی ہے جبکہ مسجد کی بلندی ۲۱ ذراع تحریر کی ہے، مسجد کی تعمیر و تجدید کے ساتھ مینار کی تجدید بھی ہوتی رہی[۴]، سعودی تعمیر میں مینار چوکور نہیں بلکہ گول ہے۔

۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۶ء کی تعمیر نو میں چاروں کونوں پر مینار بنا دیئے گئے ہیں۔

مسجد نبوی سے قباء کا فاصلہ

مسجد قبا مدینہ منورہ سے جنوب مغربی جانب کوئی تین کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے میانہ روی سے پیدل چلنے والا آدمی تقریباً ۴۰ منٹ میں پہنچ جاتا ہے۔ قدیم زمانہ میں یہ

---

[۱] وفاء الوفا ج ۲: ۲۶
[۲] آثار المدینہ: ۸۱
[۳] آثار المدینہ: ۸۴
[۴] وفاء الوفا ج ۲: ۲۵

Marfat.com

یہ راستہ تنگ، ٹیڑھا اور سخت دشوار گزار تھا، یہ پیچ در پیچ راستہ گڑھوں اور چھوٹے چھوٹے درختوں سے بھرا پڑا تھا۔ اس کی توسیع اور اصلاح کے لئے پہلی مرتبہ ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء میں فخری پاشا نے بہت کام کیا۔ زائرین کی سہولت کے لئے اس کے دونوں جانب سایہ دار درخت لگائے۔ بعدازاں ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء میں عبدالعزیز بن ابراہیم جو کہ امیر مدینہ المنورہ کا وکیل تھا اس نے بہت سی اراضی خرید کر راستہ کشادہ کیا اور اس کی اصلاح پر کافی رقم خرچ کی [1]

اس کے بعد جب سعودی حکومت نے دوسری سڑکیں کشادہ، پختہ اور عمدگی کے ساتھ بنوائیں تو قبا کو جانے والی سڑک کو دورویہ بنادیا۔ جو بہت کشادہ اور نہایت مضبوط بنی ہوئی ہے۔

مسجد قبا میں ابتدائی زمانہ میں سیدنا سالم مولیٰ خذیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما کو امام مقرر کیا گیا۔ آپ مہاجرین اولین بشمول سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہما کی امامت کے فرائض انجام دیا کرتے تھے [2]

ابن زبالہ سے روایت ہے کہ بعد میں سیدنا سعد بن عدیم بن قیس بن النعمان مسجد قبا میں امام مقرر ہوئے جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور تک یہ خدمت سرانجام دیتے رہے پھر ان کے وصال کے بعد سیدنا فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مجمع ابن حارثہ کو بطور امام تعینات کر دیا [3]

مسجد جمعہ

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قبا میں چودہ روزہ قیام

---

[1] آثار المدینہ: ۸۳
[2] وفاء الوفا ج ۲: ۲۱
[3] اخبار مدینہ: ۱۱۲

Marfat.com

کے بعد مدینہ منورہ روانہ ہوئے آپ کی روانگی جمعہ کے دن سورج کافی بلند ہوجانے پر ہوئی تھی۔ جب آپ قبیلہ بنو سالم میں وادی رانونا تک پہنچے تو نماز جمعہ کا وقت ہوچکا تھا بنابریں آپ نے اپنے ہم سفر ایک سو افراد کی معیت میں وہیں جمعہ کی نماز ادا فرمائی[1] اس لحاظ سے مدینہ منورہ میں آپ کا پہلا جمعہ تھا۔ بعد میں اس مقام پر بنائی جانے والی مسجد کا نام "مسجد الغُبَیْب" مسجد الوادی اور مسجد الجمعۃ" مشہور رہا۔

اس بستی میں سیدنا عتبان بن مالک رضی اللہ تعالےٰ عنہ بھی اقامت پذیر تھے جن کی مسجد میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی۔ لیکن وہ مسجد جمعہ کے علاوہ اس سے غربی جانب حرہ کی طرف واقع اور نسبتاً چھوٹی تھی[2]

علامہ سمہودی لکھتے ہیں۔

ایک روایت کے مطابق آپؐ نے قبیلہ بنو سالم بن عوف جو وادی ذی ضلب میں آباد تھا کے پاس جمعہ ادا کیا۔ اور امام ابن اسحاق کی روایت میں وادی رانونا میں جمعہ پڑھنے کا ذکر ہے جبکہ امام ابن زبالہ "الغبیب" میں جمعہ پڑھنا بیان کرتے ہیں۔

بظاہر ان روایات میں تضاد معلوم ہوتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ذی ضلب اور رانونا دونوں نالوں کا پانی "مسجد الغبیب" کے مقام پر اکٹھا ہوتا تھا۔ اس لئے تینوں روایات سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ آپ نے "مسجد جمعہ" والی جگہ ہی قبیلہ بنو سالم میں نماز جمعہ ادا فرمائی تھی[3]

دسویں صدی ہجری تک مدینہ منورہ سے قبا جانے والے راستہ کے دائیں جانب مسجد جمعہ واقع تھی اس راستہ میں کئی تبدیلیاں اور اصلاحات ہوئیں، بنابریں اس وقت یہ مسجد راستہ

---

[1] اخبار مدینہ: ۶۸

[2] معالم دار الہجرۃ: ۳۸

[3] وفاء الوفاء ج ۲: ۳۱، ۳۲

Marfat.com

بائیں جانب پائی جاتی ہے [1]

مسجد جمعہ کے اولین تعمیر کنندگان میں عبدالصمد العباسی امیر مدینہ بھی تھا جسے خلیفہ مہدی عباسی نے ۱۵۹ھ/۷۷۶ء میں معزول کر دیا تھا [2]

بعد میں کئی عجمی امراء اور رؤسا نے بھی اس کی تعمیر و تجدید کی خدمت سرانجام دی پھر خواجہ الرئیس الجواد المفضل شہاب الدین قانونی نے اس کی تجدید کرائی۔

امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۵۰۵ء نے اس کا طول شمالاً جنوباً ۲۰ ذراع (۳۰ فٹ) اور شرقاً غرباً محراب والی دیوار ۱۶ ذراع (۲۴ فٹ) بیان کیا ہے [3]

الشیخ عبدالقدوس الانصاری لکھتے ہیں۔

مسجد کا طول ۸ میٹر، عرض ۶۰ میٹر ۵۰ سنٹی میٹر اور بلندی ۵ میٹر ۵۰ سنٹی میٹر ہے۔ اس کا گنبد سرخ اینٹوں کا گچ سے بنایا گیا ہے۔ دیواریں پتھر کی بہت مضبوط بنی ہوئی ہیں۔ روشنی اور ہوا کے لئے چار کھڑکی نما روشندان ہیں۔ شمال کی جانب ۸ × ۶ میٹر صحن ہے۔ جس کے باہر دو میٹر بلند دیوار بنی ہوئی ہے۔ دروازہ بغیر کواڑ کے اور ڈاٹ نما ہے جس کے دونوں جانب سفید سنگ مرمر کے مستطیل پتھر نصب ہیں۔ جن پر آنکھوں کو خیرہ کرنے والے نقش و نگار ہیں اور یہ عبارت بھی کندہ ہے۔

امر ببناء ھذا المسجد المبارک الجمعۃ مولانا امیر المومنین السلطان الملک المظفر السلطان بایزید بتاریخ .....

اس عبارت میں تاریخ درج نہیں ہے۔ البتہ سلطان بایزید سلاطین عثمانیہ میں سے تھا، جس کا دور حکمرانی ۸۸۶ھ اور ۹۱۸ھ کے درمیان تھا۔ اس اعتبار سے مسجد جمعہ کی موجودہ

---

[1] آثار المدینہ: ۸۸ [2] ایضاً

[3] وفاء الوفا ج ۲: ۳۲

Marfat.com

عمارت تقریباً ساڑھے چار سو سال پرانی ہے جس کی زیارت سے میں (علامہ عبدالقدوس الانصاری) بروز منگل ۲۴ شعبان المعظم ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۲ء شرف بار ہوا۔

مسجد تجدید کی خواست گار اور گنبد گر جانے کی تیاری میں ہے، دیواریں کمزور ہو چکی ہیں صحن تک پہنچنے کے لئے پتھر کے بنے ہوئے زینے بھی گرنے شروع ہو گئے ہیں[1]

راقم الحروف ۱۳۹۳ھ / ۱۹۷۳ء کو جب زیارت مدینۃ الرسول سے مشرف ہوا۔ تو اس وقت مسجد جمعہ کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ پائی۔ راستہ کچا اور ناہموار تھا۔ علامہ انصاری کے بیان کردہ زینے موجود نہ تھے۔ سڑک سے کافی نشیبی جگہ مسجد واقع تھی۔ لیکن ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء میں مسجد نو تعمیر شدہ پائی جو انتہائی عمدہ، خوبصورت اور صاف ستھری تھی۔ پختہ سڑک کے برابر سطح مسجد رکھی گئی۔ چھت گنبد دار، مسجد برقی قمقموں اور پنکھوں سے آراستہ تھی۔

مسجد غمامہ یا مصلی العید

سرور کون و مکان فخر زمین و زمان صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عید گاہ تھی، عیدین کی نماز اس جگہ ادا فرمایا کرتے تھے۔ اس لئے اسے مسجد مصلی العید کہا جاتا ہے البتہ علامہ عبدالقدوس انصاری کی تحقیق کے مطابق "مسجد غمامہ" کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ نام عوام کا مشہور کردہ ہے[2]

مسجد نبوی کے باب السلام سے جنوب مغربی کونے میں تقریباً پندرہ سو فٹ کے فاصلہ پر یہ مسجد واقع ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ھ میں پہلی مرتبہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز اس جگہ ادا فرمائی تھی۔ اس مقام سے قبلہ سمت کثیر بن الصلت بن معاویہ الکندی کی حویلی تھی۔ موصوف کی ولادت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوئی۔ لیکن ان کا شمار جلیل القدر تابعین میں ہوتا ہے۔ ان کا اصل نام "قلیل" تھا۔ جسے سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ

---

[1] آثار المدینہ حاشیہ ۸۸ تا ۹۱

[2] ایضاً حاشیہ ۱۲۲

Marfat.com

تعالیٰ عنہ نے تبدیل کر کے "کثیر" رکھا[1]ہ

موصوف نے یہ جگہ حضرت ولید بن عقبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے خرید کر تعمیر کی تھی عیدگاہ کے قرب کی وجہ سے یہ "مصلی العید" کے نام سے شہرت پذیر ہوئی[2]ہ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ تشریف لے جاتے، پہلے نماز عید ادا کرتے پھر خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جس میں پند و نصائح اور احکامات صادر فرماتے، اگر کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو اسے رخصت کرتے[3]ہ

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء لکھتے ہیں، اس عید گاہ سے مدینہ منورہ کی وہی مشہور جگہ مراد ہے جو باب السلام سے کوئی ایک ہزار ذراع کے فاصلہ پر واقع ہے[4]ہ

مدینہ منورہ کے مورخ جلیل علامہ سمہودی نے اسی کو مسجد المصلیٰ قرار دیا ہے اور اسی مقام پر سیدنا عثمان اور سیدنا علی رضی اللہ تعالےٰ عنہما کے عید پڑھنے کا ذکر بھی کیا ہے، مگر اس وقت مستقل طور پر مسجد تعمیر نہیں ہوئی تھی صرف کھلی جگہ تھی۔ بعد میں سیدنا عمر بن عبد العزیز نے پہلی مرتبہ اس جگہ مسجد تعمیر کرائی[5]ہ

الشیخ عبد القدوس الانصاری لکھتے ہیں۔

نویں صدی ہجری تک اسی مسجد میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ پڑھی جاتی رہی، لیکن معلوم نہیں کہ اس جگہ کی بجائے مسجد نبوی شریف میں کن وجوہ کی بناء پر عیدین کی نماز پڑھی جانے لگی۔ ممکن ہے کہ مسجد نبوی شریف کشادہ ہونے کی وجہ سے اس میں عید کی نماز شروع کی گئی

---

[1]ہ فتح الباری ج ۱ : ۴۴۹

[2]ہ وفاء الوفا ج ۲ : ۴

[3]ہ بخاری ج ۱ : ۱۳۱ مسلم ج ۱ : ۲۹۰

[4]ہ فتح الباری ج ۱ : ۴۴۹

[5]ہ وفاء الوفاء ج ۲ : ۶

Marfat.com

ہو کیونکہ اس میں پورے شہر کے لوگ سما سکتے ہیں [1]

۷۶۲ھ/۱۳۶۱ء میں سلطان الناصر حسن بن سلطان محمد بن قلاوون الصالحی نے عزالدین شیخ حرم کو اس کی تجدید کا حکم دیا۔ ۸۶۱ھ/۱۴۵۷ میں امیر بردبک نے اس کی اصلاح کرائی مسجد کا دروازہ محراب کے محاذات میں شمال کی طرف تھا اور دروازہ کے اندر داہنی جانب چند زینے بنے ہوتے تھے، جنہیں امیر بردبک نے ختم کر دیا [2]

تیرویں صدی ہجری میں سلطان عبدالمجید العثمانی نے اس کی تجدید کرائی اور دیوار میں نصب ایک لکڑی پر یہ عبارت کندہ کرائی۔

" بسم اللہ الرحمن الرحیم ، انما یعمر مساجد اللہ الایۃ

اللھم شفع النبی فی مجددہ السلطان عبد المجید خان عز نصرہ"

اسی طرح چودھویں صدی ہجری میں سلطان عبدالحمید خان الثانی نے اس کی تعمیری خدمت انجام دی، جو ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء تک صحیح حالت میں قائم تھی، پھر سعودی حکومت نے اس میں بہت سی اصلاحات و ترامیم کرائیں۔

یہ مسجد تراشیدہ مضبوط پتھروں کی بنی ہوئی ہے۔ ڈاٹ نما دیواریں اپنی طرز میں عجوبہ روزگار ہیں، چھت ۱۲ میٹر بلند اور عالیشان قبوں پر مشتمل ہے۔ قبے بے حد عمدہ صاف شفاف سفید سنگ مرمر کے ستونوں پر قائم ہیں، دیدہ زیب محراب کے پہلو میں خوبصورت منبر نصب ہے۔ شمالی دیوار کے اندر مبلغین کا حجرہ اور شمال مغربی کونے میں مینار ہے۔ مسجد کا طول ۲۶ میٹر، عرض ۱۳ میٹر، بلندی ۱۲ میٹر اور دیواروں کی چوڑائی ایک میٹر ۵۰ سنٹی میٹر ہے [3]

راقم الحروف نے ۱۳۹۸ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۸ کو مسجد عمامہ کی بعض چیزیں اس طرح

---

[1] آثار المدینہ: ۱۲۳

[2] وفاء الوفا ج ۲: ۷

[3] آثار المدینہ: ۱۲۲ تا ۱۲۴

Marfat.com

پائی ہیں،

مسجد کے بڑے دروازے سے اندر داخل ہوکر دائیں اور بائیں دو اور دروازے ہیں۔ داہنی جانب والے دروازہ کے دائیں کواڑ پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بائیں کواڑ پر وَمَا توفیقی اِلَّا بِاللہ

النجار، عطار ۱۳۷۳ھ

یونہی بائیں دروازے کے دائیں کواڑ پر لکھا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اور بائیں کواڑ پر اُدْخُلُوْھَا بِسَلَامٍ آمِنِیْن

مسجد کے باہر برآمدہ پانچ بڑے دروازوں پر مشتمل ہے۔ جو موٹی پیتل کی گرل کے بنے ہوئے ہیں۔ دروازہ کے اندر داہنی جانب بلندی پر آذان کی جگہ بنی ہوئی ہے جس پر چڑھنے کے لئے دس سیڑھیاں ہیں۔ اندر بیس ٹیوب لائٹیں اور ۱۹ پنکھے لگے ہیں۔

منبر مسجد عمامہ

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مجھے سرور کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں عید الفطر اور عید الاضحیٰ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ بغیر منبر کے خطبہ ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ پھر مجھے مروان بن الحکم کے عہد میں عیدین کی نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا ہم نے اس وقت عید گاہ میں منبر موجود پایا جو کثیر بن صلت نے بنوایا تھا۔ جب مروان منبر پر چڑھنے لگا تو میں نے منع کرنے کی کوشش کی۔ اس نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھا[1]

اس روایت سے بعض علما نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عید کا خطبہ بغیر منبر کے پڑھا جائے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر بغیر منبر کے خطبہ ارشاد فرمایا تھا اور عید گاہ میں منبر پر خطبہ سب سے پہلے مروان بن حکم حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۱۳۱ صحیح مسلم ج ۱: ۲۹۰

Marfat.com

اور خلفاء الراشدین نے بھی عید کا خطبہ منبر پر پڑھا تھا، جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت سے ثابت ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نماز استسقا کے لئے عید گاہ تشریف لائے آپ انتہائی عاجزی اور انکساری اور متانت کے ساتھ چل رہے تھے اور منبر پر تشریف فرما ہوئے۔ نماز پڑھائی اور تضرع کے ساتھ دعا فرمائی [1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لوگوں نے قحط کی شکایت کی جس پر آپ نے عید گاہ میں منبر رکھنے کا ارشاد فرمایا اور نماز استسقا پڑھنے کے لئے ایک دن کا وعدہ کر لیا، چنانچہ آپ وقت موعود پر عید گاہ تشریف لائے منبر پر چڑھ کر تقریر فرمائی اور دعا فرمائی بعد میں دو رکعت نماز پڑھائی [2]

اسی طرح کی ایک روایت جامع ترمذی میں بھی ہے جس میں عید گاہ میں منبر پر تشریف فرما ہونے کا ذکر ہے۔

جس میں منبر کے متعلق یہ صراحت بھی موجود ہے کہ وہ کثیر بن صلت نے پختہ اینٹوں سے بنوایا تھا لکڑی کا اس لئے نہیں بنوایا کہ عید گاہ کھلی فضا میں واقع ہونے کی وجہ سے بارش اور دھوپ سے لکڑی خراب ہو جائے گی جبکہ مسجد کے اندر لکڑی کا منبر محفوظ رہتا ہے [3]

ان روایات سے واضح ہو گیا کہ مسجد نمامہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے منبر موجود تھا۔

راقم الحروف نے ۱۳۹۸ھ/۲۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں جس منبر کی زیارت کی، وہ لکڑی کا

---

[1] ابو داؤد باب الصلوٰۃ الاستسقاء ج ۱:۱۱۵ [2] ایضاً : ۱۱۶

[3] فتح الباری ج ۲ : ۵۰۴، وفاء الوفاء ج ۲ : ۸، ۹

Marfat.com

بنا ہوا کافی بلند تھا۔ جس کے اندر دس زینے تھے جن پر قالین بچھا تھا۔ میز کے دروازے پر یہ عبارت کندہ تھی۔

اِنّہٗ من سلیمان وانہ بِسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

جس سے یہ دلالت ہوتی ہے کہ اسے سلطان سلیمان نے تعمیر کرایا تھا۔

مسجد الفضیخ

یہ مسجد، مسجد قباء سے مشرقی جانب حرۃ الشرقیہ کے قریب عوالی کے علاقہ میں واقع ہے [۱] جو مسجد شمس کے نام سے بھی مشہور ہے۔ سیدنا ہشام بن عروہ اور سیدنا حارث بن فضیل سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسجد میں نماز پڑھی تھی [۲]

اس کا نام مسجد شمس کیوں مشہور رہا؟ اس کی کوئی معقول وجہ کسی کتاب میں مرقوم نہیں سوا اس خیال کے کہ اس کا محل وقوع بلند جگہ ہونے کی وجہ سے سورج طلوع ہوتے ہی اس پر کرنیں پڑتی ہیں [۳] اور یہ بھی محض مفروضہ ہے کہ اس مقام پر سورج غروب ہونے کے بعد لوٹ آنے کا واقع پیش آیا تھا [۴]

اس کا نام مسجد الفضیخ مشہور رہنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت ابو ایوب انصاری اور چند دیگر انصاری صحابہ اس مقام پر فضیخ نام کا کوئی منشی مشروب پیتے تھے لیکن جب حرمت شراب کا حکم نازل ہونے پر جب انہیں اس کا علم ہوا تو انہوں نے فضیخ کے مشکیزہ کا منہ کھول کر سارا مشروب ضائع کر دیا تھا۔

جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے قبیلہ بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو اس مقام پر آپ کا خیمہ نصب کیا گیا تھا۔ جس میں آپ نے چھ دن تک نماز ادا فرمائی [۵]

---

[۱] آثار المدینہ: ۱۴۱
[۲] اخبار مدینہ: ۱۱۵
[۳] آثار المدینہ: ۱۴۱
[۴] وفاء الوفاء ج ۲: ۳۳
[۵] معالم فلا تھجرہ: ۱۳۷

Marfat.com

علامہ سمہودی نے اس کا طول وعرض ۱۱ × ۱۱ ذراع بیان کیا ہے[1] یعنی ۱۶½ × ۱۶½ فٹ
علامہ انصاری کے مطابق ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں مسجد کا طول ۱۹ میٹر، عرض ۴ میٹر اور چھت ۵ قبوں پر مشتمل ہے۔ محراب کے قریب دو زینوں کا منبر مٹی گارے اور پتھروں کا بنا ہوا ہے[2]
الشیخ محمد صالح البلیہشی نے ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں مسجد کا مجموعی رقبہ ۴۷۹،۶۱ مربع میٹر بیان کیا ہے[3]

مسجد البحیر یا مسجد سجدہ

قدیم زمانہ میں اس کے قریب "البحیر" نامی کھجوروں کا باغ تھا اس نسبت سے یہ نام مشہور ہوا۔ اور مسجد سجدہ کی وجہ تسمیہ آئندہ بیان کی جارہی ہے۔ علاوہ ازیں اسے مسجد ابوذر غفاری بھی کہا جاتا ہے۔ لیکن علامہ سمہودی نے مطلق نام ذکر نہیں کیا نہ اس کے موجب بیان کیا اور عصر حاضر کے مورخ الشیخ محمد صالح البلیہشی نے صرف یہی نام لکھا ہے۔ نیز وزارت اوقاف کے زیر اہتمام مسجد پر آویزاں تختی پر بھی "مسجد ابوذر" لکھا ہوا ہے۔
الشیخ ابراہیم بن علی العیاشی نے اس مسجد کے چار نام لکھے ہیں۔ مسجد الاسواف، مسجد السجدہ مسجد ابی ذر غفاری اور مسجد البحیری[4]
لیکن شیخ عبدالقدوس الانصاری لکھتے ہیں۔
کسی تاریخ کی کتاب میں کوئی متعین نام نہیں مل سکا۔ محل وقوع کی مناسبت سے "البحیر" اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک مرتبہ طویل سجدہ کرنے کی بنا پر "مسجد سجدہ"

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲: ۳۴
[2] آثار المدینہ: ۱۴۱
[3] المدینہ۔۔۔ الیوم: ۷۵
[4] المدینہ بین الماضی والحاضر ۳۲۷

Marfat.com

کے نام موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ البتہ سیدنا ابوذر غفاری کی طرف نام کی نسبت یہ محض عوام الناس کی اختراع ہے [1]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں مسجد نبوی شریف کے صحن میں سو رہا تھا۔ اچانک آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے ہیں۔ میں بھی دبے پاؤں پیچھے ہو لیا۔ آپ ایک باغ میں تشریف لے گئے وضو کر کے دو رکعت نماز ادا فرمائی اور پھر بہت ہی طویل سجدہ کیا مجھے فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں روح پرفتوح اعلیٰ علیین کو پرواز تو نہیں کر گئی۔ اتنے میں آپ نے سر مبارک سجدہ سے اٹھایا اور فرمایا عبدالرحمٰن کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا، آپ پر میرے ماں باپ قربان جائیں۔ آپ نے اس قدر طویل سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ کی روح پاک پرواز نہ کر گئی ہو۔

شفیع المذنبین رحمت العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے میری امت کو ایک ایسے عظیم الشان انعام سے نوازا ہے جس کے شکرانہ میں اتنا طویل سجدہ کیا۔ جبرئیل امین نے اللہ تعالےٰ کا یہ ارشاد پہنچایا کہ جو آدمی مجھ پر ایک دفعہ درود شریف بھیجے۔ اللہ تعالےٰ اسے دس نیکیاں عطا فرمائیں گے اور دس گناہ معاف کر دیں گے۔

دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ جو شخص آپ پر درود بھیجے گا میں اس پر درود بھیجوں گا اور جو آپ کی خدمت میں سلام پیش کرے گا اسے میں بھی سلام سے نوازوں گا [2]

علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ نے اس کا حدود اربعہ ۸ × ۸ ذراع بیان کیا ہے [3] یعنی ۱۲ مربع فٹ۔

---

[1] آثار المدینہ: ۱۳۹

[2] مشکوٰۃ شریف ۸۷

[3] وفاء الوفا ج ۲: ۵۵

Marfat.com

علامہ انصاری ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء میں لکھتے ہیں یہ مسجد صرف مختصر سی چاردیواری پر مشتمل ہے جس کا طول وعرض ۴×۴ میٹر اور دیواروں کی بلندی صرف ایک میٹر ہے[1]

الشیخ ابراہیم بن علی العیاشی بیان کرتے ہیں۔

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۲ء کو میں نے علامہ سمہودی کی بیان کردہ کیفیت کے مطابق مسجد پائی لیکن ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں سید علوی سقاف نے اس کی تعمیر جدید کرائی مگر تاحال چھت نہیں ہے البتہ مینار موجود ہے[2]

جبکہ الشیخ محمد صالح البلیہشی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں لکھتے ہیں۔ اس مسجد کو جدید طرز سے تعمیر کر دیا گیا ہے موجودہ رقبہ ۵۵۶،۸ میٹر ہے اور وضو اور طہارت کا انتظام بھی کیا گیا ہے[3]

مسجد نبوی حرام

سلع پہاڑ کے غربی دامن میں مسجد فتح سے جنوب کی جانب یہ مسجد واقع تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی بستیوں میں تشریف لے جاتے اور ان کی مساجد میں نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ مسجد نبی حرام میں بھی آپ نے نماز پڑھی، مسجد نبی حرام کے قریب شرقی جانب پہاڑ کے اوپر ایک غار واقع ہے۔ جسے غار نبی حرام یا غار سلع کہا جاتا ہے اور بعض لوگ اسے غار سجدہ بھی کہتے ہیں۔ غزوہ خندق کے موقع پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غار میں ایک رات استراحت بھی فرمائی تھی۔

حدیث شریف میں ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالےٰ عنہ ایک مرتبہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر آپ کو امہات المومنین میں سے کسی کے

---

[1] آثار المدینہ: ۱۳۹

[2] المدینہ بین الماضی والحاضر: ۳۲۷

[3] المدینہ۔۔۔ الیوم: ۷۵

Marfat.com

وہاں نہ پایا۔ حضرت معاذؓ آپ کی تلاش وجستجو میں چل نکلے۔ جن مقامات پر آپ عموماً تشریف فرما ہوا کرتے تھے وہاں تلاش کیا مگر کوئی اتہ پتہ نہ چل سکا۔ بالآخر سلع پہاڑ کی نشاندہی کی گئی حضرت معاذؓ فوراً وہاں پہنچے، متلاشی نگاہیں چہار سو دوڑائیں مگر جمال جہاں آراء سے ضیا بار نہ ہوسکیں۔ آپ نے غار میں جھانکا تو سرور کون ومکان، سلطان زمین وزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ کبریا میں سجدہ ریز پایا۔ سیدنا معاذؓ اس مقام کی جلالت وہیبت اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اجتبائی کی تاب نہ لاسکے اور فوراً وہاں سے ہٹ گئے۔

کچھ دیر بعد جرأت کرکے پھر جھانکا، مگر تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک جبین نیاز خاک پر نہادہ تھے۔ حضرت معاذؓ فکر مند ہوئے کہ کہیں روح پاک قفس عنصری سے پرواز نہ کرگئی ہو، مگر اسی اثنا میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے سر مبارک اٹھایا اور ارشاد فرمایا کہ ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور یہ بشارت سنائی کہ اللہ رحیم وکریم فرماتے ہیں کہ آپ اپنی امت کے متعلق مطمئن رہیں، آپ کی دل آزاری نہیں کی جائے گی اس نعمت عظمی کا شکر بجالانے کی خاطر میں نے اتنا طویل سجدہ ادا کیا[1]

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی روایت بھی اس کے ساتھ مطابقت رکھتی ہے۔ رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی

رب انهن اضللن كثيرا من الناس فمن تبعني فانه مني الاية

اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا قول۔ ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفر لهم فانك انت العزيز الحكيم۔

پھر آپ نے ہاتھ اٹھا کر عرض کی اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اُمَّتِيْ اور زار وقطار رونے لگے۔ ادھر اللہ کریم نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا، جاؤ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] وفاء الوفا ج ۲: ۴۵۵ ـ ۴۶۰

Marfat.com

سے دریافت کرو کہ آپ کو کس چیز نے رولا دیا۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ حقیقت حال سے باخبر بھی ہے۔ جبرئیل نے حاضر خدمت ہو کر دریافت کیا تو آپ نے اپنی بات کا اظہار فرمایا۔ اس پر اللہ کریم نے جبرئیلؑ کو دوبارہ خدمت اقدس میں بھیج کر یہ خوشخبری سنائی۔

انا سنرضیک فی امتک ولا نسوءک [1]

ہم امت کے معاملہ میں آپ کو راضی کردیں گے اور مایوس نہیں کریں گے۔

مسجد نبی حرام کا اس وقت مجموعی رقبہ ۵، ۲۲۳ مربع میٹر ہے [2]

مسجد اجابہ

قبیلہ اوس کے ایک انصاری خاندان بنو معاویہ بن مالک بن عوف کی بستی میں یہ مسجد واقع تھی۔ بعض مورخین نے اس خاندان کی نسبت بنو نجار کی طرف بیان کی ہے۔ مگر علامہ سمہودی اسے غلط قرار دیتے ہیں [3]

حضرت عامر بن سعد رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے والد گرامی قدر سے روایت بیان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عوالی کی طرف تشریف لے گئے اور جب بنو معاویہ کی مسجد کے پاس پہنچے تو مسجد میں دو رکعت پڑھیں اور ہم نے بھی جماعت سے نفل ادا کئے پھر آپ دیر تک اپنے رب سے دعا مانگتے رہے اور ارشاد فرمایا، میں نے اپنے رب سے تین چیزیں طلب کی تھیں جن میں سے دو کے متعلق دعا قبول ہوئی اور تیسری کے حق میں دعا قبول نہ ہوئی۔

---

[1] صحیح مسلم شریف ج ۱ : ۱۱۳

[2] وفاء الوفاء ج ۲ : ۳۸

[3] المدینہ - - - الیوم ۷۵

Marfat.com

میں نے دعا کی پروردگار میری امت کو قحط کے عذاب سے ہلاک نہ کرنا دوسری التجا یہ تھی کہ میری ساری امت کو غرقابی سے بچانا اور تیسری درخواست تھی کہ مسلمان آپس لڑائی نہ کریں [1]

حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن جابر بن عتیک بن الحارث بیان کرتے ہیں

" سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہما ہمارے ہاں انصار کی بستی قبیلہ بنو معاویہ میں تشریف لائے اور دریافت کیا کہ تمہیں وہ جگہ معلوم ہے جہاں تمہاری اس مسجد میں فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی ،

میں نے عرض کیا جی ہاں مجھے معلوم ہے اور میں نے اشارہ سے وہ جگہ بتائی پھر انہوں نے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سی تین دعائیں کی تھیں ؟ میں نے اثبات میں جواب دیا ۔ انہوں نے فرمایا ۔ ان دعاؤں سے مجھے بھی آگاہ کریں ۔ میں نے انہیں بتایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی یہ دعا فرمائی اے اللہ میری امت پر کفار کو غلبہ نہ دینا ۔ دوسری دعا یہ تھی کہ میری امت کو قحط کے ذریعہ ہلاک نہ کرنا ۔ دونوں دعائیں شرف قبولیت سے نوازی گئیں اور تیسری دعا جو قبول نہ ہوئی وہ یہ تھی کہ میری امت آپس میں جنگ وجدال اور قتل وقتال نہ کرے ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تصدیق فرمائی [2]

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ان عظیم وجلیل دعاؤں کی قبولیت کے باعث اس مسجد کا نام " مسجد اجابہ " مشہور ہوا ۔ نیز اسے مسجد بنی معاویہ بھی کہا جاتا ہے [3]

علامہ سمہودی کے بیان کے مطابق شرقاً غرباً اس کا طول ۲۵ ذراع (۳۷ فٹ ۶ انچ)

---

[1] مسلم شریف ج ۲ : کتاب الفتن : ۳۹۱

[2] موطا امام مالک کتاب سیرہ النبی باب دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ج ۲ : ۵۱۹

[3] وفاء الوفاء ج ۲ : ۳۸

Marfat.com

اور شمالاً جنوباً عرض ۲۰ ذراع (۳۰ فٹ) تھا[1] جبکہ شیخ عبدالقدوس الانصاری بیان کرتے ہیں کہ موجودہ طرز تعمیر دولت عثمانیہ کی ہے جس کی چھت گنبد نما ہے، طول ۱۰ میٹر اور عرض ۸ میٹر ہے[2]

مسجد قبلتین

مورخ شہیر امام سمہودی کی تحقیق کے مطابق یہ مسجد اس مقام پر واقع ہے جہاں قبیلہ سواد بن غنم بن کعب اقامت گزین تھا[3] وادی عقیق الکبری والصغری کے مابین میدان میں ایک ٹیلہ پر مسجد قبلتین واقع ہے جو حرۃ الوبرہ کے شمال مغرب میں ہے[4] اور امام ابن نجار کہتے ہیں بیر رومہ یعنی بیر عثمان کے قریب واقع ہے[5]

یہی وہ مسجد ہے جس میں نماز کے دوران تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ جس کی وجہ سے دو رکعت بیت المقدس اور دو رکعت بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ادا کی گئیں۔ اسی وجہ سے یہ مسجد قبلتین کے نام سے شہرت پذیر ہوئی[6]

امام ابن سعد بیان کرتے ہیں مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قبیلہ بنو سلمہ کی ایک عورت ام بشر بن البراء بن معرور کی بیمار پرسی کو تشریف لے گئے۔ انہوں نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا۔ اسی اثنا میں ظہر کا وقت ہو گیا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ نماز باجماعت ادا فرما رہے تھے۔ پہلی دو رکعت بیت المقدس

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲ : ۳۸
[2] آثار المدینہ : ۱۳۷
[3] وفاء الوفاء ج ۲ : ۴۷
[4] آثار المدینہ : ۱۳۱
[5] اخبار المدینہ : ۱۱۵
[6] وفاء الوفاء ج ۲ : ۴۸

Marfat.com

طرف رخ کرکے ادا کر چکے تھے کہ کعبۃ اللہ کی طرف رخ کر لینے کا حکم آگیا۔ اس پر آپ فوراً کعبہ شریف کی طرف گھوم گئے اور بقیہ دو رکعات کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے پوری فرمائیں۔ یہ واقعہ ہجرت کے سترھویں مہینے ۱۵ رجب بروز دوشنبہ کو پیش آیا تھا[1]

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سولہ یا سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرماتے رہے مگر آپ اس بات کے خواہشمند تھے کہ بیت اللہ کو قبلہ مقرر کر دیا جائے چنانچہ آپ صحابہ کے ساتھ نماز عصر پڑھ رہے تھے کہ تحویل قبلہ کا حکم آگیا[2]

علامہ عماد الدین ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ صحیحین کی اس روایت کو نقل کر کے لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت کے دوسرے سال رجب میں پیش آیا ہے[3]

علامہ سمہودی لکھتے ہیں۔

۸۹۳ھ/ اس کی تجدید الشجاعی شاہین ابطالی نے کرائی تھی[4]

الشیخ عبد القدوس الانصاری بیان کرتے ہیں کہ مسجد داخلی اور خارجی دو حصوں میں منقسم ہے داخلی حصہ قبہ دار اور محراب کعبۃ اللہ کی جانب ہے جبکہ خارجی حصہ کا محراب شمال کی طرف ہے مسجد کا طول ۹ میٹر، ۲۰ سنٹی میٹر اور عرض ۴ میٹر، ۵۰ سنٹی میٹر اور اونچائی بھی ۴ میٹر ۵۰ سنٹی میٹر ہے۔ تراشیدہ پتھروں سے بنی ہوئی یہ مسجد دولت عثمانیہ کی تعمیری یاد تازہ کر رہی ہے اس کی تجدید و اصلاح کی تفصیلات معلوم نہ ہو سکیں۔ اندازہ یہ ہے کہ الشجاعی شاہین ابطالی ۸۹۳ھ کی تعمیر کردہ عمارت سلطان سلیمان خان تک قائم رہی پھر موصوف نے ۹۵۰ھ/ ۱۵۴۳ء میں اس کی تجدید کرائی جس کی دلالت ایک پتھر پر کندہ عبارت سے ہوتی ہے اور

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲: عنوان تحویل قبلہ
[2] صحیح بخاری شریف ج ۱: ۱۰ ج ۲: ۶۴۴ صحیح مسلم شریف ج ۲: ۴۰
[3] البدایہ والنہایہ ج ۳: ۲۳۵
[4] وفاء الوفاء ج ۲: ۴۹

Marfat.com

اب ۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء تک قائم ہے [1]

الشیخ ابراہیم بن علی العیاشی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء اس کی کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں یہ واحد مسجد ہے جس میں اب تک تحویل قبلہ کا اشارہ موجود ہے۔ اس کی بنیادیں پتھر کی اور دیواریں پختہ اینٹوں سے بنائی گئی ہیں اور چھت کھجور کے تنوں اور شاخوں پر مشتمل ہے۔ جب بارش ہوتی ہے تو بعض اوقات نمازیوں پر چھت گر جاتی ہے اور مسجد کے دروازہ سے بارش کا پانی باہر نکلتا ہے لیکن اس وقت اس کی شکستگی اور بوسیدگی کو وزارت اوقاف نے تبدیل کر دیا ہے اور اسے اچھی طرح پختہ اور مضبوط تعمیر کر کے ایک چھوٹا سا مینار بھی بنا دیا ہے [2]

راقم الحروف نے ۱۳۹۸ھ ۱۹ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو مسجد اس حالت میں دیکھا ہے۔ اندر داخل ہونے کے لئے مغرب کی جانب سترہ زینے اور شمال میں تین زینے ہیں۔ مختصر سے صحن کے بعد مسجد ہے۔ محراب کے ساتھ بلندی پر خطبہ پڑھنے کی جگہ بنی ہوئی ہے جس کی ۱۲ سیڑھیاں ہیں۔ چھ ستونوں پر چھت قائم ہے۔ ۱۰ ٹیوب لائٹ اور ۹ پنکھوں سے مزین ہے۔ شمال مشرق میں ایک مینار ہے جس کے نیچے تقریباً ۸ مربع فٹ کمرہ بنا ہوا ہے۔

مسجد بنی ظفر

یہ مسجد قبیلہ بنو ظفر میں واقع تھی۔ جس کا محل وقوع جنت البقیع سے مشرقی جانب حرہ شرقیہ کی طرف ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کا راستہ جنت البقیع کے مشرقی کونے میں واقع سیدہ فاطمہ بنت اسد رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ تھیں کی قبر کے پاس سے گزرتا تھا [3]

---

[1] آثار المدینہ: ۱۳۱، ۱۳۲

[2] المدینہ بین الماضی والحاضر: ۸۲

[3] وفاء الوفاء ج ۲: ۳۷

Marfat.com

الشیخ عبدالقدوس الانصاری بیان کرتے ہیں کہ یہ مسجد مدینہ منورہ سے مشرق میں ہے اور جنت البقیع کے دروازے سے صرف پندرہ منٹ کا راستہ ہے اور اس وقت بھی یہ مسجد قائم ہے اس کا طول اور عرض ۷۰، ۳ × ۷۰، ۳ میٹر ہے [1]

الشیخ ابراہیم بن علی العیاشی نے اس کے تین نام اور بھی ذکر کئے ۔ مسجد الفعلہ، مسجد بغلہ اور مسجد المائدہ ۔ شیخ موصوف کہتے ہیں ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں اس کی شکستہ عمارت میں تین محراب ہیں ۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ایک ساتھ تین مسجدیں بنی ہوئی تھیں اس وقت چھت منہدم ہو چکا ہے [2]

طبرانی میں ایک روایت اس طرح پائی جاتی ہے ۔

ایک مرتبہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت معاذ بن جبل اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے ساتھ مسجد بنو ظفر میں تشریف فرما ہوئے اور وہاں ایک چٹان پر بیٹھ گئے ۔ پھر ایک آدمی کو تلاوت کرنے کا ارشاد فرمایا ۔ جب وہ اس آیت پر پہنچے ۔

فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھولاء شہیدا [3]

آپ پر رقت طاری ہو گئی اور آنسوؤں سے ریش مبارک تر ہو گئی ۔ اور فرمایا اے اللہ ان لوگوں کے درمیان میں موجود ہوں اور جنہیں میں نے ابھی دیکھا ہی نہیں ان کی کیفیت کیا ہو گی [4]

بخاری شریف میں یہ صراحت بھی ہے کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ

---

[1] آثار المدینہ: ۱۳۴، ۱۳۵

[2] المدینہ بین الماضی والحاضر ۳۱۰

[3]

[4] فتح الباری ج ۲: ۳۷، وفاء الوفاء ۲ : ۳۷

Marfat.com

سے تلاوت کی فرمائش کی اور انہوں نے بڑے ادب سے عرض کیا۔ کیا میں آپ کو قرآن سناؤں، جبکہ آپ پر قرآن مجید نازل ہوا ہے، اس پر آپ یوں شگفتہ دھن ہوئے کہ میری خواہش ہے کہ دوسروں سے تلاوت قرآن سنوں۔

تعمیل ارشاد میں آپ نے سورہ نسا کی تلاوت شروع کردی اور جب مذکورہ آیت تلاوت کی تو دیکھا کہ آپ کے آنسو جاری تھے اور آپ نے فرمایا۔ بس، بس [1]

الشیخ عبدالقدوس الانصاری بیان کرتے ہیں کہ امام سمہودی نے جس چٹان کا تذکرہ کیا ہے۔ میں نے بھی اسے دیکھا ہے وہ سنگ مرمر کا ایک بڑا پتھر ہے۔ جس پر یہ عبارت کندہ ہے۔

" خلد اللہ ملک الامام ابی جعفر المستنصر باللہ امیر المومنین عمر سنۃ ثلاثین و ستمائۃ "

لیکن کچھ عرصہ بعد مجھے مصر کے ایک کتب خانہ میں جانے کا اتفاق ہوا تو یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ پتھر وہاں موجود تھا، ایک وزیر سے میں نے حقیقت حال دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ مدینہ منورہ کا کوئی شخص یہ پتھر مصر میں لایا تھا اور کثیر رقم کے عوض فروخت کردیا [2]

یہ بات بھی مشہور ہے کہ جس چٹان پر حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہوئے تھے اگر کوئی اولاد کی خواہشمند عورت اس پر بیٹھے تو اسے حمل ہو جائے گا [3]

---

[1] بخاری شریف ج ۲ : ۶۵۹، ۷۵۵، ۷۵۶

[2] آثار المدینہ ۱۳۴، ۱۳۵

[3] الکفایہ ج فتح القدیر ج ۳ : ۹۷

Marfat.com

مسجد ذباب یا مسجد رایہ

یہ مسجد جس پہاڑ پر واقع ہے اس کا نام "ذباب" ہے اسی نسبت سے مسجد کا نام بھی ذباب شہرت پذیر ہوا، نیز اس جگہ فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے دوران خیمہ نصب فرمایا تھا اور اسے مسجد رایہ کہنے کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی موقع پر یزید بن ہرمز جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا، اس نے دشمن کے مقابلہ کے وقت اس جگہ جھنڈا گاڑھا تھا[1]

یہ ایک چھوٹا سا پہاڑ ہے جو ثنیۃ الوداع سے جبل احد کی طرف جاتے ہوئے بائیں ہاتھ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب واقع ہے۔ اس مسجد کے منہدم ہونے پر امیر جانبک النیروزی نے ۸۴۵ھ یا ۸۴۶ھ میں تجدید کرائی تھی۔ اور اسی حالت میں چودھویں صدی ہجری میں موجود تھی۔ پتھروں کی بنی ہوئی یہ مسجد اندر اور باہر سے پلستر شدہ ہے اس کے اضلاع ۴ مربع میٹر اور بلندی ۶ میٹر ہے[2]

مسجد السقیا

مسجد سقیا بیر السقیا کے قریب حرۃ الوبرہ کی جانب واقع ہے اور اس کے نزدیک ہی باب العنبریہ ہے۔

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

ہم فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مدینہ طیبہ سے نکلے جب سعد بن وقاص رضؓ کے حرۃ سقیا کے قریب پہنچے تو آپؐ نے پانی طلب فرمایا، وضو کر کے قبلہ رو کھڑے ہو کر اہالیان مدینہ باسکینہ کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی۔

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲: ۵۱، ۵۲ [2] آثار المدینہ ۱۲۸ تا ۱۳۰

Marfat.com

اللّٰھم ان ابراھیم کان عبدك وخلیك و دعالاھل مکتہ بالبرکۃ وانا عبدك ورسولك ادعوك لاھل المدینۃ ان تبارك لھم فی مدھم وصاعھم مثلی مابرکت لاھل مکۃ مع البرکۃ برکتین [1]

اے اللہ سیدنا ابراہیمؑ تیرے بندے اور خلیل تھے۔ انہوں نے مکہ مکرمہ والوں کے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی۔ اور میں تیرا بندہ اور رسول ہوں تجھ سے اہل مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں کہ ان کے مدّ اور صاع میں دوگنا برکت عطا فرما۔ اہل مکہ کی نسبت۔

امام احمد المتوفی ۲۴۱ھ/۸۵۵ء ابو قتادہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد بن ابی وقاص رضؓ کی زمینوں میں حرہ کے دامن میں سقیا کے مکانات کے پاس نماز پڑھی اور پھر مذکورہ بالا دعا فرمائی [2]

جبکہ ابن زبالہ کی روایت میں ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر آپؐ نے اسلامی لشکر کے ساتھ السقیا کے مقام پر مسجد میں نماز پڑھی اور اہالیان مدینہ کے لئے خیر و برکت کی دعا فرمائی [3]

علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں اس مسجد کا محل وقوع دریافت کرنے میں سخت دقت پیش آئی مگر تلاش بسیار کے بعد میں نے اسے دریافت کر لیا اور زمین میں مدفون بنیادوں اور دیواروں کا کھوج لگا لیا۔ بعد ازاں انہی بنیادوں پر لوگوں نے مسجد تعمیر کر دی جس کا طول و عرض ۷، × ۷، ذراع ہے [4]

موجودہ تعمیر دولت عثمانیہ کی یادگار ہے چھت گنبد نما ہے اور مجموعی رقبہ ۱۵، ۷، مربع میٹر ہے [5]

---

[1] ترمذی شریف ابواب المناقب باب ماجاء فی فضل مدینہ ج ۲ : ۲۲۹

[2] وفاء الوفاء ج ۲ : ۴۹

[3] وفاء الوفاء ج ۲ : ۵۰

[4] وفاء الوفاء ج ۲ : ۵۰

[5] المدینۃ الیوم : ۷۵

Marfat.com

مسجد ذی الحُلیفہ

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء رقمطراز ہیں کہ مدینہ باسکینہ سے چار یا چھ میل کے فاصلہ پر یہ جگہ واقع ہے۔ اور حلیفہ تصغیر ہے الحَلْقہ کی جس کا واحد الحُلْفاء ہے۔ آج کل یہ مقام بیر علی کے نام سے مشہور ہے اور یہ اہالیان مدینہ منورہ کی میقات بھی ہے [1]

علامہ ابراہیم بن علی العیاشی لکھتے ہیں۔

یہ مقام شجرۃ کے نام سے بھی شہرت رکھتا ہے۔ یہاں وادی عقیق کے شرقی اور غربی جانب باغات اور کنوئیں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اس وقت یعنی ۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں بھی مجموعی طور پر تیس سے زائد کنوئیں موجود ہیں۔

یہ جگہ مسجد نبوی شریف کے جنوب مغرب میں کوئی نو کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے اور مسجد غمامہ سے چھ شرعی میل کا فاصلہ ہے۔ اس مقام پر میقات کی علامت کے طور پر ایک برج نما دیوار بنی ہوئی ہے۔ نیز اس مقام کو حلیفہ المحرم اور المعرس بھی کہا جاتا ہے [2]

اس سلسلہ کی احادیث میں تین الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ کہیں صرف ذی الحلیفہ کہیں صرف معرس اور کسی جگہ مسجد الشجرۃ لیکن یہ ایک ہی مقام پر واقع تین مختلف جگہوں کے نام ہیں جن کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر جاتے وقت الشجرہ کے راستہ سے جاتے اور معرس کے راستہ سے داخل ہوتے تھے اور جب مکۃ المکرمہ تشریف لے جاتے تو مسجد الشجرہ میں نماز پڑھتے اور جب واپس تشریف فرما ہوتے۔ تو

---

[1] معالم دار الہجرہ، ۱۵۷ [2] المدینہ بین الماضی والحاضر ۴۶۸

Marfat.com

ذی الحلیفہ میں نماز پڑھتے اور بطن وادی میں رات بسر فرماتے تھے [1]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔

کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی الحلیفہ میں رات بسر فرمائی اور اس کی مسجد میں نماز پڑھی [2]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے جاتے وقت ذی الحلیفہ پہنچے تو وہاں مسجد میں دو رکعت پڑھیں [3]

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں۔

کہ ذی الحلیفہ کی بڑی مسجد میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ مسجد کی قبلہ والی دیوار ڈاٹوں کی صورت میں بنی ہوئی اور اس کے شمال مغربی کونے میں مینار بھی تھا۔ جو کہ طول زمانہ کی وجہ سے منہدم ہوگیا۔ اس کے قبلہ کی جانب ایک چھوٹی سی مسجد اور بھی تھی اور دونوں کے درمیان تیر مارنے کے برابر فاصلہ تھا [4]

علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں مسجد ذی الحلیفہ کے منہدم ہو جانے کے بعد ۸۶۱ھ/۱۴۱۳ء میں مصری حکومت کی طرف سے المقر زینبی زین الدین نے اسے قدیم بنیادوں پر تعمیر کرایا۔ البتہ نیا مینار مغربی کونے میں بنوایا۔ اور مسجد سطح زمین سے کچھ اونچی کر دی تاکہ جانور وغیرہ داخل نہ ہو سکیں۔ اس لئے مسجد میں داخل ہونے کے لئے مشرق و مغرب اور شمال میں تین تین زینے بنا دیئے۔

مسجد کا طول اور عرض برابر ہے یعنی ۵۲×۵۲ ذراع [5] (۷۸×۷۸ فٹ)

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۲۰۷

[2] مسلم شریف ج ۱: ۳۷۸

[3] مسلم شریف ج ۱: ۳۹۴

[4] معالم دار الہجرہ: ۱۵۷

[5] وفاء الوفاء ج ۲: ۱۶۴

Marfat.com

الشیخ ابراہیم بن علی العیاشی فرماتے ہیں کہ میں پہلی مرتبہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں مسجد ذی الحلیفہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس وقت اس کی عمارت پختہ اینٹوں کی بنی ہوئی تھی جبکہ چنائی مٹی گارے کی تھی۔ چھت کھجور کے تنوں اور شاخوں کی تھی۔ مستطیل شکل کی یہ مسجد کھڑکیوں اور روشندانوں کے بغیر تھی۔ بارش میں چھت بہت زیادہ ٹپکتی تھی۔[1]

راقم الحروف نے ۱۳۹۸ھ اکتوبر ۱۹۷۸ء میں مسجد کو طرز جدید سے تعمیر شدہ پائی۔ جو ۱۳۹۸ھ ۱۹۷۸ء میں مکمل ہوئی۔ انتہائی خوبصورت اور عالیشان مسجد ہے جس کے اندر ۳۲ ستون ہیں تین دروازے اور ہر چہار اطراف میں کل ۲۲ کھڑکیاں ہیں۔ روشنی کے لئے ۱۶۸ عدد ٹیوب لائٹ لگی ہیں جبکہ ۴۴ پنکھے ہوا کے لئے موجود ہیں۔ مشرق میں مسجد سے علیحدہ طہارت خانے اور وضو کی جگہ بھی بنی ہوئی ہے۔ شمال مغربی کونے میں خوبصورت مینار ہے۔ باہر کے بڑے دروازہ پر یہ عبارت تحریر ہے۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتابًا موقوتا

کشافہ کعب بن مالک التوسطۃ ۱۳۹۸ھ

اور دروازہ کے اوپر ایک کونے میں موٹے حروف سے یہ عبارت بھی لکھی ہوئی ہے۔

مسجد المیقات ۹۷ - ۱۳۹۸ھ متوسطۃ سعد بن الربیع

کچھ عرصہ قبل مسجد ذی الحلیفہ کے شمال مغرب میں موجود سڑک کے کنارے غربی سمت ایک نئی مسجد بھی تعمیر ہوگئی ہے۔ اور اکثر حجاج اسی میں احرام کے نوافل پڑھتے اور عمرہ کی نیت کرتے ہیں۔

---

[1] المدینہ بین الماضی والحاضر: ۴۷۰

Marfat.com

مسجد فتح

سلع پہاڑ کے غربی حصہ پر مسجد فتح واقع ہے۔ اس کے جنوب میں بھی چند مساجد پائی جاتی ہیں۔ ان سب کو مساجد فتح کہتے ہیں۔ اسے مسجد احزاب اور مسجد اعلیٰ بھی کہا جاتا ہے [1]

امام سمہودی لکھتے ہیں کہ اس مسجد میں دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار فرمایا تھا۔ اس لئے اسے مسجد فتح کہا جاتا ہے اور یہ قول بھی ہے کہ اس مسجد میں سورۃ فتح نازل ہوئی تھی [2]

۵ ہجری کا واقع ہے کہ تمام قبائل عرب نے اجتماعی طور پر مدینہ منور پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور دس ہزار کا لشکر جرار لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل دیئے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے اپنے تحفظ اور دفاع کے پیش نظر ۸ ذیقعدہ ۵ ھ کو تین ہزار قدسی صفات صحابہ کرام کی معیت میں نکل کھڑے ہوئے۔ مدینہ منورہ کے تین اطراف میں نخلستان کا سلسلہ قدرتی طور پر شہر پناہ کا کام دیتا تھا اور صرف شمالی سمت خالی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسی علاقہ میں تقریباً تین میل لمبی خندق صرف بیس دنوں میں تیار کر لی۔ بعد ازاں ایک ماہ تک محاصرہ رہا، جب مسلمانوں پر شدت کی انتہا ہو گئی تو تاجدار مدینہ شاہ حرم صلی اللہ علیہ وسلم متواتر تین دن مسجد فتح میں نہایت عاجزی، انکساری اور الحاح سے دعا فرماتے رہے کہ پروردگار احزاب کو شکست فاش دے کر مسلمانوں کو فتح و نصرت سے سرفراز فرما۔ پیر، منگل اور بدھ تین دن تک دعا کا یہ سلسلہ جاری رہا۔ تیسرے دن ظہر اور عصر کے درمیان مجیب الدعوات نے اپنے حبیب لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو شرف قبولیت سے

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲: ۳۹ [2] ایضاً

Marfat.com

نوازا، آپ شاداں وفرحاں صحابہ کرام کے پاس تشریف لائے اور فتح کا مژدہ جاں فزا سنایا

لڑائی کا یہ دن اس قدر سنگین تھا کہ کفار نابکار ہر جانب سے پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے، سخت تیر اندازی کے باعث حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین دن بھر اس طرح مصروف جہاد رہے کہ نماز کے لئے بھی لمحہ بھر کی مہلت نہ میسر آسکی اور چار نمازیں قضا ہو گئیں جنہیں عشاء کے وقت ادا کیا گیا[1]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت للعالمین ہونے کے باوجود کفار نابکار کی طرف سے کربناک اذیت پہنچنے اور نماز جیسی محبوب و مرغوب عبادت کے ترک ہو جانے پر بددعا کرتے ہیں۔

اللّٰھم منزل الکتاب مجری السحاب وھازم الاحزاب اھزمھم وانصرنا علیھم[2] دوسری روایت میں اس طرح ہے۔

اللّٰھم منزل الکتاب اھزم الاحزاب اللّٰھم اھزمھم وزلزلھم[2]

ابن زبالہ کی روایت میں آپ کی دعا حسب ذیل الفاظ پر مشتمل ہے۔

اللّٰھم لک الحمد ھدیتنی من الضلالۃ فلا مکرم لمن اھنت ولا مھین لمن اکرمت، ولا معز لمن اذللت ولا مذل لمن اعززت، ولا ناصر لمن خذلت ولا خاذل لمن نصرت ولا معطی لما منعت، ولا مانع لما اعطیت، ولا رازق لمن حرمت ولا حارم لمن رزقت ولا رافع لمن تحفضت ولا خافض لمن رفعت، ولا خالق لما سقرت ولا ساتر لما خرقت ولا مقرب لما باعدت ۰

---

[1] بخاری شریف ج ۱ [2] ایضاً

Marfat.com

ولا مباعد لما قربت [1]

اس موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد فتح کے شمال والے زینوں سے داخل ہوئے تھے [2]

امام مطری بیان کرتے ہیں کہ مسجد میں داخل ہونے کے لئے شمال اور مشرق کی طرف دو دو زینے بنے ہوئے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز نے جب اس مسجد کی تجدید کرائی تو اس کے اندر تین ستون بنوائے تھے اس کے درمیان والے ستون کی جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ دعا فرمائی تھی۔ امام مطری کی روایت کے مطابق یہ مسجد برآمدہ نما تھی یعنی صرف تین ستون پر چھت تھی بغیر دیواروں کے۔

امام سمہودی فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ ۹۱۱ھ میں بھی مسجد صرف چھت ہی پر مشتمل ہے۔ البتہ مرور زمانہ کی وجہ سے سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی عمارت منہدم ہو جانے پر امیر سیف الدین حسین بن ابی الھیجاء نے ۵۷۵ھ/۱۱۷۹ء میں اس کی تجدید کرائی تھی موصوف ملوک مصر کے عبیدین کے وزراء میں سے تھے۔

اس کا طول شمالاً جنوباً ۲۰ ذراع یعنی ۳۰ فٹ اور عرض شرقاً غرباً ۱۷ ذراع ½ ۲۵ فٹ تھا [3]

سیدنا جابر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خندق احزاب کے دن مسجد فتح میں تشریف لائے اور ہاتھ اٹھا کر لشکر قریش کے لئے بد دعا کی لیکن اس موقع پر وہاں نماز ادا نہیں فرمائی۔ بعد ازاں جب تشریف لائے تو نماز بھی ادا فرمائی اور بد دعا بھی کی۔ جسے اللہ تعالےٰ نے شرف قبولیت سے سرفراز فرمایا اور تندرتی

---

[1] معالم دار الھجرہ، ۱۴۱

[2] وفاء الوفاء ج ۲ : ۴۲

[3] وفاء الوفاء ج ۲ : ۴۵

Marfat.com

ہوا کے ذریعہ کفار کو ناکام و نامراد اور ذلیل و خوار کر دیا۔

مساجد فتح

مسجد فتح جو کہ سلع پہاڑ کے غربی حصہ پر واقع ہے کے جنوب میں بھی کچھ مساجد پائی جاتی ہیں۔ جن کی تعداد مختلف ادوار میں مختلف رہی ہے۔ مدینہ منورہ کے جلیل القدر مورخ امام محمد بن محمود بن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء لکھتے ہیں کہ مسجد فتح کے جنوب میں تین مساجد اور بھی پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے پہلی مسجد جو مسجد فتح کے قریب ہے بالکل منہدم ہو چکی ہے اور دوسری دونوں پتھروں اور چونہ سے تعمیر شدہ ہیں اور ان مساجد میں بھی فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی تھی [1]

امام موصوف نے ان تین مساجد کے نہ تو نام ذکر کئے ہیں اور نہ ہی ان کی ترتیب بیان کی ہے اسی طرح امام زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ نے بھی تعداد تو تین ہی بیان کی ہے۔ البتہ نام اور ترتیب اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

مسجد فتح کے قریب پہلی مسجد امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نام سے منسوب ہے اور دوسری جو اس کے شمال میں واقع ہے سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نام سے مشہور ہے۔ البتہ تیسری مسجد جس کا ذکر ابن نجار نے کیا ہے، وہ بالکل مسمار ہو گئی ہے اب اس کے نشانات بھی باقی نہیں رہے [2]

لیکن امام مراغی نے بھی تیسری مسجد کا نام ذکر نہیں کیا۔ پھر ان کے بعد امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء نے ان کی ترتیب اور نام اس طرح لکھے ہیں۔

امام ابن نجار اور امام مطری نے جن مساجد کا ذکر کیا تھا۔ ان کے متعلق لوگوں میں مشہور

---

[1] اخبار مدینہ: ۱۱۴

[2] معالم دار الھجرہ، ۱۴۰

Marfat.com

ہے کہ ایک مسجد سلمان رضؓ فارسی اور دوسری مسجد علی رضؓ کے نام سے منسوب ہے اور تیسری مسجد جس کے متعلق امام مطری نے لکھا ہے کہ اس کے نشانات بھی منہدم ہو چکے ہیں وہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے، مسجد سلمان رضؓ میں غزوہ احزاب کے موقع پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی [1]

بعد کے کسی مورخ نے اس کے علاوہ کوئی قول نقل نہیں کیا۔ حتیٰ کہ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۱ء میں الشیخ رفعت پاشا مصری نے بھی صرف دو مساجد کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

مسجد فتح کے نیچے جنوب میں دو مساجد اور بھی ہیں۔ جنوب میں پہلی مسجد سلمان رضؓ فارسی اور اس کے جنوب میں مسجد علی رضؓ ہے۔ ان کی پیمائش امام سمہودی کے مطابق بیان کی [2]

۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں الشیخ لبیب البتنونی نے بھی صراحتاً دو مساجد کا ہی ذکر کیا ہے۔

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء میں الشیخ عبدالقدوس الانصاری ترقی کرتے ہوئے لکھتے ہیں

المساجد الخمسہ الموجود بجنوبی مسجد الفتح [3]

فاضل موصوف نے تین کی بجائے پانچ کا ذکر کیا ہے مگر ان کے نام اور ترتیب بیان کرنے سے صرف نظر کر گئے ہیں۔

مورخین کے مذکورہ بالا حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی ہے کہ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین سے ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء تک مسجد فتح کے علاوہ تین مساجد پائی جاتی تھیں۔ البتہ الشیخ انصاری کے بیان سے شبہ گزرتا ہے کہ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۵ء کے قریب دو مساجد کا اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ یہ کس نے اور کب تعمیر کیں اور کسی مناسبت اور غرض سے بنائی گئیں؟ اس کی صراحت کسی مورخ نے نہیں ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء الشیخ محمد صالح البلیہشی نے مزید ترقی کر کے سات مساجد بیان کی

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲: ۴۳، ۴۴
[2] آثار مدینہ: ۱۲۶
[3] مراۃ الحرمین ج ۱: ۴۱۷

Marfat.com

ہیں اور انہیں قدیم زمانہ کی تعمیر گردانا ہے۔ مگر نام صرف پانچ مساجد کے ذکر کئے ہیں۔
مسجد سلمان فارسی، مسجد علی ابن ابی طالب، مسجد سیدنا ابی بکر، مسجد عمر بن خطاب اور مسجد السیدہ فاطمہ[1]

راقم الحروف ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء میں جب مدینہ باسکینہ کی زیارت سے مشرف ہوا۔ تو اس وقت مسجد فتح کے علاوہ مسجد سلمانؓ فارسی، مسجد علیؓ، مسجد ابوبکرؓ اور مسجد عمرؓ تعمیر شدہ تھیں جبکہ مسجد فاطمہؓ محض ایک تھڑے کی شکل میں تھی۔

مسجد کا نام اور مقام انتہائی قابل تعظیم تذکریم اور واجب الاحترام ہے اور اس کی عظمت شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ تاہم بلا دلیل کسی مقتدر شخصیت کی طرف نسبت کرنا کہ انہوں نے اس مقام پر نماز پڑھ کر اس کی فضیلت کو آشکارا کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ تاریخ میں خیانت کے مترادف ہے۔ اور ایسی غلطی اس مقدس شہر کے مورخ کی شایان شان نہیں ہے بہر حال خلاصہ کلام یہ ہے کہ مسجد سیدنا سلمان فارسی، مسجد سیدنا علیؓ اور مسجد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالےٰ عنہم یہ تینوں عہد صحابہ میں بھی موجود تھیں ان میں رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا ثابت ہے۔ البتہ مسجد عمر اور مسجد فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہما دونوں ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء کے بعد بنائی گئی ہیں انہیں کس غرض وغایت کے پیش نظر بنایا گیا جبکہ وہاں آبادی بھی نہیں۔ اس حقیقت کا حال اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے مورخین اس کی وضاحت سے خاموش ہیں۔

مسجد بنو قریظہ

مسجد بنو قریظہ مسجد شمس سے کافی فاصلہ پر مشرقی جانب حرۃ شرقیہ کے قریب واقع تھی۔

---

[1] المدینہ۔ الیوم: ۱۷۴

Marfat.com

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ۵ ھ/ ۶۲۷ء میں یہود بنو قریظہ کا محاصرہ کیا تو اس مسجد کے قریب آپ نے قیام فرمایا تھا، جیسا کہ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

" یہود بنو قریظہ نے سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو حکم تسلیم کر لیا اور قلعہ سے اتر آئے۔ ادھر فخر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو طلب فرمایا، وہ ایک گدھے پر سوار ہو کر حاضر خدمت ہوئے، جب مسجد کے قریب پہنچے تو سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو ارشاد فرمایا اپنے سردار کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں کریا آپ نے یوں فرمایا تم سب میں جو بہتر ہے اس کے لئے کھڑے ہو جاؤ

اس کے بعد آپؐ نے حضرت سعد کو آگاہ فرمایا کہ بنو قریظہ تمہارے فیصلے پر راضی ہو کر قلعہ سے اتر آئے ہیں جس پر سعد بن معاذ نے یہ فیصلہ سنایا کہ ان میں جو آدمی لڑائی کے قابل ہیں انہیں قتل کر دیا جائے اور عورتوں، بچوں کو قیدی بنا لیا جائے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سعد تم نے اللہ تعالےٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے [1]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/ ۱۴۲۲ء نے اس حدیث کی تشریح میں یہ صراحت کر دی ہے کہ اس سے وہ مسجد مراد ہے جو دیار بنی قریظہ میں واقع تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کے دوران نماز کے لئے مقرر فرمائی تھی [2]

مورخ شہیر امام ابن نجار بیان کرتے ہیں کہ مسجد کے قریب ایک عورت کے مکان میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ جسے بعد میں توسیع کے وقت عمر بن عبدالعزیز نے مسجد میں شامل کر لیا تھا۔ مسجد کا طول اور عرض ۲۰ ذراع (۳۰×۳۰ فٹ) اور

---

[1] صحیح بخاری شریف ج ۲ : ۵۹۱ صحیح مسلم شریف ج ۲ : ۹۵

[2] فتح الباری ج ۷ : ۴۱۲

Marfat.com

۱۶ ستون تھے۔ جن میں سے بعض گر گئے اور اسی وجہ سے چھت بھی موجود نہیں تھی اور اس کا انداز تعمیر مسجد قبا کی مانند تھا[1]

امام سمہودی امام مطری کی روایت اس طرح نقل کرتے ہیں۔

ساتویں صدی ہجری میں مسجد کی لمبائی اور چوڑائی ۴۵ ذراع (۶۷ فٹ ۶ انچ) دیوار ڈاٹ نما تھی اور مسجد قبا کی مانند اس کا بھی منار تھا، جو امتداد زمانہ کے باعث گر گیا۔ اگرچہ اس کے نشانات موجود ہیں اور اس کے چاروں طرف نصف قدم آدم کے برابر دیوار باقی رہ گئی ہے۔

امام موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد کو امام مطری کی بیان کردہ کیفیت کے مطابق پایا ہے اس کی پیمائش کی جو وصوف کی بیان کردہ پیمائش سے مطابقت رکھتی تھی اس کی شمالاً جنوباً دیوار ۴۳ ذراع اور شرقاً غرباً ۴۴ ذراع سے قدرے زیادہ ہے ۸۹۳ھ/۱۴۸۸ء میں شیخ الحرم النبوی جناب الشجاعی و شاہین ابطمالی نے اس کی دیواروں کی تجدید کرائی تھی[2]

راقم الحروف علامہ شیر علی شاہ مدظلہ کی معیت میں ۱۳۹۸ھ ۲۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو بعد نماز عصر بنو قریظہ کا قلعہ دیکھنے گیا۔ قلعہ کی دیواریں بڑی مضبوط اور چوڑی تھیں۔ دیواریں چھ بالشت یعنی ۴½ فٹ چوڑی تھیں۔ دیواروں میں لگائی جانے والی بعض چٹانوں کی پیمائش اس طرح ہے۔ ½، بالشت لمبی چار بالشت اونچی اور ۵ بالشت موٹی۔ قلعہ کے بعض برج شکستہ حالت میں اب بھی موجود ہیں، لیکن مذکورہ مسجد بنو قریظہ کا وجود نہیں پایا گیا۔ قلعہ کے مغرب میں ٹیوب ویل لگا ہوا تھا جس سے وہاں موجود انگور اور کھجور کے باغات کی آبپاشی کی جاتی ہے۔ قلعہ کے جنوب میں ڈیم بنا ہوا تھا جس کے دروازہ پر ۱۳۸۴ھ تا ۱۳۸۶ھ کی تاریخ تعمیر کنندہ تھی۔

---

[1] اخبار مدینہ، ۱۱۶ [2] وفاء الوفا ج ۲ : ۳۴، ۳۵

Marfat.com

مسجد مشربہ ام ابراہیم

مسجد مشربہ ام ابراہیم مسجد نبوی شریف سے جنوب مشرق کی جانب تین کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور اس کے قریب ہی مشرقی جانب حرۂ زہرہ ہے۔ اس مقام پر ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا کی رہائش اور باغ تھا۔ آپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے اور اس جگہ نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ چونکہ سیدہ ماریہ قبطیہؓ کے بطن اطہر سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ارجمند سیدنا ابراہیم رضی اللہ تعالےٰ عنہ پیدا ہوئے جو بچپن میں اللہ کو پیارے ہو گئے تھے اسی نسبت سے اس مقام اور مسجد کا نام مشربہ ام ابراہیم مشہور ہو گیا [1]

امام سمہودی نے اس کا حدود اربعہ اس طرح بیان کیا ہے۔ شرقاً غرباً ۱۴ ذراع (۲۱ فٹ) اور شمالاً جنوباً ۱۱ ذراع (۱۶ فٹ چھ انچ)

مسجد علیؓ

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں۔

مسجد ابوبکر کے شمال میں مسجد علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالےٰ عنہ پائی جاتی ہے اگرچہ اس مقام پر سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نماز عید پڑھنے کا ثبوت نہیں ملتا۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان مقامات پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً نماز عید پڑھی تھی۔ اسی بناء پر بعد کے خلفاء نے وہاں عید کی نمازیں پڑھی ہوں۔ اور پھر وہاں مساجد تعمیر ہو گئی ہوں اگرچہ یہ ممکن نہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق یا سیدنا علی المرتضےٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عید گاہ کو چھوڑ کر اپنی ذات کے لئے نئی جگہ نماز عید ادا کرتے [2]

---

[1] المدینۃ بین الماضی والحاضر ۴۲۸، ۴۲۹ [2] وفاء الوفا ج ۲: ۳۷

[3] معالم دار الہجرہ، ۱۴۳

Marfat.com

۱۳۹۸ھ / ۱۹۷۸ء میں راقم الحروف کا مشاہدہ۔

مسجد کے باہر والے دروازہ پر یہ الفاظ تحریر ہیں۔

" مسجد سیدنا علیؓ - السس عام ۸۸۱ھ

قدیم زمانہ کی یہ مسجد بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر شدہ پائی۔ بڑے بڑے اور بہت موٹے چھ ستونوں پر قائم ہے۔ اندر چھ پنکھے اور آٹھ ٹیوب لائٹ لگی ہیں اور قالین بھی بچھا ہوا۔ محراب کے سامنے برآمدہ میں گنبد بنا ہوا تھا۔ مسجد کے مشرقی حصہ سے مسجد سے باہر مینار بھی تھا۔

مسجد ابو بکر صدیقؓ

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء لکھتے ہیں،
مسجد مصلی العید کے شمال میں تبہ عین الازرق کے متصل ایک مسجد پائی جاتی ہے جو اس وقت مسجد ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے نام سے شہرت رکھتی ہے ممکن ہے موصوفؓ نے اپنے عہد خلافت میں اس مقام پر نماز عید پڑھی ہو[1]
مسجد کا موجودہ کل رقبہ ۹۵، ۲۳۷ مربع میٹر ہے، مسجد عمامہ اور مسجد ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے درمیان صرف سڑک کا فاصلہ ہے[2]

راقم الحروف ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء میں مسجد کی یہ کیفیت دیکھی ہے۔
باہر والے دروازے کے اوپر یہ عبارت پتھر میں کندہ تھی۔

مسجد سیدنا ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ : اسسی عام ۱۲۵۴ھ

چھوٹی سی مسجد ہے جس کا چھت صرف ایک بڑے گنبد پر مبنی ہے، محراب کے اوپر یہ آیت تحریر ہے:

" فنادته الملائکة وهو قائم یصلی فی المحراب

---

[1] معالم دار الهجرہ، ۱۴۳
[2] المدینہ — الیوم ۷۳

Marfat.com

چھت میں ایک برقی پنکھا اور دیواروں کے ساتھ چار پنکھے تھے۔ نو ٹیوب لائٹ آویزاں تھیں۔ مسجد کا مختصر سا صحن بھی تھا جس کے اطراف میں آہنی جالی لگی ہوئی تھی اس کے بعد مسجد کی از سر نو تعمیر ہو چکی ہے جو غالباً ۱۴۰۱ھ میں ہوئی ہے۔

مسجد ضرار

منافقین اور یہود کی ریشہ دوانیاں اور اسلام دشمن سرگرمیاں آئے دن نئے سے نئے روپ میں ظاہر ہوتی رہتی تھیں۔ مسجد ضرار کا قضیہ بھی انہی سازشوں کی ایک کڑی تھی۔

مدینہ منورہ کا ابو عامر جو زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا۔ ابو عامر راہب کے نام سے شہرت رکھتا تھا یہ وہی ابو عامر ہے جس کے بیٹے سیدنا حنظلہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو شہید ہو جانے پر ملائکہ نے غسل دیا اور اسلامی تاریخ میں "غسیل ملائکہ" کے لقب سے یاد کئے جاتے ہیں۔

امام الانبیا حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ باسکینہ میں فروکش ہوئے تو ابو عامر نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام پر چند اعتراض کئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے شافی جوابات کے باوجود اس کی تشفی نہ ہوئی۔ اور کہنے لگا ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ مردار ہو کر مرے اور احباب و اقارب سے دور مسافرت میں اس کی موت آئے اور مزید اپنے خبث باطن کا اظہار ان الفاظ میں کیا کہ آپ کے مقابلہ میں جو دشمن بھی آئے گا میں اس کی امداد کروں گا۔

چنانچہ غزوہ حنین تک آپ ص کے مقابلہ میں تمام غزوات میں برابر شریک ہوتا رہا لیکن جب مسلمانوں کے ہاتھوں قبیلہ بنو ہوازن کی شان و شوکت تاخت و تاراج ہوئی تو وہ مایوس ہو کر ملک شام کی طرف بھاگ گیا اور اسی کسمپرسی کے عالم میں بے یار و مددگار خویش و اقارب سے کوسوں دور مردار ہو گیا۔ اور اپنی ہی بد دعا کا شکار ہوا۔

ابو عامر بدنصیب نے قیصر روم سے سازباز کر کے یہ پروگرام بنایا کہ مدینہ منورہ پر حملہ

Marfat.com

کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ لیکن اپنی اس سوقیانہ چال پر مسجد کا روپ نھار کر سامنے آیا اور منافقین کے تعاون سے قبا میں ایک مکان تعمیر کرایا جسے بظاہر مسجد کا نام دیا۔ اس میں اسلحہ کے انبار لگا دیئے گئے اور اسے مسلمانوں کے خلاف سازش مستقل اڈا بنا لیا گیا۔

جب تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد اور تعاون حاصل کرنے کے لئے منافقین نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ ہم نے بیمار معذور اور بوڑھے مسلمانوں کی راحت رسانی کے لئے ایک نئی مسجد بنائی ہے، آپ وہاں تشریف لائیں اور نماز پڑھ کر اس کا افتتاح فرما دیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا فی الحال تو میں جنگ تبوک کی تیاری میں مصروف ہوں البتہ واپسی پر اس جگہ نماز ادا کروں گا۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے کہ راستہ ہی میں وحی خداوندی نے منافقوں کے اس ڈھول کا پول کھول دیا اور ان کی اس خطرناک سازش کو ناکام بنا دیا۔ جب اللہ رب العزت نے اسے "مسجد ضرار" قرار دیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام کو حکم دیا کہ اس عمارت کو مسمار و منہدم کر کے آگ لگا دیں، اور اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیں۔ چنانچہ صحابہ کرام نے تعمیل ارشاد میں منافقوں کے اس قلعہ کو زمین بوس کر دیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ جب اس جگہ کو صاف کر دیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصم بن عدی کو فرمایا کہ وہاں مکان بنا لیں۔ لیکن انہوں نے معذرت چاہتے ہوئے ثابت بن اقرم کی سفارش کر دی۔ گو ثابت بن اقرم نے مکان بنا لیا۔ مگر اس جگہ کی نحوست کے باعث ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہی نہ ہوتا اور اگر پیدا ہوتا تو مر جاتا تھا۔ مورخین کا کہنا ہے کہ انسان تو کجا وہاں مرغی، کبوتر یا کسی جانور نے بھی انڈے بچے نہیں دیئے اور نہ ہی پھولا پھلا۔ آج تک وہ جگہ ویران پڑی ہے[1]

---

[1] معارف القرآن ج ۴ : ۴۶۱، ۴۶۲، روح المعانی ج ۶ : ۱۸

Marfat.com

مسجد ضرار کی منصوبہ بندی کے شرکاء

مؤرخ شہیر امام سمہودی ابن اسحاق کی روایت بیان کرتے ہیں کہ مسجد ضرار کی منصوبہ بندی اور اس خطرناک سازش میں ۱۲ افراد شریک تھے۔ جبکہ سازش کا اصل سرغنہ ابو عامر تھا۔

(۱) حرام بن خالد، قبیلہ بنی عبید بن زید بن مالک

(۲) ثعلبہ بن حاطب قبیلہ بنو امیہ بن زید جو بنو عمرو بن عوف کی ایک شاخ تھی۔

(۳) معتب بن قشیر قبیلہ بنو ضبیعہ بن زید

(۴) ابو حبیبہ بن الاذعر

(۵) عباد بن حنیف، قبیلہ بنو عمرو بن عوف

(۶) حارثہ بن عامر اور اس کے دونوں بیٹے (۷) مجمع (۸) زید

(۹) نبتل بن الحارث

(۱۰) مخرج اور (۱۱) محادیہ دونوں عثمان کے بیٹے تھے۔

(۱۲) ودیعہ بن ثابت قبیلہ بنو امیہ بن زید[1]

امام سمہودی جمال الدین المطری کا قول نقل کرتے ہیں کہ اس وقت مسجد ضرار کے نشانات ناپید ہو چکے ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کے محل وقوع کا علم نہیں ہو سکتا[2]

نو تعمیر شدہ مساجد

مدینہ کریمہ کی بڑھتی ہوئی آبادی اور دور دراز تک پھیلے ہوئے محلوں میں طرز جدید پر بہت سی مساجد تعمیر ہو چکی ہیں۔ جن کی تفصیلات اور محل وقوع استاد محمد صالح کی

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲: ۲۹ [2] ایضاً

Marfat.com

کتاب سے قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں ۔ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء میں موجود مساجد کی تعداد ۱۲۴ تھی ۔ ۲۲ قدیم مساجد جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز پڑھنا احادیث اور روایات سے ثابت ہوتا ہے اور باقی ۱۰۲ مساجد نئی ہیں ، موصوف لکھتے ہیں ۔

" مدینہ منورہ کی مساجد دو اقسام پر مشتمل ہیں ۔ ایسی مساجد جو طویل ترین تاریخ کی حامل ہیں اور عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تک اپنا سلسلہ قائم کئے ہوئے ہیں ۔ ان کی مکمل تاریخ لکھنے کے لئے ایک مستقل کتاب کی ضرورت ہے ۔ دوسری وہ مساجد جو ماضی قریب میں معرض وجود میں آئی ہیں ان کا محل وقوع اور تفصیلات سابق مدیر اوقاف استاد محمد عبدالرحمٰن اور استاذ سعید احمد الدربی کی شائع کردہ کتاب " دلیل المساجد منطقتہ المدینۃ المنورہ " سے قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہیں [1]

۱ ۔ مسجد ذی قبا کے راستہ میں کنکریٹ اور سمنٹ سے ۱۳۷۷ میں تعمیر ہوئی	۹ ۔ مسجد القبیسی العطن ۱۳۹۶ھ میں تعمیر ہوئی
۲ ۔ مسجد بن لادن المجورین " ۱۳۷۴ "	۱۰ ۔ مسجد ثنیۃ الوداع ، خارج باب الشامی " ۱۳۸۰ "
۳ ۔ مسجد المغیر الصغیر ، نزلۃ المجورین " ۱۳۸۲ "	۱۱ ۔ مسجد النصر ، حارۃ النصر " ۱۳۸۱ "
۴ ۔ مسجد البخاری ، الحرہ الغربیہ " ۱۳۸۶ "	۱۲ ۔ مسجد المستراح ، طریق سید الشہداء " ۱۳۸۶ "
۵ ۔ مسجد بہرام آغا العنبریہ " ۱۳۸۷ "	۱۳ ۔ مسجد عید عودہ ، حرۃ الصدقہ " ۱۳۸۷ "
۶ ۔ مسجد الکاتبیہ ، الکاتبیہ " ۱۳۸۰ "	۱۴ ۔ مسجد البساطیہ ، البساطیہ " ۱۳۸۲ "
۷ ۔ مسجد فاطمہ ، المناف " ۱۳۸۵ "	۱۵ ۔ مسجد الامیرۃ نورہ ، باب مجیدی " ۱۳۸۶ "
۸ ۔ مسجد السبق ، باب الشامی " ۱۳۹۱ "	۱۶ ۔ مسجد موسیٰ الہندی ، باب النمار " ۱۳۸۲ "

[1] المدینہ ۔۔۔ الیوم : ۴۸

Marfat.com

۱۷ مسجد الشمس، باب المجیدی کنکریٹ اور سیمنٹ سے ۱۳۹۲ھ میں تعمیر ہوئی

۱۸۔ مسجد حرہ دشم، حرہ دشم " ۱۳۹۳ھ "

۱۹۔ مسجد الحزیجی الحرۃ الشرقیہ ۱۳۸۷ھ "

۲۰۔ مسجد سمران بن منادر " ۱۳۸۶ھ "

۲۱۔ مسجد الغیب " " ۱۳۸۳ھ "

۲۲۔ مسجد کریزی " " ۱۳۸۳ھ "

۲۳۔ مسجد المطار، مطار کے قریب ۱۳۸۳ھ "

۲۴۔ مسجد الحاوی، الحرۃ الشرقیہ ۱۳۸۵ھ "

۲۵۔ مسجد علیان المغیر، حرہ شمالیہ " ۱۳۸۵ "

۲۶۔ مسجد عویض سعود، جبل احد کے دامن میں " ۱۳۸۵ "

۲۷۔ مسجد الصبحی، قباء " ۱۳۸۶ "

۲۸۔ مسجد حمیدان الصغیر، عروہ " ۱۳۸۶ "

۲۹۔ مسجد عجلان، احد کے راستہ میں " ۱۳۷۹ "

۳۰۔ مسجد عبداللہ بن عبدالمحسن صالح، حرہ شرقیہ " ۱۳۸۷ "

۳۱۔ مسجد عبداللہ السمین " ۱۳۸۷ "

۳۲۔ مسجد الجریوع، ہوائی اڈہ کے راستہ میں ۱۳۸۸ "

۳۳۔ مسجد حامدہ، حارۃ الاحامدہ " ۱۳۸۸ "

۳۴۔ مسجد ہاشمیہ، حرہ ہاشمیہ " ۱۳۸۷ "

۳۵۔ مسجد الجریوع، حرہ صدقہ " ۱۳۸۸ "

۳۶۔ المغیر، نزلہ الجور " ۱۳۸۸ "

۳۷۔ الحوازم، ام ہانی کنکریٹ اور سیمنٹ سے ۱۳۸۸ھ میں تعمیر ہوئی

۳۸۔ السقاف، باب الکومہ ۱۳۸۹ھ "

۳۹۔ مسجد راشد، حرہ شرقیہ ۱۳۹۱ھ "

۴۰۔ مسجد الجریوع " ۱۳۸۹ھ "

۴۱۔ مسجد الجریوع، حارۃ الجوات ۱۳۸۹ھ "

۴۲۔ مسجد صیاف " ۱۳۹۳ھ "

۴۳۔ مسجد عبدالمحسن، حرۃ غربیہ ۱۳۸۹ھ "

۴۴۔ مسجد سلوان ابن مندیل حرہ شرقیہ " "

۴۵۔ مسجد محمد خان نظام الدین حارہ مغاربہ " "

۴۶۔ مسجد صالح البلاغ، احد کے راستہ میں " ۱۳۹۰ھ "

۴۷۔ مسجد محمود الشریف، حرہ غربیہ " ۱۳۸۹ "

۴۸۔ مسجد البدیری " ۱۳۹۰ "

۴۹۔ مسجد ابو عنق الیسع " "

۵۰۔ مسجد الحوثل، ارض محبت " " "

۵۱۔ مسجد عبداللہ الضبیعی، حرہ صدقہ " ۱۳۹۱ "

۵۲۔ مسجد رطبہ قبا " ۱۳۸۷ "

۵۳۔ مسجد عبدالعزیز الرشید، باب الحمتاد " ۱۳۹۱ "

۵۴۔ مسجد امیر سلطان قباء " ۱۳۹۱ "

۵۵۔ مسجد حمزہ عجلان " ۱۳۹۴ "

۵۶۔ مسجد صالح محمد البلیہش، نزلہ جبور " ۱۳۹۱ "

Marfat.com

۵۷۔ مسجد عبدالعزیز محمد الہلالی عنابیہ کنکریٹ اور سیمنٹ سے ۱۳۸۸ھ میں تعمیر ہوئی
۵۸۔ مسجد الشریف المصانع " ۱۳۹۸ھ
۵۹۔ سمولا میر فہد بن عبدالعزیز حرہ شرقیہ " "
۶۰۔ مسجد متروک الجہنی " ۱۳۹۷ "
۶۱۔ مسجد زہرہ ہاشم " " "
۶۲۔ مسجد الامیرہ شیخہ حارۃ البحر " "
۶۳۔ مسجد الردادی، طریق العیون " ۱۳۹۳ھ
۶۴۔ مسجد ابراہیم شاکر، الجرف " "
۶۵۔ مسجد الآغا، قبلکے راستہ میں " "
۶۶۔ مسجد عروہ عروہ " "
۶۷۔ مسجد رجب مکاوی مغیلہ میں مٹی اور اینٹوں سے ۱۳۸۳ھ میں تعمیر ہوئی
۶۸۔ مسجد الحکیمہ، حارۃ المغاریہ مٹی اور پتھروں سے ۱۳۷۳ھ میں تعمیر ہوئی
۶۹۔ مسجد صبر، لمغیلہ " ۱۳۷۹ "
۷۰۔ مسجد الخضر، باب عنبریکے باہر " ۱۳۸۷ھ
۷۱۔ مسجد جازی، حرہ عزیہ " ۱۳۸۵ "
۷۲۔ مسجد القاضیہ، خارج ارض محبت " ۱۳۸۱ھ
۷۳۔ مسجد فائز، حرہ عزیہ " ۱۳۷۷ "
۷۴۔ مسجد ابن عویمر " " ۱۳۷۶ "
۷۵۔ مسجد ابن مندحرہ عزیہ مٹی اور پتھروں سے ۱۳۸۹ھ میں تعمیر ہوئی
۷۶۔ مسجد حسان بن ثابت " ۱۳۷۱ "
۷۷۔ مسجد عنبریہ عنبریہ " "
۷۸۔ مسجد التاجوری التاجوری ۱۳۶۹ "
۷۹۔ مسجد الشکردنی، السیح مٹی اور اینٹوں سے ۱۳۸۶ھ میں تعمیر ہوئی
۸۰۔ مسجد العمیر، القبلتین " ۱۳۸۹ "
۸۱۔ مسجد بئر عثمان بیر عثمان ۱۳۸۵ "
۸۲۔ مسجد الشناقوط، احد کے راستہ میں " ۱۳۷۴ "
۸۳۔ مسجد الشریف " " ۱۳۹۱ "
۸۴۔ مسجد بر عوشہ حارہ بر عوشہ " ۱۳۸۱ "
۸۵۔ مسجد طحمیر حرہ شرقیہ " ۱۳۶۰ "
۸۶۔ مسجد عباس الخیبری، تزلہ الجبور " ۱۳۸۳ "
۸۷۔ مسجد فطوم، جبل سلع کے دامن میں
۸۸۔ مسجد صنیف اللہ، حرہ عزیہ " ۱۳۹۰ "
۸۹۔ مسجد الشریف، باب العوالی " ۱۳۹۳ "
۹۰۔ مسجد حنیض ابن دواس، حرہ شرقیہ
۹۱۔ مسجد صالح الجہنی، حرہ عزیہ
۹۲۔ مسجد مسلم بن حامد جبل احد پر
۹۳۔ مسجد جابر، حرہ عزیہ " ۱۳۹۰ "

Marfat.com

۹۴۔ مسجد عاتکہ بدای الرشیدی قلعۃ الھبوب مٹی اور اینٹوں سے ۱۳۹۳ھ میں تعمیر ہوئی

۹۵۔ مسجد ہاشم محمد المناشی، نزلۃ الجبور ۱۳۹۵ ؍؍

۹۶۔ مسجد عبداللہ منور، احد کے راستہ میں ؍؍ ؍؍

۹۷۔ مسجد سعید بافیل، الدویمہ قباء ؍؍ ۱۳۹۳ ؍؍

۹۸۔ مسجد سید الشہداء حمزہ، میدان احد میں ؍؍

۹۹۔ مسجد حبیب ابراہیم، حرہ غربیہ مٹی اور اینٹوں سے ۱۳۸۴ھ میں تعمیر ہوئی[1]

۱۰۰۔ مسجد بن بشیر، حرہ غربیہ ؍؍ ۱۳۸۷ ؍؍ ؍؍

۱۰۱ مسجد آغا قبا کے راستہ میں

۱۰۲ مسجد عروہ عروہ

[1] المدینہ - - - الیوم: ۷۶ تا ۸۲

Marfat.com

باب ہشتم

گنبدِ خضرا کا تاریخی پس منظر

Marfat.com

لحد سے گنبد خضراء تک تدریجی مراحل

سانحہ ارتحال

مزارات کی ترتیب

روضہ انور کی جالی

گنبد کی تعمیر

زیارت گنبد خضراء

آداب زیارت

Marfat.com

سانحۂ ارتحال

کُنْ فَیَکُوْن کے لَاْرَیْب امرِ تخلیق کی زد میں جو بھی آیا، فنا اس کے گلے کا ہار بن گئی اور اللہ تعالیٰ نے "کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ" کی اس پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ عالمِ کون و مکاں میں خالق اور مخلوق کے سوا تیسری کوئی جنس ہی نہیں۔ خالق ازل سے ہے ابد تک قائم دائم رہے گا اور مخلوق کے مقدر میں فنا ہے بقا کا تصور ہی عنقا ہے۔ خواہ کتنا ہی کوئی جاہ و جلال اور شان و شوکت کا حامل ہو۔ تخت و تاج کا مالک ہو یا انبیاء و اتقیاء ہوں۔ حتیٰ کہ باعثِ تخلیقِ کائنات سرورِ کون و مکاں، سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ سے کسی کو مفر نہیں۔

وہ روح فرسا و جاں گداز، دل دوز و جاں سوز، کرب ناک و اندوہناک سانحہ جس نے دنیائے دوں کو نبوت و رسالت کے فیوض و برکات اور وحی ربانی کے انوار و تجلیات سے محروم کر دیا۔ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری مئی ۶۳۲ء بروز دوشنبہ دوپہر کا اندوہگیں واقع ہے کہ آفتابِ عالمتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم طیبہ کے ریگ زاروں میں یکایک روپوش ہو گیا اور رُخِ مصطفویؐ کے جمال جہاں آراء نے نقاب برزخ اوڑھ لیا۔[1]

[1] طبقات ابن سعد اردو جلد ۲: ۳۷۷، البدایہ والنہایہ ج ۵: ۲۵۶

Marfat.com

جس روز آپؐ دارِ بقا کے لئے رختِ سفر باندھ رہے تھے اسی صبح کا واقعہ ہے کہ حسب معمول رازدارِ نبوت رفیق غار صدیق باوقار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز فجر پڑھا رہے تھے۔ کہ آپ کی طبیعت میں قدرے سکون ہوا، تو حجرہ مبارکہ سے جو مسجد نبوی سے ملحق تھا۔ پردہ اٹھا کر دیکھا اور مسلمانوں کو خدا کے حضور نماز میں مشغول پایا۔ اس ایمان افروز منظر کو دیکھ کر چہرہ انور پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ہونٹوں پر دل رُبا مسکراہٹ تھی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جن کے گلشنِ دل مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شدت علالت کے باعث پژمردہ ہو چکے تھے۔ رُخِ انور کی ایک ادنیٰ سی جھلک دیکھتے ہی فریفتگی و شیفتگی کا یہ عالم کہ وہ باغ باغ ہو گئے۔ لیکن انہیں کیا خبر تھی کہ یہ آخری جلوۂ عام اور آفتاب لبِ بام ہے۔[1]

سورج جتنی تیزی کے ساتھ ارتقائی منازل طے کر رہا تھا اور روشنی میں جس قدر اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ دنیا پہ تاریکی چھانے کا وقت دھیرے دھیرے قریب آ رہا تھا۔ اگرچہ غنودگی کا غلبہ تھا۔ لیکن سکون کے لمحات میں بے ساختہ زبان پاک پہ یہ فرمان خداوندی جاری ہو جاتا۔

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۔...

اللھم فی الرفیق الاعلیٰ۔[2]

سلطانِ عرب محبوب کل کی حسین اداؤں پہ قربان جاؤں۔ زندگی چراغِ سحری کی مانند جانِ بلب ہونے کے باوجود بھی اپنے دستِ اطہر سے مسواک کی مقدس سنت ادا فرمائی ہے

---

[1] بخاری شریف ج ۱: ۹۴-۶۴۰۔

[2] ایضاً: ۶۳۸۔

[3] صحیح بخاری ج ۱: ۶۳۸۔

Marfat.com

جب چراغ زندگی گل کرنے والا آخری جھونکا آیا اور سانس اُکھڑ گئی. ایسے نازک وقت میں بھی یہ الفاظ ورد زباں تھے۔

الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت اَیْمَانُکُمْ [1] — نماز اور غلاموں کا خاص خیال رکھنا۔

پاس ہی لگن میں پانی رکھا تھا، ہاتھ تر کر کے بار بار چہرہ پُر ضیا پر پھیرتے، اسی دوران ہاتھ اٹھا کر تین مرتبہ فرمایا۔

بَلِ الرفیق الاعلیٰ — اب کوئی اور نہیں بس وہی رفیق درکار ہے۔

اور اس کے معاً بعد روح پُر فتوح عالم قُدس کو جا پہنچی [2]

اس اندوہناک سانحہ کے باعث صحابہ کرام سراسیمگی کے عالم میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہے تھے۔ آنکھوں نے جو کچھ دیکھا۔ قلب اسے باور کرنے کو تیار ہی نہ تھے اور دل جس چیز کے خواہشمند تھے آنکھیں وہ نظارہ واپس لانے سے عاجز تھیں سب ہی کے دل فگار اور چشم گریاں آنسوؤں کی ندیاں بہا رہی تھیں۔

اس صدمہ جاں کاہ اور رنج والم نے صحابہؓ کو حواس باختہ کر دیا، سیدنا فاروق اعظمؓ جیسے کوہ استقامت بھی شدت الم اور فرط محبت و عقیدت میں وصال کا تصور نہیں کر رہے تھے۔ تاہم کشتگانِ فراق محبوب کے زخمی قلوب کے لئے ایک بہترین اکسیر اور تریاق قرآن مجید نے پیش کر دیا۔

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ [3] — بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور انہیں بھی مرنا ہے۔

کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ [4] — اس کی ذات کے سوا ہر

---

[1] مستدرک حاکم کتاب المغازی ج ۳: ۵۷ — [2] صحیح بخاری ج ۱: ۶۴۰۔

[3] الزمر: ۳۰ — [4] القصص: ۸۸

Marfat.com

چیز فنا ہونے والی ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ[1]

اور محمدؐ تو ایک رسول ہے۔ اس سے پہلے بہت رسول گذرے۔ پھر کیا اگر وہ مرجائے یا مارا جائے تو تم اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔

گویا کہ "موت" تو اس ناقابلِ تردید حقیقت کا نام ہے جو نبی مرسل بلکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پیش آکر رہی۔ اور "بقاء حقیقی" صرف ذاتِ احدیت ہی کا بلاشرکت غیرے طرۂ امتیاز ہے۔

فضائے گلشن وباد صبا وابر وبہار ولے چہ سُود چو ساقی وبزم ومینا نیست

ولو کان فی الدنیا بقاء لساکن لکان رسول اللہ فیہا مخلدا

وما احد ینجو من الموت سالما وسھم المنایا قد اصاب محمدا[2]

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس اندوہگین سانحہ پر اپنے تاثرات اس طرح بیان فرماتے ہیں

جس دن رحمتِ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ باسکینہ میں ورود مسعود ہوا، اس دن ذرّہ ذرّہ مثیلِ آفتاب بن گیا۔ ہر چیز تابندہ و درخشندہ دکھائی دیتی تھی اور ہر سو نورِ نبوت کا اُجالا تھا۔ مگر جس روز آفتابِ رسالت غروب ہو گیا تو تاریکی نے ہر شے کو بے نور کر دیا اور ہر چیز سراسیمگی کے عالم میں پیکرِ غم والم بن گئی۔[3]

---

[1] آل عمران: ۱۴۴

[2] کامل ابن اثیر ج ۲: ۴۴۔

[3] ابن ماجہ باب الجنائز ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم، سنن دارمی ج ۱: ۱۴ باب فی وفاۃ النبیؐ۔

Marfat.com

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن فخر کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا المیہ پیش آیا، اس جان لیوا حادثہ سے مدینہ منورہ کی ہر ایک چیز بے نور ہو گئی [1]

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں۔

کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عجب شانِ اجتبائی ہے کہ آپ کی دنیا میں تشریف آوری سوموار کے دن ہوئی۔ آپ نے حجر اسود سوموار کو نصب فرمایا۔ ہجرت کے وقت مکہ مکرمہ سے روانگی سوموار کو ہوئی۔ مدینہ باسکینہ میں ورودِ مسعود سوموار کو اور سانحۂ ارتحال بھی سوموار کو ہوا۔ [2]

حبیبہ حبیبِ خدا سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بخت کس قدر قابلِ رشک ہے کہ سید الاتقیاء والابرار حبیب کردگار علیہ صلوٰۃ اللہ العزیز الغفار کا آخری تلبس بھی انہیں نصیب ہوا۔ جب سرورِ کون و مکان، سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم راہی عالم جاوداں ہو رہے تھے اور وصالِ محبوب کی سعادت نصیب ہوتے کو تھی تو سرِ اقدس عائشہ رضؓ کی گود میں تھا۔ علاوہ ازیں سفرِ دنیا کا آخری اور راہِ عقبیٰ میں پہلا قدم بھی سیدہ عائشہ صدیقہ رضؓ ہی کے گھر میں تھا۔ ام المومنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس انعامِ خداوندی کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتی ہیں۔

"اللہ کریم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میری باری کے دن میرے گھر میں اپنی طرف بلایا۔ جب کہ آپ کا سر مبارک میرے پہلو اور سینہ کے درمیان تھا۔ آپ میرے ہی گھر میں دفن کئے گئے اور آپ کے وصال کے وقت میرے اور آپ کے لعاب دہن کو یکجا کر دیا۔

---

[1] مستدرک حاکم کتاب المغازی ج ۳: ۵۷

[2] کامل ابن اثیر ج ۲: ۴۴۔

Marfat.com

قَبَضَهُ اللّٰهُ بَيْنَ سَحْرِيْ وَنَحْرِيْ وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِيْ
وَاَنَّ اللّٰهَ جَمَعَ بَيْنَ رِيْقِيْ وَرِيْقِهٖ عِنْدَ مَوْتِهٖ [1]

سیدہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سانحۂ ارتحال سے کچھ وقت پہلے میرے بھائی عبدالرحمنؓ آئے۔ اُن کے ہاتھ میں مسواک دیکھ کر آپؐ نے مسواک استعمال کرنا چاہی۔ میں نے اپنے بھائی سے مسواک لے کر دانتوں میں چبائی، نرم کرکے آپ کی خدمت میں پیش کردی۔ آپ نے اپنے دستِ اطہر سے استعمال فرمائی اور میں بڑے غور سے دیکھ رہی تھی کہ اتنی عمدگی سے آپ نے کبھی بھی مسواک استعمال نہیں فرمائی تھی [2]

تجہیز و تکفین

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو آپؐ کے انتقال پُر ملال کا یقین ہی نہیں آتا تھا۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فصیح و بلیغ خطبہ نے اس تذبذب کی کیفیت کو ایقان و یقین میں تبدیل کردیا۔ جس کے بعد ۱۳ ربیع الاوّل بروز سہ شنبہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل، کفن اور دفن کا معاملہ زیر غور آیا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جب غسل کی تیاری ہوئی تو یہ سوال پیدا ہوا کہ کپڑے اتارے جائیں یا نہ، سب ہی سوچ کی موج میں گم تھے اور ہنوز کوئی تصفیہ نہ ہو پایا تھا کہ یک لخت سب پر غنودگی طاری ہوگئی، سب کی گردنیں جھک گئیں اور ٹھوڑیاں سینہ سے لگ رہی تھیں اور ایک غیبی آواز سنائی دی۔ کہ اللہ کے رسولؐ کو برہنہ نہ کیا جائے۔ کپڑوں ہی میں غسل دیا جائے، چنانچہ پیراہن مبارک ہی میں آپ کو

---

[1] صحیح بخاری ج ۱: ۸۶- ۶۳۸-۶۴۰۔ [2] ایضاً

Marfat.com

نہلایا گیا اور بعد میں اسے نکال دیا گیا۔ [1]

سیدنا ابی بردہؓ سے روایت ہے کہ جب غسل کی تیاری کی گئی تو حجرہ کے اندر ہی سے ایک غیبی آواز آئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص نہ اتاری جائے۔ [2]

جب غسل دیا جانے لگا تو دروازہ بند کر دیا گیا اور چارپائی ہٹا کر اسی جگہ غسل دیا گیا۔ غسل دینے میں پانچ آدمی شریک تھے۔ سیدنا عباس۔ سیدنا علی۔ سیدنا قثم بن عباس سیدنا اسامہ بن زید اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین [3]

اس موقع پر انصار نے آپ کے ساتھ ننہالی رشتہ کی عظمت کے پیش نظر غسل دینے میں شرکت کی استدعا کی اور ادھر قریش بھی جدی ناطہ کے باعث شمولیت کے خواہشمند تھے۔ مگر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال دانشمندی اور تدبر سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح یہ معاملہ اختلاف کا شکار ہو جائے گا۔ اس خدمت کی انجام دہی کے لئے آپ کے اعزہ ہی زیادہ موزوں ہیں۔ اس پر سب مطمئن ہو گئے [4]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غسل دینا شروع کیا، آپ کے وجود باجود پر قمیص تھی سیدنا علیؓ کی زبان پر یہ الفاظ تھے۔

بِاَبِیْ وَاُمِّی اطیبک حَیًّا وَمیتا - آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ زندگی میں بھی پاکیزہ تھے اور وفات کے بعد بھی پاکیزہ ہیں۔

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳: ۵۹ طبقات ابن سعد ج ۲ عنوان تجہیز و تکفین، ابدایہ والنہایہ ج ۵: ۲۶۰ تاریخ کامل ابن اثیر ج ۲: ۱۳۸ [2] ابن ماجہ ابواب الجنائز: ۱۰۵ [3] زرقانی ج ۸: ۲۸۹ [4] طبقات ابن سعد عنوان تجہیز و تکفین جلد ۲

Marfat.com

سیدنا عباسؓ اور ان کے بیٹے سیدنا قثمؓ کروٹ بدل رہے تھے اور سیدنا اسامہ بن زیدؓ اور سیدنا صالحؓ پانی ڈالنے میں مصروف تھے۔[1]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیّت فرمائی تھی کہ جب میرا چراغِ زندگی گل ہو جائے تو بیر غُرس کے پانی کی سات مشکوں سے غسل دینا۔[2]

سرورِ کونین رحمت دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے غسل کے لئے سیدنا سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کنواں بیر غُرس سے جو قبا میں واقع تھا پانی لایا گیا۔ آپؐ نے زندگی مبارک میں اس کا پانی نوش فرمایا اور اس کنویں کی تعریف میں ارشاد فرمایا کہ "یہ جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے" غسل کے پانی میں بیری کے پتے بھی ڈالے گئے۔[3]

پہلے خالص پانی سے غسل دیا پھر بیری کے پتوں والے پانی سے اور تیسری دفعہ کافور ملا کر پانی بہا دیا گیا۔[4]

غسل سے فارغ ہو کر آپ کو تین سفید سوتی کپڑوں میں کفن دیا گیا۔ جن میں قمیص اور عمامہ نہیں تھا۔[5] اور وہ پیراہن جس میں آپ کو غسل دیا گیا تھا اتار لیا گیا۔[6]

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل فگار، چشم اشکبار اور دماغ گویا ماؤف ہو چکے تھے، اسی حالت میں یہ مسئلہ بھی درپیش تھا۔ کہ جسد عنبرینؐ کی تدفین کہاں ہو کونسی جگہ اس کا مسکن قرار دیا جائے۔ اور اس امانت عظمیٰ کے لئے کس بقعۂ زمین کو امین بنایا

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ ؛ البدایہ والنہایہ ج ۵ : ۲۶۰ تاریخ ابوالفدا ج ۱ : ۱۵۲

[2] سنن ابن ماجہ : ۱۰۶ تاریخ کامل ج ۲ : ۱۳۸

[3] طبقات ابن سعد ج ۲۔ البدایہ والنہایہ ج ۵ : ۲۶۲

[4] زرقانی ج ۸۔ ۲۸۹۔

[5] صحیح بخاری ج ۱ : ۱۶۹

[6] البدایہ والنہایہ ج ۵ : ۲۶۲۔

Marfat.com

جائے۔ مختلف آراء پیش ہوئیں بعض کی تجویز تھی کہ جنت البقیع میں تدفین ہو کسی کی رائے تھی کہ ریاض الجنہ میں سپرد خاک کئے جائیں۔ لیکن رازدارِ نبوت، رفیقِ غار سیدنا صدیق باوقار رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یوں عقدہ کشائی کی۔ کہ حبیبِ لبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس الفاظ کی صدا اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے کہ آپ نے فرمایا تھا اللہ تعالیٰ نبی کی روح جس جگہ قبض کرتا ہے۔ اسی مقام پر اسے دفن کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپؐ کی چارپائی ہٹا کر اسی جگہ قبر کھود دی گئی [1]

حدیث شریف میں ہے۔

قال ما قبض اللہ نبیاً الا فی الموضع الذی یحب ان یدفن فیہ، ادفنوہ فی موضع فراشہ [2]

آپ نے فرمایا نبی جس جگہ دفن ہونا پسند کرتا ہے، اسی جگہ وصال ہوتا ہے۔ لہٰذا بستر والی جگہ آپ کو سپرد خاک کیا جائے

حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

یدفن کل انسان فی التوبۃ التی خلق منھا [3]

انسان اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے جس سے وہ پیدا کیا گیا تھا۔

ابن سیرین سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ تعالیٰ ما خلق نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ابوبکر ولا عمر الا من طینۃ واحدۃ ثم رد ھما الی تلک الطینۃ۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ایک ہی مٹی سے پیدا فرمایا۔ پھر اسی مٹی میں انہیں لوٹا دیا۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق ج ۳: ۵۱۶ طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۹۵ [2] موطا امام مالک ج ۲: ۵۳۰

سنن ابن ماجہ: ۱۱۷ [3] مصنف عبدالرزاق ج ۳: ۵۱۵۔

Marfat.com

قبر اطہر بنانے میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے درمیان اس بات پہ بھی اختلاف ہوا کہ قبر لحدی بنائی جائے یا بغلی۔ مہاجرین کا کہنا تھا کہ مکہ معظمہ کے دستور کے مطابق صندوقچی قبر بنائی جائے اور انصار کی رائے مدینہ طیبہ کے طریقہ کے مطابق لحد بنانے کی تھی۔ دو آدمی سیدنا ابوعبیدہؓ بن جراح اور سیدنا ابو طلحہؓ قبر کھودنے میں مہارت رکھتے تھے حضرت ابوعبیدہؓ بغلی اور حضرت ابو طلحہؓ لحد کھودنے میں ماہر تھے، طے پایا کہ دونوں کے پاس آدمی بھیج دیا جائے، جو پہلے آجائے وہی اپنے فن کے مطابق قبر بنا دے، اتفاق سے سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر پر موجود نہ تھے اور سیدنا ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لے آئے اور مدینہ طیبہ کے رواج کے مطابق لحد تیار کر دی۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں جب قبر بنانے میں صندوقچی اور لحدی کا اختلاف شدت اختیار کر گیا، تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قبضہ کو یوں سلجھایا کہ دونوں حضرات کے پاس آدمی بھیج دیا جائے، جو پہلے آجائے اسی نوعیت کی قبر بنائی جائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ابو طلحہؓ نے آکر لحدی قبر تیار کر دی۔[2]

نماز جنازہ کی کیفیت

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سہ شنبہ کے روز جب آپ کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی تو آپ کے وجودِ باجود کو جنازہ کے لئے ایک تخت پر رکھ کر قبر کے کنارے رکھ دیا گیا۔ ایک ایک گروہ حجرہ مقدسہ میں داخل ہوتا اور تنہا نماز پڑھ کر باہر آجاتا۔ کوئی کسی کی امامت نہیں کراتا تھا۔ بغیر امام کے نماز جنازہ پڑھی جاتی تھی۔[3] (گویا کہ آپ خود ہی امام تھے)

---

[1] ابن ماجہ: ۱۱۷ - [2] البدایہ والنہایہ ج ۵: ۲۶۸ [3] سنن ابن ماجہ: ۱۱۷، جمع الفوائد ج ۱: ۱۲۸

Marfat.com

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ کی نماز پڑھی جائے؟ آپ نے فرمایا ہاں! جنازہ پڑھو۔ لوگوں نے پوچھا کس طرح پڑھیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔ لوگوں کا ایک ایک گروہ حجرہ میں جائے اور تکبیر کہے پھر درود شریف اور دعا پڑھ کر باہر آجائے۔ پھر دوسرا گروہ داخل ہو کر اسی طرح تکبیر کہیے اور درود و دعا کے بعد واپس آجائے۔ اسی طرح سب لوگوں نے نماز پڑھی[1]

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب آپؐ کا جنازہ قبر کے کنارے رکھ دیا گیا، تو میں نے کہا امامت کے لئے کوئی آدمی کھڑا نہ ہو، تمہاری امامت کے فرائض اس وقت بھی وہ خود ہی انجام دیں گے جو تمہاری زندگی اور بعد از مرگ کے امام تھے[2]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے، جس میں آپ بیان کرتے ہیں کہ سانحۂ ارتحال سے ایک ماہ قبل سرور کون و مکاں، سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثار صحابہ کرامؓ سے اپنے وصال اور تجہیز و تکفین کے متعلق گفتگو کی، صحابہ نے دریافت کیا کہ آپ کو غسل کون دے گا؟ فرمایا! "میرے اقربا"، عرض کیا گیا، آپ کو کفن انہی کپڑوں میں دیا جائے گا، تو ارشاد فرمایا: "اگر تم چاہو تو سفید مصری کپڑوں یا یمنی حلّہ میں کفن دے دینا"۔ آپ سے استفسار کیا گیا کہ نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے گی؟ فرمان ذی شان یوں صادر ہوا: "جب تم غسل اور کفن سے فارغ ہو جاؤ، تو جنازہ تختہ پر رکھ دینا اور تھوڑی سی دیر کے لئے باہر چلے جانا۔ سب سے پہلے حضرت جبرئیل اپنے لشکر کے ساتھ نماز جنازہ پڑھیں گے، پھر میکائیل، پھر اسرافیل اور بعد میں عزرائیل فرشتوں

---

[1] شمائل ترمذی: ۲۷۔ [2] طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۹۳۔

Marfat.com

کے لشکر کے ساتھ جنازہ ادا کریں گے، اس کے بعد تم لوگ گروہ در گروہ داخل ہونا۔

فصلوا علیّ وسلموا تسلیما — پھر مجھ پر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا۔

جس وقت مرد جنازہ سے فارغ ہو جائیں تو عورتیں جنازہ پڑھیں[1] امام حاکم نے بھی یہ روایت بیان کی ہے مگر اس میں یہ جملہ "فصلوا علی وسلموا تسلیما" کا نہیں ہے[2]

حضرت موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن الحارث التیمی سے روایت ہے کہ جب آپؐ کا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا، تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے اور دونوں نے کہا، السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، ان دونوں کے ہمراہ مہاجرین اور انصار کی اتنی سی جماعت تھی، جس قدر حجرہ شریف میں گنجائش تھی انہوں نے بھی اسی طرح سلام پیش کیا، پھر سب صف بستہ کھڑے ہو گئے۔ مگر ان کا کوئی امام نہیں تھا۔ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ پہلی صف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھے، وہ دعا کرتے رہے اور باقی لوگ آمین کہتے رہے، ایک گروہ جب فارغ ہو جاتا تو دوسرا داخل ہوتا، یہاں تک کہ مردوں، عورتوں، بچوں، مہاجرین اور انصار سب نے جنازہ پڑھا[3]

تیسرے دن چہار شنبہ (بدھ) کو رات کے وقت صحابہ کرام نے رنجیدہ دلوں اور پُرنم آنکھوں کے ساتھ سرور کون ومکاں، سلطانِ زمین وزماں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قبر شریف کے سپرد کیا۔ جمہور علماء کرام کا یہی قول ہے[4] اور یہی قول زیادہ صحیح ہے[5]۔ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ، سیدنا عباس

---

[1] زرقانی علی المواھب ج ۸: ۲۶۹: ۲۷۰ وصی الوفا ج ۲: ۳۷۷۔

[2] مستدرک حاکم ج ۳: ۶۰ [3] البدایہ والنہایہ ج ۵: ۲۶۵ طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۹۱۔

[4] سنن ابن ماجہ: ۱۱۷ البدایہ والنہایہ ج ۵: ۲۷۱

[5] تاریخ ابوالفداء ج ۱: ۱۵۲

Marfat.com

اوران کے صاحبزادے سیدنا فضل، سیدنا قثم اور سیدنا صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں اتارا۔ تربت مبارک کو ہان کی مانند بنا کر اس پر پانی چھڑکا۔[1]

سردارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو لحد میں رکھ کر اس پر نو کچی اینٹیں لگائی گئیں۔[2]

عام طور پر قبر کی لمبائی سات فٹ ہوتی ہے، اس لحاظ سے آپؐ کی لحد پر لگائی جانے والی اینٹوں کا طول تقریباً ۲۴-اپنج اور عرض ۸-اپنج ہوگا۔

یاخیر من رفنت بالقاع اعظمه فطاب من طیبهن القاع والاکم

ترجمہ۔ اے بہترین ذات اُن سب لوگوں میں جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں جن کی وجہ سے زمین اور بھی مشک بار بن گئی۔

نفسی الفداء القبر انت ساکنه فیه العفاف و فیه الجود والکرام

میری جان اس قبر پہ قربان جس میں آپؐ مقیم ہیں کہ اس میں عفت، جود وسخاوت اور لطف وکرم ہے۔

انت النبی الذی ترجی شفاعته عند الصراط اذا ما زلت القدم[3]

اور آپ ہی وہ نبی ہیں جن کی شفاعت کی آس لگائے بیٹھے ہیں۔ جس دن پُلصراط پر قدم ڈگمگا جائیں گے۔

شہنشاہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی شاہی محل تھا جس میں مدتوں رونق افروز رہے اور بالآخر یہی ابدی استراحت گاہ بن گئی۔ جس کا رتبہ اور مقام عرشِ الٰہی سے بالا اور اعلیٰ ہے۔ اس کی عظمت ابدی، اس کا جمال سرمدی، اس کا ذرّہ ذرّہ نیرِ عالم تاب ہے اور یہ بقعۂ نور مرجع خلائق ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجہ: ۱۱۷، البدایہ ج ۵: ۲۶۹

[2] البدایہ والنہایہ ج ۵: ۲۶۹

[3] اخبار مدینۃ المنورہ ۵: ۱۴۷

Marfat.com

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر بن جانے کے بعد اپنے حجرہ میں عام گھریلوں شب خوابی کے کپڑوں میں رہتی تھی جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدفین بھی حجرہ مقدسہ میں ہو گئی تو پھر میں پردے کا اہتمام کرنے لگی۔ کیونکہ اس سے قبل میرے خاوند اور والد استراحت فرما تھے، اور اب ایک غیر محرم بھی دفن ہو چکے تھے۔ اس مجبوری کی وجہ سے اور زائرین کے ہجوم کے پیش نظر حجرہ مقدسہ میں دیوار بنا کر اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اپنی رہائش کے لئے اور دوسرا قبور مقدسہ کی خاطر[1]

لحد مبارک بن جانے کے بعد گنبدِ خضرا کی تعمیر و تکمیل کے تدریجی مراحل کا نقطہ آغاز یہی تھا، کہ حجرہ انور کی ہیئتِ ترکیبی میں تبدیلی واقع ہوئی۔ بعد ازاں ۲۲۔ جمادی الثانی ۱۳ھ[2] / ۶۳۴ء بروز دوشنبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ واصل باللہ ہوئے تو ان کی قبر بھی اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بنائی گئی اور یکم محرم ۲۴ھ / ۶۴۵ء کو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں راحت گزیں ہو گئے[3]

حماد بن زید کی روایت کے مطابق گنبد خضراء کا دوسرا تدریجی مرحلہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھوں انجام پذیر ہوا۔ جنہوں نے حجرہ مقدسہ کی دیواروں اور چھت کی تجدید و ترمیم کی خدمت ادا فرمائی[4]

مزارات طاہرات کی ترتیب

سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲: ۳۹۶ [2] ایضاً ج ۳: ۲۵ [3] ایضاً ۱۹۸، [4] ایضاً ج ۲: ۳۹۶

Marfat.com

رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک مرتبہ خواب دیکھا جو اپنے والد گرامی قدر سے بیان کیا کہتی ہیں میں نے دیکھا کہ تین چاند میری گود میں آ گئے ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی۔ کہ روئے زمین کی تین مقدس اور برگزیدہ ہستیاں تیرے حجرہ میں سپردِ خاک کی جائیں گی۔ چنانچہ جب سرورِ کون و مکاں، سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کا سانحۂ ارتحال رونما ہوا تو آپ کی تدفین سیدہ عائشہ رضؓ کے حجرہ میں ہوئی۔ جس پر حضرت صدیقؓ نے فرمایا

هَذَا خَيْرُ أَقْمَارِكِ[1] یہ ان تین میں سے بزرگ ترین قمر ہیں۔

حجرہ مطہرہ میں واقع تین مزاراتِ طاہرات کی ترتیب کی متعدد صورتیں بیان کی گئی ہیں، امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء نے چھ اور علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ نے آٹھ مختلف صورتیں لکھی ہیں۔ جن میں حضرت مزاحم کا حسب ذیل قول زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے جنہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ میں حجرہ منیفہ کے اندر داخل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور انہوں نے اس طرح ترتیب بیان کی۔

قبلہ کی جانب پہلی قبر شریف رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ آپ کا سر مبارک مغرب کی جانب اور پاؤں مبارک مشرق کو ہیں اور چہرہ انور قبلہ یعنی جنوب کی طرف ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کے برابر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینہ کے برابر ہے جو کہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک کی سیدھ میں پایا جاتا ہے[2]

علاوہ ازیں امام حاکم نے محمد بن ابوبکر سے بھی اس کے ساتھ ملتی جلتی روایت بیان کی ہے، جس میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کا سر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے

---

[1] موطا امام مالک باب اخبار النبیؐ ج ۲: ۵۳۳ مستدرک حاکم کتاب المغازی ج ۳: ۶۱، البدایہ والنہایہ ج ۵: ۲۶۸

[2] وفاء الوفاء ج ۲: ۳۸۷۔

Marfat.com

برابر اور حضرت عمرؓ کا سر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کے برابر میں ہے۔ اور اس روایت کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے۔[1]

قبر مبارک مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

تربت اطہر ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مرقد اقدس عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

قیامت کے قریب سیدنا عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے، ۴۵ سال تک زندہ رہیں گے، شادی کریں گے اور اولاد بھی ہوگی جب ان کا وصال ہوگا تو میرے ساتھ ہی ان کی تدفین ہوگی۔ اور قیامت کے دن میں عیسیٰ علیہ السلام اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اکٹھے اٹھیں گے۔[2]

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء لکھتے ہیں کہ اہل سیر کا بیان ہے کہ حجرہ مقدسہ کے اندر شرقی جانب ایک قبر کی جگہ خالی ہے اور سیدنا سعید بن المسیب اور سیدنا عبداللہ

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲:۳۹۱

[2] مشکوٰۃ شریف ۴۸۰۔

Marfat.com

بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت کے مطابق وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام دفن کئے جائیں گے۔[1]

ام ابن سعد المتوفی ۲۳۰ھ/۸۴۴ء عبید اللہ بن ابی یزید اور عمرو بن دینار سے روایت نقل کرتے ہیں۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حجرہ مقدسہ کی تعمیر کی خدمت انجام دی چونکہ دیواروں کی بلندی بہت تھوڑی تھی۔ اس لئے سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں از سر نو بنوایا اور اونچا کر دیا۔[2]

---

[1] اخبار مدینہ ۱۳۵۔

[2] طبقات ابن سعد اردو ج ۲: ۳۹۶۔

Marfat.com

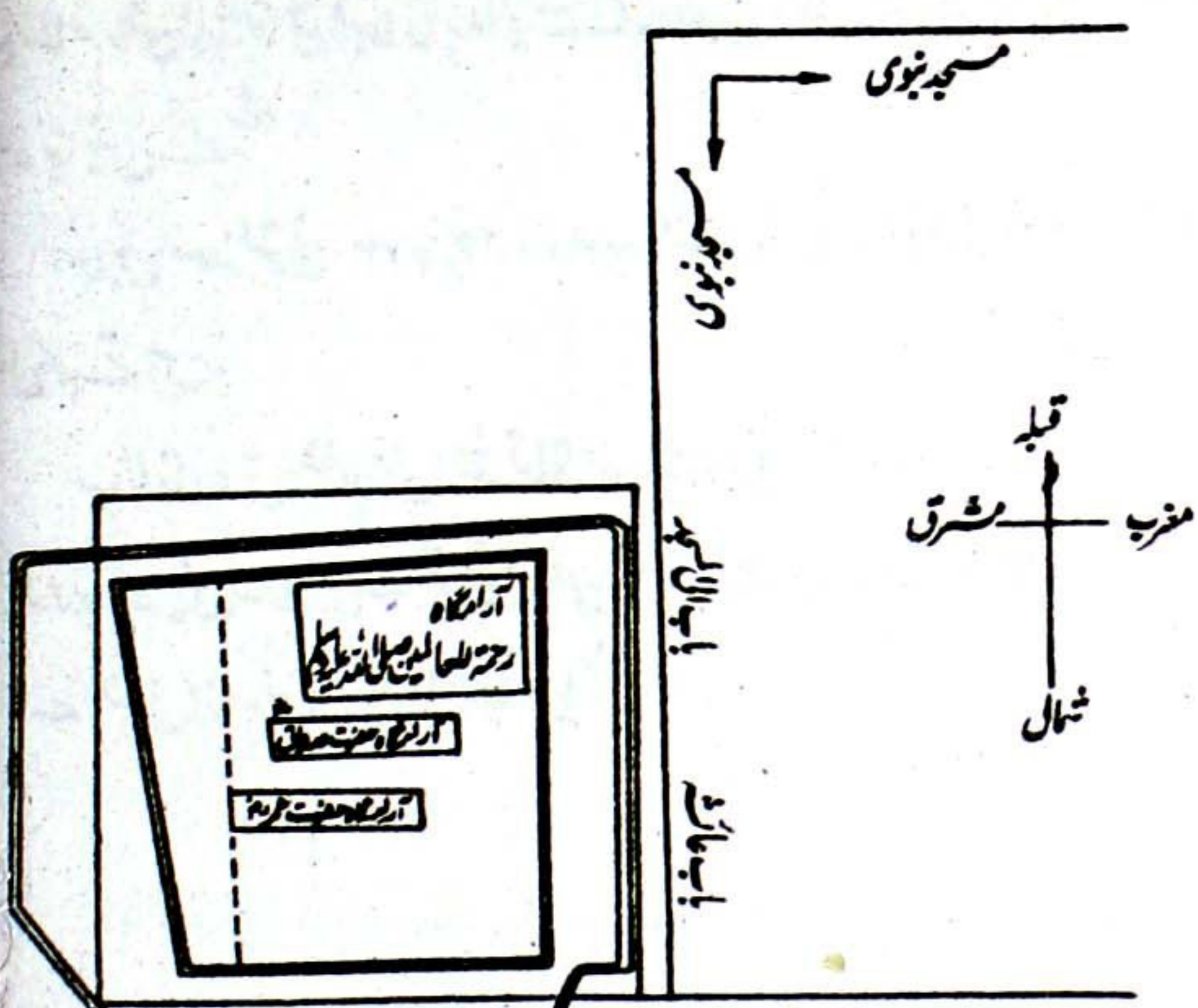

★ عہد اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک بن امیر مدینہ
حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شرقی دیوار حجرہ عائشہ منہدم
ہونے پر پردے ڈال دیئے اور خام حجرہ کی حفاظت کے لیے
۸۸ھ میں مخمس سنگی عمارت تعمیر کی جس سے حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نظروں سے پوشیدہ ہوگیا۔
اس کو خطار مزور کہا جاتا ہے۔

اس پنج گوشہ دیوار میں نہ دروازہ تھا اور نہ اوپر چھت تھی
اس کی بلندی مسجد کی چھت کے برابر ہے۔

بعد میں حجرہ مقدسہ کی اصلاح و مرمت کا تھوڑا بہت کام ہوتا رہا مگر کوئی قابل
ذکر خدمت انجام نہیں دی گئی۔ البتہ ۸۸ھ/۷۰۶ء ولید بن عبدالملک کے عہدِ خلافت
میں جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ منورہ کے گورنر تھے، حجرہ شریفہ کی مشرقی دیوار گ

Marfat.com

جانے پر انہوں نے تعمیر کرائی۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن محمد بن عقیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے معمول بنا رکھا تھا کہ رات کے آخری حصہ میں نماز تہجد کے لئے مسجد نبوی شریف میں داخل ہو کر پہلے آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گہربار میں حاضر ہو کر ہدیۂ سلام پیش کرتا، پھر اپنی نشست گاہ پر جا کر نماز تہجد ادا کرتا اور نماز فجر تک وہیں بیٹھ کر درود شریف اور دیگر وظائف میں مصروف رہتا۔ میں حسب معمول ایک شب گھر سے نکلا۔ جب کہ باران رحمت کا نزول بھی ہو رہا تھا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ فضاؤں کو معطر کرنے والی دل آویز خوشبو محسوس ہوئی۔ میں نے زندگی بھر ایسی نفیس اور قابلِ رشک خوشبو کبھی نہیں پائی۔ بہر حال میں حجرہ پر ضیا پر سلام پیش کرنے حاضر ہوا۔ لیکن یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس بقعۂ نور کی ایک دیوار زمین بوس ہو گئی ہے، اس وقت یہ راز افشا ہوا کہ وہ بادِ مشک بار قبر اطہر سے پھوٹ رہی تھی۔ میں نے موقع غنیمت سمجھا اور حجرہ مطہرہ کے اندر جا کر سلام بارگاہ خیر الانام علیہ التحیات والسلام میں پیش کیا اور کچھ دیر وہیں ٹھہرا رہا۔

اتنے میں حضرت عمر بن عبدالعزیز آ پہنچے، جنہیں اس اندوہگین واقعہ کی اطلاع ہو چکی تھی۔ ان کے حکم سے ایک قباطی چادر سے اس جگہ پردہ کر دیا گیا۔ موصوف نے نماز فجر سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ کے مشہور سعادت مند معمار وردان کو بلایا تاکہ دیوار تعمیر کر دی جائے[1]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے بنیادیں کھود کر پوری دیوار از سرِ نو تعمیر کرنے کو کہا۔ وردان کھدائی کے دوران دو پاؤں دیکھ کر ششدر رہ گیا اور عالمِ استعجاب میں حاضرین کو آواز دی، گورنر مدینہ اور دوسرے لوگ یہ ماجرا دیکھ کر سراسیمہ ہو گئے اور اس اشتباہ میں پڑ گئے

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۳۸۷۔

Marfat.com

کہ مبادا یہ پاؤں مبارک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ ہوں، لیکن ان پاؤں پر بال دیکھ کر حضرت عبداللہ بن عبید اللہ بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بول اٹھے کہ پریشانی کی کوئی بات نہیں، یہ پاؤں میرے جدِ امجد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہیں۔ حجرہ منیفہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے ان کی قبر بنیادوں کے نیچے تک کھودی گئی تھی[1]

ایک روایت میں ہے کہ جب پاؤں کوئی پہچان نہ سکا تو سب غمگین اور پریشان ہو گئے۔ اسی دوران حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں پہچان لیا اور کہنے لگے، خدا کی قسم یہ پاؤں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہرگز نہیں بلکہ یہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں ہیں[2]

سیدنا عمر بن عبدالعزیز گورنر مدینہ نے وردان معمار سے کہا جو کچھ دیکھا ہے اسے پردہ پوش کر کے دیوار بنا دیں۔ جب دیوار مکمل ہو گئی تو اندر صفائی کرنے کے لئے متعدد آدمی تیار ہو گئے، یہ سعادت حاصل کرنے کا ہر آدمی خواہشمند تھا۔ لیکن گورنر موصوف لوگوں کے ہجوم کے ذریعہ سرور کون و مکاں فخر زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت پہنچانے سے گریزاں تھے۔ اس لئے مزاحم نامی ایک غلام کو حکم دیا کہ تم حجرہ مقدسہ میں داخل ہو کر مرقد اقدس پر پڑی مٹی اور اینٹ روڑے صاف کرو۔ چنانچہ مزاحم روشندان کے ذریعہ اندر داخل ہوا۔ جھاڑو سے صفائی کی اور وہ چادر بھی نکال دی جس کا پردہ بنایا گیا تھا[3]

بعد ازاں سیدنا عمر بن عبدالعزیز نے حجرہ انور کی حفاظت کے پیش نظر اس کے گرداگرد ایک پنج گوشہ دیوار بنوا دی۔ جو مسجد کی چھت تک بلند تھی اس طرح حجرہ مقدسہ اس کے اندر محفوظ ہو گیا اس پنج گوشہ دیوار پر نہ چھت تھی اور نہ ہی کوئی اور پردہ تھا[4]۔ اور نہ ہی اس دیوار میں دروازہ رکھا گیا[5]

---

[1] اخبار مدینہ: ۱۳۸ [2] اخبار مدینہ ۱۳۸، طبقات ابن سعد اردو ج ۳: ۱۷۰ [3] اخبار مدینہ ۱۳۸، معالم دار الہجرۃ: ۸۲ [4] اخبار مدینہ ۱۳۸، ۱۴۰۔ [5] وفاء الوفا ج ۱: ۴۰۱۔

Marfat.com

الحاج محی الدین لکھتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ امیر مدینہ نے شکستہ حصہ دیوار پر فوراً پردے ڈال دیئے اور حجرہ اقدس کے اطراف مضبوط بنیادوں پر مخمس سنگی دیوار نقش و نگار سے مزین، اسی طرح تعمیر کی کہ اس دیوار کے شمالی کونے بیت فاطمہ رضؓ سے جا ملے، اس دیوار کی تعمیر کا یہ مقصد تھا کہ حجرہ عائشہ صدیقہ رضؓ کی خام دیواریں ہر طرف سے محفوظ ہو جائیں۔ نیز بیت الرسول ص مماثل بیت اللہ بھی نہ ہونے پائے۔ اس عمارت کو "حضار مزوّر" کہا جاتا تھا۔ اس طرز کی تعمیر آج تک کہیں بھی نہ ہو سکی۔ اور تنہا یہ عمارت اپنی یکتائی تعمیر کی مظہر ہے۔ اب تک آرام گاہ نبوی معہ وزراء حبیب اللہ نظروں سے مستور تھے۔ اب بیرونی خام دیوار حجرہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بھی سب سے پوشیدہ ہو گئی۔[1]

علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء اور علامہ ابن حوقل تحریر فرماتے ہیں۔

عمر بن عبدالعزیز کی تعمیر کردہ پنج گوشہ دیوار میں کوئی دروازہ نہیں رکھا گیا اور نہ ہی اندر جانے کے لئے اس وقت کوئی دروازہ پایا جاتا ہے۔[2] امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ء/۱۴۱۳ء بیان کرتے ہیں۔

پنج گوشہ دیوار اور چھت کے درمیان تقریباً چار ذراع کا فاصلہ تھا۔ جس میں لکڑی کی جالی لگا دی گئی۔ حجرہ پُرانوار اور چار دیواری کے درمیان فاصلہ میں یکسانیت نہیں ہے مشرق اور مغرب میں برابر کا فاصلہ ہے جب کہ قبلہ یعنی جنوب میں زیادہ اور شمال کی طرف اس سے کم ہے۔ اور حجرہ نبویہ کا دروازہ سیاہ پتھروں سے بند کیا ہوا ہے۔[3]

۱۹۳ھ/۸۰۸ء میں خلیفہ ہارون الرشید کے گورنر مدینہ ابوالبحتر کے عہد میں مسجد نبوی

---

[1] آئینہ حرم: ۱۰۲۔
[2] معجم البلدان ج ۴، ص ۴۲۴ کتاب صورۃ الارض: ۳۰
[3] معالم دارالہجرۃ: ۵۳

Marfat.com

شریف کی چھت تعمیر و مرمت کے لئے اتاری گئی تو حجرہ انور کی چھت بھی منہدم پائی گئی۔ اس کی سات لکڑیاں شکستہ تھیں۔ ان کی جگہ نئی لکڑیاں ڈال کر چھت کی اصلاح و مرمت کر دی گئی [1]

پھر خلیفہ متوکل نے گورنر مکہ و مدینہ اسحاق بن سلمہ کو حجرہ انور کی تعمیر، تجدید اور تزئین کا حکم دیا، جس نے یہ خدمت انتہائی نفاست اور عمدگی کے ساتھ انجام دی۔ دیواروں کے چاروں طرف سنگ مرمر لگایا۔ جو زمانہ دراز تک باقی رہا۔ بعدازاں ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء میں خلافت المقتفی میں وزیر جمال الدین بن زنگی نے تجدید کرائی۔ دیواروں کے چاروں طرف قد آدم تک سنگ مرمر لگایا۔ صندل اور انبوس جیسی نفیس اور بیش بہا قیمتی لکڑی کی جالی بنوا کر مذکورہ پنج گوشہ احاطہ کے باہر نصب کرائی، جالی کی بلندی مسجد کے چھت کے برابر تھی، جس میں مختلف سورتیں اور آیتیں لکڑی ہی میں کڑھی ہوئی تھیں۔ تعمیر و تزئین کی خدمت ابوالغنائم البغدادی معمار نے انجام دی [2]

اسی سال یعنی ۵۴۸ھ/۱۱۵۳ء ایک اور واقعہ بھی پیش آیا۔ کہ حجرہ منیفہ میں دھماکہ کی آواز سنی گئی۔ مگر اس کی حقیقت معلوم نہ ہو سکی۔ چنانچہ امیر مدینہ قاسم بن مہنا الحسینی کو واقع کی اطلاع دی گئی۔ موصوف نے کہا کہ صورت حال معلوم کرنے کے لئے کسی آدمی کو حجرہ کے اندر اتارا جائے، اس پر سب متفکر ہوئے کہ کونسا ایسا متقی پرہیزگار آدمی ہو جو یہ خدمت ادا کر سکے، بالآخر سب کی نظر انتخاب شیخ المشائخ، امام العارفین والاتقیاء الشیخ عمر النسائی پر پڑی۔ موصوف موصل کے باشندے تھے لیکن عرصہ دراز سے مدینہ باسکینہ میں رہائش پذیر تھے۔ جب انہیں اس مقصد سے آگاہ کیا گیا، تو فرمایا اس مقدس خدمت کی بجاآوری کے لئے چند دن کی مہلت کی ضرورت ہے تاکہ میں تیاری کر سکوں۔

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۳۹۹۔ [2] اخبار مدینہ: ۱۳۸: ۱۳۹،

Marfat.com

چنانچہ موصوف نے کئی دن تک خورد و نوش ترک کر دیا اور ہمہ وقت ذکر خداوندی میں مصروف و مستغرق رہے۔ پھر جب داخل ہونے کو تیار ہو گئے تو لوگوں نے رسیوں کے ذریعہ مسجد کی چھت کے نیچے سے حجرہ شریفہ اور عمر بن عبدالعزیز کے تعمیر کردہ پنج گوشہ احاطہ کے درمیان اتارا۔ پھر وہ حجرہ مطہرہ میں داخل ہوئے، موصوف اپنے ساتھ روشن شمع بھی لے گئے تھے۔ انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ حجرہ شریفہ کی دیوار اور چھت کا کچھ حصہ قبور مبارکہ پر گرا پڑا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اچھی طرح صفائی کی اور اپنی ریش مبارک سے قبور مقدسہ پر جھاڑو دیا۔[1]

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء امام المطری کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ الشیخ عمر النسائی اس واقعہ کے بعد مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور نو سال بعد ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء میں واصل باللہ ہوئے۔[2]

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں۔

۵۵۴ھ/۱۱۵۹ء کے دوران امیر مدینہ قاسم بن مہنا ہی کے عہد میں حجرہ طیبہ طاہرہ کے اندر سے بہت شدت کی بو آنے لگی۔ اس کی اطلاع امیر کو دی گئی۔ تو انہوں نے مطہرہ کے اندر کسی آدمی کو اتارنے کا حکم دیا۔ چنانچہ حجرہ شریفہ کے خدام میں سے بیان الاسود الخصی، منتظمین عمارہ مسجد نبوی میں سے ہارون الشاذی صوفی اور الصفی الموصلی پنج گوشہ دیوار کے اندر اتارے گئے۔

انہوں نے حجرہ مقدسہ اور چار دیواری کے درمیان ایک مردہ بلی پڑی دیکھی جس سے بدبو پھیل رہی تھی۔ اسے نکالا اور صفائی کر کے خوشبو لگا دی، اس طرح بو کا ازالہ ہو گیا۔ وہ لوگ بروز ہفتہ ۱۱ ربیع الاول ۵۵۴ھ/۱۱۵۹ء کو اندر اتارے گئے تھے۔[3]

---

[1] اخبار مدینہ: ۴۲، العالم دار الھجرۃ: ۸۳ [2] معالم دار الھجرۃ: ۸۴

[3] اخبار مدینہ: ۱۴۲۔

Marfat.com

امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں کہ اس واقع کے بعد آج تک یعنی ۶۴۳ھ تک پھر کوئی آدمی حجرہ مقدس کے اندر داخل نہیں ہوا[1]۔ امام زین الدین المراغی المتوفی ۸۱۶ھ ابن نجار سے اس واقع کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں ہمارے زمانہ ۷۶۶ھ/۱۳۶۴ء تک بھی کوئی آدمی اندر داخل نہیں ہوا[2]۔

امام سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ روضہ اقدس کے اندرونی حصہ کی چشم دید کیفیت اس طرح بیان کرتے ہیں۔ میں نے روضہ پُرضیا کے اندرونی حصہ کو مربع شکل تراشیدہ سیاہ پتھروں سے تعمیر شدہ پایا۔ پتھر رنگ اور قسم کے اعتبار سے کعبۃ اللہ کے پتھروں سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ بیتِ عائشہ رضؓ یعنی حجرہ مقدسہ اور پنج گوشہ احاطہ کی مغربی دیواریں ایک دوسری سے ملی ہوئی ہیں۔ ان کے درمیان فاصلہ نہیں ہے، البتہ مشرقی دیوار اور حجرہ شریفہ کی دیوار کے درمیان شمال کی طرف ایک ذراع (۱½ فٹ) اور جنوب کی جانب تین ذراع (۴½ فٹ) کا فاصلہ ہے۔ اسی طرح جنوب کی جانب بھی دونوں دیواروں کے درمیان یکسانیت نہیں، ان کے مابین مشرق کی طرف ایک ذراع کے قریب جب کہ مغرب کی طرف مواجہہ شریف سے کچھ آگے صرف ایک بالشت کا فاصلہ ہے۔

بیتِ عائشہ یعنی حجرہ شریفہ کے شمال میں مثلث شکل کی دیوار بنی ہوئی ہے، جس کا مثلث زاویہ سے ۸ ذراع (۱۲ فٹ) کا فاصلہ ہے۔ حجرہ مقدسہ میں کسی بھی سمت دروازہ نہیں ہے۔ نہ کھلنے والا اور نہ ہی بند شدہ تعمیر کی یہ کیفیت مسجد نبوی شریف میں دوسری آتش زدگی ۸۸۶ھ کے بعد دوبارہ تعمیر کی بیان کردہ ہے۔ جو پنج گوشہ دیوار حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بنوائی تھی وہ اس وقت مفقود ہے[3]۔

مشہور عالم سیاح ابن بطوطہ لکھتے ہیں۔

---

[1] اخبار مدینہ ۱۴۳۔ [2] معالم دار الہجرۃ، ۸۴۔ [3] وفاء الوفا ج ۱: ۴۰۱-۴۰۲۔

Marfat.com

روضہ اقدس کی شکل ایسی نادر واقع ہوئی ہے کہ اس کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ مارت سنگ رخام بدیع کی گول وضع کی ہے، پتھروں کا جڑاؤ نہایت نادر و پاکیزہ اور صفا و شگفتہ ہے۔ جس کا گارا مشک اور دیگر خوشبوؤں سے آمیختہ ایسی خوبی سے لگا واہے کہ باوجود امتداد زمانہ کے اب تک اس کے استحکام میں کوئی فرق نہیں آتا[1]

روضۂ انور کی جالی

حجرہ منیفہ پر مشتمل مقصورہ شریف کے چاروں طرف نفیس اور دیدہ زیب جالی لگی ئی ہے۔ جو سیدنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ پر بھی محیط ہے ۶۶۷ھ/۱۲۶۸ء ں پہلی مرتبہ سلطان رکن الدین ظاہر بیبرس نے جالی بنوائی تھی۔ موصوف نے زیارت۔ رمین شریفین سے شرف یاب ہونے کے موقع پر مقصورہ شریف کے گرداگرد جالی دار حاطہ قائم کرنے کا عزم کیا۔ تاکہ حجرہ مقدسہ کی حفاظت اور زیبائش و آرائش میں اضافہ و۔ سلطان سعادت نشان نے بنفسِ نفیس رسی کے ذریعہ مقصورہ کی پیمائش کرکے ۵ رسیاں اپنے ساتھ مصر لے گیا اور ۶۶۸ھ/۱۲۶۹ء میں دیدہ زیب و دلفریب لکڑی کی الی بنوا بھیجی، جس میں مشرق، مغرب اور جنوب میں تین دروازے تھے۔ حجرہ انور کے شمال میں واقع مقام تہجد کو بھی جالی گھیرے ہوئے تھی، جالی تقریباً گیارہ فٹ بلند تھی، ۷۹۱ھ/۱۳۹۲ء میں سلطان عادل زین الدین کتبغا نے جالی کو مسجد کی چھت تک ونچا کرکے شمال کی سمت ایک اور دروازہ بنوا دیا[2] ۷۲۹ھ/۱۳۲۹ء جالی کے اوپر لڑی کی چھت بنا کر ریشمی کپڑا چڑھا دیا۔ یہ جالی ۲۱۸ سال تک مسجد نبوی کی زینت نی رہی، پھر ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں دوسری مرتبہ آتشزدگی میں جل کر خاکستر ہو گئی[3]

---

[1] سفرنامہ ابن بطوطہ، ۱۴۷۔ [2] معالم دار الہجرۃ ۸۴، ۸۵۔ [3] تاریخ حرمین: ۲۱۳۔

Marfat.com

۷۳۲ھ/۱۳۳۱ء میں جب سلطان الناصر حج کی سعادت سے سرفراز ہوا، حج سے فراغت کے بعد مدینہ با سکینہ میں حاضری دی۔ موصوف نے مقصورہ شریف کے اندر عورتوں اور بچوں کی بھیڑ دیکھی۔ جو مسجد کے تقدس کو بُری طرح پامال کر رہے تھے بادشاہ یہ منظر دیکھ کر خاموش رہا اور کوئی کارروائی نہ کی۔

۸۲۲ھ/۱۴۱۹ء میں قاضی النجم بن الجحی قاضی شام مناسک حج ادا کرنے کے بعد زیارت مدینہ کریمہ سے مشرف ہوا۔ انہوں نے بھی منصورہ میں زائرین کا ہجوم دیکھا۔ جو آداب مسجد سے بے نیاز ہو کر بے حرمتی کے مرتکب تھے، قاضی صاحب مسجد کی بے حرمتی کو برداشت نہ کر سکے اور جالی کا دروازہ بند کرنے کا فتویٰ دیا۔ لیکن گورنر عراق کی مخالفت کے باعث فتویٰ پر عمل درآمد نہ ہو سکا، یہاں تک کہ ۸۲۸ھ/۱۴۲۵ء میں قاضی موصوف گورنری کے عہدہ پر فائز ہو گئے تو انہوں نے دروازہ بند کرا دیا جو آج تک دوبارہ نہیں کھولا گیا۔ البتہ قندیل جلانے والے خدام یا خواص کے لئے زیارت کی غرض سے کھولا جاتا ہے۔

۸۳۰ھ/۱۴۲۶ء میں ملک اشرف برسبائی نے دیکھا کہ لوگ مقصورہ شریف کی دیوار کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کے خیال سے پیٹھ لگاتے، ہاتھوں سے چھوتے سوراخوں سے جھانکتے ہیں۔ اس لئے موصوف نے تمام دروازوں کو کیل لگا کر بالکل بند کر دیا۔ اور ایسی نازیبا حرکت سے سختی کے ساتھ منع کر دیا۔[1]

۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء میں سلطان قایتبائی نے پیتل کی نئی جالی بنوائی۔ جو صنّاعی نادرۂ روزگار نمونہ تھی، اس میں بھی حسب سابق چار دروازے بنائے گئے جو اکثر اوقات مقفل رہتے ہیں، مغرب کی سمت ریاض الجنۃ میں جو دروازہ رکھا گیا اسے

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۴۴۱۔

Marfat.com

باب الرحمۃ یا باب الوفود، مشرق والے دروازے کو باب الفاطمہؓ اور شمالی دروازے کو باب التہجد کہا جاتا ہے۔ جنوب کی جانب بھی ایک دروازہ اور ایک چھروکہ رکھا گیا ہے۔

جالی شریف کا طول شمالاً جنوباً ۱۶ میٹر اور عرض شرقاً غرباً ۱۵ میٹر ہے لیکن سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ والی سمت کی پیمائش جنوب ۱/۲ ۱۴ میٹر، شمال ۱۴ میٹر، مشرق و مغرب میں ۱/۲ ۷ میٹر ہے۔ جبکہ بلندی مسجد کی چھت تک ہے۔ چاروں گوشوں میں سنگ مرمر کے بڑے بڑے ستون ہیں جن پر گنبد شریف قائم ہے[1]

سلطان قایتبائی نے جالی کے اندر کا کچا فرش جس پر کون و مکاں، سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا ثبت تھے، احتراماً اور تبرکاً اپنے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن بعد میں دسویں صدی ہجری کے وسط میں سلطان سلیمان رومی نے سنگ مرمر کا خوشنما فرش بنوا دیا[2]

جالی مبارک کے اوپر یہ آیات لکھی ہوئی ہیں۔

یاایھا الذین آمنوا لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی

ان الذین یغضون اصواتھم الخ

ما کان محمد ابا احد من رجالکم الخ

---

[1] رحلۃ الحجازیۃ : ۲۳۶۔

[2] تاریخ الحرمین : ۲۱۵۔

Marfat.com

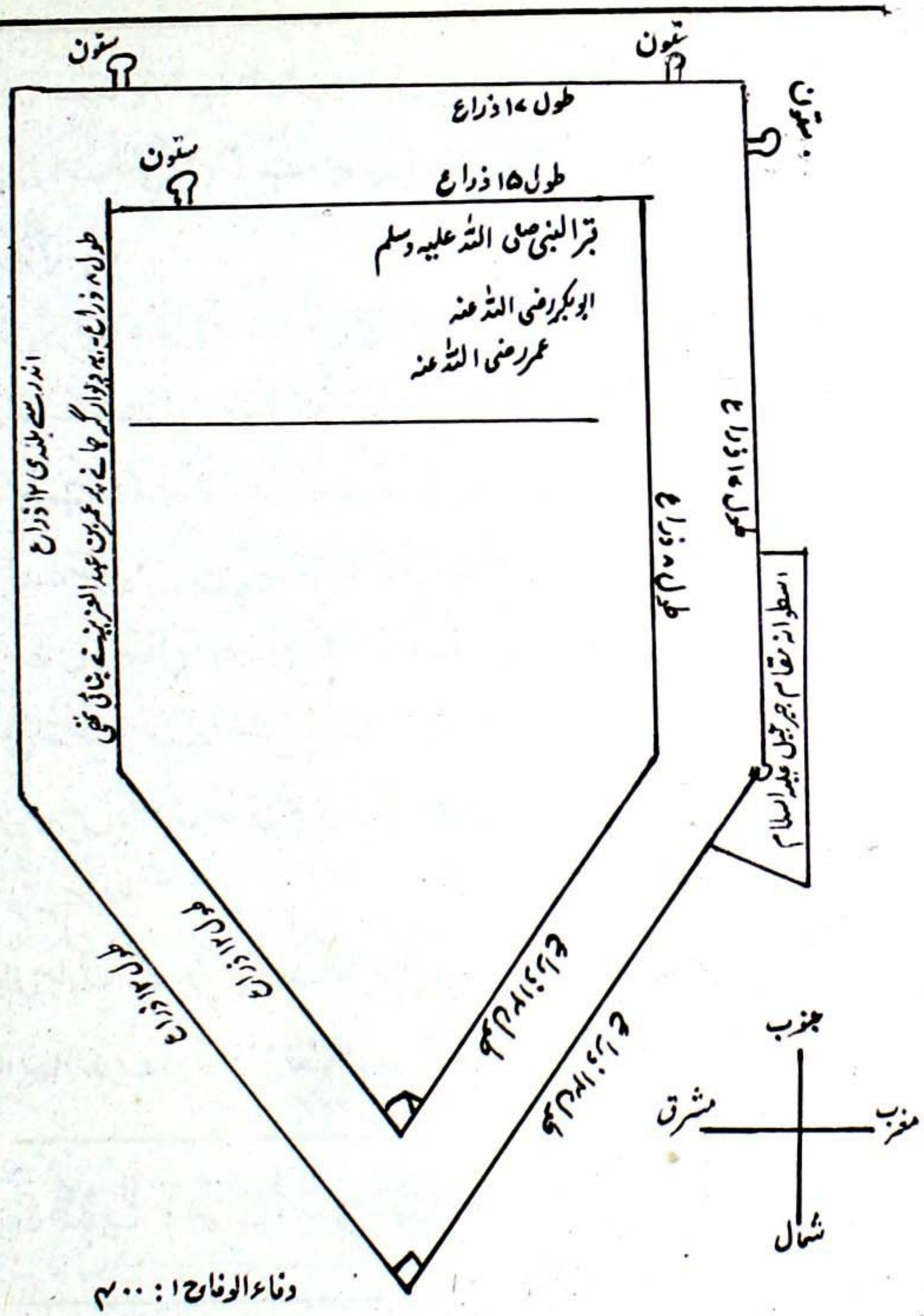

دفاء الوفاء ۱ : ۴۰۰

★ امام ابن النجار المتوفی ۶۴۳ھ کا بیان کردہ طول وعرض اور تصویر۔

★ امام زین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ نے بھی یہی کیفیت تحریر کی ہے۔

★ سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی تعمیر کردہ پنجگوشہ دیوار موجود نہیں ہے۔

Marfat.com

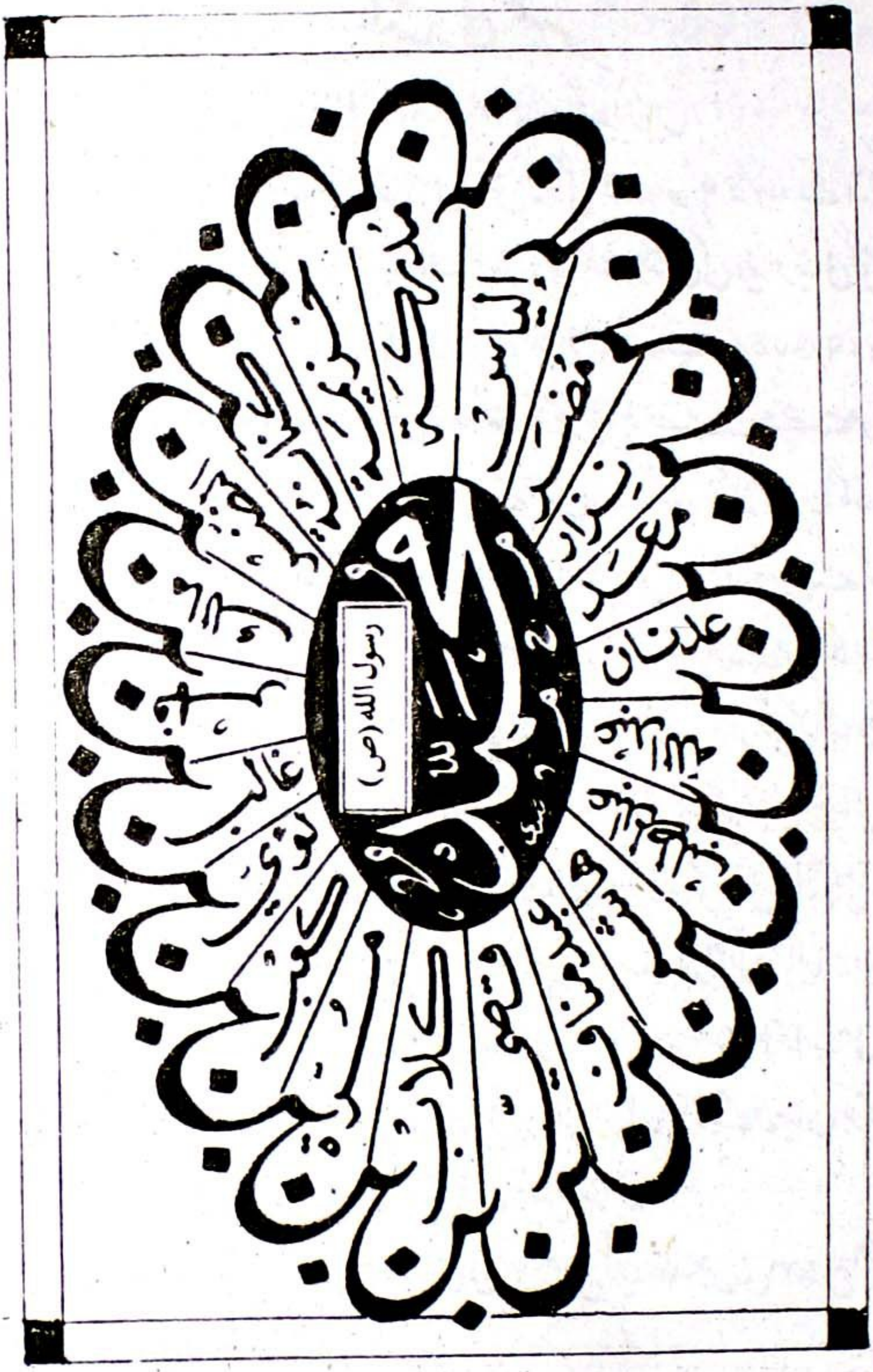

Marfat.com

گنبد کی تعمیر

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء رقمطراز ہیں۔

پہلے پہل حجرہ انور پر گنبد نہیں تھا۔ پہلی آتش زدگی ۶۵۴ھ/۱۲۵۶ء کے اندوہگیں واقع کے بعد کسی وقت چھت پر تقریباً ایک میٹر اونچی پختہ اینٹوں کی دیوار بنائی گئی تھی تاکہ مسجد کی چھت اور حجرہ مقدسہ کی چھت میں امتیاز قائم رہے۔ ۶۷۸ھ/۱۲۷۹ء میں ملک المنصور قلاوون الصالحی نے پہلی مرتبہ گنبد تعمیر کرایا۔ جو چھت کے نیچے سے مربع شکل اور اوپر ہشت پہلو تھا۔ موصوف نے لکڑی کے تختوں سے گنبد بنا کر اس پر رانگ کی پلیٹیں چڑھائیں اور زرد رنگ کرایا۔ بعد میں ملک ناصر حسن بن محمد بن قلاوون نے گنبد کی تجدید کرائی، ۷۶۵ھ/۱۳۶۳ء میں ملک اشرف شعبان بن حسین بن محمد کے عہدِ خلافت میں رانگ کی پلیٹیں اکھڑ جانے کی وجہ سے گنبد از سر نو مضبوطی کے ساتھ تعمیر کیا گیا، جس میں لکڑی کے تختوں کے اندر رانگ کی پلیٹیں لگائی گئیں اور پختہ دیوار کی جگہ لکڑی کی جالی بنادی گئی۔ روضہ مقدسہ کی چھت اور مسجد کی چھت کے درمیان بھی لکڑی کی جالی لگائی گئی۔ جبکہ روضہ شریف کی چھت لکڑی کی بنا کر اس پر پگھلے ہوئے موم میں تر شدہ کپڑا ڈال دیا گیا۔ روضہ اقدس کے چھت پر بنائی گئی جالی میں دروازہ بھی رکھا۔ جس کے ذریعہ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مقدسہ اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز کی بنائی ہوئی دیوار کے درمیان بوقت ضرورت آدمی داخل ہو سکے، اگرچہ دروازہ ہر وقت مقفل رہتا تھا۔[1]

۸۸۱ھ/۱۴۷۶ء میں گنبد کی بعض لکڑیوں میں خلل آگیا تھا۔ جس کی اصلاح الشمس بن الزمن متولی عمارہ نے کرائی۔

---

[1] معالم دار الہجرۃ: ۸۱

Marfat.com

۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں دوسری مرتبہ آتش زدگی کے باعث مسجد مبارک اور گنبد وغیرہ سب کچھ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے مسجد اور گنبد ہر ایک چیز از سر نو تعمیر کر دی گئی، تعمیر نو کے وقت طے پایا کہ گنبد مبارک کو بنیادوں سے مضبوطی اور خوبصورتی سے تعمیر کیا جائے چنانچہ بشمول مثلث حصہ کے حجرہ مقدسہ کے چاروں طرف پنج گوشہ دیوار کے باہر ستون بنائے گئے۔ جن پر گنبد مبارک کی کرسی رکھی گئی [1]

۸۸۸ھ/۱۴۸۳ء حاکم مصر ملک قایتبائی کے حکم سے امیر مدینہ نفیر بن المنصور نے گنبد کی تجدید کرائی، کالے پتھر سے تعمیر کر کے گنبد پر سفید رنگ کرایا۔ جس کے باعث روضہ اقدس کا گنبد "قُبَّةُ الْبَيْضَا" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ حجرہ مقدسہ سے گنبد کے اوپر نصب چاند ۱۸ ذراع (۲۷ فٹ) بلندی پر تھا۔ بعد ازاں ۸۹۲ھ/۱۴۸۷ء میں اس گنبد کے اوپر ایک اور بہت بڑا گنبد بنایا گیا۔ جو پنج گوشہ دیوار کے گرد بنائے گئے مضبوط ستونوں پر قائم تھا۔ لیکن اتفاق سے تکمیل کے ساتھ ہی گنبد میں شگاف پڑ گیا۔ جس کے باعث مصر سے سفید چونا منگوا کر اسے از سر نو بیحد محکم اور مضبوطی کے ساتھ تعمیر کیا گیا اور اس کی تزئین کے لئے مینا کاری بھی کرائی گئی گنبد کے مغرب کی طرف یہ عبارت لکھی گئی۔

"انشاء هذا القبة الشريفة العالية المعترف بالتقصير الراجي عفو ربه القدير قايتبائی" [2]

۹۸۰ھ/۱۵۷۲ء میں سلطان سلیم عثمانی نے حجرہ مقدسہ مطہرہ کا قابل رشک اور پُر شکوہ گنبد بنوایا۔ اسے رنگا رنگ پتھروں سے سجایا اور زر دوزی نے اس کے

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۴۳۷۔

[2] العقد الفرید ج ۸: ۵۴۸۔ المدینہ المنورہ فی اثنا رتیخ ۹۷، ۹۸۔

Marfat.com

حُسن وزیبائش کو مثیل جنت بنا دیا۔ سلطان نے گنبد شریف کی پشت پر اپنا نام کندہ کرایا۔[1] غالباً مینا کاری کے دلکش وجاذب نظر منظر نے اسے "قبۃ الازرق" کے لقب سے نوازا۔

۱۲۲۸ھ/۱۸۱۳ء میں سلطان محمد علی پاشا نے حجرہ مقدسہ کی اصلاح ومرمت کرائی ایک ذی شان سونے کا شمعدان اور دو چاندی کے شمعدان آویزاں کئے۔ جن میں سے ایک پر یہ عبارت مرقوم تھی۔

"اَلْعَبْدُ اَلْمُذْنِبْ مُحَمَّدْ عَلِیْ وَالِی مِصْر ۱۲۲۸ھ

تیرویں صدی ہجری کے اوائل میں گنبد میں پھر شگاف پڑ گیا۔ جس کے سبب ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء میں سلطان محمود بن سلطان عبدالحمید عثمانی نے نیا گنبد بنوایا اور اس پر سبز رنگ کرنے کا حکم دیا۔ جس کی وجہ سے "گنبد خضراء" کے نام سے شہرت پذیر ہوا۔ جو اب تک تابندہ و درخشندہ اور مرجع خلائق بنا ہوا ہے۔ البتہ دھوپ کی شدت کے باعث رنگ مدھم ہو جانے پر کئی مرتبہ سبز رنگ کرایا گیا ہے۔[2]

سلطان عبدالحمید عثمانی نے بھی مسجد نبوی کے ساتھ حجرہ مطہرہ کی آرائش پر بے بہا خزانہ صرف کیا مجموعی طور پر یہ تعمیر کا کام ۱۲۶۵ھ سے ۱۲۷۷ھ تک جاری رہا۔[3]

---

[1] تاریخ الحرمین ندوی۔

[2] المدینۃ المنورہ فی التاریخ ۹۷، ۹۸۔

[3] تاریخ الحرمین ندوی۔

Marfat.com

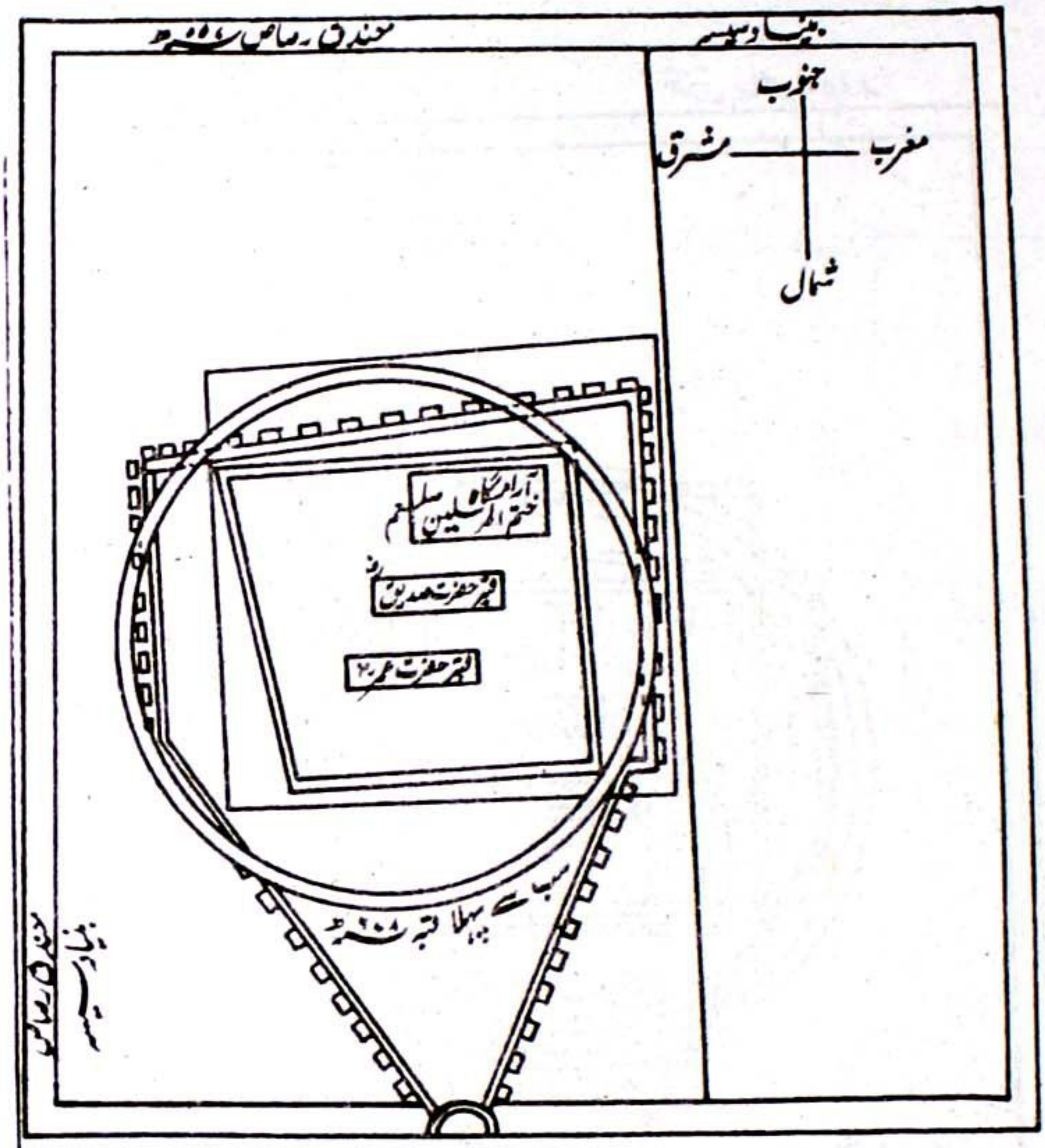

۶۷۸ھ میں سلطان المنصور قلاوون نے پہلی مرتبہ چوبی گنبد بنوایا۔ جس پر رانگ کی پلیٹیں چڑھا کر ان پر زرد رنگ کرایا۔

Marfat.com

سیسہ کی بنیاد خندق رصاص، ۵۵ھ

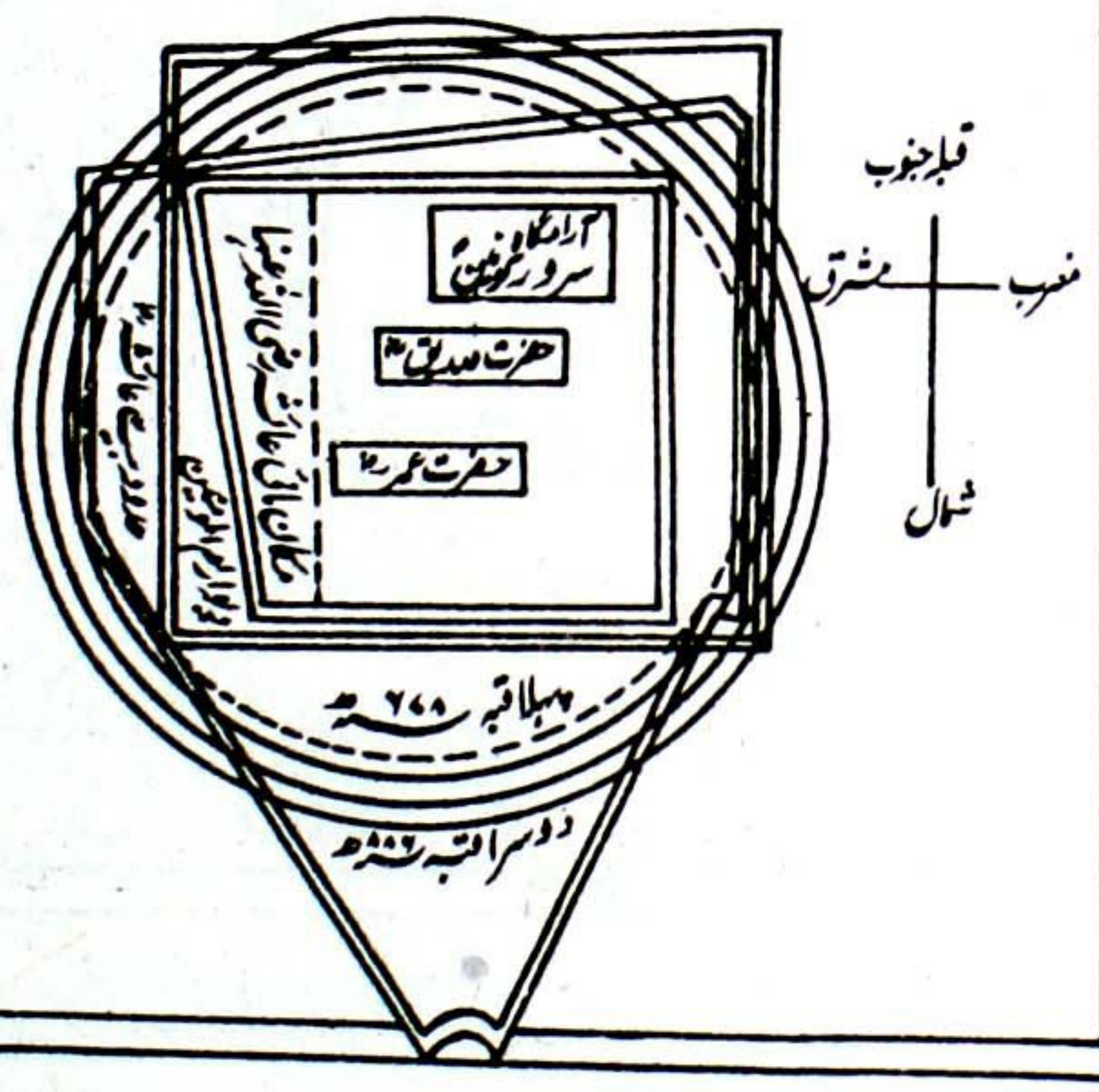

۸۸۶ھ کی آتش زدگی میں گنبد جل جانے کے باعث ۸۸۸ھ میں سلطان قایتبائی نے پتھروں سے بیحد مضبوط گنبد بنوا کر سفید رنگ کرایا۔ اور گنبد شریف "قبۃ البیضاء" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

Marfat.com

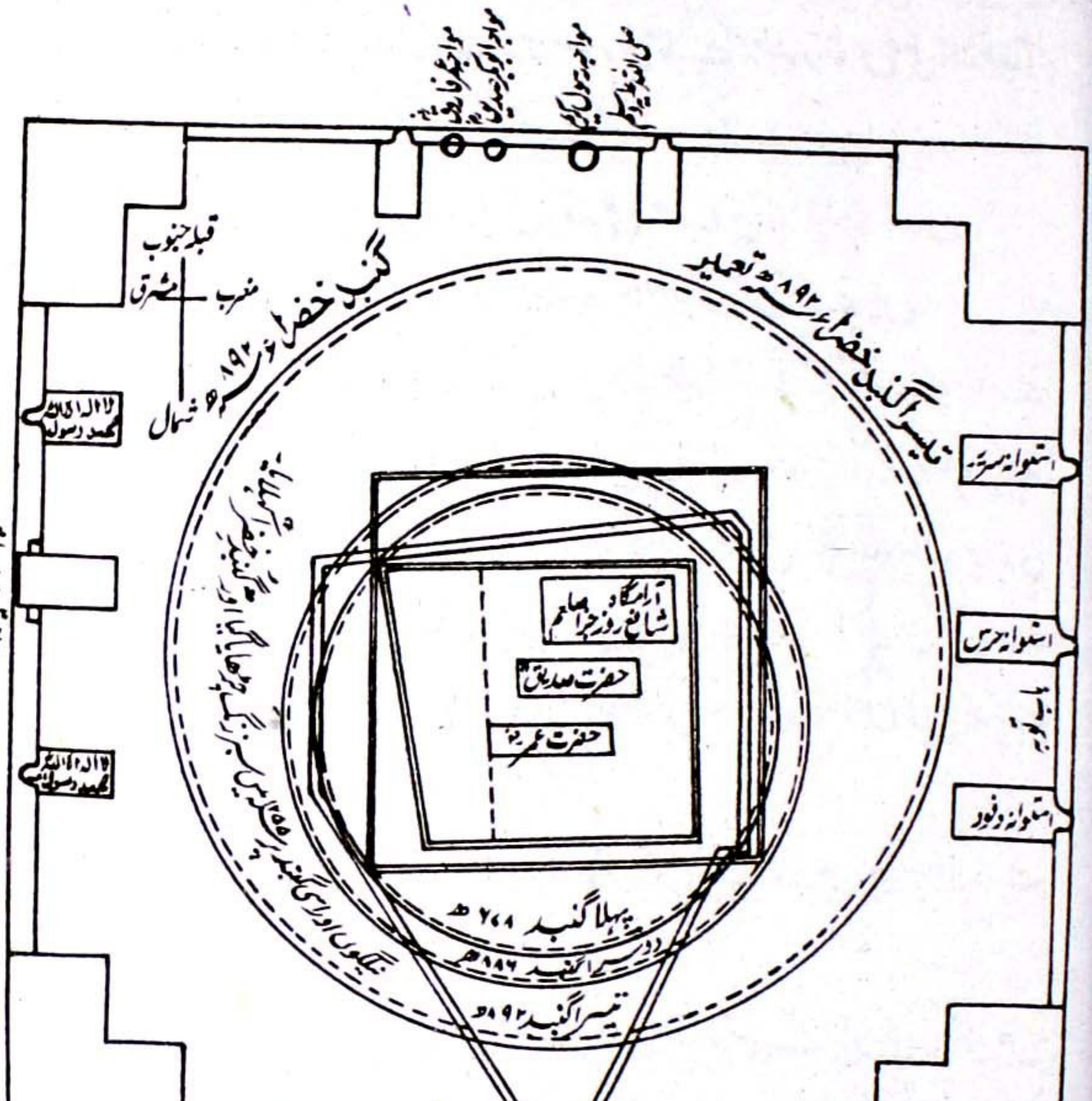

تیسرا گنبد نیلگوں رنگ کا ۸۹۲ھ میں سلطان قائتبائی نے بنایا، ۱۲۳۳ھ میں ترکی سلطان نے از سر نو تعمیر کر کے ۱۲۵۳ھ میں سبز رنگ چڑھایا، یہی گنبد خضراء آج بھی موجود ہے اور اسی کی دید نصیب ہوتی ہے۔

Marfat.com

مواجہہ شریف

مورخین کی بیان کردہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا صحیح رُخ معلوم کرنے کے لئے مختلف اوقات میں چار چیزوں سے رہنمائی حاصل کی جاتی رہی۔ چاندی کی کیل۔ قندیل۔ صندوق اور کوکب الدری۔

امام محمد بن محمود بن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں۔

ابن ابی ملیکہ کہتے ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے رُخِ انور کے سامنے کھڑا ہونے کے لئے قبر اطہر سے قبلہ کی طرف آویزاں قندیل کے نیچے کھڑا ہونا چاہیے۔

لیکن امام موصوف لکھتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اس کی واضح علامت چاندی کی کیل ہے۔ جو مقصورہ شریف کی دیوار میں لگی ہوئی ہے۔ جب آدمی اس کیل کے سامنے کھڑا ہو تو قندیل سر پر ہوگی اور چہرۂ پُر ضیا بالکل سامنے ہوگا۔ اس طرح کھڑے ہو کر سلام بارگاہِ خیر الانام میں پیش کیا جائے۔[1]

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء نے بھی اسی انداز میں یہی دو علامات بیان کی ہیں۔

علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء علامہ ابن جبیر اندلسی کے بیان کی روشنی میں لکھتے ہیں۔ پہلی آتش زدگی یعنی ۶۶۴ھ/۱۲۶۵ء سے بھی پہلے مواجہہ شریف کی نشاندہی کے لئے ایک صندوق رکھا ہوا تھا۔ جو پانچ بالشت لمبا، تین بالشت چوڑا اور چار بالشت اونچا تھا (بالشت ۹ کی شمار ہوتی ہے) اور اس میں چند متبرک چیز محفوظ تھیں، جو ۸۸۶ھ/۱۴۸۱ء میں نذر آتش ہوگیا تھا۔[2]

---

[1] اخبار مدینہ: ۱۴۶۔

[2] وفاء الوفا ج ۱، ۱۰۰، ۱۱۴۔

Marfat.com

۱۹۱۵ھ/۱۶۰۶ء میں سلطان احمد خان عثمانی نے "الکوکبُ الدّرّی" ھدیتہً بھیجا۔ جو کبوتر کے انڈے سے بڑا الماس کا ایک ٹکڑا تھا۔ جس کا وزن ۱۴۲ قیراط تھا اور موتیوں جڑی سونے کی تختی پر نصب تھا[1]

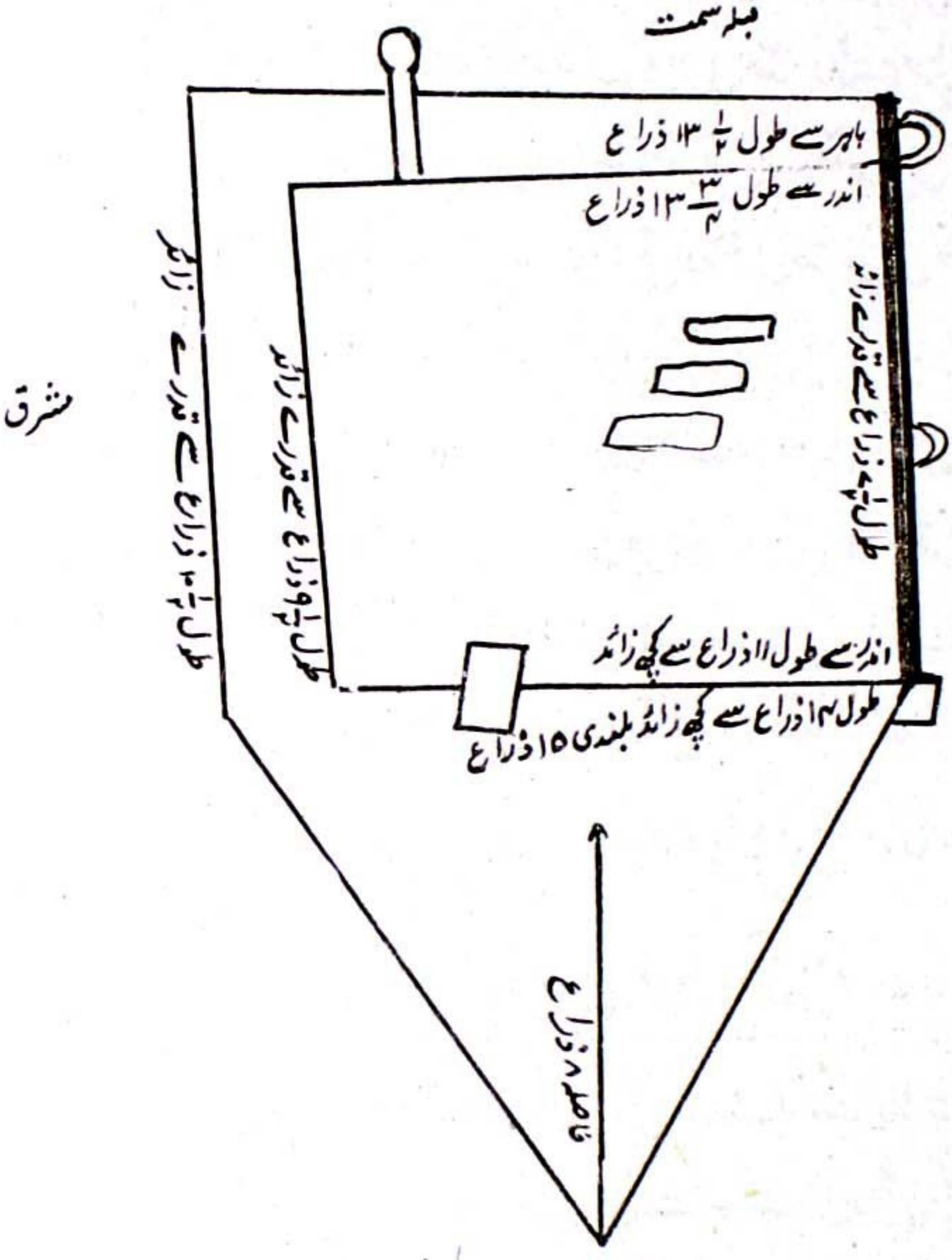

علامہ سمھودی المتوفی ۹۱۱ھ کی بیان کردہ پیمائش اور صورت جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد کی تعمیر میں مزید تبدیلی رونما ہوئی۔ کیونکہ موجودہ کیفیت اس سے بہت مختلف پائی جاتی ہے

---

[1] معالم دار الھجرۃ: ۱۰۸۔

Marfat.com

مولانا محمد عبدالجواد الاصمعی محشی تحقیق النصرہ نے ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء میں لکھا تھا۔ اس وقت کوکب الدری موجود نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ کس نے اسے اتار دیا۔[1]

راقم الحروف نے ۵ محرم الحرام ۱۴۰۴ھ/۱۱۔ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو موجہ شریف کی نشاندہی کے لئے ان تفصیلات کو قلمبند کیا تھا۔ جالی مبارک کا جنوبی حصّہ دو بڑے سرخ ستونوں کے درمیان واقع ہے، جبکہ درمیان میں دو سفید ستونوں میں منقسم پیتل کی ۳ بڑی کھڑکیاں دو حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ان میں سے مشرقی اور مغربی کھڑکی میں تقریباً ۴ انچ قطر کا ایک ایک سوراخ ہے۔ درمیان والی کھڑکیاں نسبتاً بڑی ہیں، درمیان میں تقریباً ۲×۳ قط چاندی کی تختی نصب ہے جس پر عربی عبارت کندہ ہے۔ اس فضی تختی کے مغرب میں پیتل کا ایک خوشنما حلقہ بنا ہوا ہے، جس میں ایک اور پھولدار حلقہ بھی ہے اس بڑے حلقہ کا قطر تقریباً ۹ انچ ہوگا، جو کہ مواجہ شریف کی نشاندہی کر رہا ہے۔ اس کے برابر والی مشرقی کھڑکی میں دو سوراخ ہیں۔ پہلا سوراخ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرا سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرہ پُر ضیا کی نشاندہی کرتے ہیں۔

روشنی کا ایمان افروز انتظام

مقصورہ شریف اور جالی کے درمیان روشنی کے لئے مختلف اوقات میں بیشہا قیمتی اور نادرۂ روزگار شمعدان آویزاں کئے جاتے رہے ہیں، جن سے پھوٹنے والی روشنی پرکیف اور ایمان افروز منظر پیش کرتی تھی۔ مقصورہ شریف اور جالی کے درمیان مشرق، مغرب اور جنوب میں تقریباً ۳ میٹر کا فاصلہ پایا جاتا ہے۔ اس حصہ کی چھت سونے اور چاندی کے چھاڑوں سے ڈھکی ہوئی ہے۔ چہرہ انور کے سامنے قبلہ کی طرف بڑی تعداد میں فانوس آویزاں ہیں۔ جن میں ۳۱ فانوس

---

[1] معالم دار الہجرۃ: ۱۰۸۔

Marfat.com

زمرد، یاقوت اور ہیروں سے مزین اور مرصع ہیں۔ جو سنہری زنجیروں سے لٹکائے گئے ہیں علاوہ ازیں ۱۰۶ چراغ بھی روشن کئے جاتے ہیں۔

مقصورہ شریف کی دیوار میں روئے مبارک کے سامنے کبوتر کے انڈے جتنا ہیرا لگا ہے۔ جو سنہری تاروں سے آراستہ کیا گیا ہے۔ اس کی قیمت کا اندازہ آٹھ لاکھ گنی[1] بتایا جاتا ہے۔ اس کی عدیم النظیر چمک اور بے مثال روشنی کے باعث اسے "کوکب الدّری" کہا جاتا ہے۔ یہ ہیرا سونے کی ایک ایسی تختی پہ جڑا ہوا ہے۔ جس کے چاروں طرف بیش بہا قیمتی جواہرات کے بائیس ۲۲ ٹکڑے لگے ہوئے ہیں، یہ ہیرا سلاطین آل عثمان میں سے سلطان احمد خاں اوّل نے ۱۱۰۰ھ/۱۶۸۹ء کی ابتداء میں حجرہ انور کی نذر کیا تھا، اس کے نیچے سونے کا ایک کف لٹکایا گیا ہے۔ جو مکمل طور پر جواہرات سے مرصع ہے۔ جس میں کوکب الدری سے قدرے چھوٹا ایک اور ہیرا لگا ہوا ہے۔ جو ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء میں سلطان مراد رابع بن سلطان احمد اوّل نے ہدیہ بھیجا تھا۔ اس مقام پر ایک سنہری تختی پہ ہیرے کے ٹکڑوں سے نہایت نفاست کے ساتھ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہے۔ یہ تختی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء میں سلطان محمود کی صاحبزادی نے بھیجی تھی۔

مقصورہ اور جالی کے درمیان کئی اور قیمتی جواہرات پائے جاتے ہیں جن کی قیمت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ مثلاً جواہرات کے جڑاؤ سے سیدہ فاطمہ زہرا رضہ کا نام لکھا ہوا ہے۔ جو ان کے مقصورہ کے اندر مشرقی جانب رکھا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ مرجان اور موتیوں کے بہت سے ہار بھی ہیں۔ اسی حصہ میں جواہرات سے مرصع بہت سے شمعدان بھی ہیں۔ ان میں سے دو اتنے بڑے ہیں کہ ان کا طول

---

[1] ۱۲

Marfat.com

۲ میٹر ہے۔ یہ دونوں شمعدان ۱۲۷۴ھ میں سلطان عبدالمجید خان نے بھیجے تھے۔ ان کے علاوہ سلطان محمود کے بھیجے ہوئے دو شمعدان اور بھی ہیں۔ جن کے پہلو میں موتیوں کے جھاڑو، مرصع پنکھے، خوشبو سلگانے والی مرصع انگیٹھیاں رکھی ہیں۔ مختلف اوقات میں امراء اور سلاطین کی طرف سے حجرہ مقدسہ کے لئے جو تحفے بھیجے جاتے رہے ان کی مجموعی قیمت کا تخمینہ سات ملین گنی بتایا جاتا ہے[1]۔

---

[1] رحلۃ الجازیہ۔

Marfat.com

روضہ اقدس میں نقب زنی کی جسارت

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ط
وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ط[1]

سلطان نورالدین محمود شہید بن عمادالدین زنگی المتوفی ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء نہایت متقی پرہیزگار، ذاکر، شاغل، شب بیدار اور عادل بادشاہ تھا۔ ۵۵۷ھ/۱۱۶۲ء کو ایک رات نماز تہجد سے فارغ ہو کر سو گیا۔ خواب میں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت سے مشرف ہوا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے نیل گوں آنکھوں والے دو آدمیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ان دونوں سے میری حفاظت کرو۔ سلطان کی گھبراہٹ سے آنکھ کھلی فوراً اٹھ کر وضو کیا اور نوافل میں مشغول ہو گیا۔ کچھ دیر بعد لیٹا ہی تھا کہ معاً آنکھ لگ گئی۔ دوبارہ وہی خواب دیکھا۔ جس سے پریشان ہو کر اٹھ کھڑا ہوا، اور وضو کر کے نفل پڑھنے لگا۔ مگر نیند غالب آگئی اور سو گیا۔ اس نے تیسری

---

[1] سورہ توبہ۔

Marfat.com

مرتبہ بھی وہی خواب دیکھا، بادشاہ یہ کہتے ہوئے کھڑا ہوگیا کہ اب نیند کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ اپنے نیک سیرت وزیر جمال الدین کو بلا کر خواب سے آگاہ کیا۔ وزیر باتدبیر نے مشورہ دیا کہ بلا تاخیر مدینہ منورہ روانہ ہو جانا چاہیئے اور اس خواب کا تذکرہ کسی سے نہ کیجئے۔

بادشاہ فی الفور تیار ہوگیا۔ وزیر موصوف اور بیس خاص خدام کو ساتھ لیا۔ تیز رو اونٹوں پر بہت سا سامان اور مال و متاع لاد کر اُسی رات مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوگیا۔ شب و روز سفر کرنے کے بعد سولہویں دن شام کے وقت مصر سے مدینہ طیبہ پہنچ

بادشاہ موصوف مدینہ باسکینہ میں داخل ہونے کے بعد نہایت عجز و نیاز اور ادب و احترام کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں داخل ہو کر ریاض الجنہ میں تحیۃ المسجد کے نفل ادا کئے۔ پھر متفکر و متردد ہو کر سوچنے لگا، کہ کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ بالآخر طے پایا کہ شہر کے تمام لوگوں کی دعوت کی جائے۔ اور ان میں انعامات تقسیم کئے جائیں اس طرح مطلوبہ اشخاص کی پہچان کر کے انہیں گرفتار کر لیا جائے۔ چنانچہ وزیر موصوف نے اعلان کرایا کہ بادشاہ سلامت تشریف لائے ہیں۔ وہ اہل مدینہ کو انعامات و کرامات سے نوازیں گے، لہٰذا ہر آدمی آئے اور سلطان کی سخاوت سے لطف اندوز ہو۔ لوگ نے آنا شروع کیا اور شاہی تحائف سے بہرہ ور ہونے لگے۔ بادشاہ عطا کے وقت گہری نگاہ سے ہر آدمی کو دیکھتا اور خواب میں دیکھی ہوئی شکلوں کو تلاش کرتا۔ شہر کے ہر صغیر و کبیر، امیر اور فقیر نے شاہی تحائف حاصل کئے مگر جن کی جستجو تھی وہ شکلیں نظر نہ آئیں۔ بادشاہ نے پھر اعلان کرایا کہ کوئی اور آدمی رہ گیا ہو تو اسے بھی بلا یا جائے۔ لوگوں نے کہا سب آدمی آچکے ہیں کوئی باقی نہیں رہا۔

بہت زیادہ غور و خوض اور سوچ بچار کے بعد معلوم ہوا کہ دو مغربی آدمی جو بڑے متقی، پرہیزگار، تارک الدنیا اور گوشہ نشین ہیں وہ نہیں آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا

Marfat.com

انہیں بھی بلایا جائے لوگ کہنے لگے بادشاہ سلامت! وہ تو بڑے مستغنی ہیں، انہیں
ی چیز کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ خود بے دریغ صدقات وخیرات کرکے ہر آدمی کو
ازتے رہتے ہیں۔ اور دن رات عبادت میں مصروف ومشغول رہتے ہیں۔ اسی وجہ
سے وہ یہاں نہیں آئے۔

لیکن شاہی فرمان کے باعث انہیں بادشاہ کے روبرو پیش کرنا ہی پڑا۔ بادشاہ
ے انہیں ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہی دو آدمی خواب میں دکھائے گئے تھے۔
شاہ نے ان سے دریافت کیا تم کون ہو اور کہاں کے رہنے والے ہو؟ انہوں
نے بتایا، ہم مغربی لوگ ہیں حج کو آئے تھے، حج سے فراغت کے بعد مدینہ طیبہ زیارت
وی کو حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہنے کی تمنا اور شوق
نے یہیں کا کر دیا، بادشاہ نے ان کی قیام گاہ دریافت کی۔ بتایا گیا کہ وہ روضہ انور کے
ریب ہی ایک رباط میں مقیم ہیں۔ انہیں وہیں ٹھہرنے کا حکم دے کر بادشاہ ان کی
ام گاہ پر گیا۔ تلاش بسیار اور تجسس کے باوجود مال ومتاع اور چند کتابوں کے سوا
ئی مشتبہ چیز نظر نہ آئی جس سے خواب کی تعبیر پایہ تکمیل کو پہنچتی۔

بادشاہ کی پریشانی اور فکر ہر گھڑی بڑھتا جا رہا تھا اور ادھر اہالیان مدینہ ان مشتبہ
فراد کی سفارش کے لئے جمع ہو رہے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں۔ انہیں عبادت وریاضت
سے فرصت کہاں۔ دن بھر روزہ رکھنا، ہر نماز ریاض الجنہ میں ادا کرنا، روزانہ جنت البقیع
ں زیارت اور ہر شنبہ کو مسجد قبا پابندی سے جانا، ان کے معمولات میں شامل ہے
ن کی فیاضی کی کوئی انتہا نہیں۔ سال رواں میں قحط کے باعث اہل مدینہ کے ساتھ
یحد ہمدردی اور غمگساری کا برتاؤ کیا۔ بڑی فراخ دلی سے روپیہ پیسہ خیرات کیا۔

ایسی باتوں نے بادشاہ کے تفکرات میں اور بھی ہیجان پیدا کر دیا۔ بادشاہ پریشانی
کے عالم میں کہتا ہے۔ بار خدایا! سمجھ نہیں آ رہا کیا معاملہ ہے۔ دفعتہً بادشاہ کو خیال

Marfat.com

آیا کہ ان کے مصلی والی جگہ دیکھی جائے۔ ایک بورئے پر بچھا ہوا مصلی الٹا، تو ایک پتھر نظر آیا۔ جب پتھر ہٹایا گیا تو سُرنگ نمودار ہوئی جو بہت گہری اور بہت دور قبر اطہر تک پہنچی ہوئی تھی۔ ع

سمجھے تھے جسے رہبر، وہی رہ زن نکلا۔

بادشاہ نے انہیں ڈرا دھمکا کر اس مذموم حرکت کا سبب دریافت کیا، چار و ناچار انہیں حقیقت کا انکشاف کرنا ہی پڑا۔ اور اس راز کو بھی افشا کرنا پڑا، جس کے پس پردہ عیسائیت ایک منحوس خواب دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ دونوں عیسائی ہیں اور عیسائی بادشاہوں نے بے پناہ مال و دولت اور زر کثیر دے کر اس لئے بھیجا کہ کسی طرح حجرہ مقدسہ میں داخل ہو کر سید کائنات، رحمتِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ عنصری کے ساتھ گستاخانہ حرکت کریں اور نکال کر لے جائیں۔ ہم رات بھر کھدائی کرتے اور مشکوں میں مٹی بھر کر رات ہی میں بقیع کے مضافات میں ڈال دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ جس رات یہ نقب زن قبر اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، اس رات سخت بارش ہوئی اور گرج چمک سے زبردست زلزلہ آیا اور تیز و تند جھکڑ چل رہے تھے۔

سلطان نورالدین ان کی ایمان سوز باتیں سن کر آتشِ غضب سے بھڑک اٹھا انہیں عبرت ناک سزا کا حکم دیا۔ لیکن بادشاہ کی طبیعت میں غیض و غضب کی شدت باوجود ایک عجیب رقت انگیز کیفیت بھی طاری تھی۔ کہ اللہ جل جلالہ اور مدنی تاجدار اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت جلیلہ پر مجھے مامور فرمایا۔ بالآخر انہیں قتل کر کے کیفر کردار تک پہنچایا، اسی شام لوگوں نے ان کی منحوس لاشوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔

كَذٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ

ان دونوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد سلطان موصوف نے حجرہ منیفہ کے چاروں طرف شکست و ریخت سے محفوظ ایسی مضبوط دیوار بنوائی جس کی بنیادیں پانی تک گہری کھود

Marfat.com

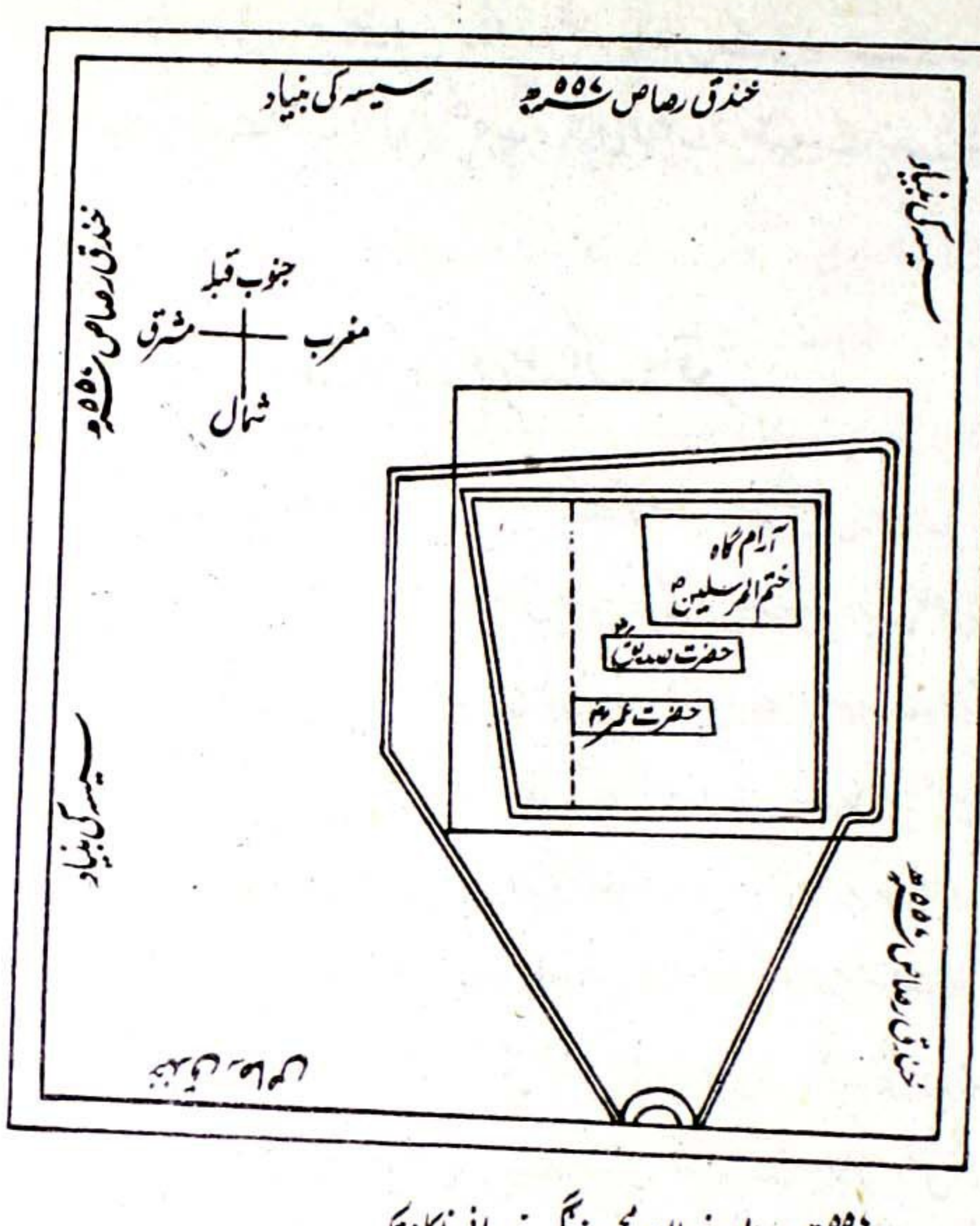

۵۵۷ھ سلطان نورالدین محمود زنگی نے پانی نکلنے تک
بنیاد کھدوا کر سیسہ سے بھروا دی۔

سیسہ پلائی ہوئی دیوار سطح زمین تک بنادی۔ اس پر مسجد کی چھت تک دیوار بنوائی جس میں دروازہ نہیں رکھا۔ تاکہ قبور مقدسہ زمانہ کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رہیں[1]

امام زین الدین مراغی نے بھی قدرے اختصار سے یہ واقع بیان کیا ہے[2]

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۴۶۶ تا ۴۶۸۔

[2] معالم دارالہجرۃ: ۱۴۶۔

Marfat.com

علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں، کہ مذکورہ شخص اندلس کے باشندے تھے اور دارِ آلِ عمر بن خطاب کے قریب سے نقب لگائی تھی[1] جب کہ دارِ آلِ عمرؓ روضہ مقدسہ کے جنوب مشرق میں واقع تھا۔

خسف کا ایک عبرت ناک واقعہ

چراغِ را کہ ایزد برفروزد کسے کو تف زند ریشش بسوزد

شیخ شمس الدین صواب رئیس خدام حرم نبویؐ بیان کرتے ہیں، کہ میرے ایک مخلص دوست جن کے امیر مدینہ کے ساتھ گہرے تعلقات تھے، میں انہی کی وساطت سے امیر مدینہ سے کام کرایا کرتا تھا، ایک دن میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ حلب کے رافضیوں کی ایک جماعت امیر کے پاس آئی ہے۔ جنہوں نے نہایت قیمتی سامان اور تحائفِ نادرہ امیر کو بطور رشوت دے کر ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اجسام نکال کر لے جانے پر رضامند کر لیا، امیر موصوف مذہبی، بے حسی اور حبِّ دنیا کا شکار ہو کر ان کے دام میں پھنس گیا اور انہیں ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ شیخ موصوف کہتے ہیں یہ بات سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے اور میں اسی فکر میں بیٹھا ہی تھا کہ امیر کا قاصد بلانے آ گیا۔ میں حاضر خدمت ہوا۔ امیر نے کہا آج رات کچھ لوگ مسجد میں آئیں گے۔ ان کے لئے دروازہ کھول دینا اور ان کے کام میں مداخلت نہ کرنا، "بہت اچھا جناب" کہہ کر میں واپس آ گیا۔ مگر سارا دن حجرہ مقدسہ کے پاس بیٹھے روتے گذر گیا، لمحہ بھر کے لئے بھی آنسو نہ تھمے، کسی کو کیا خبر کہ مجھ پر کیا گذری۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جب لوگ چلے گئے تو میں نے دروازے بند کر دیئے۔ کچھ دیر بعد باب السلام جو امیر مدینہ کے گھر کے قریب تھا، کی طرف سے وہ لوگ آئے اور دروازہ

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۴۶۸۔

Marfat.com

کھٹکھٹایا۔ میں نے حسب الحکم دروازہ کھول دیا۔ اور وہ اندر آنا شروع ہوئے، ان کی تعداد چالیس تھی، وہ لوگ پھاوڑے، کدال، ٹوکریاں، کھودنے کے دیگر آلات اور شمع ساتھ لائے تھے۔ میں سخت حیران اور پریشان ہو کر ایک طرف بیٹھا رونے اور سوچنے لگا کہ خداوندا! تو قیامت برپا کر دے، تاکہ یہ بدطینت اپنے ناپاک عزائم سے باز رہیں۔

وہ لوگ مسجد شریف میں داخل ہو کر حجرہ مقدسہ کی طرف بڑھتے جا رہے تھے لیکن ربّ ذوالجلال کی قدرت پہ قربان جاؤں، جس نے اپنے محبوب و مقبول بندوں کی حفاظت کا ایسا غیبی انتظام فرمایا جسے دیکھ کر عقل ششدر رہ جاتی ہے۔ وہ ابھی منبر شریف تک پہنچنے ہی نہ پائے تھے کہ ساز و سامان سمیت زمین میں دھنس گئے۔

فَاَخَذَ هُمُ اَخْذَ ةَ رَ ابِيَةً ، فَهَلْ تَرٰى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ

یہ واقع سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی توسیع کے پہلے مغربی ستون کی جگہ کے قریب پیش آیا تھا۔

امیر مدینہ ان لوگوں کی واپسی کا منتظر رہا۔ لیکن زیادہ دیر گذر جانے پر اس نے مجھے طلب کیا، میں حاضر خدمت ہوا تو امیر نے پوچھا کیا وہ لوگ نہیں آئے؟ میں نے کہا آئے تھے۔ امیر کہنے لگا۔ پھر کیا ہوا؟

میں نے جو ماجرا دیکھا تھا لفظ بلفظ کہہ سنایا۔ لیکن امیر کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آسکتا تھا کہ انہیں زمین نگل گئی ہو۔ امیر نے ذرا درشت لہجہ میں کہا۔ ہوش سے بات کرو۔ میں نے کہا آپ تشریف لے چلیں اور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ ابھی دھنسنے کے آثار اور کچھ کپڑے وغیرہ نظر آرہے ہیں۔ امیر نے مجھے سخت تنبیہ کی کہ اس واقعہ سے کسی کو آگاہ نہ کرنا ورنہ تمہاری گردن اڑا دی جائے گی۔

فَاعْتَبِرُوا يَا اُولِى الْاَبْصَارِ

علامہ محب الدین طبری فرماتے ہیں یہ واقعہ بیان کرنے والے سچائی، دیانت، ورع اور تقویٰ

Marfat.com

ہیں مشہور تھے۔ [1] ؎

اے بسا آرزو کہ خاک شُد

ایک اور ناپاک جسارت

اسی طرح عبیدی حکومت کے چھٹے حکمران "الحاکم" کے عہد میں بُغضِ صحابہ سے مخمور اور عداوت صحابہ میں چُور، کچھ شرپسند عناصر، بدطینت رافضیوں نے بادشاہ کو سبز باغ دکھائے۔ کہ دنیا بھر کے مسلمان مدینہ منورہ میں پروانہ وار جمع ہوتے ہیں۔ کیوں نہ مصر ہی میں گنبد خضرا کی طرز کا ایک عالیشان گنبد بنایا جائے اور پھر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے وجود مدینہ سے نکال کر نئے گنبد میں منتقل کر دے جائیں۔ تاکہ لوگ زیارت کرنے مصر آئیں اور تیرا نام دنیا میں روشن ہو۔ اور مصر کے لوگوں کی عزت کو چار چاند لگ جائیں گے۔

"الحاکم" زندیق مشیروں کی چکنی چپڑی باتوں میں آگیا، اور مصر میں ایک فقید المثال عمارت اور شاندار گنبد بے انتہا دولت خرچ کر کے تعمیر کرایا۔ جب وہ "بَیْتُ الْعَنْکَبُوْت" (مکڑی کا گھر) مکمل ہو گیا، تو اپنے ایک معتمد اور مقرب آدمی "ابوالفتوح" کو ناپاک پروگرام کے لئے مدینہ منورہ بھیجا۔ اس بات کا پروپیگنڈہ اتنی کثرت سے کیا گیا، کہ ہر کس و ناکس بادشاہ کے مذموم ارادہ سے آگاہ تھا۔

ابوالفتوح جب مدینہ طیبہ پہنچا، تو اس کی ملاقات معززین شہر سے ہوئی، ان میں سے ایک قاری صاحب نے یہ آیات تلاوت کیں۔

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۴۷۱۔

Marfat.com

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ۝ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [1]

اور اگر وہ لوگ عہد کر لینے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی کریں تو کفر کے سرغنوں کو قتل کر دو۔ بیشک ان کی قسمیں باقی نہیں رہیں۔ تم ان سے لڑائی کیوں نہیں کرتے۔ جنہوں نے قسم توڑ دی اور اللہ کے رسولؐ کو نکالنے کا ارادہ کیا۔ اور انہوں نے پہل کی ہے کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ زیادہ لائق ہے کہ تم اس سے ڈرو۔ اگر تم ایماندار ہو۔

تلاوت کچھ ایسی باعظمت اور رقت انگیز انداز میں ہوئی کہ حاضرین میں ایک ولولہ اور زبردست ہیجان پیدا ہو گیا۔ اور وہ ابوالفتوح کو کیفر کردار تک پہنچانے پر تل گئے لیکن شہر خوباں کی عظمت اور خداداد حکمرانی کے باعث وہ اس سے دست کش رہے۔ یہ منظر دیکھ کر ابوالفتوح کو جان کے لالے پڑ گئے اور وہ سخت خوفزدہ ہو کر کہہ رہا تھا۔ خدا کی قسم! اگر میرا سر قلم کر دیا جائے تب بھی پرواہ نہیں۔ مگر میں قبر مبارک کی طرف برے ارادہ سے ہاتھ تک نہیں اٹھاؤں گا۔ اس رات ایسی تند و تیز آندھی آئی جس سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کرۂ زمین اپنی جگہ سے ہٹ کر کہیں دوسری جگہ پہنچ گیا ہے۔ بادِ صرصر اونٹ بمعہ پالانوں کے اور گھوڑوں کو زینوں سمیت گیند کی طرح پٹخ پٹخ کر مار رہی تھی۔

ابوالفتوح اس عبرتناک منظر کو دیکھ کر سخت اندوہگیں ہوا، اس کا دل خوفِ خداوندی سے کانپ اٹھا اور بادشاہ کے ظلم و ستم کا خیال کافور ہو چکا تھا۔ اس نے صدق دل سے اس ناپاک پروگرام سے توبہ کر لی اور عزت و عظمت اور امن و سلامتی کے ساتھ وطن لوٹ گیا۔[2]

---

[1] سورہ التوبہ: ۱۲ پ ۱۰۔

[2] معالم دار الہجرۃ: ۱۴۷، و فاء الوفا ج ۱: ۴۷۰۔

Marfat.com

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ

شفیع مطاع نبی کریم

Marfat.com

زیارت گنبدِ خضراء

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّھِمِ

صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل عشق مصطفویؐ سے سرشار اور حبِّ نبوی میں ہمہ وقت بے قرار رہتے تھے۔ انہیں جب لقائے رُخِ زیبا کا اشتیاق بے چین کرتا، تو بے تاب و اداس نگاہوں کو تر و تازگی سے معمور کرنے کی خاطر پروانہ وار اپنے محبوب آقا کی زیارت سے شرف بار ہوتے، طلعتِ زیبا کی ادنیٰ سی جھلک قرار و سکون اور حیاتِ نو کی نوید ثابت ہوتی۔ بادۂ عشق کے سرمستوں کے لئے زیارتِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لازوال دولت تھی۔ رُخِ انور کا دیدار ان کے ایمان میں تر و تازگی اور زندگی میں سرور پیدا کر دیتا تھا۔

اگرچہ محبوب انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ پوش ہو جانے پر چہرہ پُر ضیا کے دیدار کی سعادت سے محرومی تو ضرور ہوئی۔ لیکن پیکرِ جود و سخا، سراپا رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ بندہ نوازی اور خوئے بندہ پروری کا یہ عظیم الشان کرشمہ ہے کہ آپ نے آنے والی امت کو زیارت کی ایمان افروز نعمت سے محروم نہیں رکھا۔ بلکہ

Marfat.com

مشتاقانِ دیدار کو شرفِ زیارت کی عظیم بشارتوں سے نوازتے ہوئے. عالمِ آب و گل سے دارالبقا کو تشریف لے گئے. اور اب قیامت تک عشاق پروانہ وار روضہ اقدس پر حاضری کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوتے رہیں گے. آپؐ کی تربت مقدس کی زیارت فضیلت، عظمت اور اہمیت سے متعلق محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی گہرافشانی کی روح پرور جھلک ملاحظہ ہو، چند احادیث مبارکہ نقل کی جاتی ہیں تاکہ ہر مسلمان کے دل میں حاضری کا شوق فزوں تر ہو اور انتظارِ دید میں گدازِ دل نصیب ہو، جو سفرِ آخرت کا بہترین زادِ راہ ہے۔

من زار قبری وجبت له شفاعتی [1] — جس نے میری قبر کی زیارت کی. اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

من زارنی بعد وفاتی فکانما [2] زارنی فی حیاتی — جس نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، گویا کہ اس نے میری زندگی میں زیارت کی

من زارنی بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی [3] — جس نے میری موت کے بعد میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری زندگی میں زیارت کی.

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی [4] — جس آدمی نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت سے مشرف ہوا تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

من جاءنی زائرا لا تحمله — جو آدمی صرف میری زیارت ہی کو آئے

---

[1] جامع الصغیر ج ۱: ۱۷۱، شفا قاضی عیاض ج ۲: ۷۴، [2] کنز العمال ج ۵: ۱۳۵۔
[3] شفا قاضی عیاض ج ۲: ۶۸ [4] سنن الکبری ج ۵: ۲۴۶۔

Marfat.com

حاجة الا زیارتی کان حقاً علیّ ان اکون له شفیعاً یوم القیامة [1]

اس کے سوا کوئی دنیوی غرض نہ ہو۔ تو مجھ پر حق عائد ہوتا ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جو شخص میری قبر کی زیارت سے مشرف ہوا وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا۔ اور جس نے مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ اور وہاں کی تنگی و تکالیف پر صبر و شکر کیا تو میں اس کے لئے قیامت کے دن گواہی دوں گا اور شفاعت کروں گا۔ اور جسے حرم مکہ یا حرم مدینہ میں موت نصیب ہوئی تو وہ آدمی قیامت کے دن امن والے لوگوں میں اٹھایا جائے گا"[2] علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے اور تابعداروں کے حق میں گواہی دیں گے[3]

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان کرتے ہیں۔

"جو شخص مدینہ منورہ میں صرف میری زیارت کی غرض سے آئے اور نیت خالص ثواب کی ہو۔ تو وہ قیامت کے دن میرے پڑوس میں ہوگا اور میں اس کی شفاعت کروں گا"[4]

محسنِ کائنات، رحمتِ موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل التحیات کے امت پر جس قدر بے حد و بے پایاں، عظیم و جزیل، احسانات ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ وسعت اور قدرت حاصل ہو تو اس دربار گوہر بار کی زیارت سے ضرور شرف بار ہو جس کی تائید و توثیق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

---

[1] فتح القدیر ج ۳ : ۹۴ ورد المختار ج ۲ : ۲۷۹

[2] کنز العمال ج ۵ : ۱۳۵ مشکوٰۃ : ۲۴۰

[3] زرقانی ج ۸ : ۳۴۱ [4] جامع صغیر ج ۲ : ۱۷۱، شفا قاضی عیاض ج ۲ : ۷۴۔

Marfat.com

"مدینہ مشرفہ میں میرا گھر ہے۔ اسی میں میری قبر بھی ہوگی، لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ میری قبر کی زیارت کو آئیں"۔ لیکن وسعت اور قدرت کے باوجود قبر اطہر کی زیارت نہ کرنا، اس نعمت بے پایاں سے نہ صرف محرومی ہے، بلکہ شفیق ورحیم آقاؐ کے ساتھ سراسر ظلم وجفا اور سفاکی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من حج البیت ولم یزرنی فقد جفانی[۳] — جس شخص نے حج کیا اور میری زیارت کو نہ آیا تو اس نے میرے ساتھ ظلم کیا۔

رحیم وکریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوئے بندہ نوازی وبندہ پروری پہ قربان جاؤں کس دل آویزادا سے زائرین کی جھولیوں کو کرم کے گہرہائے گراں مایہ سے بھر رہے ہیں۔ اور کس مشفقانہ اور مربیانہ انداز سے اپنی شفاعت کی نوید جاں فزا سنا رہے ہیں۔

علامہ زرقانیؒ "شفاعت" کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں"۔ یہ نوید شفاعت زائرین کے لئے مخصوص نوعیت کی ہوگی۔ جس کا مصداق زائرین کے سوا کوئی بھی نہیں ہوگا۔ شفاعت خواہ نعمتوں کے اضافہ کے لئے ہو یا قیامت کے دن کی ہولناکی میں تخفیف کی ہو، جنت میں بلا حساب دخول کے لئے ہو یا بلندیٔ درجات کی ہو، یا حق تعالیٰ کے دیدار کے لئے ہو[۳]

زیارتِ گنبدِ خضرا نابغہ امت کی نظر میں

امت کے نابغہ واجلہ علماء کرام زیارت گنبد خضرا کو نہ صرف سنت قرار دیتے ہیں۔ بلکہ

---

[۱] بحوالہ فضائل حج — [۲] کنز العمال ج ۵ : ۱۳۵

[۳] زرقانی عنوان "زیارۃ قبرہ الشریف" الفصل ثانی ج ۸ : ۳۴۰۔

Marfat.com

اس رفیع المرتبت عمل کے وجوب کے قائل بھی ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء لکھتے ہیں۔

انها من افضل الاعمال واجل القربات الموصلة الى ذى الجلال، وان مشروعيتها محل اجماع بلانزاع۔ والله الهادى الى الصواب[1]۔

امام الائمہ امام ابن الھمام المتوفی ۸۶۱ھ/۱۴۵۷ء فرماتے ہیں۔

"ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیارت قبر اطہر افضل المندوبات میں سے ہے۔ جو آدمی زیارت کی قدرت اور وسائل کا متحمل ہو اس کے لئے واجب کے قریب درجہ رکھتی ہے۔ میرے نزدیک صرف قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی نیت کرنی چاہیئے اور پھر جب اللہ تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو اور دوبارہ زیارت کی سعادت نصیب ہو تو قبر مبارک اور مسجد نبوی شریف دونوں کی نیت کرلی جائے۔ کیونکہ اس میں مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور رفعتِ شان پائی جاتی ہے۔ صرف قبر مقدس ہی کی نیت کرنا آپ کے اس ارشاد کے عین مطابق ہے "جو شخص صرف میری زیارت ہی کے لئے آیا ہو، اس کی کوئی اور غرض نہ ہو تو میرے ذمہ لازم ہے کہ میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں"[2]

المحقق الفقیہ علامہ محمد آمین المعروف ابن عابدین المتوفی ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء بھی امام ابن الھمام کے قول کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ علامہ خیر رملی شافعی نے علامہ ابن حجر عسقلانی کے اس قول کی توثیق کی ہے کہ صاحب استطاعت پر زیارت گنبد خضرا واجب ہے[3]

---

[1] فتح الباری ج ۳: ۶۶۔

[2] نتح القدیر ج ۳: ۹۴

[3] ردا لمختار ج ۱: ۲۷۹۔

Marfat.com

علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء ارقام فرماتے ہیں۔

مسلمانانِ عالم اس بات پر متفق ہیں کہ سرورِ کونین، رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر کی زیارت افضل ترین عبادات اور بلند پایہ نیکیوں میں سے ہے۔ درجاتِ عُلیٰ اور مقاماتِ عظمیٰ کے حصول کا کامیاب ذریعہ اور بڑا امید وسیلہ ہے۔ اس کا درجہ واجب کے قریب ہے۔ بلکہ بعض علماء نے واجب قرار دیا ہے، جو شخص وسائل اور وسعت کا حامل ہونے کے باوجود روضہ انور کی زیارت سے محروم رہے تو یہ بہت بڑی شقاوت اور جفا ہے۔ چاروں فقہی مسالک اس کی محبوبیت اور سنیت پر متفق ہیں[1]

مذکورہ بالا حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے محدث اعظم علامہ خلیل احمد مہاجر مدنی المتوفی ۱۳۴۶ھ رقمطراز ہیں "بعض مخالفین کے سوا تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت افضل الطاعات اور بلند درجات کے حصول کا انتہائی مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے، اور اس کا درجہ واجبات کے قریب ہے۔ بلکہ جس آدمی کو وسعت اور قدرت حاصل ہو اس کے حق میں زیارت قبر مبارک واجب ہے۔ اس کا ترک کرنا انتہائی بڑی غفلت اور سخت جور و جفا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ پر ظلم کیا یہ اس کے وجوب کی صریح دلیل ہے[2]

عشق نبوی درد معاصی کی دوا ہے — ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے
آمد تری اے ابرِ کرم رونق عالم — تیرے ہی لئے گلشن ہستی یہ بنا ہے

---

[1] بحوالہ فضائل حج شیخ الحدیث محمد زکریا۔ [2] بذل المجہود ج ۳: ۳۲۔

Marfat.com

فرمان دو عالم تیری توقیع[1] سے نافذ — تیری ہی شفاعت پہ رحیمی کی بنا ہے
لے جائے گا رہرو کو وہ منزل سے بہت دور — جو جادہ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے

لَا تُشَدُّ الرِّحَال

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تین مسجدوں کے سوا سفر نہ کیا جائے۔ مسجد حرام، بیت المقدس اور میری مسجد[2]

اس فرمان نبویؐ کے پیش نظر بعض علماء کرام نے مزار پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے ارادہ سے سفر کرنا منع لکھا ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ نیت مسجد نبویؐ کی زیارت کی ہو اور وہاں پہنچ کر روضۂ انور کی زیارت بھی حاصل ہو جائے گی۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک مذکورہ حدیث شریف میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کی ممانعت مقصود ہے۔ کیونکہ یہ تین مساجد شرف و مسجد اور عظمت کے اعتبار سے امتیازی شان کی حامل ہیں۔ جب کہ دوسری تمام مساجد مساوی درجہ رکھتی ہیں۔ ان میں کوئی خصوصی وجۂ امتیاز نہیں پائی جاتی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء امام احمد کی بیان کردہ حسب ذیل روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"کسی آدمی کو جائز نہیں کہ وہ نماز پڑھنے کی غرض سے ان تین مساجد کے سوا کسی دوسری مسجد کی طرف سفر کرے"۔ اس حدیث میں تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کے لئے سفر کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ جبکہ غیر مساجد کی زیارت کا قصد جائز ہے۔ جیسا کہ کسی بزرگ رشتہ دار، دوست، طلب علم، تجارت یا سیر و تفریح کے لئے سفر جائز ہے[3]

---

[1] توقیع، یعنی آپؐ کی اجازت اور آپؐ کے دستخطوں سے نافذ ہوا۔ [2] بخاری شریف ج ۱: ۱۵۸ مسلم شریف ج ۱: ۴۴۷ [3] فتح الباری ج ۳: ۶۵۔

Marfat.com

لَاتُشَدُّ الرِّحال الی مسجد للصلوٰۃ فیہ الا الی الثلاثۃ۔ یہ حدیث ان حضرات کے قول کی تردید کرتی ہے۔ جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر اور صلحاء کی قبور کی زیارت سے منع کرتے ہیں[1]

محدث کبیر امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء تحریر فرماتے ہیں۔

"تین مساجد کے علاوہ صلحاء کی قبور اور دور دراز سفر اختیار کرنے میں علماء کرام کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے حرام قرار دیتے ہیں اور بعض جواز کے قائل ہیں۔ ہمارے علماء کے نزدیک صحیح بات وہی ہے، جسے امام الحرمین اور محققین علماء نے اختیار کیا ہے۔ کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کسی جگہ کے لئے سامان سفر باندھنا نہ تو حرام ہے اور نہ ہی مکروہ"[2]

محدث شہیر علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۵ء فرماتے ہیں۔

حدیث لَاتُشَدُّ الرِّحَال انبیاء واولیاء کی قبور کی زیارت کے مانع نہیں ہے کیونکہ زیارت قبور کا حکم حدیث صریح سے ثابت ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابن بریدہ رضؓ اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نھیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا فان فی زیارتھا تذکرۃ[3]

میں نے زیارت قبور سے تمہیں منع کیا تھا۔ سو قبروں کی زیارت کرو، بیشک زیارت قبور سے نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

مذکورہ حدیث میں سفر کی ممانعت تین مساجد کے علاوہ کسی دوسری مسجد کی زیارت کے لئے سامانِ سفر باندھنے کے متعلق ہے[4]

---

[1] فتح الباری ج ۳: ۶۶ء

[2] شرح مسلم شریف ج ۱: ۴۳۳۔

[3] سنن ابوداؤد ج ۲: ۴۴۴ کتاب الجنائز۔

[4] مرقاۃ المفاتیح ج ۲: ۱۹۰۔

Marfat.com

محدث جلیل علامہ خلیل احمد انبٹھوی دیوبندی مہاجر مدنی المتوفی ۱۳۴۷ھ تحریر فرماتے ہیں

ہمارے نزدیک اور ہمارے مشائخ کے نزدیک زیارت قبر سید المرسلینؐ (ہماری جان آپ پر قربان) اعلیٰ درجہ کی قُربات اور بے حد ثواب اور موجب حصول درجات ہے۔ بلکہ واجب کے قریب ہے۔ اگرچہ شُدِّ رِحال اور بَذْلِ جان و مال سے نصیب ہو۔ سفر کے وقت آپؐ کی زیارت کی نیت کرے اور ساتھ ہی مسجدِ نبوی اور دیگر مقامات و زیارت گاہ ہائے متبرکہ کی بھی نیت کرے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ علامہ ابن ہمام کے فرمان کے مطابق قبر مبارک ہی کی زیارت کی نیت کرے۔ پھر جب وہاں حاضری نصیب ہوگی تو مسجد نبوی شریف کی زیارت سے بھی مشرف ہو جائے گا۔ اس صورت میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زیادہ تعظیم و تکریم بھی ہے۔ اور حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے کہ "جو میری زیارت کو آیا۔ کہ میری زیارت کے سوا کوئی حاجت نہ لائی ہو۔ تو میرے ذمہ لازم ہے کہ قیامت کے دن اس کی شفاعت کروں"۔

اور علامہ جامی سے منقول ہے کہ وہ صرف روضہ اقدس کی زیارت کو تشریف لے گئے اور یہ سفر حج کے علاوہ تھا۔ عشاق اور محبین کا یہی طرۂ امتیاز ہے۔

اور رہا معاملہ حدیث "لاتشدُ الرِّحال" کا تو اس حدیث میں قبر اطہر کی زیارت کی ممانعت کا کہیں ذکر تک موجود نہیں ہے۔ بلکہ صاحبِ فہم اگر غور کرے تو یہی حدیث بدلالت النص جواز پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ جو علّت مساجد ثلاثہ کو دیگر مساجد اور مقامات سے مستثنیٰ ہونے کی قرار پائی ہے، وہاں مساجد کی فضیلت ہی تو ہے۔ اور بقعۂ شریفہ میں فضیلت تو بے انتہا ہے۔ اس لئے وہ زمین مقدس جو سید الکونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے اعضاء مبارکہ کو مَس کئے ہوئے ہے، وہ علی الاطلاق افضل ہے۔ یہاں تک کہ وہ کعبۃ اللہ، عرشِ عظیم اور کرسی سے بھی افضل اور اکرم ہے چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

Marfat.com

اور جب کعبۃ اللہ کی فضیلت کی وجہ سے تین مسجدیں عموم نہی سے مستثنیٰ ہوگئیں تو بقعۂ مبارکہ فضیلت عامہ کے باعث بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوگا۔[1]

حکیم الامت علامہ اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء رقمطراز ہیں۔

حدیث میں جو وارد ہے کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَال الا الی ثلثۃ مساجد، وہ سفر الی القبر الشریف کی نہی پر دلالت نہیں کرتی۔ کیوں کہ یہاں استثنا مفرغ ہونے سے مستثنیٰ منہ مقدر ہے اور بوجہ اقرب فی التجانس ہوگا وہ احق للتعین ہوگا۔ اور جنس قریب مساجد ثلثہ کی ظاہر ہے پس تقدیر اس طرح ہوگی۔ لا تشد الرحال الی مسجد الا الی ثلثۃ مساجد اس صورت میں مطلقاً مشاہد و مقابر کی طرف سفر کرنا حدیث مذکور میں مسکوت عنہ ہوگا اور نہی پر دال نہ ہوگا۔

اور اس کی تائید ایک صریح حدیث سے ہوتی ہے جسے مولانا مفتی صدرالدین خاں دہلوی مرحوم مغفور نے اپنے رسالہ منتہی المقال میں اس طرح نقل کیا ہے فی مسند احمد عن ابی سعید الخدری قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا ینبغی للمطی ان یشد رحالہ الی مسجد ینبغی فیہ الصلوٰۃ غیر المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ و مسجدی ھذا۔ اور معنی اس کے یہ ہیں کہ دوسری مساجد کی طرف جن میں کہ تضاعف ثواب کا وعدہ نہیں ہے۔ اس نیت سے سفر کرنا کہ وہیں نماز پڑھنے سے زیادہ ثواب ہوگا۔ تقول علی الشارع ہے۔ اس لئے منہی عنہ ہے اور مقابر خاصہ میں برکات خاصہ ثابت ہیں پھر (حدیث) زوروا القبور میں بھی اطلاق اذن ہے۔ البتہ یہ شرط ضرور ہے کہ اور مقاصد لازم نہ آئیں۔[2]

اس موضوع پر امام تاج الدین سبکی نے "شفاء السقام" میں اور علامہ سید محمد یوسف

---

[1] المہند علی المفند: ۱۰، ۱۱۔

[2] نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب فصل ۲۷ ص ۲۳۶

Marfat.com

بنوری نے "معارف السنن ج ۳: ۳۲۹ تا ۳۳۴" پر نہایت مفید اور مفصل بحث فرمائی ہے، اہل علم حضرات ان سے استفادہ فرما سکتے ہیں۔

خیر القرون میں زیارت روضہ انور کا ولولہ

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دل عشقِ نبوی سے لبریز اور دیدارِ نبویؐ کے لئے ہمہ وقت بے قرار رہتے تھے۔ آپ کی رحلت کے بعد بھی دور دراز علاقوں سے سفر کی جان لیوا صعوبتیں خندہ پیشانی سے برداشت کر کے حبیبِ کردگار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پُر انوار کی زیارت کو آیا کرتے تھے۔ جیسا کہ عاشق صادق موذنِ سید الابرار سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب مولائے کُل سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ستاتی، تو وہ ملک شام سے کشاں کشاں دربار گہربار، سید الاتقیاء والابرار صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری دیتے، اور قبر اطہر کی زیارت باسعادت سے سکونِ قلبی کی لازوال دولت سے باریاب ہوتے تھے۔

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں جب بیت المقدس فتح ہوا۔ تو سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربار فاروقی میں عرض پرداز ہوئے کہ اگر اجازت مرحمت ہو تو میں بیت المقدس میں سکونت اختیار کر لوں امیر المومنین نے مؤذن کی درخواست کو شرف قبولیت سے نوازا۔ اس طرح وہ بیت المقدس میں اقامت گزیں ہو گئے اور وہاں نکاح بھی کر لیا۔

ایک دن محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا۔ بلال! یہ کیسی جفا ہے کہ آپ میری زیارت کو بھی نہیں آتے، خواب نے آپ کو چونکا دیا، غمگین، خوف زدہ اور سخت پریشان ہوئے۔ آپ کو اضطراب و اضطرار نے لمحہ بھر بھی چین نہ لینے دیا۔ اور اس وقت بارگاہ معارف پناہ نبویؐ میں حاضری کے لئے روانہ ہو گئے۔

Marfat.com

جب سرورِ کونین، رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور فیض گنجور میں حاضر ہوئے تو آنکھوں سے آنسوؤں کی ندیاں بہہ رہی تھیں اور دل سخت شرمسار اور بے قرار تھا۔ مگر زیارت قبر مشکبار سے تمام اضطراب کافور ہوگیا۔ اور دل کو سکون و طمانیت نصیب ہوئی۔

جب آپ کی آمد کی اطلاع شہزادگان حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہوئی، تو وہ ملاقات کو تشریف لائے، سیدنا بلال رضؓ بستانِ مصطفوی صؐ کے ان غنچوں کو دیکھ کر ان سے چمٹ گئے، صاحبزادگان نے آذان کی فرمائش کر دی، جس پر مؤذنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بادلِ نخواستہ تعمیل ارشاد میں آذان کہنے پر آمادہ ہو گئے۔ موصوف مسجد کی چھت پر اسی جگہ کھڑے ہوئے جہاں اپنے آقا کی موجودگی میں آذان کہتے تھے۔ جب آپ نے آذان شروع کی تو لوگوں میں کہرام مچ گیا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ کی صدا بلند ہوئی ہی تھی کہ مرد و زن اور خورد و کلاں بے تاب ہو کر آہ و فغاں کرتے ہوئے گھروں سے نکل آئے، تاجدار مدینہ شاہ حرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد نے سب کو تڑپا دیا ہر جانب آہ و بکا کی دل دوز آوازیں سنائی دیتی تھی، ہر آدمی نوحہ کناں اور اشکبار تھا۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل بھی یادِ یار سے بے قرار ہوگیا اور غم واندوہ کا اس قدر غلبہ ہوا کہ آذان پوری کرنے کی سکت نہ رہی اور چھت سے اتر آئے۔ سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دور دراز علاقہ سے یہ سفر صرف زیارت قبر اطہر ہی کے لئے اختیار فرمایا تھا۔[1]

امام سمھودی المتوفی ۹۱۱ھ فرماتے ہیں کہ امام ابن عساکر نے یہ روایت جید سند کے ساتھ بیان کی ہے۔[2]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ بھی اس کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ

---

[1] شفاء السقام: ۵۳

[2] وفاء الوفاء ۲: ۴۸۔

Marfat.com

تعالیٰ عنہ کا مذکورہ سفر صرف سرورِ کون و مکان فخرِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے لئے تھا۔[1]

سیدنا نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب بھی کسی سفر سے واپس مدینہ کریمہ تشریف لاتے تو سب سے پہلے قبر اطہر پہ حاضر ہو کر یوں سلام پیش کرتے۔

"السلام علیک یا رسول اللہ۔ السلام علیک یا ابوبکر۔ السلام علیک یا اَبَتَاہُ"[2]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام حضرت نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کیا گیا۔ کہ آپ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر سلام پیش کرتے کبھی دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں، میں نے ایک بار نہیں سو بار سے زائد مرتبہ دیکھا کہ قبر اطہر کے پاس کھڑے ہو کر نیاز مندانہ سلام پیش کر رہے ہیں۔ السلام علی النبی السلام علی ابا بکر السلام علیٰ اَبِیْ[3]

سیدنا عبداللہ بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس کھڑے دیکھا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں درود سلام پیش کر رہے تھے۔[4]

قاضی عیاض رقمطراز ہیں کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے قبر اطہر کی زیارت کے لئے تشریف لائے، مدینہ طیبہ پہنچنے پر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] تہذیب الاسماء واللغات ج ۱: ۱۳۶
[2] سنن الکبریٰ ج ۵: ۲۴۵ مصنف عبدالرزاق ج ۳: ۵۷۶
[3] شفاء السقام: ۷۲
[4] موطا امام مالک ج ۱ باب زیارۃ قبر النبی ﷺ۔

Marfat.com

کی بارگاہ معارف پناہ میں سلام پیش کیا اور واپس ملک شام لوٹ گئے[1]

امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں جب ملک شام زیر نگیں ہوا، بیت المقدس کے باشندوں نے جنگ پر صلح کو ترجیح دی اور سیدنا کعب الاخبار مشرف باسلام ہو کر خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں بیحد مسرت ہوئی کہ ایک جلیل القدر عالم حلقہ بگوش اسلام ہو گیا ہے۔ بعد ازاں جب سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ کریمہ کو واپس ہونے لگے، تو آپ نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کش کی کہ وہ بھی ان کے ساتھ مدینہ منورہ تشریف لے چلیں اور مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقد اقدس کی زیارت سے شرف بار ہوں۔

کعب الاخبار رضؓ نے دعوت فاروقی رضؓ کو ممنونیت کے ساتھ قبول کیا اور اُن کی معیت میں زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے روانہ ہو گئے۔ یہ طویل اور صبر آزما سفر طے کر کے جب مدینہ کریمہ میں قدم رنجہ فرما ہوئے۔ تو سب سے پہلے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مرقدِ مطہر پر حاضری دی اور بارگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم میں ہدیہ سلام پیش کیا[2]

سیدنا عمر بن عبد العزیز ملک شام سے مدینہ طیبہ بارگاہ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام پیش کرنے کی خاطر مستقل طور پر قاصد بھیجتے تھے۔ جو ہدیہ سلام بارگاہ خیر الانام میں پیش کر کے واپس لوٹ جاتا۔ حبب کہ ان کا یہ فعل تابعین کے وسطِ زمانہ میں صادر ہوا[3] مگر کسی نے بھی اس پر اعتراض نہ کیا۔

امام تقی الدین سبکی المتوفی ۷۴۶ھ / ۱۳۴۵ء فرماتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ

---

[1] شفا قاضی عیاض ج ۲ : ۷۰

[2] شفاء السقام: ۵۶ زرقانی ج ۸: ۳۴۲

[3] شفا قاضی عیاض ج ۲: ۶۹۔

Marfat.com

کا مذکورہ سفر صحابہ کے وسطِ زمانہ میں اور سیدنا عمر بن عبدالعزیز کا طرزِ عمل تابعین کے وسطِ زمانہ میں پیش آیا۔ ان کے یہ سفر صرف قبر اطہر کی زیارت اور مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ جہاں پناہ میں سلام پیش کرنے کی خاطر تھا۔ اس کے سوا انہوں نے نہ تو کسی دنیوی مقصد کی خاطر یہ سفر کیا اور نہ ہی کوئی دینی کام پیش نظر تھا اور نہ ہی یہ سفر مسجد نبوی شریف کی زیارت کے لئے تھا۔ بلکہ صرف اور صرف مرقد مقدس کی زیارت مقصود و مطلوب تھی۔[1]

محمد بن عبداللہ بن عمرو العتبی بیان کرتے ہیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ نے مجھے مدینہ منورہ کی حاضری نصیب فرمائی، تو میں زیارت قبر اطہر سے مشرف ہوا۔ ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کر کے ایک طرف بیٹھ گیا۔ اتنے میں ایک شتر سوار بدو یا نہ صورت قبر مبارک پر حاضر ہو کر یوں گویا ہوئے۔

"یا خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا۔ جس میں یہ ارشاد بھی ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا[2]

اور جن لوگوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔ اگر وہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو جاتے اور اللہ جل شانہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے اور شفیع المذنبین ﷺ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو ضرور اللہ کریم کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنیوالا پاتے۔

پھر وہ صاحب یوں عرض کرنے لگے اے حبیبِ خدا ﷺ! میں آپ کی بارگاہ معارف پناہ

---

[1] شفاء السقام: ۵۵۔ [2] سورۃ النساء: ۶۴۔

Marfat.com

میں حاضر ہوگیا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی مغفرت کا طلب گار ہوں اور آپ کی شفاعت کا خواست گار بھی ہوں۔ اس کے بعد وہ بدوی زار و قطار رونے لگے اور زبان پر یہ اشعار تھے۔

۱- یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہٗ
فطاب من طیبھن القاع والاکم

اے بہترین ذات ان سب لوگوں میں سے جن کی ہڈیاں ہموار زمین میں دفن کی گئیں اور ان کی وجہ سے زمین اور ٹیلوں میں نفاست پھیل گئی۔

۲ نفسی الفداء لقبر انت ساکنہ
فیہ العفاف وفیہ الجود والکرم

جس مبارک قبر میں آپ راحت گزیں ہیں اس پر میری جان قربان ہو۔ اس میں عفت، جود و سخا اور عنایات و کرامات ہیں

۳ انت الشفیع الذی ترجی شفاعتہ
علی الصراط اذا مازلت القدم

آپ ایسے سفارش کرنے والے ہیں جن کی شفاعت کے ہم امیدوار ہیں جس وقت پل صراط پر لوگوں کے قدم پھسل رہے ہوں گے۔

۴ وصاحبک لا انساھما ابدا
منی السلام علیکم ماجری القلم

اور آپ کے دونوں ساتھیوں کو میں کبھی نہیں بھول سکتا۔ آپ سب پر میری طرف سے سلام پہنچتا رہے۔ جب تک دنیا میں لکھنے کے لئے قلم چلتا رہے۔

آخر میں وہ صاحب اپنے گناہوں سے استغفار کر کے رخصت ہو گئے۔ اور عتبی کہتے ہیں بیٹھے بیٹھے میری آنکھ لگ گئی۔ خواب میں مجھے رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا بدوی کو بشارت سنا دو کہ اللہ کریم

Marfat.com

نے میری سفارش سے اس کی مغفرت فرمادی ہے[1]

علامہ شہاب الدین الخفاجی فرماتے ہیں۔

سلف صالحین کا معمول تھا کہ وہ رحمتِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ سلام بذریعہ خط یا قاصد بھیجتے تھے[2]

نکل جائے دم اُن کے قدموں کے نیچے　　یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

قاضی عیاض رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اسحاق بن ابراہیم الفقیہہ سے نقل کرتے ہیں کہ حجاج مدینہ منورہ اس ارادہ سے جائیں کہ وہاں مسجد نبوی میں نماز پڑھیں گے۔ ریاض الجنہ منبر نبوی، قبر اطہر کی زیارت سے شرف بار ہوں گے اور جہاں آپ کھڑے ہو کر نماز ادا فرماتے تھے اس مصلی والی جگہ اور جن ستونوں سے تکیہ لگاتے تھے ان سے برکت حاصل کریں گے[3]

سفر سوئے دیارِ حبیبؐ

اور

آدابِ زیارت

جب اس مقدس سفر کے اختیار کرنے کی سعادت میسر آئے، تو نیت خالص اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی ہو۔ کوئی شائبہ بھی ریا، تفاخر، شہرت، سیر و سیاحت یا کسی اور دنیوی غرض کا ہرگز نہ ہو۔ ورنہ نیکی برباد اور گناہ لازم ہوگا۔

محدث جلیل علامہ علی بن سلطان محمد القاری المتوفی ۱۰۱۴ھ شرح اللباب میں لکھتے ہیں

---

[1] شفاء السقام: ۶۲۔

[2] نسیم الریاض ج ۳: ۵۱۶۔

[3] الشفا ج ۲: ۶۹۔

Marfat.com

نیت خالص ہونے کی علامت یہ ہے کہ فرائض اور سنن نہ چھوٹنے پائیں۔ ورنہ زیارت سے مشقت اور مالی نقصان کے سوا کچھ بھی حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ توبہ اور کفارہ لازم ہوگا۔ اس سفر باسعادت میں سنت کے کاموں کو اپنانے کا خاص اہتمام کریں۔ بلکہ تحقیق و تجسس سے سنت کے کاموں اور آپ کے روزمرہ کے معمولات اور عادات شریفہ معلوم کرکے ان کا اتباع کریں۔ اس سفر میں خصوصیت کے ساتھ درود شریف کی کثرت رکھیں پوری توجہ، دھیان اور ادب و احترام سے پڑھیں۔ درود شریف جتنا کثرت سے پڑھا جائے گا۔ انوار و عنایاتِ خداوندی اتنی ہی فراوانی سے نصیب ہوں گی۔ نماز اور ضروریات معاش کے علاوہ سارا وقت درود شریف ہی کے لئے صرف ہو۔[1]

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء لکھتے ہیں۔

یہ بات مسلم ہے کہ اس مقدس سفر میں درود شریف کی کثرت افضل ہے۔ لیکن کیا تلاوتِ قرآن مجید سے بھی افضل ہے! یا تلاوت کو افضلیت حاصل ہے یا دونوں کا درجہ برابر ہے؟

موصوف اس کے جواب میں فرماتے ہیں، جہاں درود شریف کی کثرت مطلوب ہو جیسے شبِ جمعہ وغیرہ ایسے مواقع میں درود شریف کی کثرت تلاوت کی کثرت سے افضل ہوگی۔ اور مدینہ باسکینہ میں فرض نمازوں کے بعد درود شریف کو ہی افضلیت حاصل ہے دورانِ سفر ذوق و شوق پیدا کیجئے اور جتنا گوہر مقصود قریب آتا جائے جذبۂ شوق و اشتیاق ترقی پذیر ہو۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا۔

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک　　آتشِ شوق تیز تر گردد

اگر سیرت مقدسہ کی کوئی کتاب پاس ہو یا سہولت سے دستیاب ہو سکے تو اسے

---

[1] شرح اللباب

Marfat.com

خود پڑھیں یا کسی سے سنکر ایمان تازہ کریں۔ اپنی سجی مجلسوں اور محفلوں کو آقا دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرہ سے بابرکت بنائیں۔ وصل کی گھڑیاں جس قدر قریب ہوتی جائیں درود پاک ہمہ وقتی وردِ زبان بن جائے۔ اگر ممکن ہو تو سواری کو تیز چلاکر جلد درِ اقدس پر حاضری دیں۔

جب مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے در و دیوار نظر نواز ہوں اور اس کے معطر باغات دکھائی دیں۔ تو ادب و احترام اور عشق و محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ سواری سے اتر کر ننگے پاؤں ندامت کے آنسو بہاتے ہوتے چلیں۔

ولما رأینا رسم من لم یدع لنا　　فؤاد العرفان الرسوم ولا لبّا
نزلنا عن الاکوار نمشی کرامۃ　　لمن بان عنہ ان نلم بہ رکبا

ترجمہ:۔ جب ہم نے اس محبوبِ شہر کے نشانات دیکھے، جس شہر خوباں نے نشانات کو پہچاننے کے لئے ہمارے پاس نہ دل چھوڑے اور نہ ہی عقل۔

تو ہم اپنی سواریوں سے اتر کر پیدل چلنے لگے، اس لئے کہ اس بلند و بالا، ارفع و اعلیٰ شان سے یہ بات کوسوں دور ہے کہ اس کے پاس سوار ہو کر جائیں۔

اگر پیدل اور ننگے پاؤں چلنے کی بجائے سر کے بل چل کر بھی اس دربار گوہر بار میں حاضری دی جائے، تب بھی اس حق کا بیسواں حصہ ادا نہیں ہو سکتا۔ انہی جذبات کا اظہار شاعر کس عمدگی کے ساتھ کرتا ہے۔

لو جئتکم قاصدا اسعی علی بصری　　لم اقض حقا وای الحق ادیت

اگر میں آپ کے حضور فیض گنجور میں پاؤں کی بجائے سر آنکھوں سے چل کر آتا۔ تب بھی حق ادا نہ کر سکتا۔

میرے آقا! میں نے آپ کا اور کونسا حق ادا کر دیا ہے جو یہ حق بھی ادا کر گذرتا۔

ولما رأینا من ربوع حبیبنا　　بطیبۃ اعلاما اثرن لنا الحبا

جب مدینہ طیبہ میں محبوب کی منزل کے آثار نظر آنے لگے تو انہوں نے محبت کی آگ کو بھڑکا دیا۔

Marfat.com

وبالتراب منها از کحلنہ جفونا　　شفینا فلا باسا نخاف ولا کربا[1]

اور جب اس کی مٹی کو آنکھوں کا سرمہ بنایا۔ تو تمام بیماریوں سے شفا مل گئی۔ اور اب نہ کسی قسم کا دکھ درد باقی رہا اور نہ ہی تکلیف و قلق۔

امام مدینہ سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس متبرک سرزمین کی حرمت اور تقدس کے پیش نظر سوار ہو کر نہیں چلتے تھے اور فرماتے تھے مجھے اللہ کریم سے شرم آتی ہے کہ جس خاک پاک پر شاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا ثبت ہوئے ہوں۔ میری سواری اپنے پاؤں سے انہیں روندے۔ اس لئے پاپیادہ چل کر روضۂ انور پر حاضری دیتے تھے۔[2]

حجۃ الاسلام فخر الہند مولانا محمد قاسم نانوتوی المتوفی ۱۲۹۷ھ جب دربار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے تو اس پاک سرزمین کے تقدس کو ملحوظ رکھتے ہوئے عشق حبیبؐ کا فقید المثال مظاہرہ کیا۔ کہ شہر سے کوسوں دور جیسے ہی روضہ انور نظر نواز ہوا، تو غایت ادب و احترام کے باعث جوتے اتار کر بغل میں لے لئے اور رات کی گھٹا ٹوپ تاریکی کے باوجود کئی میل برہنہ پا چل کر بارگاہ خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔[3]

امام ابن الہمام المتوفی ۸۶۱ھ/ ۱۴۵۷ء فرماتے ہیں۔

جب دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم قریب آ جائے تو شہر میں داخل ہونے سے پہلے غسل یا وضو کر لیا جائے، اگرچہ غسل کرنا افضل ہے۔ عمدہ کپڑے پہنے جبکہ نئے کپڑے پہننا افضل ہے۔ بعض عشاق کا یہ عمل بھی باعث صد تحسین ہے، جو مدینہ باسکینہ کے قریب پہنچ کر پاپیادہ چلتے ہیں اور ادب و احترام پر مبنی ہر کام عمدہ ہے۔ عاجزی و انکساری کے ساتھ ڈرتے ہوئے شہر میں داخل ہوں۔

---

[1] فتح الباری

[2] فتح القدیر ج ۳: ۹۴۔ العلم والعلماء: ۲۷۸۔

[3] سوانح قاسمی ج ۳: ۶۰، ۶۲۔

Marfat.com

اور یہ دعا ورد زبان ہو۔

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا[1]

اے میرے رب مجھے خوبی کے ساتھ پہنچا دے اور مجھے خوبی کے ساتھ نکال لے اور میرے لئے اپنی طرف سے غلبہ دے جس کے ساتھ نصرت ہو۔

اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَارْزُقْنِیْ مِنْ زِیَارَةِ رَسُوْلِكَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا رَزَقْتَ اَوْلِیَاءَكَ وَاَھْلَ طَاعَتِكَ وَاغْفِرْ لِیْ وَارْحَمْنِیْ

اے رب کریم میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے نعمتیں عطا فرمایا جو تو نے اپنے محبوب اور فرمانبردار بندوں کو عطا فرما ہیں، میری مغفرت فرما اور مجھ پر رحم فرمایا۔

یہ دعا بھی پڑھیں۔

اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ نَبِیِّكَ فَاجْعَلْہُ لِیْ وِقَایَةً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِّنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ[2]

اے اللہ تیرے پاک نبی کا یہ حرم ہے، اسے میرے لئے آگ سے بچنے کا موجب بنا دے عذاب سے حفاظت اور حساب کی برائی سے بچنے کا باعث بنا دے۔

سرور کون و مکاں، سلطانِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار گوہر کے اداب میں سے یہ بھی ہے کہ حاضری سے پہلے کچھ صدقہ دیا جائے تاکہ انوار و برکات سے دامن لبریز ہو

---

[1] سورۃ بنی اسرائیل

[2] فتح القدیر ج ۳: ۹۴

Marfat.com

ہو جائے، جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ [1]

اے ایمان والو جب تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کیا کرو تو اس سے پہلے کچھ خیرات کر لیا کرو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے اور گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ہے اور اگر صدقہ دینے کی قدرت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

جب اس دربار عالی وقار کی زیارت نصیب ہو تو سب سے پہلے اپنے مال و اسباب کی حفاظت کا انتظام کیا جائے اور پھر طمانیت و سکون کے ساتھ دربار اقدس میں حاضری دی جائے۔ مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک مرتبہ قبیلہ عبدالقیس کا وفد آیا، جب ان کی نظر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو اونٹوں سے کود کر دوڑتے ہوئے بارگاہ عالی مرتبت میں حاضر ہوئے، البتہ ان کے رئیس منذر بن عائذ جو اشج عبدالقیس کے لقب سے معروف تھے، وہ اونٹوں کے ساتھ قیام گاہ پر پہنچے، اپنا اور تمام رفقاء کا سامان جمع کیا، حفاظت کے ساتھ رکھا۔ ازاں بعد غسل کیا، نئی پوشاک زیب تن کی۔ پھر نہایت وقار اور متانت کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں تشریف لائے تحیۃ المسجد کے نفل ادا کئے اور دعا سے فارغ ہو کر نہایت ادب و احترام کے ساتھ حبیب کردگار مدنی تاجدار علیہ صلوٰۃ اللہ العزیز الغفار کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس ادا کو بیحد پسند فرمایا اور اس بشارت سے سرفراز فرمایا کہ آپ کی دو دو لر با عادات کو اللہ جل جلالہ بھی پسند فرماتے ہیں ایک حلم و بردباری اور

---

[1] سورہ مجادلہ۔

Marfat.com

دوسرا دفتار و متانت [1]

وہ مقدس و متبرک مقام جہاں خطا کار انسان کے لئے رحمتِ خداوندی کا سمندر موجزن اور شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا ابرِ کرم سایہ فگن ہے۔ وہاں مجھ ایسے سراپا خطا کار کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ جاری ہو جاتے ہیں۔

ترے در پہ خالقِ ذوالمنن جو میری جبینِ نیاز ہو — مجھے بیکسی پہ غرور ہو۔ مجھے بے نوائی پہ ناز ہو
میری یاس کی شبِ تار میں میرے غم کے گرد و غبار میں — ترا لطف چارہ نواز ہو، ترا نور جلوہ طراز ہو
مرا روز جلوہ فروز ہو، ترے رُخ کے نورِ جمال سے
مری شب کی محفلِ انس میں تری بوئے زلف دراز ہو

دربارِ گوہر بار کا ادب و احترام

از خدا خواہم توفیقِ ادب — بے ادب محروم گشت از لطفِ رب

اے زائرِ خوش نصیب! یہ ملحوظ خاطر رہے کہ یہ جلوہ گاہِ محبوبِ خدا، دربارِ گوہر بار مصطفیٰ ﷺ آستانہ، سرکارِ دو عالم اور کاشانۂ رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم حریمِ ناز ہے، جس میں پیکرِ حُسن و رعنائی خوابیدہ ہیں۔ یہ روضۂ اطہر فردوسِ بریں کا پُر از بہار قطعہ ہے۔ لہٰذا ادب کا دامن داغدار نہ ہونے پائے، اس کے تقدس کا تحفظ لازم ہے، انتہائی ادب و احترام، خشوع و خضوع کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں داخل ہوں۔ اب تک حاضری کی سعادت سے محرومی کا تلق اور زیارت نصیب نہ ہونے کا رنج و ملال بھی ایک گونہ دل میں ہو۔ محشر میں زیارتِ رخ زیبا سے سرفرازی کی آرزو، تمنا اور تڑپ سے دل لبریز ہو۔ اور یہ خوف و خدشہ بھی ہو کہ نہ جانے مجھ ایسے سراپا خطا کار کا مقدر محشر کی ہولناکیوں میں اس سراجاً مُنیرًا [2] کے دیدار کے لائق ہے یا نہیں!

---

[1] مسند امام احمد ج ۳: ۴۳۲۔

Marfat.com

اس دربار معظم کے جاہ و جلال، عظمت، قدر و منزلت اور شرف و مجد کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے۔

جب گنبد خضراء نظر نواز ہو، تو یمکینِ قبۂ نور، شافعی یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِ شان کا خاص خیال رکھیں۔ یہ ذات ستودہ صفات جو ساری کائنات سے اشرف و اکرم، اعلیٰ، افضل اور بالا ہے اور آپ کا مرقد مقدس ساری روئے زمین میں ممتاز، معظم، مکرم اور افضل ہے اور جس خاکِ پاک پر آپ کا وجود مسعود لگا ہوا ہے۔ اس کے ریگ زاروں کی شان کعبہ سے اعلیٰ، عرش سے بالا، کرسی سے افخم حتیٰ کہ زمین و زماں اور ہفت افلاک سے بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔

مسجد مبارک میں داخل ہونے کے بعد عجز و نیاز، انکساری اور فروتنی میں بہت اہتمام کیا جائے مسجد کی زیب و زینت، فرش و فروش، فانوس، قالین اور قمقموں کو دیکھنے میں مشغول نہ ہوں۔ بے حد وقار اور ادب سے نیچی نگاہیں کئے سراپا ادب بن کر جائیں۔ کوئی نازیبا اور نامناسب حرکت سرزد نہ ہونے پائے کہیں ایسا نہ ہو کہ بے ادبی کی کوئی حرکت موجب خسران بن جائے۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

امام خوارزمی فرماتے ہیں مسجد نبوی شریف میں یہ دعا پڑھتے ہوئے دایاں پاؤں اندر رکھیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ ذُنُوْبِیْ
وَافْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ

اے اللہ میرے گناہ معاف فرما دے اور میرے لئے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

ہو سکے تو باب جبرئیل سے داخل ہوں ورنہ جس دروازے سے چاہیں۔ پھر ریاض الجنہ میں تحیۃ المسجد ادا کریں۔ اگر ریاض الجنہ میں جگہ نہ مل سکے تو مسجد کے جس حصہ میں سہولت سے جگہ مل جائے نفل پڑھ لیں۔ اور یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ اگر نفل پڑھنے کا وقت ہو تو پڑھیں ورنہ چھوڑ دیں) نفل ادا کر لینے کے بعد ربِ ذوالمنن کا لاکھ لاکھ شکر بجا لائیں، جس نے اس نعمت عظیمہ و جلیلہ

Marfat.com

سے سرفراز فرمایا۔ اس کے بعد سید الاتقیا والابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ پر انوار پر حاضری دیں[1]

اے زائرینِ دربارِ رسالت! تم کائنات کے پسندیدہ اور منتخب افراد کے زمرے میں شامل ہو چکے ہو۔ خوش بختی نے تمہارے قدم چوم لئے، تم بارگاہِ قدس میں پہنچ گئے۔ جلوہ گاہِ ناز میں آ گئے محبوب کائنات ؐ کے آستانہ پر حاضر ہو۔ امن اور سلامتی کا سرچشمہ تمہارے سامنے ہے۔ راحت و آرام کے فضاؤں نے تمہیں گھیر لیا اور گلِ امید سے دامن مہک رہے ہیں۔

دل تمام کدورتوں اور آلائشوں سے پاک کر کے مجسم ادب بن کر حاضری دیں، علماء کرام کا فرمان ہے کہ جس قلب میں دنیا کی خواہشات، نفسانی شہوت اور لہو و لعب کا غلبہ ہو۔ ایسا گندے دل والا آدمی اس مقدس مقام کی برکات سے محروم رہتا ہے۔ بلکہ رسول پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اعراض اور غصہ کا اندیشہ بھی ہے۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہو دل کو دنیوی خرافات، لذات اور خواہشات سے خالی رکھنے کی بھرپور کوشش کریں۔ اور اللہ جل جلالہٗ کی رحمت کاملہ واسعہ اور عفو و کرم کی امید واثق رکھیں اور رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت للعالمین کے پیش نظر ان کے وسیلہ سے اللہ کریم سے معافی کے طلب گار بن کر حاضری دیں۔

مواجہ شریف سے تھوڑے فاصلہ پر اس طرح کھڑے ہوں کہ نگاہ نیچی، ہاتھ پاؤں میں جنبش اور حرکت مفقود۔ سکون اور وقار سے دست بستہ کھڑے ہوں مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِ شان اور عالی مقام کا استحضار پوری طرح دل میں ہو۔ کیوں کہ یہ دربارِ گوہربار شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جن کی شفاعت یقیناً مقبول و مشکور ہے جس در سے سوالی مراد سے خالی نہیں جاتا۔ جسے آپ کے آستانہ کی چوکھٹ نصیب ہو گی وہ کامیاب و کامران ہو گیا اور جس نے آپ کے وسیلہ سے رب کریم سے مانگا وہ دعا ضرور شرفِ قبولیت سے نوازی جائے گی۔

---

[1] الکفایہ مع فتح القدیر ج ۳: ۹۴۔

Marfat.com

نہایت ذوق وشوق اور عجز و نیاز کے ساتھ سلام بدرگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم پیش کریں۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

جو آدمی عربی الفاظ کا ترجمہ اور مطلب جانتا ہو اور عربی الفاظ پڑھنے میں ذوقِ کامل پیدا بھی ہو تو بیشک طویل الفاظ میں درود سلام پیش کرے۔ اور اگر یہ بات نہ ہو تو پھر طوطے کی طرح مُزَوِّرین (زیارت کرانے والے معلم) کے الفاظ دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ ایسا آدمی انتہائی ذوق وشوق اور غایت سکون و طمانیت اور وقار سے آہستہ آہستہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ پڑھتا رہے۔ جب تک سرور اور ذوق میں اضافہ پائیں انہی الفاظ یا کسی اور سلام کو بار بار پڑھتے رہیں [1]

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام [2]	اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی جماعتیں زمین میں پھرتی رہتی ہیں جو میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچاتی ہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی نائیا ابلغتہ [3]	جو آدمی میری قبر مبارک کے پاس مجھ پر درود شریف پڑھے اسے بنفس نفیس میں خود سنتا ہوں اور جو آدمی دور دراز سے پڑھے مجھے

---

[1] فضائل حج ۱۴۵: ۱۵۷۔

[2] نسائی شریف ج ۱: ۱۲۸

[3] حیات الانبیاء: ۱۷۔

Marfat.com

فرشتوں کے ذریعہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

ایک روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

من صلی علیٰ قبری سمعتہ — جو آدمی میری قبر پر میرے لئے درود شریف پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دور سے پڑھنے والے کا مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

ومن صلی علیّ نائیا بلغتہ الخ

ہدیۂ سلام بحضور خیر الانام ﷺ

امام محمد بن محمود بن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء بیان کرتے ہیں۔

ہارون بن موسیٰ العروبی کہتے ہیں بعض لوگوں نے میرے دادا ابو علقمہ سے دریافت کیا کہ جس وقت تک ازواجات مطہرات کے حجرے مسجد میں داخل نہیں کئے گئے تھے، لوگ فخر کون ومکاں سرور زمین وزماں رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ معارف پناہ میں کہاں کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا۔ لوگ حجرۂ مبارک کے دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے تھے۔ جب کہ دروازہ کے نہ کواڑ تھے اور نہ ہی کوئی پردہ پڑا ہوتا تھا، یہی طریقہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال تک جاری رہا۔ بعد ازاں جب حجرات کو مسجد میں داخل کر دیا گیا، تو زائرین بارگاہ خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم میں سلام پیش کرنے کی خاطر ریاض الجنہ میں سر مبارک کی طرف اس طرح کھڑے ہوتے کہ استوانہ حنانہ یعنی مغرب کی جانب پشت اور حجرہ منیفہ کی طرف منہ ہوتا تھا[2]

امام موصوف دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

سید نا زین العابدین بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ریاض الجنہ میں استوانہ حنانہ

---

[1] اخبار مدینہ المعروف درثمینہ: ۱۴۴۔ [2] آثار المدینہ، ۱۳۵۔

Marfat.com

کے قریب کھڑے ہو کر خیر الخلائق صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سلام پیش کرتے اور فرماتے کہ آپؐ کا سر اقدس اس طرف ہے۔ پھر سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھی سلام پیش کرتے۔[1]

امام زین الدین مراغی المتوفی ۸۱۶ھ/۱۴۱۳ء حضرت داؤد بن تیس کا قول نقل کرتے ہیں کہ موصوف نے باب عائشہ دیکھا جو حجرہ مبارکہ کے مغربی سمت میں تھا۔[2]

پھر جب حجرہ منیفہ اور دیگر حجرات مسجد میں شامل کر لیے گئے تو زائرین قبلہ یعنی جنوب کی طرف پشت کر کے چہرۂ انور کے سامنے کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے لگے اور ایسی صورت میں قبلہ کی طرف پیٹھ کر لینے میں حرج نہیں جس طرح جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے وقت قبلہ کی طرف پیٹھ ہوتی ہے۔

ملک ابو جعفر المنصور العباسی نے حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ پر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کے بعد دعا کرتے وقت منہ قبلہ کی طرف پھیر لینا چاہیئے یا شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرف منہ کئے ہوئے دعا کی جائے۔ امام صاحب نے فرمایا۔

ولِمَ تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله عز وجل يوم القيمة[3]

اور تم ان کی طرف سے منہ کیونکر پھیر لیں جبکہ وہ تمہارے اور تمہارے باپ آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہاں وسیلہ ہونگے

علامہ احمد شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں۔

دعا کے وقت منہ روضہ پاک کی طرف ہو، آپؐ کے وسیلہ سے اللہ کریم سے مانگا جائے

---

[1] آثار مدینہ، ۱۴۶۔

[2] معالم دار الھجرہ، ۱۰۶

[3] معالم دار الھجرہ ۱۰۶۔

Marfat.com

اور مستحب ہے کہ دعا کے ساتھ آپؐ کی شفاعت طلب کی جائے اور رقت وخشیت اور لرزہ براندام ہو کر دعا مانگی جائے[1]

مواجہ شریف کے سامنے انتہائی ادب واحترام اور وقار وسکون کے ساتھ ہدیۂ سلام بحضور خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پیش کریں۔

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰه ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰه ـ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاخَيْرَةَ اللّٰهِ جَمِيْعِ خَلْقِهٖ ـ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا حَبِيْبَ اللّٰهِ ـ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَاسَيِّدَ وُلْدِ آدَمَ ـ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ وَاِنَّكَ عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ـ وَاَشْهَدُ اِنَّكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ بَلَّغْتَ الرِّسَالَةَ وَاَدَّيْتَ الْاَمَانَةَ وَنَصَحْتَ الْاُمَّةَ وَكَشَفْتَ الْغُمَّةَ فَجَزَاكَ اللّٰهُ عَنَّا خَيْرًا ـ جَازَاكَ اللّٰهُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَازَى نَبِيًّا عَنْ اُمَّتِهٖ

اَللّٰهُمَّ اَعْطِ سَيِّدَنَا عَبْدَكَ وَرَسُوْلَكَ مُحَمَّدَنِ الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الْعَالِيَةَ الرَّفِيْعَةَ وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُوْدَ الَّذِيْ وَعَدْتَّهٗ وَاَنْزِلْهُ الْمَنْزِلَ الْمُقَرَّبَ عِنْدَكَ اِنَّكَ سُبْحَانَكَ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے مانگے اور یوں دعا بھی کرے۔

يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْاَلُكَ الشَّفَاعَةَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْاَلُكَ الشَّفَاعَةَ وَاَتَوَسَّلُ بِكَ اِلَى اللّٰهِ فِيْ اَنْ اَمُوْتَ مُسْلِمًا عَلٰى مِلَّتِكَ وَسُنَّتِكَ[2]

---

[1] نسیم الریاض ج ۳: ۵۱۷۔

[2] الکفایہ مع فتح القدیر ج ۳: ۹۵۔

Marfat.com

اگر کسی آدمی نے سلام پیش کرنے کی وصیت کی ہو تو اس کی طرف اس طرح سلام عرض کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ یَسْتَشْفَعُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ فَاشْفَعْ لَہٗ وَلِجَمِیْعِ الْمُسْلِمِیْنَ

اس کے بعد تھوڑا سا دائیں جانب ہو کر مواجہ نمبر ۲ کے سامنے خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ عالیہ میں اس طرح سلام پیش کیا جائے

السلام علیک یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وثانیہ فی الغار ابا بکر نا الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ عَلَیْہِ وسلم خیرا

پھر مزید ایک گز بھر دائیں طرف مواجہ نمبر ۳ پر خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں سلام پیش کیا جائے۔

اَلسَّلَامُ علیک عمر الفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اَلَّذِیْ اعز اللہ بہ الاسلام جزاک اللہ عن امۃ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خَیْرًا[1]

قدوۃ العلماء محدث جلیل مولانا خلیل احمد انبیٹھوی مہاجر مدنی فرماتے ہیں۔

"مسجد کی حدود میں جس جگہ کھڑے ہو کر سلام پیش کریں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سن لیتے ہیں۔"[2] لہٰذا رش کے وقت جہاں سکون و طمانیت سے درود و سلام پڑھنا ممکن ہو وہیں پڑھ لیں اور جب رش نہ ہو تو مواجہ شریف کے قریب کھڑے ہو کر پڑھیں

شیخ المشائخ مولانا رشید احمد گنگوہی المتوفی ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء فرماتے ہیں۔

سلام پیش کرنے کے بعد شفیع المذنبین رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ

---

[1] الکفایہ مع فتح القدیر ج ۳: ۹۵

[2] تذکرۃ الخلیل: ۲۹۸۔

Marfat.com

سے دعا کی جائے اور آپ کی شفاعت طلب کی جائے اور یوں کہے۔

یا رسول اللہ اسالك الشفاعة و اتوسل بكَ الی اللہ فی اَنْ
اموت مسلمًا علی ملتكَ و سُنّتِكَ [1]

ترجمہ:۔ اے اللہ کے رسولؐ میں آپ کی شفاعت چاہتا ہوں اور آپ کے وسیلہ سے اللہ کریم کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ مجھے آپ کے دین اور سنت پر موت عطا فرمائے۔

حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانوی المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "نشر الطیب فی ذکر نبی الحبیبؐ" میں اس موضوع پر مستقل بحث فرمائی ہے، جس کے ابتدائی جملے یہ ہیں۔

"آپ کے ساتھ توسل حاصل کرنے میں دعا کے وقت کو جس طرح درود شریف قربتِ مقصودہ ہے یہ توسل قربتِ مقصودہ نہیں، مگر صرف ایک خاصیت میں درود شریف کا ہم اثر ہے، کہ دونوں سبب ہیں۔ دعا کے اقرب الی الاجابۃ ہونے کا۔" [2]

رب ذوالمنن کی حمد و ثنا اور ستائش سے دعا شروع کی جائے اور حاضری کی نعمت غیر مترقبہ اور تمام نعمتوں کا شکر ادا کیا جائے، پھر خوب ذوق و شوق سے اپنے لئے، اپنے والدین، مشائخ، اہل و عیال، عزیز و اقارب، دوست و احباب اور تمام زندہ و مردہ مسلمانوں کے لئے خوب رو رو کر دعا کی جائے اور یاد آجائے تو راقم اثم کو بھی اپنی مبارک دعا میں شامل کر لیجئے۔

بندہ نواز! میری منت کی لاج رکھ لے — میری نہیں تو اپنی رحمت کی لاج رکھ لے
یارب تو کریمی در رسولِ تو کریم — صد شکر کہ ہستم میانِ دو کریم

---

[1] زبدۃ المناسک: ۱۴۰ — [2] نشر الطیب فصل ۳۸: ۲۸۵۔

Marfat.com

کوشش یہ کی جائے کہ نماز میں اور بغیر نماز کے بھی قبر مبارک کی طرف پشت نہ کی جائے، نماز کے لئے ایسی جگہ کھڑے ہونے کی کوشش کریں، جہاں سے قبر شریف کی طرف نہ پشت ہو اور نہ منہ، یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ جالی شریف کو ہاتھ لگانا یا بوسہ دینا بے ادبی اور گستاخی ہے۔ لہٰذا اس سے گریز کیا جائے اور اس بات کا اہتمام کیا جائے کہ روضہ انور کے بالمقابل جب بھی گذر ہو خواہ مسجد کے اندر یا باہر، تو کھڑے ہو کر سلام پیش کر کے گزریں۔

حضرت ابو حازم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں آئے اور اپنا خواب بیان کیا کہ مجھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت نصیب ہوئی اور آپؐ نے فرمایا "ابو حازم سے کہہ دیں تم میرے پاس سے اعراض کرتے ہوئے گذر جاتے ہو اور کھڑے ہو کر سلام بھی نہیں کرتے"۔ اس کے بعد ابو حازمؒ نے معمول بنا لیا کہ جب بھی حجرۂ انوار کی سمت گزر ہوتا ادب و احترام سے کھڑے ہو کر سلام پیش کرتے اور پھر چل دیتے [1]

باشندگانِ مدینہ کا احترام

شیخ المشائخ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں۔

قیامِ مدینہ باسکینہ کے دوران صدقات و خیرات کثرت سے کریں۔ مدینہ کے باشندے خواہ قدیم ہوں یا باہر سے آکر مقیم ہوئے ہوں، جوارِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم نسبت کے باعث دوسروں سے بدرجہا افضل ہیں۔ ان سے محبت رکھنا واجب ہے اور ساقیٔ کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں پر صدقہ کرنا آپؐ ہی کی خدمت کرنا ہے

---

[1]

Marfat.com

کے مترادف ہے۔

وہاں جو کچھ خریدا جائے اس میں یہ نیت کارفرما ہو کہ یہاں کے تاجروں کی یہی معاش ہے۔ اس سے ان کی تجارت میں وسعت اور فروغ ہوگا تو وہ اس سلسلۂ معاش کو قائم رکھ سکیں گے، راحت، سکون اور طمانیت قلب سے گذر بسر کریں گے۔ اس طرح ہم لوگ ان کے قیام کے دوام کا باعث ثابت ہوں گے، اس جذبہ اخوت و مودت سے خریداری پر یہ قلق بھی نہ ہوگا کہ پیسہ زیادہ خرچ ہو گیا ہے۔ کیوں کہ یہ بھی صدقہ ہی کی ایک نوعیت ہے۔ البتہ دکاندار حضرات کے علاوہ دوسرے لوگوں کی معاونت صدقہ خیرات ہی سے کی جائے گی۔

تمام اہل مدینہ سے ہر بات میں حُسنِ سلوک اور اچھا برتاؤ کیا جائے۔ ان کے ساتھ دھوکہ و فریب ہرگز نہ کیا جائے۔ ان کی عزت و توقیر کا لحاظ رکھا جائے۔ ان کی شان میں کوئی نامناسب اور نازیبا بات ہرگز نہ کی جائے۔ اگر ان سے کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو جائے تب بھی ساقی کوثر صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہونے کے قابلِ رشک ناطے سے درگذر کی جائے۔ کسی نازیبا حرکت کے صدور سے پڑوسی ہونے کا اعزاز سلب نہیں ہو جاتا، محبوب انس و جاں صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد والا شان ہے جبرئیل علیہ السلام نے پڑوسی کی تکریم و تعظیم کی مجھے بارہا تاکید کی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمان ہر قسم کے پڑوسی کے لئے ہے اس میں اچھے یا بُرے کی تخصیص اور تمیز نہیں ہے اس میں متقی اور گنہگار برابر کے شامل ہیں۔ اور اگر ان کا کوئی عمل خلاف سنت پایا جائے تب بھی ان کے اکرام و تعظیم میں کمی نہ کی جائے۔ کیوں کہ پڑوسی ہونے کا شرف ایسا ذی وقار اور با عظمت ہے کہ اس کی برکت سے قوی امید ہے کہ انشاء اللہ ایسے آدمی کے وصال سے ہی اس فعل سے رجوع کی توفیق نصیب ہو جائے گی۔ اور خاتمہ بالخیر ہو جائے گا۔

فیا ساکنی اکناف طیبۃ کلکم الی القلب من اجل الحبیب حبیب

Marfat.com

ترجمہ :- اے طیبہ کے رہنے والو! تم سب کے سب محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے محبوب ہو۔

باشندگان مدینہ باسکینہ کی غیبت کرنا، انہیں بدنام کرنا، ان کی عیب جوئی کرنا، ان کی شان میں گستاخانہ کلام کرنا یہ سب کچھ اپنی ہلاکت کے عوامل واسباب ہیں۔ ان کی عزت وتعظیم کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے۔ ان سے دغابازی، مکاری اور چالبازی ہرگز نہ کی جائے۔

امام مدینہ سیدنا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے جب امیرالمومنین مہدی عباسی کی ملاقات ہوئی تو بادشاہ نے درخواست کی کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ حضرت امام عالی مقام نے فرمایا۔ سب سے پہلے اللہ جل شانہٗ کا تقویٰ اور خوف اختیار کر اور اہل مدینہ پر نرمی اور ملاطفت کا برتاؤ کر کیوں کہ وہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسی ہیں۔

اور محبوبِ کُل صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مدینہ میری ہجرت گاہ ہے۔ میری قبر اسی شہر میں ہوگی۔ اور میں قیامت کے دن یہاں ہی سے اٹھایا جاؤں گا۔ اس شہر کے باشندے میرے پڑوسی ہیں لہٰذا میری امت کے ذمہ لازم ہے کہ میرے پڑوسیوں کی نگہبانی کریں۔ جو آدمی میری وجہ سے ان کی خبرگیری کرے گا۔ میں قیامت کے دن اس کے لئے شفاعت کروں گا۔ اور جو میرے پڑوسیوں کے متعلق میری وصیت کی پرواہ نہ کرے گا حق تعالیٰ سبحانہٗ اسے "طینۃ الخبال" یعنی جہنمی لوگوں کے پسینہ اور پیپ کا مرکب پلائیں گے۔[1]

امام المحدثین شاہ عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اس محترم شہر کے قیام کو غنیمت سمجھا جائے اور مسجد نبوی شریف میں حاضری اور اعتکاف کی پابندی کی جائے۔ کارِ خیر، صدقات و خیرات کثرت سے کرتے رہیں۔ صلوٰۃ وسلام

---

[1] نفائل حج ۳، ۷، ۵، ۱۷۔

Marfat.com

بارگاہِ خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کو وردِ زباں بنائیں۔ جب تک مسجد کے اندر رہیں حجرۂ شریفہ پر نظریں جمائے رکھیں اور مسجد سے باہر ہوں تو گنبد خضراء پر جب بھی نظر پڑے تو نہایت خشوع وخضوع سے دیکھیں، اس قبہ نور کو دیکھنا بھی اجر وثواب اور موجب برکات ہے عشاق قبہ شریف کے دیدار سے جس نورانیت، حلاوت اور ذوق سے لطف اندوز ہوتے ہیں اس کی کیفیات کو وہی سمجھ سکتے ہیں قلم اس کو احاطۂ تحریر میں نہیں لا سکتا۔

شب بیداری کی کوشش کریں اگرچہ ایک ہی رات کی ہو۔ کیونکہ مسجد نبوی شریف میں شب بیداری کی قدر ومنزلت شب قدر سے کچھ کم نہیں۔ اگر اس سعادت اور نعمت عظمیٰ کو حاصل کرنے کی خاطر خدام یا حکام سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہو تو انکساری اور کوشش بلیغ کو اپنا مایۂ افتخار سمجھیں۔ اس رات میں رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ہدیہ درود وسلام پیش کرنے میں مصروف ومشغول رہیں۔ اگر نیند غالب آئے تو اس مقام کے جاہ وجلال اور عزت وجمال کا خیال کر کے اِسے دفع کر دیں،

ع آں شب قدر یکہ گویند اہلِ خلوتِ امشب ست

اور یہ بات بھی ہمیشہ پیش نظر رہے کہ مسجد شریف کے ادب واحترام اور عزت وتوقیر کا کما حقہٗ پاس لحاظ رکھیں مسجد شریف میں داخل ہونے سے لے کر باہر نکلنے تک اپنے دل وزبان اور اعضاء کو ان تمام چیزوں سے محفوظ رکھیں جو مکروہ، نازیبا اور خلاف ادب ہیں۔ اس دربار گوہربار کی عظمت کا خاص خیال رکھیں۔

اگر کوئی شخص مزاحمت کرتا ہو اور اس کے ساتھ کلام کرنا یا بیٹھنا حضوری قلب میں خلل انداز ہو تو اس سے علیحدگی اختیار کر لیں اور اگر مجبوراً کلام کرنا ہی پڑے تو اختصار سے کام لیں کھجوروں کی گٹھلیاں اور پھلوں کے چھلکے مسجد میں نہ پھینکیں اس سے مسجد شریف کو اذیت پہنچتی ہے۔ جیسے کسی کی آنکھ میں کوڑا کرکٹ پڑ جانے سے اذیت ہوتی ہے۔

صبح سے پہلے جب خدام دروازے کھولتے ہیں تو لوگ دوڑ کر صف اوّل میں

Marfat.com

جگہ حاصل کر کے جائے نماز بچھا کر روضۂ اطہر پر سلام پیش کرنے چلے جاتے ہیں۔ آداب مسجد کو بجا لانا انتہائی ضروری اور مؤکد ترین مستحبات میں سے ہے۔ اس لئے مسجد میں دوڑنا سوءِ ادب ہے۔ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئیے۔ بعض سادہ لوح حضرات اپنی جگہ محفوظ رکھنے کی حرص میں زیارتِ روضۂ اقدس کو بھی ترک کر دیتے ہیں۔ اور اگر زیارت کرتے بھی ہیں تو نہایت عجلت سے کہ مبادا ہماری جگہ پر کوئی قبضہ نہ کر لے۔

مسجد میں تھوکنا اور اینٹ وٹالنا حرام ہے۔ بالخصوص بیت اللہ شریف اور مسجد نبوی شریف میں۔ اس فعلِ شنیع کی ممانعت اور زجر و توبیخ احادیث میں وارد ہوئی ہے اور رسالہ قشیریہ میں سلطان بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کا یہ واقعہ منقول ہے کہ وہ کسی آدمی کی ملاقات کو تشریف لے گئے جب کہ وہ آدمی مسجد میں بیٹھا تھا کہ اچانک اس نے مسجد میں تھوکا، حضرت بایزید اس کی اس حرکت سے اس قدر رنجیدہ ہوئے کہ اس کی ملاقات کئے بغیر واپس لوٹ آئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مسجد نبوی شریف میں رینٹ کو دیکھا تو سخت غضب ناک ہو گئے، اسے صاف کرایا اور اس جگہ زعفران لگایا[1]

قیام مدینہ کے دوران کم از کم ایک مرتبہ قرآن مجید ضرور ختم کریں، اور فضائل و مناقب اور سیرتِ طیبہ فخرِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں اگر خود نہ پڑھ سکیں تو ایسے حلقوں میں شامل ہو کر سنیں جہاں سیرت کی کتابیں پڑھی جا رہی ہوں۔ تاکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور فضائل سن کر ذوق و شوق میں ہیجان پیدا ہو۔ اور صلوٰۃ و سلام کی رغبت اور خواہش قوی تر ہو جائے۔

اس مقدس شہر کے قیام کے دوران عبادت کرنے میں غفلت نہ کریں روزہ بھی

---

[1] ابوداؤد شریف ج ۱: ۴۹۔

Marfat.com

رکھیں اور جتنی مرتبہ روضہ اقدس کے قریب سے گذر ہو با ادب کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کریں اگرچہ دن میں متعدد مرتبہ گزر ہو تب بھی ہر بار سلام پیش کر کے گذریں۔

ان تمام آداب کا خلاصہ یہ ہے کہ تعظیم کا لحاظ، ہیبت و استغراق، حضور قلب، شوق و ذوق، محبت و اطاعت، ریاضت، وعبادت اور تمام بھلائیاں مع حفاظتِ قلب و اعضاء ظاہر باطن ہیں اور مدت قیام کو غنیمت سمجھیں اور یہ خیال کریں کہ میری ساری عمر کا یہی خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ لمحہ بھر بھی آپؐ کی نسبت توجہ سے غفلت نہ برتیں اور طلب کی تشنگی سے ہرگز سیراب نہ ہوں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوسیوں کی تعظیم وتکریم کا حق ادا کریں اگر ان میں کوئی عیب یا خرابی دیکھیں تو بھی ان کی عیب جوئی نہ کریں اور نہ انہیں حقیر سمجھیں کیونکہ وہ دیار محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے باشندے ہیں اور آپؐ کے پڑوسی ہیں اور ارتکاب معصیت سے ان کا یہ اعزاز سلب نہیں ہو سکتا۔ اگر مجنوں نے کتے کے پاؤں کو اس لئے چوما تھا کہ وہ ان گلیوں میں گھومتا پھرتا تھا جہاں لیلیٰ پھرتی تھی۔ تو جن گلی کوچوں میں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش پا ثبت ہوئے ہوں ان گلیوں میں بسنے والے کیونکر قابل تعظیم وتکریم نہ ہوں[1]

حکیم الامت حضرت تھانوی کے خلیفہ مجاز مولانا محمد اختر دامت برکاتہم مثنوی کی مجنوں اور لیلیٰ والی حکایت کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

اس حکایت میں یہ سبق موجود ہے کہ لیلیٰ کی محبت میں مجنوں کو یہ عقل دا دیب ہو کہ محبوب کی گلی کا کتا بھی پیارا معلوم ہو۔ اور مولیٰ کے عاشقوں کو مکہ شریف اور مدینہ شریف کے شہر والوں سے محبت نہ ہو اور حج سے واپس آ کر اُن حضرات کی شکایات اور اعتراضات

---

[1] جذب القلوب ۲۳۶ تا ۲۴۱۔

Marfat.com

اور وہاں کی تکلیفوں کا ذکر ہوتا رہے۔

مدینہ شریف میں ایک شخص نے دہی خریدا اور کہا ارے یہ تو کھٹا ہے اس سے اچھا تو ہندوستان کا دہی ہوتا ہے۔ رات کو خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ارشاد فرمایا کہ اے بے ادب، اور عشق سے محروم مدینہ سے نکل جا۔ تو یہاں رہنے کے قابل نہیں۔ اللہ کریم ہم سب کو سوء ادب سے محفوظ فرمائے [1]

الوداعی سلام جب مدینہ کریم سے واپسی کا پروگرام ہو تو مسجد نبوی شریف میں دو نفل ادا کرنے کے بعد مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر سلام پیش کریں۔ اور خوب دعائیں مانگیں اپنے لئے اپنے والدین، بھائی بہنوں، اولاد، اہل و عیال اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا کریں دونوں جہاں کی سعادت طلب کریں زیارت کی قبولیت کے لئے آنسو بہا کر دعا کریں اور بار بار اس سعادت کی تمنا کریں پھر چشم پرنم اور حسرت و یاس کے ساتھ فراق کا دلگداز صدمہ دل میں لئے ہوئے رخصت ہوں [2]

---

[1] معارف شنوی ۲۷۸۔ [2] الکفایہ مع فتح القدیر ح ۳: ۹۷۔

Marfat.com

باب نہم

نظارتِ نافعہ

Marfat.com

تاریخی کنوئیں

نظامِ آب رسانی

زراعت

معاش

Marfat.com

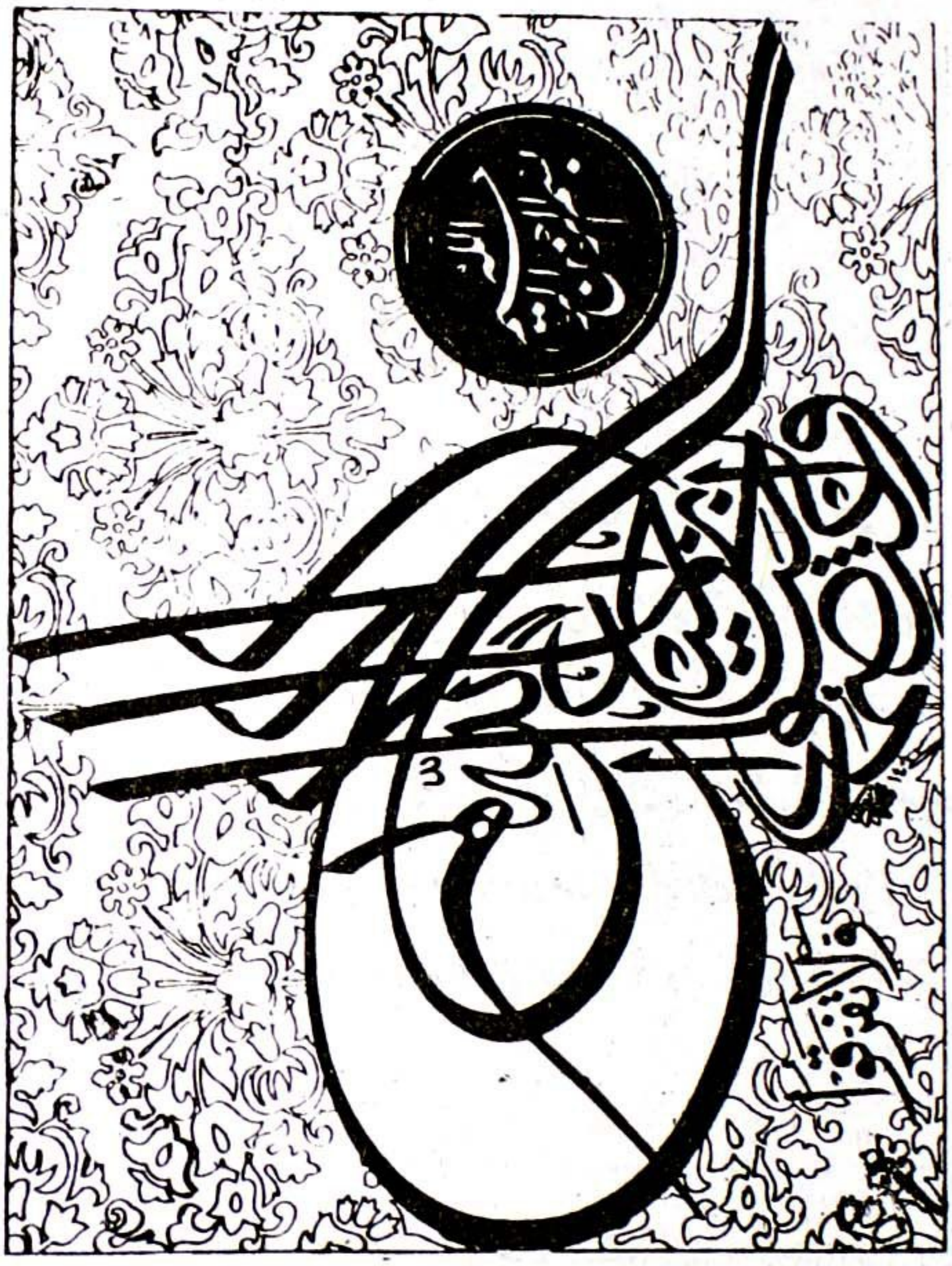

Marfat.com

تاریخی کنویں

وہ مقدس و متبرک کنویں جن کے پانی کو رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ باجود کا جزو بننے کا شرف حاصل ہوا۔ یا جن میں حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کے لعابِ دہن کی آمیزش ہوئی، ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ مگر اس وقت ان میں سے اکثر کا نام و نشان مٹ چکا ہے، ہم نے محض ایمان کی تازگی کی خاطر صرف چند کنوؤں کا مختصر تذکرہ سپردِ قلم کیا ہے۔ تفصیلات کے لئے امام ابن بخار کی کتاب اخبار مدینہ، امام مراغی کی معالم دارالھجرۃ اور امام سمھودی کی وفاء الوفا دیکھی جاسکتی ہیں۔

بیر رُومَہ

یہ کنواں اپنے دامن میں بے شمار تاریخی حقائق سمیٹے ہوئے صدیوں تک اپنی عظمت کا پھریرا لہراتا رہا۔ اس کا محل وقوع مدینہ منورہ سے شمال مغرب کی جانب مسجد قبلتین سے شمال میں وادی عقیق میں ہے، اس کے چاروں طرف باغات اور زراعت کی دلربا شادابی پائی جاتی ہے[1] مورخین کا بیان ہے کہ جب شاہ تبع مدینہ

[1] معالم دارالھجرۃ ۱۷۵

Marfat.com

منورہ میں آیا تو اس نے وادی عقیق میں قیام کیا جہاں یہ کنواں بنوایا تھا۔ اسلام سے قبل اسے "بیئر الملک" کہا جاتا تھا۔[1] بعدازاں بیر رُومَہ کے نام سے شہرت حاصل کی۔ لیکن سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خریدنے کے بعد "بیر عثمان" کہلانے لگا۔

امام مظلوم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کے اعتراض کے جواب میں فرمایا تھا۔

"لوگو تم جانتے ہو کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے۔ تو اس وقت بیر رُومَہ کے سوا میٹھے پانی کا کوئی کنواں نہ تھا۔ آپ نے فرمایا کون شخص اسے خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اسے جنت ملے گی۔ چنانچہ میں نے اپنے ذاتی مال سے اسے خرید کر وقف کر دیا۔ اب تم اس کا پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو۔"[2]

دوسری روایت میں ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

کہ جب مہاجرین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مدینہ کریمہ آئے۔ تو انہیں پانی کی قلت کا سامنا ہوا۔ میٹھے پانی کا صرف ایک کنواں "بیر رومہ" بنی غفار کے ایک آدمی کی ملکیت تھا۔ وہ ایک مُدّ میں ایک مشک پانی فروخت کرتا تھا۔ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کہا کہ اگر تم اس کنویں کو اللہ کی راہ میں وقف کر دو تو تجھے اس کے بدلے جنت میں چشمہ ملے گا۔ وہ کہنے لگا کہ میرے اور میرے اہل وعیال کے لئے اس کے سوا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے۔ اس لئے وقف کرنے سے قاصر ہوں۔

جب اس بات کا علم سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوا۔ تو انہوں

---

[1] اخبار مدینہ : ۴۷ [2] ترمذی شریف ج ۲ : ۲۱۱ مناقب عثمان رضؓ سنن نسائی شریف ج ۲ : ۵۳، ۱۰۶۔

Marfat.com

نے مبلغ پینتیس ہزار درہم میں کنواں خرید لیا۔ اور محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر میں وہ کنواں خرید کر وقف کردوں۔ تو جس طرح آپ نے اس آدمی کو جنت کے چشمہ کی بشارت سنائی تھی کیا مجھے بھی وہ چشمہ مل جائے گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہاں ضرور ملے گا۔ اس پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ عرض کرنے لگے۔ میں نے وہ کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا ہے[1]

علامہ محمد بن محمود بن النجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء لکھتے ہیں۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کنواں میں سے مزینہ کا کنواں بہت ہی عمدہ ہے۔ یہ سنتے ہی سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے نصف کنواں خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد کنویں کے مالک نے مسلمانوں کو پانی لینے سے روک دیا۔ اس بنا پر حضرت عثمان نے باقی نصف بھی خرید کر سارا کنواں وقف کر دیا۔[2]

علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء لکھتے ہیں۔

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شرط کے ساتھ نصف کنواں خرید کر وقف کیا کہ ایک دن مسلمان پانی بھریں اور ایک دن دوسرے لوگ۔ لیکن جب کنویں کے مالک یہودی نے دیکھا کہ مسلمان دو دن کا پانی ایک ہی دن میں بھر لیتے ہیں تو وہ اپنے وعدہ سے منحرف ہو گیا، جس پر حضرت عثمانؓ نے بقیہ نصف بھی خرید کر وقف کر دیا۔[3]

علامہ احمد علی سہارنپوری لکھتے ہیں:۔

اسلام کی ابتدا میں میٹھے پانی کا صرف رومہ نامی ایک ہی کنواں تھا جس کا مالک یہودی

---

[1] کنز العمال ج ۱۲: ۳۵، ۳۶۔ معالم دار الہجرۃ ۱۷۵؛ فتح الباری ج ۵: ۴۰۸

[2] اخبار مدینہ ۴۵: ۴۸

[3] معجم البلدان ج ۲ ۴۰۵

Marfat.com

ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ بغض وعناد کرنا، کنویں کو تالا لگا کر اکثر غائب رہتا اور پانی قیمتاً دیتا تھا نادار مسلمان خریدنے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے[1]

مسلمانوں کی اس جان لیوا تکلیف کو دیکھ کر نبیٔ الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی اسے خرید کر وقف کر دے، اس کے لئے کتنا ہی عمدہ صدقہ جاریہ ہوگا چنانچہ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے چار سو دینار میں خرید کر وقف کر دیا، جب یہ روح پرور اطلاع رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ کی زبان پاک پر یہ الفاظ جاری تھے۔

"اے اللہ عثمان کے لئے جنت واجب فرما دے"

پھر اس کا پانی منگوا کر نوش فرمایا اور یہ ارشاد بھی فرمایا۔ کیسا عمدہ اور شیریں پانی ہے مزید فرمایا اس وادی میں شیریں کنویں کثرت سے ہوں گے۔ مگر اس کنویں کا پانی سب سے زیادہ شیریں ہے[2]

امام ابنِ نجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء رقمطراز ہیں۔

میں نے کنویں کی پیمائش کی ۱۸ ذراع گہرا (یعنی ۲۷ فٹ) ۸ ذراع چوڑا (یعنی ۱۲ فٹ) اور پانی ۲ ذراع (یعنی ۳ فٹ) تھا۔ پانی صاف شفاف اور خوش ذائقہ تھا، زمانہ کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ کنویں میں پانی کی کمی وزیادتی ہوتی رہی کنویں کے گرد وپیش باغات اور کھیتی تھی[3]

امام مراغی نے امام مطری کا قول نقل کرتے ہیں کہ مذکورہ کنواں عرصہ سے خراب پڑا تھا۔ پتھر بھی خستہ حال گرے پڑے تھے بعد کے کسی دور میں صفائی کر کے تعمیر ومرمت کیا گیا اور قدِ آدم کے برابر بلند منڈھیر بنائی گئی۔ یونہی پھر خراب ہو جانے پر ۷۵۰ھ/۱۳۴۹ء میں

---

[1] شرح بخاری شریف ج ۱: ۳۱۶ حاشیہ ۹ [2] طبقات ابن سعد ج ۲ [3] اخبار مدینہ: ۴۸۰۔

Marfat.com

قاضی شہاب الدین احمد بن محمد بن محمد بن المحب الطبری قاضی مکۃ المشرفہ نے اس کی تجدید کرائی اور پانی جاری کرایا۔[1]

جس وقت رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ باسکینہ تشریف لائے تو اس وقت بیر رُومہ کے سوا تمام کنویں کھاری تھے اور اس کنویں کا مالک پانی قیمتاً فروخت کرتا تھا۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص بیر رُومہ خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دے تو اسے اس کے صلہ میں جنت ملے گی۔ اس پر میں نے وہ کنواں خرید کر امیر، غریب اور مسافر سب کے لئے وقف کر دیا۔"[2]

بخاری شریف کی بعض روایات میں "اشتری" کا لفظ ہے اور بعض میں "حفر" ہے مثلاً کتاب المساقاۃ میں ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من یشتری بیر رُومۃ فیکون دلوہ فیھا کدلاء المسلمین فاشتراھا عثمان[3]

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بیر رومہ خرید کر وقف کر دے۔ پھر اس کا ڈول بھی دیگر مسلمانوں کے ڈول کے ساتھ اس میں استعمال ہو (یعنی اسے وقف کر دے) پھر اسے عثمانؓ نے خرید لیا۔

دوسری روایات میں ہے

قال من حفر بیر رومۃ فلہ الجنۃ[4]

فرمایا جو شخص بیر رومہ کھودے گا اسے جنت ملے گی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۲۲ء فرماتے ہیں۔

---

[1] معالم دار الھجرہ: ۱۷۵۔ [2] ترمذی شریف باب مناقب عثمان ج ۲: ۲۱۱

[3] بخاری شریف ج ۱: ۳۱۶ [4] بخاری شریف ج ۱: ۳۸۹ - ۵۲۲

Marfat.com

ابن بطال کا قول ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے سیدنا عثمان نے کنواں خریدا ہے کھودا نہیں جیسا کہ امام بغوی کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ پینتیس ہزار درہم میں خرید کر وقف کر دیا تھا اور یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ کنویں سے ملحق چشمہ کی توسیع کے لئے

شیخ عبدالقدوس انصاری لکھتے ہیں۔

"کنویں کا قطر ۴ میٹر اور گہرائی ۱۲ میٹر ہے۔ قریب ہی ایک خوشنما مسجد ہے۔ لیکن خراب نہ ہونے کے باعث مسجد یا مکان کی تعیین نہیں ہو سکتی۔ اس کے سامنے نہایت خوبصورت مربع شکل حوض ہے۔

کنواں کئی مرتبہ خراب ہوا اور تعمیر کیا گیا۔ امام مطری کے بقول آٹھویں صدی ہجری میں گر پڑا تھا۔ اسی زمانہ میں ۷۵۰ھ/ ۱۳۴۹ء میں قاضی شہاب الدین مطری نے تعمیر و مرمت کی خدمت انجام دی۔ اس زمانہ میں موجود کنویں کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ قاضی موصوف کا تعمیر کردہ ہے یا بعد میں کسی نے تعمیر کرایا ہے۔

۱۳۹۲ھ/ ۱۹۷۲ء میں کنواں اور اس کے گرد و پیش واقع باغات اور کھیتی وغیرہ اوقافِ مسجد نبوی کے زیر اہتمام ہیں۔ گائے۔ مرغیاں اور خرگوش بھی پائے جاتے ہیں اور ان کے لئے چارہ اور خوراک بھی انہی کھیتوں میں اگائی جاتی ہے۔[۲]

۱۳۹۳ھ/ ۱۹۷۳ء میں راقم الحروف بیر رومہ یعنی بیر عثمانؓ کی زیارت کرنے گیا۔ کنواں خشک پایا۔ جس کے اندر قدیم طرز کے پتھر لگے دیکھے مگر پانی ندارد۔ البتہ اس کے بالکل قریب ہی ایک نیا کنواں ہے جس میں ٹیوب ویل نصب ہے اور زراعت و باغات کی آبپاشی ہو رہی تھی قدآور اور حسین و جمیل خرگوش بھی دیکھے۔

---

[۱] فتح الباری ج ۵: ۴۰۸۔

[۲] آثار المدینۃ المنورہ: ۲۴۴، ۲۴۵۔

Marfat.com

بیر اریس

اریس نامی یہودی کا کنواں[1] مسجد قباء سے مغرب میں ۳۸ میٹر کے فاصلہ پر واقع تھا۔ جو ۱۲ میٹر گہرا تھا۔ اس کی ابتدائی تاریخ کا پتہ نہ چل سکا۔ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں موجود اس کی طرز تعمیر خلافت عثمانی پر دلالت کرتی تھی۔ نیز اس کے قریب شمال میں ایک اور رقبہ پایا جاتا تھا جس پر ترکی زبان میں کچھ تحریر تھا۔[2]

ایک روایت میں ہے کہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اس کنواں پر تشریف فرما ہوئے۔ جب کہ ایک آدمی پانی نکال رہا تھا۔ آپؐ نے اس سے پانی کا ڈول طلب فرمایا۔ تھوڑا سا نوش کیا اور باقی مع لعابِ دہن مبارک کنویں میں ڈال دیا۔[3]

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہ پختہ ارادہ کیا کہ آج دن بھر شاہ کونین رحمتِ دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے آپ کی صحبت میں حاضر رہوں گا۔ اس ارادہ سے میں نے گھر ہی میں وضو کیا اور مسجد میں آکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دریافت کیا۔ مجھے بتایا گیا کہ ابھی ابھی اس سمت یعنی قبا کی طرف تشریف لے گئے ہیں۔ میں آپ کے نقشِ پا کو دیکھتے ہوئے قبا پہنچ گیا۔ معلوم ہوا سید کائنات رحمتِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم بیر اریس پر جلوہ افروز ہیں۔ وہ کنواں باغ کی چار دیواری کے اندر واقع تھا۔ میں دروازہ پر آپ کی دربانی کا جذبہ لئے بیٹھ گیا۔

آپ نے قضائے حاجت کے بعد وضو کیا اور کنویں کے اندر پاؤں مبارک لٹکا کر بیٹھ گئے اور پنڈلیاں ننگی کر کے منڈھیر پر بیٹھ گئے۔ میں نے خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر مؤدبانہ سلام عرض کیا اور پھر

---

[1] معجم البلدان ج ۲: ۲،

[2] آثار المدینہ: ۲۴۱،

[3] وفاء الوفاء ج ۲: ۱۲۳۔

Marfat.com

دروازہ کے پاس جا بیٹھا۔ اتنے میں کسی نے دستک دی۔ میں نے پوچھا کون ؟ جواب ملا ابوبکرؓ میں نے عرض کیا ٹھہریئے آقائے نامدار مدنی تاجدار صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع کرتا ہوں، میں دربار مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت طلب کر رہے ہیں۔ ارشاد ذی شان ہوا۔ انہیں آنے دیں اور جنت کی بشارت سنا دیں۔ میں نے تعمیل ارشاد میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت کی خوشخبری سنائی اور وہ باغ میں داخل ہو کر کنویں پر تشریف لائے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دائیں جانب کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔

میں پھر لوٹ کر دروازہ کے پاس جا بیٹھا۔ اور دل میں کہہ رہا تھا کاش میرا وہ بھائی بھی آجاتا جسے میں وضو کرتے چھوڑ آیا تھا۔ تاکہ وہ بھی اس بشارت سے مشرف ہو جائے۔ اسی اثنا میں دروازہ پر دستک کی آواز سنائی دی۔ میں نے دریافت کیا کون صاحب ؟ جواب میں بتایا گیا عمرؓ بن الخطاب۔ میں نے ان سے عرض کی انتظار فرمائیں۔ آپ کی آمد کی اطلاع دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اطلاع دی کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اجازت کے طلبگار ہیں۔ آپ نے اندر آنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور فرمایا انہیں جنت کی بشارت سنا دیں میں نے اجازت کے ساتھ جنت کی خوشخبری سے مطلع کیا۔ وہ باغ میں تشریف لائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں بائیں طرف کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے۔ اور میں دربانی کے لئے دروازہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اور پھر وہی حسرت دل میں انگڑائیاں لینے لگی۔ کیا ہی اچھا ہو تاکہ میرا وہ بھائی آجاتا۔ اتنے میں پھر دروازہ کھٹکا۔ میرے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔ ان کی اجازت طلبی کی درخواست حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دی۔ آپ نے فرمایا انہیں آنے دیں اور جنت کی بشارت بھی سنا دیں۔ نیز انہیں ان فتنوں اور ابتلا سے بھی آگاہ کر دیں جن میں وہ مبتلا ہوں گے۔ میں نے

Marfat.com

گئی تھی۔ یہ کنواں مدینہ منورہ سے دو میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ کنویں میں پانی قلیل ہونے کے باوجود، پانی سارا نکال دیا گیا۔ بہت زیادہ مال خرچ کیا۔ بیحد کوشش کے باوجود انگوٹھی نہ ملنی تھی نہ ملی۔[1]

انگوٹھی کا گم ہونا تھا کہ فتنوں کا سیلاب اُمڈ آیا۔ اور اسلامی مملکت کا شیرازہ تار تار ہو کر بکھر گیا۔ اس مقدس انگوٹھی میں انسانی ادراک سے ماورا کچھ ایسے اسرار پنہاں تھے جو گمشدگی کے بعد ظاہر ہونے لگے۔ جس طرح سیدنا سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی گم ہوتے ہی مملکت افراتفری کا شکار ہو گئی تھی۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے بھی فتنے جان لیوا ثابت ہوئے۔[2]

مورخ ابن النجار نے کنویں کی پیمائش یوں بیان کی ہے ۲۱ فٹ گہرا اور ۸ فٹ چوڑا جب کہ پانی پانچ فٹ گہرا تھا اور جس منڈیر پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء بیٹھے تھے وہ ۴ فٹ بلند تھی۔[3]

۷۱۴ھ/۱۳۱۴ء میں صفی الدین السلامی نے اس کی سیڑھیوں کی تجدید کرائی۔[4] بعد ازاں حکومت عثمانیہ نے بھی اس کی اصلاح و مرمت کرائی، مگر ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں اس کا پانی خشک ہو چکا تھا۔[5]

مولانا قاری محمد شریف مدظلہ لکھتے ہیں۔

"۱۹۵۶ء میں بیر اریس کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس وقت تک پانی موجود تھا جب کہ ۱۹۶۴ء میں پانی خشک دیکھا لوہے کی سیڑھی سے مقامی بچے اس میں اترتے تھے

---

[1] البدایہ والنہایہ ج ۷ : ۱۵۵۔
[2] وفاء الوفا ج ۲ : ۱۲۰۔
[3] اخبار مدینہ : ۴۳
[4] معالم دار الہجرۃ : ۱۷۰
[5] آثار المدینہ : ۲۴۳۔

Marfat.com

پھر ۱۹۶۸ء میں جب زیارت کو گیا تو کنواں سڑک کی توسیع کی زد میں آ چکا تھا۔ حتی کہ ۱۹۷۰ء میں اس کا نشان تک معدوم ہو گیا تھا۔[1]

بیر حاء

علامہ یاقوت الحموی المتوفی ۶۲۶ھ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ کئی طرح پڑھا جاتا ہے۔ بَیْرُحَا اور بیرِحّاءُ، مدّ کے ساتھ بَیْرَحَا۔ ب ا ور ر کا فتح اور بِئْرِحَا ب مفتوح ر مکسوری ساکن اور حا مقصور، یہ اس جگہ کا نام ہے جہاں کنواں واقع ہے اور سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں کنواں تھا۔[2]

مسجد نبوی شریف کے قریب شمال کی جانب پایا جاتا تھا اب بھی ایک احاطہ کے اندر چند کھجور کے درخت اور کنواں موجود ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مدینہ طیبہ کے انصار میں سے حضرت ابوطلحہ رضؓ کے باغات سب سے زیادہ تھے اور انہیں اپنے تمام باغات میں بیر حاء بہت ہی زیادہ پسند تھا۔ یہ باغ مسجد نبوی شریف کے قریب ہونے کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اکثر وہاں تشریف لے جاتے۔ اور اس کا ٹھنڈا، میٹھا اور لذیذ پانی نوش فرماتے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ

تو سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض پرداز ہوئے کہ مجھے بیر حا بیحد پسند ہے اور اللہ تعالےٰ فرماتے ہیں کہ میری راہ میں پسندیدہ چیز ہی خرچ کر کے نیکی کو پہنچ سکتے ہو۔ لہٰذا میں اللہ تعالیٰ کے نام پر بیر حاء کو خیرات کرتا ہوں

---

[1] سیر الحجاج : ۴۸۸: [2] معجم البلدان ج ۲: ۳،

Marfat.com

اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کا امیدوار ہوں۔ آپ جس طرح چاہیں اسے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استعمال میں لائیں۔

محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس قابل تقلید سخاوت پر داد تحسین پیش فرمائی نیز فرمایا کہ آخرت میں یہ بیحد فائدہ مند ثابت ہوگا۔ اے ابوطلحہ میں تمہاری خلوص نیت سے آگاہ ہوں۔ اب تم اس باغ کو اپنے غریب رشتہ داروں میں تقسیم کردو۔ چنانچہ انہوں نے تعمیل ارشاد میں وہ باغ اپنے عزیز و اقارب میں تقسیم کردیا۔[1]

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام زید بن سہیل بن اسود بن حرام بن عمرو بن زید بن مناۃ بن عدی بن عمرو بن مالک بن النجار تھا۔ اور جن رشتہ داروں میں باغ تقسیم کیا ان کے نام یہ ہیں۔

ابی بن کعب، حسان بن ثابت، نبیط بن جابر، شداد بن اوس یا اوس بن ثابت

یہ باغ کس قدر قیمتی تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ بعد میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حصہ ایک لاکھ درہم میں خریدا تھا۔[2]

۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء تک اس کنویں سے ڈول رسی کے ذریعہ پانی حاصل کیا جاتا رہا۔ لیکن باغ مفقود تھا۔[3]

بیرِ غُرس

علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء لکھتے ہیں۔

---

[1] بخاری شریف کتاب التفسیر ج ۲: ۶۵۴ نیز یہ روایت کتاب الوصایا ج ۱: ۳۸۵ میں بھی ہے

[2] فتح الباری ج ۵: ۳۸۱۔ [3] آثار المدینہ: ۲۴۸۔

Marfat.com

"غَرْس" میں غ مفتوح اور ر ساکن ہے۔ جبکہ غَرس کا معنی درختوں، پودوں اور قلموں کا لگانا ہے[1] بیر غَرس مسجد قبا سے تقریباً نصف میل کے فاصلہ پر شمال مشرقی جانب "قربان" کے مقام پر واقع تھا۔ اس کا پانی بہت زیادہ اور گہرا سبزی مائل تھا۔ اور اس کا تلفظ غ کے ضمہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے یعنی غُرس بنی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنویں کا پانی نوش فرمایا۔ اس سے وضو کیا اور آخری غسل بھی اس کے پانی سے دیا گیا۔ مذکورہ کنواں سیدنا سعد بن خیثمہ کی ملکیت تھا[2]

حضرت عاصم بن سوید اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی نے شہد کا تحفہ پیش کیا۔ اس میں سے کچھ کھا لیا اور باقی بیر غرس میں ڈال دیا۔ پھر اس کنویں میں لعاب مبارک بھی ڈالی[3]

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا۔ میں نے آج رات دیکھا کہ بہشت کے کنویں میں سے ایک کنویں پر صبح کی۔ چنانچہ صبح ہوتے ہی آپ بیر غرس پر تشریف لے گئے اور اس کے پانی سے وضو کیا اور کنوئیں میں لعاب دہن ڈالی[4]

سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بیر غرس جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ ہے۔"[5]

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ بیر غُرس کی منڈھیر پر تشریف فرما تھے، اور زبان پاک پر یہ الفاظ تھے کہ میں

---

[1] معجم البلدان ج ۶: ۲۷۶

[2] وفاء الوفاء ج ۲: ۱۴۵، اخبار مدینہ: ۴۶

[3] وفاء الوفاء ج ۲: ۱۴۶

[4] اخبار مدینہ ۴۵؛ معالم دار الہجرہ: ۱۷۰

[5] کنز العمال ج ۱۲: ۲۶۷۔

Marfat.com

نے رات کو خواب میں دیکھا کہ جنت کے چشموں میں سے ایک چشمہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ یعنی بیر غرس پر ہے[1]

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب میرا وصال ہو جائے تو مجھے بیر غرس کے پانی سے غسل دیا جائے اور اس کی مقدار سات مشکیزے ہو[2]

امام ابن نجار المتوفی ۶۴۳ھ/۱۲۴۵ء نے کنویں کی گہرائی اور چوڑائی اس طرح بیان کی ہے۔ گہرائی ۷ ذراع (یعنی ۹۔۱۰ فٹ) عرض ۱۰ ذراع (یعنی ۱۵ فٹ) اور پانی کی گہرائی ۲ ذراع[3] (یعنی ۳ فٹ) علامہ عبدالقدوس انصاری بیان کرتے ہیں کہ مجھے بارہا بیر غرس پر جانے کا اتفاق ہوا۔ یہ کنواں قریہ "جفاف" یعنی قربان میں باغ کے اندر واقع ہے۔ اس میں اترنے کے لئے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ لیکن پانی خشک ہو چکا ہے اس کا قطر ۴ میٹر گہرائی ۴ میٹر ہے۔ امام طبری کے بقول آٹھویں صدی ہجری میں ناکارہ ہو گیا تھا۔ بعد کے کسی دور میں اس کی تجدید ہوئی۔ پھر ۸۸۲ھ/۱۴۷۷ء میں اس کے خراب ہو جانے پر خواجہ حسین ابن الجواد المحسن الخواجکی شہاب الدین احمد القادانی نے اس کی تجدید کرائی اس میں اترنے کے لئے سیڑھیاں بنوائیں اور قریب ہی مسجد تعمیر کرائی مذکورہ مسجد اور باغ بھی العُرس کے نام سے ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء تک موجود تھا۔[4]

بیر بُصّہ

یہ کنواں جنت البقیع سے قبا کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں ایک باغ کے اندر

---

[1] وفاء الوفا ج ۲ : ۱۴۶۔
[2] ابن ماجہ : ۱۰۶
[3] اخبار مدینہ : ۴۶۔
[4] آثار المدینہ : ۲۴۶

Marfat.com

واقعہ تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہدا کی زیارت اوران کے اہل و عیال کی مزاج پرسی کو تشریف لے جاتے اور اس کنویں کا پانی نوش فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے، انہیں کہا آج جمعہ کا دن ہے لہٰذا میں سر دھونا چاہتا ہوں اگر تمہارے پاس سِدر ہو تو لائیں۔ چنانچہ سدر لے کر آپ کنویں پر تشریف فرما ہوئے سر مبارک دھویا اور استعمال شدہ پانی (غسالہ) کنویں میں ڈال دیا۔ اس کی گہرائی ۱۱ ذراع اور عرض ۹ ذراع تھا۔[1]

---

[1] اخبار مدینہ: ۴۶

Marfat.com

نظام آب رسانی

زندگی کی بقاء کے لئے پانی کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ رحمت کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجمعین کے ساتھ جب مدینہ یا سکینہ میں تشریف فرما ہوئے تو اس زمانہ میں میٹھے پانی کی سخت قلت تھی۔ مسجد قبلتین کے شمال مغرب میں زغابہ کے مقام پر صرف ایک کنواں "بیئر رومہ" واقع تھا۔ جس کا مالک یہودی تھا اس کے علاوہ تمام کنویں کھاری تھے۔ وہ یہودی پانی قیمتاً فروخت کرتا تھا۔ امیر لوگ پانی خرید لیتے مگر نادار اور غریب صحابہ سخت پریشان اور بے بس تھے اور مجبوراً کھارا پانی استعمال کرتے۔ ان روح فرسا اور جاں گداز حالات کے پیش نظر رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ کنواں خرید کر مسلمانوں پر وقف کر دے، اسے اس کے بدلے جنت ملے گی، سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بشارت عظمیٰ سنتے ہی پینتیس ہزار درہم میں کنواں خرید کر وقف کر دیا۔ [1]

---

[1] ابن خلدون مترجم ج ۱: ۴۷۰۔

Marfat.com

(نوٹ) بیئر رومہ کی پوری تفصیل "مدینہ منورہ کے کنویں" کے عنوان میں ملاحظہ فرمائیں

بعدازاں کچھ نئے کنویں کھودے گئے اور بعض کھاری کنوؤں کا پانی نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کے طور پر میٹھا ہو گیا اور اس طرح مدینہ کریمہ کے لوگوں کی ضرورت پوری ہوتی رہی بعد میں جب آبادی میں اضافہ ہو گیا اور پانی کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تھی۔ ان حالات میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہالیان مدینہ کی خدمت کے جذبہ کے تحت نہریں جاری کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جن سے نہ صرف گھریلو ضروریات پوری ہوں۔ بلکہ نظام آب پاشی میں بھی فروغ ہو۔ چنانچہ انہوں نے شہر کے لئے نہر زرقا جاری کرائی جس کی تفصیل مؤرخین نے اس طرح بیان کی ہے

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں گورنر مدینہ مروان بن الحکم کو نہر جاری کرنے کا حکم دیا، گورنر موصوف نے مسجد قباء کے مغرب میں ایک باغ میں واقع بہت بڑے کنویں سے نہر نکال کر مسجد غمامہ تک پہنچائی اور کنویں کی شکل میں بادلی بنا دیں جو دو حصوں میں منقسم تھی اور سایہ کے لئے قبہ بھی بنا دیا۔[1]

نہر کا نام ازرق ہونے کے دو سبب بیان کئے گئے ہیں، (۱) مروان بن الحکم کی آنکھیں ازرق یعنی نیلگوں ہونے کی وجہ سے چشمہ اور نہر کا نام ازرق شہرت پذیر ہوا (۲) جس چشمہ سے نہر جاری کی گئی اس کا نام ازرق تھا اسی وجہ سے نہر کا نام بھی ازرق مشہور ہو گیا۔[2]

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں مدینۃ الرسول ﷺ کے باشندوں کی بیحد عزت اور قدر و منزلت تھی اور ان کی خدمت میں اپنی عظمت سمجھتے تھے، اسی جذبہ کے پیش نظر نہریں جاری کرنے کا بیحد شغف تھا، انہوں نے مدینہ باسکینہ اور اس کے اطراف میں کئی نہریں جاری کرائیں۔ جیسا کہ علامہ سمہودی المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء بیان کرتے ہیں۔

---

[1] معالم دار الہجرہ، ۱۷۷۔

[2] وفاء الوفاء ج ۲: ۱۵۲۔

Marfat.com

كان بالمدينة الشريفة وماحولها عيون كثيرة وكان لمعاوية اهتما بهذا الباب۔

مدینہ منورہ اور اس کے اردگرد بکثرت نہریں تھیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس میں خاص اہتمام تھا۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس عظیم المرتبت خدمت اور نظام آب پاشی میں جدت کے باعث زرعی پیداوار میں بے انتہا اضافہ ہوا۔ موصوف نے مدینہ طیبہ اور اس کے آس پاس جو نہریں جاری کرائی تھیں ان کے ذریعہ ڈیڑھ لاکھ وسق خرما اور ایک لاکھ وسق گیہوں پیدا ہوتا تھا۔[1]

علامہ عبدالقدوس الانصاری لکھتے ہیں۔

"سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ مدینہ طیبہ کے لوگوں کی زندگی پُرسکون اور پُرلطف بنانے کی خاطر ہر طرح کی سہولت فراہم کی جائے۔ بالخصوص پانی کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ تاکہ لوگ اس نعمت سے لطف اندوز ہو کر اللہ کا شکر ادا کریں۔ چنانچہ انہوں نے پہلی صدی ہجری کے تقریباً وسط میں "نہر زرقا" جاری کرائی اور مدینہ طابہ میں اس کی باولی بنوائی۔ جس سے لوگ پانی پیتے اور ان کے دل سے دعا نکلتی تھی۔

ابتداء میں نہر صرف "بیر ازرق" سے جاری کی گئی تھی۔ لیکن بعد ازاں مختلف اوقات میں حسبِ ضرورت متعدد کنویں اس میں شامل کر لئے گئے۔ جیسا کہ بیر اریس، بیر الرباط اور بیر بُوَیرۃ وغیرہ ان سب کا پانی جمع ہو کر "بیئر الشلّالین" میں پہنچتا پھر "بیئر الغربال" سے ہوتا ہوا "بیر حدیلۃ" میں جا پہنچتا۔ پھر اس میں بیئر السرارۃ، بیر القلعجیۃ" اور بیر سید عبدالرحیم السقّاف" بھی مل کر نہر کی صورت میں مدینہ طیبہ تک پہنچتی تھی جس پر شہر میں متعدد باولیاں

---

[1] وفاء الوفاء ج ۲ : ۲ ۱۵۔

Marfat.com

بنائی گئی تھیں، پھر نہر شہر سے گذرتی ہوئی شمال کی طرف چلی جاتی تھی[1]

علاوہ ازیں چند اور بھی زمین دوز نہریں قبا اور دیگر اونچی سطحوں سے نکالی گئی ہیں. مگر وہ شہر کے باہر باہر گزرتی ہیں، اُن کا پانی اس قدر شیریں نہیں ہے یہ صرف باغات کی آب یاری کے لئے بنائی گئی ہیں مدینہ منورہ کے شمال اور مغرب کی زمین بہت پست ہے. وہاں پہنچ کر یہ نہریں سطح باغات پر آجاتی ہیں۔جن سے باغات میں کھیتی اور درختوں کی آب پاشی ہوتی ہے جبل اُحد کے غربی اور شمالی جانب ایسے بہت سے باغات ہیں جنہیں عیون کہتے ہیں ان میں یہ نہریں گذرتی ہیں اور ان کا پانی ان ہی میں ختم ہو جاتا ہے[2]

خلفاء اور سلاطین نہر زرقا میں جدت اور توسیع کی خدمت ہر دور میں انجام دیتے رہے جس کے باعث بتدریج سہولت میں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ ۵۶۰ھ/۱۱۶۵ء میں سیف الدین ابوالھیجاء نے مسجد غمامہ سے باب السلام تک نہر جاری کردی۔ جہاں منھل یعنی سیڑھیوں والا کنواں (باولی) بنوائی۔ اسی سے صحن مسجد میں پانی پہنچایا گیا تھا تاکہ وضو کے لئے بھی سہولت حاصل ہو سکے، لیکن صحن مسجد میں وضو کرنے سے جب مسجد کا تقدس متاثر ہونے لگا تو اسے بند کر دیا گیا۔ امیر مدینہ کے محل واقع "البلاط" تک بھی پانی پہنچایا گیا۔[3]

سلطان مصطفی الثمانی نے بیر الخاتم، بیر غدق، بیر الشلالین اور بیر العقد کا پانی نہر میں شامل کردیا۔ سلطان عبدالمجید عثمانی نے بیر البویرہ اور ۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء میں سلطان مراد خان نے بیر البدع بیر جدیلہ اور بیر القربان کا اضافہ کیا، (بعض کنوؤں کا پانی کسی وجہ سے بند ہو جانے کے باعث دوبارہ بلکہ سہ بارہ بھی شامل کیا جاتا رہا) یہ تمام کنویں قباء کے علاقہ میں واقع تھے. کیونکہ قباء کی زمین مدینہ منورہ کی نسبت اونچی ہے اور پھر پانی کی کثرت کے ساتھ ساتھ زمین میں پانی بہت

---

[1] آثار المدینہ : ۲۶۲

[2] نقش حیات ۶۴

[3] معالم دار الھجرۃ : ۱۷۷۔

Marfat.com

قریب پایا جاتا ہے۔

"نہر زرقا" سے پانی حاصل کرنے کے لئے دو قسم کے کنویں بنائے گئے تھے "مناھل اور دُبول" جن میں اترنے کے لئے پتھر کی سیڑھیاں بنائی گئی تھیں انہیں مناہل کہا جاتا (یعنی باولی) لوگ ان میں اتر کر پانی پیتے اور برتن بھرتے تھے۔ اور دُبول وہ کنویں کہلاتے جن سے پانی ڈول رسی کے ذریعہ حاصل کیا جاتا تھا۔ شہر کے اندر ایسی دس باولیاں بنائی گئی تھیں۔ جن میں اترنے کے لئے پتھر کی سیڑھیاں اور سایہ کے لئے ان پر گنبد بنائے ہوئے تھے اور ان کی گہرائی ۶ سے ۱۰ میٹر تک تھی جب کہ دبول سے ڈول کے ذریعہ پانی نکالا جاتا تھا۔ سقے مشکوں کے ذریعہ لوگوں کے گھروں میں پانی پہنچاتے اور ماہانہ اُجرت وصول کرتے تھے لیکن اس وقت ان میں سے کوئی کنواں موجود نہیں ہے۔"[1]

علامہ محمد رابع ندوی لکھتے ہیں۔

"سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں انہی کے حکم سے مدینہ سے دو اڑھائی میل کے فاصلہ پر قباء کے عین ازرق سے نہر نکالی گئی تھی۔ اس پانی بہت زیادہ ٹھنڈا اور بہت شیریں ہوتا ہے۔ ہوا لگنے پر بہت جلد ٹھنڈا ہو جا ہے۔ صراحی بھر کر دو چار گھنٹوں کے لئے کھلی ہوا میں رکھ دیا جائے تو برف کی مانند ٹھ ہو جاتا ہے۔ ٹھنڈک کے ساتھ غیر معمولی حد تک شیریں بھی ہوتا ہے۔ یہ نہر گ بارہ سوتوں سے تیار کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ نہر عین الشہد کا پانی بھی استعمال تھا۔ یہی دو مدینہ منورہ کی قدیم اور تاریخی نہریں ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بائیس چشمے پا جاتے ہیں مگر انہیں یہ حیثیت حاصل نہیں۔"[2]

---

[1] المدینہ ..... الیوم: ۲۰۲

[2] جزیرۃ العرب: ۲۵۳۔

Marfat.com

۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء میں نہر زرقا خراب ہو جانے کے باعث پانی کی سپلائی بند ہوگئی تھی، جس سے شہر کے لوگ سخت تکلیف میں مبتلا ہو گئے، ان پریشان کن حالات کی اطلاع جب سلطان سلیمان عثمانی کو ہوئی تو موصوف نے نہر صاف اور مرمت کرائی اور پانی جاری کرایا۔

۹۹۹ھ/۱۵۹۰ء میں سیلاب کی وجہ سے نہر کے بعض حصّے منہدم ہو گئے اور کچھ کنویں مٹی وغیرہ سے بھر گئے تھے جنہیں سلطان مراد خاں عثمانی کے حکم سے دوبارہ کھودا اور مرمت کیا گیا۔ علاوہ ازیں بیئر قربان کا پانی بھی نہر میں شامل کر لیا گیا۔

۱۱۱۱ھ/۱۶۹۹ء میں سلطان مصطفی عثمانی نے بیر عقد کا اضافہ کیا، ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء میں نہر میں خرابی پیدا ہو گئی جس کی اصلاح اور مرمت کی خدمت سلطان سلیم ثالث نے انجام دی اور پانی پھر سے جاری کرا دیا، ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء میں سلطان عبدالحمید عثمانی نے نہر کی تجدید کرائی اور بیر البویرہ کا پانی ملا دیا۔ اسی طرح سلطان محمود ارشاد عثمانی نے بیر البدع کی کھدائی کرائی اور اس کا پانی نہر میں شامل کر دیا۔ سعودی حکومت نے ایک نیا کنواں البداع ثانیہ کھدوا کر نہر میں اضافہ کرایا۔

خلافت عثمانیہ کے دور میں نہر کی دیکھ بھال اور تعمیر و مرمت کے لئے خدام مقرر تھے۔ پھر ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں سید زین العابدین کی سربراہی میں ایک کمیٹی بنائی۔ جو نہر کی حفاظت، ترقی اور اصلاح کی خدمت انجام دیتی رہی۔ پھر جب جلالۃ الملک سلطان عبدالعزیز آلِ سعود نے دیکھا کہ اہالیانِ مدینہ اور حجاج کرام کو پانی حاصل کرنے میں دقت اور تنگی کا سامنا ہے تو انہوں نے ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں پانی کی فراہمی کے لئے مستقل ادارہ قائم کیا جو اپنی نوعیت کا پہلا ادارہ تھا جس کے رئیس سید زین العابدین مدنی اور اراکین حسب ذیل تھے۔

محمد حسن سمان۔ ابراہیم ہاشم، یوسف حوالہ، عبدالعزیز الخریجی، حسین جیاد، محمود ولی

Marfat.com

اور عتیق مخرج ہے[1]

۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء میں ملک عبدالعزیز آل سعود رحمۃ اللہ نے نہر زرقا کی اصلاح اور نگرانی کے لئے ایک مستقل ادارہ قائم کیا ہے۔ جسے "لجنۃ العین الزرقاء" کہا جاتا تھا، اس کا دفتر باب السلام کے اندر واقع تھا، ادارہ کی حسنِ کارکردگی سے نہر کو آہنی پائپ لائن میں تبدیل کر دیا گیا۔ تاکہ بہتر طریقہ سے اس کی حفاظت ہو سکے اور افادیت میں بھی اضافہ ہو جائے۔ اس سکیم کے تحت گھروں میں نل کے ذریعہ پانی فراہم کر دیا گیا۔ جو اس ادارہ کی ناقابل فراموش خدمت تھی۔ جب کہ قدیم زمانہ میں حسب ذیل باولیاں اور مخزن پائے جاتے تھے۔

(۱) مسجد غمامہ کے شمال میں واقع باولی عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ دو حصوں میں بنی ہوئی تھی۔

(۲) باب السلام کے پاس۔

(۳) باب قباء اور الجسر کے درمیان وادی بُطحان میں واقع مخزن سے ڈول کے ذریعہ پانی نکالا جاتا تھا۔

(۴) بستان السلطانیہ کے قریب باولی "الساحتہ"

(۵) باولی حارۃ الاغوان۔

(۶) مشہد النفس الزکیہ کے قریب باولی "الزکی" یہ بھی دو حصوں میں منقسم تھی۔

(۷) مخزن باب بَصری میں جس سے ڈول کے ذریعہ پانی نکالا جاتا تھا۔

(۸) باب المصری میں چھوٹا سا مخزن تھا۔

(۹) قلعہ باب الشامی کے اندر واقع مخزن پر آہنی ٹوٹیاں نصب تھیں۔

---

[1] المدینہ ۰۰۰ ۱ یوم ۲۰۲ تا ۴ ۲۰۔

Marfat.com

(۱۰) منھل العَطَن جو صرف غسل کے لئے بنایا گیا تھا۔

(۱۱) ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء میں ایک نیا منھل باب الحمّام کے باہر بنایا گیا۔ ان میں سے سات باولیاں جن میں اتر کر پانی حاصل کرنے کے لئے پتھر کی سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں اور تین مخزن تھے جن سے ڈول رسی کے ذریعہ پانی نکالا جاتا تھا اور ایک مخزن پر ٹوٹیاں لگائی ہوئی تھیں۔

جس طرح پہلی صدی ہجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پانی کی فراہمی کے لئے نہر زرقاء کے اجراء کا ایسا جلیل القدر کارنامہ سرانجام دیا کہ وہ حجاز مقدس کی تاریخ میں ایک نئے باب کی حیثیت رکھتا تھا۔ یونہی دور حاضر میں خلافت عثمانیہ کی ٹوٹیوں کے استعمال کی جدت بھی بیحد قابل تعریف خدمت ہے۔ ابتداء میں صرف شارع عام پر نل لگائے جاتے تھے۔ گھروں کے اندر لگانے کا رواج نہیں تھا۔ اس طرح ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء تک پورے شہر میں سڑکوں پر لگے ہوئے نلکوں کی تعداد صرف ۹۴ تھی۔

لیکن آلِ سعود نے رفاعی خدمات کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ سعودی حکومت کی پیہم کوشش اور مخلصانہ خدمت نے عوام کے دل موہ لئے ہیں۔ اس ضمن میں حکومت نے لوگوں کی سہولت اور راحت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے گھروں کے اندر بھی نلکے لگانے کا بھرپور انتظام کیا۔ چنانچہ شاہ فیصل شہید نے ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء تک تمام گھروں میں پانی کی سہولت مہیا کر دی تھی[1]

مدینہ باسکینہ کی بڑھتی ہوئی آبادی اور جدید طرز عمرانیات کے باعث پانی کی ضرورت و طلب میں بیحد اضافہ ہوا۔ سعودی حکومت نے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق جدید ٹیکنالوجی سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اہالیان مدینہ کی نہ صرف پانی کی ہمہ وقتی ضرورت کو پورا کیا بلکہ ڈول رسی اور دوسرے محنت طلب ذرائع سے بھی نجات دلادی۔

---

[1] آثار المدینہ ۲۶۲ تا ۲۷۰۔

Marfat.com

چنانچہ پہلا مرحلہ جسے ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء میں شروع کیا گیا اس میں پانی ذخیرہ کرنے او
پھر پائپ لائن کے ذریعہ ہر گھر تک پہنچانے کی منصوبہ بندی تھی۔ طے پایا کہ کسی بلند مقام
پر ۴۰۰۰ مربع میٹر ٹنکی بنا کر ۲۰۔ انچ قطر کے پائپ کے ذریعہ پانی شہر تک پہنچایا جائے او
پھر آٹھ انچ قطر کی چھوٹی پائپ کا جال تمام شہر میں بچھا دیا جائے اور جن بلند مقامات
تک پائپ کے ذریعہ پانی نہ پہنچ سکتا ہو وہاں گاڑیوں کے ذریعہ پانی پہنچایا جائے۔

دوسرا مرحلہ جس کا آغاز ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں شاہ فیصل شہید نے کیا تھا۔ اس کے
مطابق جبل سلع پر ۳۲ فٹ کی بلندی پر ۶۰۰۰ مربع میٹر ٹنکی بنائی گئی اور قبا میں متعدد جدید
کنویں کھود کر کے ان کا پانی مذکورہ ٹینکی تک پہنچایا گیا جسے ۲۰ انچ بڑی پائپ اور ۸
انچ چھوٹی پائپ کے ذریعہ لوگوں کے گھر تک پہنچا دیا گیا اور سڑکوں پر اور گھروں کے اندر
ٹوٹیاں لگا دی گئیں جن سے ہر وقت پانی دستیاب ہونے لگا۔

خیر و برکت کی فراوانی

سرورِ کون و مکاں، فخرِ زمین و زماں صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ میں قدم رنجہ
فرما ہوئے تو اس ویرانہ میں بہار آگئی انوار و تجلیاتِ ربانی نے اسے بقعۂ نور بنا دیا۔ دنیا
جہاں کی نعمتیں اور برکتیں سمٹ کر شہرِ خوباں میں جمع ہو گئیں اور آپ کی مسلسل اور پیہم دعاؤں
نے اسے قابلِ رشک اور مثالی شہر بنا دیا۔ چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے
ہیں کہ رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اللھم اجعل بالمدینۃ ضعفی ما بمکۃ من البرکۃ[1]

اے اللہ مکہ معظمہ کی نسبت مدینہ منورہ کو دوچند برکات عطا فرما۔

---

[1] صحیح بخاری شریف ج ۱: ۲۵۳ صحیح مسلم شریف ج ۱: ۴۴۲۔

Marfat.com

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا معمول تھا کہ جب موسم کا نیا پھل آتا تو اسے رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرتے، آپ لے کر اس طرح دعا فرماتے۔

"یا اللہ تو ہمارے پھلوں میں برکت عطا فرما اور ہمارے شہر کو بابرکت بنا۔ ہمارے صاع اور مُدّ میں بھی برکت مرحمت فرما۔ یا اللہ سیدنا ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام تیرے بندے، خلیل اور نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ جس طرح انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے دعا فرمائی تھی ویسی ہی میں مدینہ طیبہ کے لئے دعا کرتا ہوں بلکہ اس سے دوچند کی التجا کرتا ہوں"۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ دعا کے بعد آپ پھل کسی بچے کو عنایت فرما دیتے تھے[1]

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں دعا ئیہ جملے دو مرتبہ مذکور ہیں اور یہ الفاظ بھی مذکور ہیں اللھم اجعل مع البرکۃ برکتین[2]۔ یا اللہ دوگنا برکتیں عطا فرما۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کریمہ میں تشریف فرما ہوئے تو اس طرح دعا فرمائی۔

اے اللہ اس شہر کو ہمارے لئے قرار و سکون کا موجب بنا اور اس میں ہمیں عمدہ روزی عطا فرما۔[3] سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔" ایک وقت ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اہالیانِ مدینہ کے رزق میں اس قدر وسعت عطا فرمائے گا کہ انہیں اوپر، نیچے اور جنت سے رزق مرحمت فرمائے گا۔[4]

---

[1] صحیح مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۲ - سنن دارمی ج ۲ : ۳۲ ، باب فی الباکورۃ۔

[2] صحیح مسلم شریف ج ۱ : ۴۴۳

[3] کنز العمال ج ۱۴ : ۱۳۵

[4] ایضاً ج ۱۲ : ۲۵۵۔

Marfat.com

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

"اے اللہ ہمارے پھلوں میں، ہمارے شہر میں، ہمارے صاع اور مُد میں برکت عطا فرما۔ اے اللہ بیشک ابراہیم علیہ السلام تیرے خلیل اور نبی تھے اور میں بھی تیرا بندہ اور نبی ہوں۔ انہوں نے مکہ معظمہ کے لئے دعا کی تھی اور میں مدینہ طیبہ کے لئے دعا کرتا ہوں جتنی کہ انہوں نے مکہ کے لئے کی تھی بلکہ اس کے ساتھ اس کے مثل اور بھی بولے[1]

ندی نالے

جزیرۃ العرب دریاؤں سے خالی ہونے کی وجہ سے وہاں کی زندگی میں وادیاں بڑی اہمیت کی حامل ہیں وادی کا اطلاق برساتی نالے پر ہوتا ہے۔ بارش کا پانی جب پہاڑوں سے نکل کر میدانی علاقوں کی طرف بہتا ہے۔ اسے جو نشیب ملتے ہیں ان سے گزرتا ہے، پانی کی یہی گزرگاہیں وادیاں کہلاتی ہیں۔ جو سیلاب کے وقت دریا اور سمندر کا سا سماں پیش کرتی ہیں اور سیلاب کے بعد وہ عام خشک نشیب ہی دکھائی دیتی ہیں۔ البتہ ان میں پانی کے بار بار گذرنے سے شادابی پیدا ہو جاتی ہے جو نخلستان میں اور دوسری جگہ سرسبزی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ اس نوعیت کی چھ وادیاں مدینہ منورہ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

وادی عقیق، وادی رَانُونَاء، وادی بطحان، وادی مُذَیْنِیب، وادی مَہْزُور اور وادی قَنَاۃ۔

وادی عقیق قدیم زمانہ میں امراء و رؤساء کے مکانات و محلّات اور باغات کا دلکش مرکز تھا۔ وادی رَانُونَاء سیر و تفریح اور صحت افزا مقام تھا۔ وادی بُطحان کھجوروں اور دیگر باغات کا سرسبز و شاداب دل فریب علاقہ تھا۔ وادی مُذَیْنِیب یہودی قبیلہ بنو نضیر

---

[1] صحیح مسلم شریف ج ۱: ۴۴۲۔

Marfat.com

قیام گاہ تھی۔ وادی مَہزُور میں یہود بنو قریظہ آباد تھے اور وادی قَنَاۃ کے جنوب میں بنو حارثہ بنو عبدالاشہل اور بنو زعورا آباد تھے۔[1]

وادی عقیق ماہر لسانیات علامہ سلیمان السعدی سے دریافت کیا گیا کہ اس وادی کو عقیق کہنے کی وجہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ پہاڑ سے چھوٹی اور جدا ہوئی ہے اس وجہ سے اسے عَقِیق کہا جاتا ہے اور علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ کا کہنا ہے عقیق اس وادی کو کہا جاتا ہے، جسے سیلاب نے کشادہ اور وسیع کر دیا ہو۔[2]

جزیرۃ العرب میں مختلف مقامات پر واقع چار وادیاں عقیق کہلاتی ہیں۔ علامہ سمہودی نے یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ جب شاہ تبع کا گذر اس مقام سے ہوا تو اس نے کہا "ھذا عقیق الارض" اسی وجہ سے اسے وادی عقیق کہا جانے لگا۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک رات جبکہ میں وادی عقیق میں تھا۔ تو ایک آنے والا میرے رب کی طرف سے آیا اور کہا آپ اس مبارک وادی میں نماز پڑھ لیں۔[3]

مختلف مقامات کی نسبت سے یہ وادی تین ناموں سے شہرت رکھتی تھی۔ اس کا بالائی حصہ "النقیع" کہلاتا ہے، وسطی حصہ "الحساء" اور زیریں حصہ جو ذی الحُلَیفہ میں واقع ہے "عقیق" کہلاتا ہے اس کا طول ۱۵۰ کلومیٹر ہے۔[4] یہ وادی شہر کے جنوب مغرب سے شمال مشرق تک پھیلی ہوئی ہے اور مدینہ منورہ کی تمام وادیاں اس میں شامل ہو جاتی ہیں جن کا سنگم جبل اُحد سے جنوب مغرب میں زُغابہ کا مقام ہے۔[5]

---

[1] [2] معجم البلدان ج ۱: ۱۹۸۔

[3] بخاری شریف ج ۱: ۳۱۴، ۲۰۷۔ [4] المدینہ ۔۔۔ الیوم: ۳۳

[5] جزیرۃ العرب ندوی: ۲۵۷۔

Marfat.com

وادی عقیق کی زمین سرمی مائل ریتلی ہے۔ قدیم زمانہ میں شہر سے آدھ گھنٹے کی مسافت تھی۔ حرہ وبرہ سے ذی الحلیفہ کے راستہ میں ٹیلوں کا ایک سلسلہ دکھائی دیتا ہے۔ جو درحقیقت قدیم زمانہ کے عالیشان محلات کے کھنڈرات ہیں۔ ان میں سے بعض مشہور محلات کے نام یہ ہیں۔ قصر عروہ بن زبیر، بیر رومہ کے قریب واقع تھا۔ قصر مراجل، قصر سکینہ بنت حسین المعروف زینبی، قصور خاندان اسحاق بن ایوب، محلات جعفر بن ابراہیم الجعفری، قصر عبداللہ بن عامر، قصر طاہر بن الحکم، قصر سعید بن العاص، قصر عنبسہ بن سعید بن العاص، قصور جعفر بن سلیمان، قصر محمد بن عیسیٰ الجعفری، قصر یزید بن عبدالملک بن المغیرہ، قصر طاہر بن یحییٰ، مکانات عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان، قصر عاصم بن عمرو بن عثمان، قصر عنبسہ بن عمرو بن عثمان، قصر عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن عثمان، قصر اسحاق بن ایوب المخزومی، قصر ال طلحہ، قصر ابراہیم بن ہشام اور مکانات آل سفیان بن عاصم[1]

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں بارش ہونے سے وادی عقیق خوب سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے اگرچہ پانی گذر جانے کے بعد عام وادیوں کی طرح پانی سے خالی ہو جاتی ہے لیکن بار بار سیراب ہوتے رہنے کی وجہ سے اسے خصوصی شادابی اور صحت پروری کا مقام حاصل ہے۔ ایک زمانہ میں مدینہ منورہ کے رئیس اور متمول لوگ اس کے کنارے محلات بنا کر شادابی سے محظوظ ہوتے تھے اور لوگوں کی سیرگاہ، تفریح اور پکنک کا مرکز تھی اور ایک پُرفضا دلربا محلہ کی حیثیت رکھتی تھی[2]

اس وادی میں واقع بعض کنویں تاریخی شہرت کے مالک ہیں جیسے بیر رومہ اور بیر عروہ وہاں اب بھی باغات کے روح پرور مناظر موجود ہیں۔ جیسا کہ حدیقہ بیر رومہ، حدیقہ ام شجرہ وغیرہ[3]

---

[1] آثار المدینہ ۲۲۰: ۲۲۲

[2] جزیرۃ العرب: ۲۵۸

[3] آثار المدینہ: ۲۲۶۔

Marfat.com

وادی رانُوناء

یہ وادی مدینہ منورہ کے جنوب مغربی حصہ میں واقع ہے۔ حرّہ وَبرہ کے مشرق میں جبل عیر سے شروع ہوکر مسجد جمعہ کے قریب وادی مہزور اور وادی مذَینیب میں جاملتی ہے، پھر وادی بطحان کو بھی ساتھ لے کر زُغابہ کے مقام پر وادی عقیق میں شامل ہوجاتی ہے۔ آج کل اسے وادی رانوناء کی بجائے "سیل سیدنا حمزہ" کہا جاتا ہے۔[1]

وادی بُطحان

اہل لغت نے اسے فتح وکسرہ سے بِطحان لکھا ہے۔ مدینہ منورہ کی تین مشہور وادیوں میں سے ہے، عقیق، قناۃ اور بطحان جب یہودی قبائل مدینہ میں آباد ہوئے تو بنونضیر بُطحان اور بنوقریظہ مہزُور کے کنارے مقیم ہوکر کھیتی باڑی شروع کردی۔[2]

قدیم مؤرخین نے اس کا نام "جُفاف" بیان کیا ہے۔ جبکہ موجودہ دور میں اسے "قربان" کہا جاتا ہے۔[3] مسجد قبا سے مشرقی جانب عوالی کے علاقہ سے شروع ہوکر مساجد فتح کے مغرب میں وادی رانونا میں جاملتی ہے اور پھر زغابہ کو چلی جاتی ہے۔[4]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ بطحان علیٰ تُرعَۃٍ مِن تُرَعِ الجنۃ۔[5]

بَند

خیبر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ منورہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا۔

---

[1] المدینۃ المنورہ فی التاریخ : ۳۹۔
[2] معجم البلدان ج ۲ : ۲۱۶۔
[3] معالم دارالھجرۃ : ۱۸۶۔
[4] وفاء الوفاء ج ۲ : ۲۱۳۔
[5] معالم دارالھجرۃ : ۱۸۶۔

Marfat.com

جس سے شہری آبادی کو سخت نقصان پہنچتا۔ مسجد نبوی شریف کو بھی اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس لئے سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدینہ باسکینہ سے تھوڑے فاصلہ پر "بدری" کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر کھود کر سیلاب کا رُخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام بھی "بند مہزور" شہرت پذیر ہوا۔ رفاعی کاموں میں اس بند کی تعمیر خلیفہ موصوف کا ایک بہت بڑا کارنامہ ہے[1]

وادی رانوناء پر سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عثمان نے بند باندھا تھا۔ جس کی تجدید ۱۲۸۹ھ/ ۱۸۷۲ء میں کی گئی تھی۔ جیسا کہ بند کی بڑی چٹان پر کندہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

"جدد هذا السد بإرادة الملك المظفر السلطان عبدالعزيز خان سعاد تلو شيخ الحرم خالد باشا بنظارة الفاضل محمد صالح حماد سنة ۱۲۸۹ھ بالمدينة المنورة ... عمر ازميري غفر الله له آمين[2]"

ڈیم

سعودی حکومت نے مدینہ منورہ کی معاشی اور اقتصادی حالت ترقی کے درجہ کمال تک پہنچانے کے لئے جہاں کئی اور اصلاحی اور قابل قدر منصوبے بنائے ہیں۔ وہاں زراعت و کاشتکاری کو فروغ دینے کے لئے متعدد بند (ڈیمز) تعمیر کئے ہیں تاکہ اہالیان مدینہ سبزیوں اور پھلوں میں کسی حد تک خود کفیل ہو جائیں۔ چنانچہ ۱۳۷۴ھ/ ۱۹۵۵ء میں ملک عبدالعزیزؒ نے سدالعاقول تعمیر کرایا۔ ۱۳۸۰ھ/ ۱۹۶۱ء میں وزارت زراعت کی طرف سے سدالعقیق تعمیر کیا گیا۔ مدینہ منورہ کے جنوب میں ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء میں بند بطحان ۵۰،۰۰۰ مربع میٹر وسیع، معرض وجود میں آیا۔ ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء میں سدالترعۃ تعمیر ہوا ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء مدینہ منورہ کے شمالی علاقہ میں سدالغاب تعمیر ہوا۔ علاوہ ازیں کئی اور بھی بند تعمیر ہوئے ہیں[3]

---

[1] فتوح البلدان ج ۱: ۳۱ - [2] آثار المدینہ ۲۳۱ [3] المدینہ ... الیوم ۲۲۷، ۲۲۸۔

Marfat.com

ذریعہ معاش

یورپین مؤرخین نے اپنے فطری تعصب اور اسلام دشمنی کی بنا پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر الزام تراشی کی ہے کہ ان کی معاش کا تمام تر دار و مدار زکوٰۃ، خیرات اور مالِ غنیمت پر تھا۔ جس سے یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ وہ لوگ معاشیات و اقتصادیات کے فنون سے بے خبر اور محنت و مشقت سے عاری تھے۔ حالانکہ یہ ایک بہت بڑی خیانت اور تاریخی حقائق سے چشم پوشی ہے۔ مہاجرین اور انصار اسلام کے نظامِ ترکیبی کے اصلی عنصر تھے اور ان دونوں نے ابتدا ہی سے علیحدہ علیحدہ ذریعہ معاش اختیار کر رکھا تھا۔ مہاجرین تجارت میں ماہر اور انصار زراعت کے خوگر تھے۔

معلّم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے زریں اصولوں سے رہنمائی فرمائی۔ جن پر عمل پیرا ہو کر مسلمانوں نے نہ صرف نجی معیشت کو فروغ دیا۔ بلکہ قومی معیشت کو بھی ترقی کی بامِ عروج تک پہنچا دیا۔ مسلمانوں نے آپؐ سے دریافت کیا

ای الکسب اطیب قال عمل الرجل بیدہٖ وکل بیع مبرور[1]

کونسی کمائی زیادہ پاک اور اچھی ہے، فرمایا آدمی کا اپنے ہاتھ سے کوئی کام کرنا اور ہر تجارت

[1] مشکوٰۃ المصابیح ۲۴۲۔ کنز العمال ج ۴: ۱۳۴،

Marfat.com

جو پاک بازی کے ساتھ ہو۔

آپ نے فرمایا کہ رزق بیس حصوں میں تقسیم کیا گیا جن میں سے انیس تجارت میں اور صرف ایک حصہ دوسری دستکاری اور صناعت میں ہے[1]

آپ کا ارشاد ذی شان ہے۔

التَّاجِرُ وَالصَّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَاءِ[2]

سچائی اور ایمانداری کے ساتھ کاروبار کرنے والا تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔

مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

بہترین کمائی ان تاجروں کی ہے، جو جھوٹ نہیں بولتے، امانت میں خیانت نہیں کرتے، وعدہ خلافی نہیں کرتے اور خریدتے وقت اس چیز کی مذمت نہیں کرتے (تاکہ بیچنے والا قیمت کم دے) جب خود بیچتے ہیں تو (بہت زیادہ) تعریف نہیں کرتے۔ اور اگر ان کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو تو ٹال مٹول نہیں کرتے اور اگر خود ان کا کسی کے ذمہ نکلتا ہو تو وصول کرنے میں تنگ نہیں کرتے۔[3]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا[4]

ملاوٹ کرنے والا ہم میں سے نہیں

یہ تھی اسلامی اصول معاشیات کی ایک دل ربا جھلک، جو فلاحی مملکت کی پُرشکوہ عمارت کے لئے بنیاد فراہم کرتی ہے۔

---

[1] کنز العمال ج ۴ : ۱۲۸۔

[2] سنن دارمی ج ۲ : ۱۶۳، ترمذی کتاب البیوع باب ما جاء فی التجار ج ۱ : ۲۲۹۔

[3] ترغیب ج ۳ : ۵۸۶ ماخوذ فضائل تجارت ۶۳

[4] سنن دارمی ج ۲ : ۱۶۴۔

Marfat.com

جب قریشی مسلمان ہجرت کرکے مدینہ باسکینہ میں قیام پذیر ہوئے تو حسب سابق وہاں بھی ان کا پیشہ تجارت ہی رہا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تجارت کو فروغ دینے کی خاطر مدینہ منورہ میں جدید تجارتی منڈیاں قائم کیں۔ جن میں کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا[1]

مہاجرین اور انصار میں سے بہت زیادہ احادیث بیان کرنے والوں میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نامی اسم گرامی سرفہرست ہے۔ انہوں نے خود اس کی جو وضاحت فرمائی وہ بھی اس حقیقت کی آئینہ دار ہے کہ مہاجرین کا پیشہ تجارت تھا۔ وہ فرماتے ہیں۔

"میرے بھائی مہاجرین تجارتی کاروبار میں مصروف رہتے اور میں مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ہمہ وقت موجود رہتا تھا۔ اس لئے وہ غائب ہوتے تو میں حاضر ہوتا، جب وہ بھول جاتے تو میں یاد کرتا تھا اور میرے بھائی انصار کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہتے تھے۔ جب کہ میں مساکین صُفّہ میں سے ایک مسکین تھا۔ اس لئے جب وہ بھول جاتے تو میں آپ کے اقوال کو یاد کرلیتا تھا"[2]

الاصابہ کی روایت کے مطابق سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ممتاز تاجر تھے اور اس حیثیت سے وہ خاصی شہرت کے مالک تھے۔ مدینہ منورہ کے قریب عوالی کے مقام السُّنح جہاں خلافت سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رہائش تھی وہاں ان کا کپڑا بننے کا کارخانہ تھا[3]

سیدنا عطاء ابن سائب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۃ المسلمین بنا دئے گئے۔ تو ایک دن صبح تجارت کی غرض سے کپڑا اٹھائے بازار جا رہے تھے کہ راستہ میں عمر بن الخطاب اور ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ملاقات ہوگئی

---

[1] ابن ماجہ : ۱۶۱

[2] بخاری شریف ابتدا کتاب البیوع ج ۱ : ۲۷۴

[3] جزیرۃ العرب ندوی : ۲۰۹۔

Marfat.com

انہوں نے دریافت کیا کہاں کا ارادہ ہے؟ فرمایا بازار کا۔ وہ دونوں کہنے لگے اب تو آپ کے کندھوں پر مسلمانوں کے معاملات کی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے لہٰذا یہ کام چھوڑ دیں۔ اس کے جواب میں خلیفہ اوّل نے فرمایا۔ میں یہ پیشہ چھوڑ کر اہل وعیال کی ضروریات کیسے پوری کر سکتا ہوں بنابریں مسلمانوں نے ان کا روزینہ مقرر کر دیا جس کے بعد مجبوراً تجارت چھوڑ دی۔[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے وظیفہ لینا شروع کیا تو ارشاد فرمایا۔

"میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کی معاش کے لئے کافی تھا لیکن اب میں مسلمانوں کے کام میں مشغول ہو گیا ہوں۔ اس لئے میرے اہل وعیال بیت المال سے وجہ معاش لیں گے۔[2]"

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال تجارت لے کر اکثر بصرہ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک سال پیشتر مال تجارت لے کر بصرہ گئے تھے اور اس سفر میں سیّدنا نعیمان اور سیدنا سویبط بن حرملہ جو کہ بدری صحابی ہیں بھی رفیق سفر تھے۔[3]

سیّدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تجارت کرتے تھے، جس کا اظہار خود ان کے ایک بیان سے ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ سیّدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ارشاد کا حوالہ دیا۔ اور حضرت عمر رضؓ نے اس کی تصدیق چاہی تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تصدیق کر دی۔ جس پر حضرت عمر رضؓ نے خود معذرت کی اور فرمایا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مجھ سے اس لئے مخفی رہا کہ تجارتی کاروبار

---

[1] طبقات ابن سعد اردو ج ۳ : ۳۲ [2] بخاری شریف کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ ج ۱ : ۲۷۸ ابن ماجہ کتاب الاداب باب المزاح : ۲۶۴۔

Marfat.com

نے مجھے مشغول کر رکھا تھا۔[1]

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایران سے تجارتی تعلقات قائم تھے جس کی تائید اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ریشمی جبہ عنایت کیا اور انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اس پر آپ نے فرمایا میں یہ نہیں کہتا کہ اسے پہنو، اسے ارض فارس بھیج دیں۔ تمہیں مالی فائدہ ہوگا۔[2]

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس محنت، لگن اور دیانتداری سے تجارت کی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں وہ بہت بڑے رئیس بن گئے تھے۔ ہجرت کے بعد جب ان کا سیدنا سعد بن الربیع الانصاری سے بھائی چارہ کرا دیا گیا۔ جو انصار میں سب سے زیادہ مالدار اور فیاض تھے۔ انہوں نے اپنی ہر چیز آدھی انہیں دینا چاہی مگر انہوں نے تجارت ہی کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ گھی اور پنیر وغیرہ کی تجارت میں اس قدر برکت اور نفع کمایا کہ چند دنوں میں شادی بھی کر لی۔[3]

ان کے کاروبار میں اللہ پاک نے اس قدر برکت عطا فرمائی تھی وہ خود کہتے ہیں کہ اگر میں پتھر بھی اٹھاتا ہوں تو اس کے نیچے سے سونا نکل آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح انہیں مال و دولت سے غنی کیا تھا اسی طرح وہ دل کے غنی بھی تھے۔ موصوف ذاتی راحت و آسائش پر قومی اور مذہبی ضروریات کو مقدم رکھتے تھے اور یہ شانِ بے نیازی تمام صحابہ کا امتیازی شعار تھا۔ قدرت نے جس طرح دولتمند بنایا تھا اسی طرح دستِ کرم زیادہ کشادہ تھا۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف کی فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ مثالی اور قابل تقلید حیثیت کا حامل تھا۔

---

[1] بخاری شریف کتاب البیوع باب الخروج فی التجارت ج ۱: ۲۷۷ [2] مسلم شریف کتاب اللباس باب تحریم استعمال اناء الذھب والفضہ ج ۲: ۱۹۱ [3] بخاری شریف کتاب البیوع ج ۱: ۲۷۵۔

Marfat.com

ایک دفعہ ان کا تجارتی قافلہ مدینہ منورہ پہنچا جس میں سات سو اونٹوں پر صرف گیہوں، آٹا اور اشیائے خوردنی تھیں۔ اس عظیم الشان قافلہ کا سارے شہر میں غُل پڑ گیا مگر آپ نے وہ پورا قافلہ بمعہ اسباب و سامان۔ بلکہ اونٹ اور کجاوہ تک کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔ [1]

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعاؤں اور صحابہ کرام کے راست شعاری کے باعث ہر کام میں کامیابی ان کی قدم بوسی کرتی تھی۔ تجارت کے سلسلہ میں بھی یہ دونوں چیزیں انہیں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کا اصل موجب تھیں۔

سیدنا صخر الغامدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے تاجر تھے ان کا بیان ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اللھم بارک لِاُمَّتِیْ فِی بُکُوْرِھا — خداوندا! میری امت کو صبح کے تڑکے میں برکت عطا فرمائے۔

اس لئے میں ہمیشہ اپنا سامانِ تجارت صبح سویرے روانہ کر دیتا اور معقول نفع اٹھاتا تھا۔ [2]

سیدنا عطارد تیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ عموماً سلاطین کے دربار میں (تجارتی تعلقات سے) حاضر ہوتے اور فائدہ اٹھاتے۔ وہ ایک مرتبہ ایک قیمتی ریشمی جوڑا باہر سے لائے اور مدینہ منورہ میں فروخت کرنے کی غرض سے رکھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی آپ اسے خرید لیں اور جمعہ کے دن یا وفود عرب آئیں تو اسے پہن لیا کریں۔ [3]

---

[1] اسد الغابہ ج ۳ : ۳۱۶
التبکیر ج ۱ : ۲۳۰-

[2] ترمذی شریف کتاب البیوع باب ما جاء فی

[3] مسلم شریف ج ۲ : ۱۹۰-

Marfat.com

غرض کہ صحابہ کرام کا تجارتی ذوق اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ انہیں اس کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ معاش اتنا پسند نہیں تھا اور اسے فروغ دینے کے لئے متعدد منصوبے اور انتظام بھی کر رکھے تھے چنانچہ جہاں صحابہ کرام کے فیاضانہ طرزِ عمل کبھی غیر قوموں کی تجارتی آزادی میں دخل انداز نہیں ہوا، وہاں مختلف ممالک اور اقوام کے مابین تجارتی ترقی کا موجب بنا ہے بنا بریں ملک شام کے نبطی تاجروں کے روغن زیتون اور گیہوں وغیرہ مال تجارت پر حضرت عمرؓ نے عشر نصف مقرر کر دیا تھا تاکہ مدینہ منورہ میں غلہ بکثرت آسکے، اسی طرح مصر کے قبطی بھی مالِ تجارت مدینہ منورہ لاتے تھے لیکن ان سے عشر پورا لیا جاتا تھا [1]

مہاجرین کا مخصوص پیشہ اگرچہ تجارت تھا۔ تاہم مدینہ منورہ آنے کے بعد رفتہ رفتہ زراعت میں بھی مصروف ہو گئے۔ جیسا کہ مہاجرین کی آمد کے موقع پر انصار مدینہ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کی۔ کہ ہمارے کھجور کے باغات ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم فرما دیجئے لیکن آپ نے ایسا کرنے سے انکار فرمایا۔ پھر انہوں نے پیش کش کی کہ محنت و مزدوری میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔ ہم انہیں پیداوار میں شریک کر لیں گے۔ چنانچہ مہاجرین نے اس تجویز کو بخوشی قبول کر لیا۔

بعد ازاں انصار نے کھیت بٹائی پر دینے شروع کئے تو عموماً تمام مہاجرین نے زراعت کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

"مدینہ باسکینہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا جو تہائی یا چوتھائی پیداوار پر کھیتی نہ کرتا ہو۔ سیدنا علی، سیدنا سعد بن مالک، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم وغیرہ سب زراعت کا کام کرتے تھے [3]

---

[1] موطا امام مالک کتاب الزکوٰۃ باب عشر

[2] بخاری شریف ابواب الحرث والمزارعۃ باب اذ قال اکفنی مؤنۃ النخل ج ۱: ۳۱۲

[3] ایضاً ۳۱۳۔

Marfat.com

بہرحال صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی معاش صرف زراعت و تجارت ہی پر موقوف و منحصر نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسبِ حلال کی توفیق عطا فرمائی تھی۔ بنابریں جس پیشے سے رزقِ طیّب حاصل ہو سکتا تھا۔ اس کے اختیار کر لینے میں انہیں کسی قسم کا ننگ و عار نہ تھا۔ کوئی محنت مزدوری میں مصروف ہے، کوئی شہد کی مکھیوں کی نگہداشت کر رہا ہے اور کوئی چٹائیاں بُن کر رزق حلال حاصل کر رہا ہے

تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ منورہ ظہور اسلام سے بہت پہلے بین الاقوامی تجارتی شاہراہ پر واقع عظیم الشان تجارتی منڈی کی حیثیت کا حامل تھا چنانچہ علامہ فواد حمزہ لکھتے ہیں۔

ایام جاہلیت میں "عمان" کا تجارتی سلسلہ مکہ مکرمہ اور یثرب سے قائم تھا۔[1]

ڈاکٹر جواد علی لکھتے ہیں۔

عالمی شاہراہ تجارت میں مدینہ منورہ بہت بڑی اہمیت کا مقام تھا۔ اس زمانہ کے تجارتی قافلے اس منڈی سے گذر کر دوسرے شہروں کو جاتے تھے اور پانی بھی فراوانی سے دستیاب تھا۔[2]

رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک دعاؤں سے تجارت اور زراعت اس شہر کی خصوصیات میں شمار ہونے لگیں اور یہ سلسلہ وقت کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ساتھ ترقی و تنزل کے مراحل سے دوچار ہونے کے باوجود اب تک قائم ہے اس کی بین الاقوامی تجارت کی کیفیت علامہ ابراہیم رفعت پاشا اس طرح بیان کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں بہت سی اشیاء کی تجارت کا سلسلہ مختلف ممالک سے قائم ہے کھجور، گھی پنیر، شہد، چھوہارہ، گندم، جو، لوبیا، چنے، مسور، چاول اور صنوبر وغیرہ بہت سی اجناس مصر شام اور ہند سے درآمد کی جاتی ہیں جب کہ کھجور، پنیر وغیرہ برآمد ہوتا ہے عربی دہاتی لوگ گھی

---

[1] قلب جزیرۃ العرب ۳۹۷۔

[2] تاریخ العرب قبل الاسلام

Marfat.com

اور پنیر فروخت کر کے گندم، پیتل کی مصنوعات اور کپڑے خریدتے ہیں، ریشمی کپڑا بہت ہی اقسام کا اور انتہائی نفیس پایا جاتا ہے۔ سوتی اور اونی کپڑا وافر مقدار میں ہوتا ہے جو ترکی، مصر اور ہند سے درآمد کیا جاتا ہے۔[1]

مدینہ منورہ کے لوگ حج کے موقع پر عرب پر واقع تجارتی میلوں میں تجارت کے لئے جاتے تھے، جن میں عُکاظ، ذی المجاز اور مجنۃ شامل تھے۔ زمانہ جاہلیت سے یہ تجارتی بازار عالمی شہرت کے حامل تھے، اسلام آنے کے بعد بھی ان کی مرکزیت قائم رہی۔[2]

ملک شام سے تجارتی قافلے مدینہ منورہ میں گندم، کشمش اور تیل لایا کرتے تھے۔[3]

مدینہ منورہ کے بازاروں میں سوق بنی قینقاع وادی بطحان میں واقع بہت بڑا بازار تھا۔ جہاں سوداگروں کی خوب چہل پہل ہوتی تھی۔[4]

سوق زبالہ، شہر کے شمال مغرب کی جانب واقع تھا۔ یہ بازار ظہور اسلام کے بعد بھی قائم رہا۔ اس کے علاوہ سوق مزاحم اور سوق بقیع الخیل میں جانوروں کی منڈیاں لگتی تھیں۔[5]

مدینہ منورہ کے لوگ یہود کے ساتھ عموماً برسرِ پیکار رہتے تھے۔ اس لئے انہیں لڑائی میں استعمال ہونے والے اوزار کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی، اس لئے بعض ہتھیار بھی مدینہ میں بنائے جاتے تھے لیکن تیر سازی میں بہت مہارت رکھتے تھے اور یہ بات عام طور مشہور تھی۔ ان اجود السھام سھام یثرب۔[6]

علامہ یاقوت حموی المتوفی ۶۲۶ھ/۱۲۲۹ء لفظ "رَقَمٌ" کے تحت لکھتے ہیں۔

موضع بالمدینۃ تنسب الیہ الرقیمات والسھام الرقمیات منسوبۃ الی ھذا الموضع[7]

---

[1] مراۃ الحرمین ج ۱: ۲۸۴۔ [2] صحیح بخاری کتاب الحج باب التجارۃ ایام الموسم ج ۱: ۲۳۸ کتاب البیوع ج ۱: ۲۷۵ [3] تاریخ مکہ والمدینہ ۳۷۲ [4] کتاب الاغانی ج ۲۱ ص ۲۱ [5] وفاء الوفاء ج ۱: ۵۴۴ [6] تاریخ مکہ المدینہ ۳۴۹: [7] معجم البلدان ج ۴: ۲۷۱۔

Marfat.com

مدینہ منورہ کے بازار

اسلام سے پہلے "سوق بنی قینقاع"، اور "سوق زبالہ" عالمی شہرت کے حامل تھے۔ جب رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے ایک مقام پر کھڑے ہو کر پاؤں مبارک سے خط کھینچا اور فرمایا یہ مسلمانوں کے بازار کی حد ہے چنانچہ مسلمانوں نے اس مقام پر بازار بنالیا اور خرید و فروخت شروع ہو گئی۔ ابن زبالہ کی روایت کے مطابق وہ بازار مسجد غمامہ سے ثنیۃ الوداع کے قریب تک لمبا تھا۔[1]

آبادی اور ضرورت کے لحاظ سے بازار کی کیفیت میں تبدیلی رونما ہوتی رہی۔ جیسا کہ شیخ محمد لبیب البتنونی نے ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں اس طرح تفصیل بیان کی تھی۔

مدینہ منورہ کا بازار باب مصری سے حرم شریف تک پانچ سو میٹر لمبا ہے۔ تجارت کا دارومدار باہر سے آنے والے زائرین اور حجاج پر موقوف ہے۔ ہند، جاوا اور شام کے زائرین مختلف اقسام کا مال لاتے ہیں۔ جیسے پشمینہ، سوتی کپڑا، پشم، ریشم، تسبیح، مہندی اور چائے وغیرہ جب کہ مدینہ منورہ کا سب سے بڑا مال تجارت کھجور ہے جس کی ستر اقسام پائی جاتی ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ قسم عنبر کی دوسرا درجہ چلبی کو اور تیسرا درجہ سکری کو حاصل ہے۔[2]

لیکن اس وقت جہاں مدینہ طیبہ کی ہر ایک چیز میں ترقی ہو چکی ہے۔ وہاں بازار، منڈیاں اور مارکیٹوں کی ترقی بھی قابل رشک ہے۔ ساری دنیا کی مصنوعات اور ہر قسم کی جدید اشیاء کی بہتات ہے۔ اگرچہ اب بھی بعض اشیاء کی مخصوص منڈیاں موجود ہیں۔ جیسے پھل، سبزی، کھجور، گوشت مچھلی اور مرغی وغیرہ۔ لیکن آبادی کی کثرت کے باعث جا بجا مارکیٹیں پائی جاتی ہیں۔ جہاں ہر ایک چیز دستیاب ہے۔ پھل اور سبزیاں وغیرہ دوسرے شہروں سے ایئر کنڈیشن گاڑیوں

---

[1] وفاء الوفا ج ۱: ۵۳۹ / ۵۴۰

[2] رحلۃ الحجازیہ ۲: ۲۵۴۔

Marfat.com

میں لائی جاتی ہیں اور انہیں دیر تک محفوظ رکھنے کے لئے کولڈ سٹوریج کا انتظام بھی ہے۔ موجودہ دور میں تجارت کا انحصار صرف زائرین پر نہیں رہا۔ بلکہ مقامی لوگوں کی خریداری کا سلسلہ سال بھر جاری رہتا ہے۔

چمن زارِ مدینہ

زراعت

اللہ جل وعلیٰ شانہٗ نے زرعی پیداوار کو انسانی دنیا پر عظیم الشان احسان گردانا ہے اور اس ناقابلِ فراموش حقیقت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ طبعی وسائل معیشت میں "زراعت" کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

اَفَرَءَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ	بھلا دیکھو ذرا۔ تم جو کھیتی کرتے ہو اسے
تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ	تم "پیداوار" بناتے ہو یا ہم۔ اگر ہم چاہیں
لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ	تو اسے چورا چورا کر دیں۔ اور تم باتیں بناتے
تَفَكَّهُوْنَ۔ اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ	رہ جاؤ۔ کہ بلاشبہ تم پر تاوان ڈالا گیا۔ بلکہ
بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ[1]	تم تو محروم رہ گئے۔

اسی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے زراعت کے فضائل میں گراں قدر ارشاد فرماتے ہیں۔

اطلبوا الرزق فی خبایا الارض[2]	رزق کو زمین کی پنہائیوں میں تلاش کرو۔

---

[1] سورہ واقعہ پ۲۷

[2] جامع خیرج ۱: ۴۳

Marfat.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو مسلمان درخت لگاتا یا کھیتی کرتا ہے اور اس سے پرند، انسان اور جانور اپنی خوراک حاصل کرتے ہیں تو یہ عمل اس کے حق میں صدقہ بنتا ہے یعنی اجر و ثواب کا باعث بنتا ہے[1]

اسلام کے معاشی نظام میں زراعت کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اور یہ عمل معاشی وسائل کی بنیاد ہے اس لئے اسلام نے زراعت کی افزائش اور ترقی کے لئے جو ذرائع اختیار کئے ہیں۔ وہ بلا شبہ "علم معیشت کی نگاہ میں" حقیقی اور بنیادی ذرائع کہے جا سکتے ہیں

اوس و خزرج کا آبائی پیشہ زراعت اور باغبانی تھا اس لئے وہ ابتدا ہی سے حضارت کی طرف راغب تھے۔ یمن سے نکلنے کے بعد جہاں جہاں سکونت اختیار کی وہ سب پُر فضا اور زرخیز مقامات تھے[2] یثرب آکر بھی انہوں نے کاشت کاری کو اپنایا۔ جو تقریباً شمال عرب کی تمام آبادی کا واحد ذریعہ معاش تھا۔ چنانچہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں۔

"اور ہمارے انصاری بھائیوں کو کھیتی باڑی کا کام طلب علم سے باز رکھتا تھا۔"[3]

سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔

کنا اکثر اھل المدینۃ مزدرعا۔[4] ہم مدینہ میں سب سے بڑے کاشتکار تھے۔

یوں ہی حضرت انس رضؓ حضرت ابوطلحہ کے متعلق بیان کرتے ہیں۔

ابوطلحہ اکثر انصاری بالمدینۃ نخلا۔[5] انصار میں ابو طلحہؓ سب سے زیادہ نخلستانوں کے مالک تھے۔

---

[1] بخاری شریف باب فضل الزرع ج ۱: ۳۱۲ [2] صفۃ جزیرۃ العرب ۲۰۷۔

[3] صحیح بخاری ج ۱: ۲۲ باب حفظ العلم [4] ایضاً ج ۱: ۳۱۲ باب قطع الشجر والنخل

[5] ایضاً ج ۱: ۶۵۴ باب قولہ لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون۔

Marfat.com

اہالیان مدینہ میں قدیم زمانہ میں بھی زمین کی کاشت کے متعلق کچھ اصول وآئین رائج تھے چنانچہ جب تک اوس وخزاج یہود کے زیر اثر رہے انہیں باقاعدہ خراج ادا کرتے تھے[1]۔ اسی طرح جب خود مدینہ کے مالک ہوئے تو ہر خاندان کے حصہ میں کم وبیش زمین آئی۔ جن لوگوں کے پاس زمین کم تھی وہ بڑے زمینداروں سے جو تنے بونے کے لئے کھیت لیتے تھے[2]۔

چونکہ اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں کوئی سکہ نہ تھا۔ اس لئے کاشت کار کو زمین دیتے وقت طے کرلیا جاتا کہ اتنا حصہ تمہارا اور اتنا زمیندار کا حق ہوگا۔ اس میں بسا اوقات کاشت کار کو نقصان بھی ہوتا تھا۔ کیوں کہ کبھی کھیت کے ایک حصہ میں پیداوار ہوتی اور دوسرا بالکل خالی رہتا۔ جب اس کا علم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا انہوں نے اس بے رحمانہ رسم کو ختم کرادیا[3]۔

مدینہ منورہ میں بنو نضیر اور بنو قریظہ نے باغبانی اور زراعت کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے کنویں کھود کر کاشت کاری کو فروغ دیا[4]۔ اور بعد میں اہالیانِ مدینہ کا یہی مستقل اور مایۂ ناز ذریعہ معاش بن گیا تھا۔

قریش ہجرت کر کے جب مدینہ یا سکینہ میں فروکش ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

یامعشر قریش انکم باقل الارض مطراً فاحرثوا فان الحرث مبارک[5]	اے قریش تم ایسی جگہ آ گئے ہو جہاں بارش کم ہوتی ہے لہٰذا تم کھیتی باڑی کرو۔ کیوں کہ یہ بابرکت کام ہے۔

سیدنا ابی جعفر سے روایت ہے۔

---

[1] معجم البلدان ج ۷: ۴۲۶ [2] صحیح مسلم ج ۱: ۶۱۷

[3] صحیح بخاری ج ۱: ۳۱۲ باب مایکرہ من الشروط فی المزارعۃ۔ [4] عمدۃ الاخبار: ۲۰

[5] کنز العمال ج ۴: ۱۲۹

Marfat.com

کہ مدینہ منورہ میں مہاجرین کا کوئی گھر ایسا نہیں تھا۔ جو تہائی اور چوتھائی پر زمین کاشت نہ کرتا ہو۔ سید علی المرتضیٰ، سیدنا سعد رضؓ بن مالک، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ سیدنا قاسم، سیدنا عروہ اسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاندان سب بٹائی پر کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے[1]

سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ "العُرصہ" کے مقام پر زراعت کرتے تھے۔ آب پاشی کے لئے بیر عُرُوہ اور حوض عمرو کا پانی نہر کے ذریعہ وہاں تک لے جایا گیا تھا[2]

سیدنا طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معاش کا اصل ذریعہ تجارت تھا، لیکن مدینہ کریمہ پہنچنے کے بعد زراعت کا شغل اس انہماک سے شروع کیا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اسے وسیع پیمانہ پر پھیلا دیا۔

سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ کے نامور تاجر اور ممتاز کاشتکار بھی تھے۔ خیبر کی جاگیر کے علاوہ صرف مقام "جُرَف" کے کھیتوں میں بیس اونٹ آب پاشی کا کام کرتے تھے اور اسی سے سال بھر کا غلہ اہل وعیال کے لئے پورا ہو جاتا تھا[3]

سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مقام جُرف" میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی اسی طرح سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقیق کے مقام پر انہیں زمین عطا فرمائی یہ جگہ مدینہ طیبہ کے اطراف میں نہایت خوش فضا میدان تھا، علاوہ ازیں انہوں نے "غابہ" میں بہت سی زمین خریدی تھی[4] کھیتی کی نگرانی اور فصل کی حفاظت لبا اوقات خود کرتے تھے۔

---

[1] صحیح بخاری شریف باب المزارعت ج ۱ : [2] فتوح البلدان ج ۱ : ۳۶

[3] طبقات ابن سعد ج ۱ : ۲۹۴ تذکرہ عبدالرحمٰن بن عوف [4] ایضاً تذکرہ زبیر ابن العوام : ۲۶۱/۳

Marfat.com

سیدنا بلال بن حارث المزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بہت بڑا "مربعہ" جاگیر کے طور پر دیا تھا۔ مگر وہ ساری جاگیر کاشت میں رکھنے سے معذور تھے، جس کے باعث ایک بہت بڑا حصہ اراضی بیکار پڑا رہتا تھا۔ چنانچہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں انہیں کہا کہ آپ کو یہ جاگیر کام میں لاکر فائدہ اٹھانے کے لئے دی گئی تھی مگر اس کا اتنا بڑا حصہ اراضی آباد کرنے سے آپ معذور رہیں لہٰذا بقیہ حصہ واپس کردیں تاکہ حاجت مند مسلمانوں میں تقسیم کردیا جائے[1]

بہرحال مدینہ کریمہ کی سرزمین کھیتی باڑی اور باغات کی نشوونما اور افزائش کی خاص صلاحیت رکھتی تھی۔ اور پھر رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس دعاؤں نے اس کی پیداوار میں بے پناہ اضافہ کردیا۔ جیسا کہ بیان ہوچکا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زرعی اصلاحات و انتظامات کے نتیجہ میں نہری آب پاشی سے ڈیڑھ لاکھ وسق کھجور اور ایک لاکھ وسق گندم پیدا ہوتی تھی[2]

علامہ ندوی مدظلہ جزیرۃ العرب کے شاداب علاقوں کا تذکرہ کس حسن انداز سے کرتے ہیں۔ "جزیرۃ العرب میں شادات اور زرخیز علاقوں میں کاشت کاری کا عام رواج تھا حجاز میں مدینہ منورہ اور طائف خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہی وجہ ہے کہ مدینہ باسکینہ کی آبادی کا سب سے بڑا پیشہ زراعت و باغبانی تھا۔ مدینہ منورہ سے شام تک لاتعداد کھجور کے باغات ہیں اور کاشت کاری کا رواج بھی ہے۔ حجاز کے بعض علاقے پیداوار اور شادابی کے لحاظ سے تاریخی اور عالمی شہرت کے حامل ہیں۔ جن میں یمامہ جنوب مشرقی بادیۃ الشام اور مدینہ منورہ کھجور کی پیداوار میں مشہور ہیں، صرف مدینہ منورہ میں ایک سو سے زائد کھجور کی اقسام پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف پھلوں کی اچھی کاشت ہوتی

---

[1] کتاب الخراج: ۶۲ [2] وفاء الوفاء ۲: ۱۵۲

Marfat.com

ہے۔انگور اور انار خاص طور پر قابل ذکر ہیں[1]۔

مدینہ منورہ میں بعض زرعی اجناس کے علاوہ پھل اور سبزیاں بھی بکثرت پیدا ہوتی ہیں جن میں سے بعض حسب ذیل ہیں :۔

انار، انگور کی متعدد اقسام کیلا، سیب، انجیر، کدو، پھول گوبھی، بینگن، ککڑی، خربوزہ، تربوز، کھیرا، لیموں، کالی مرچ، ٹماٹر، لوبیا، چنے، گندنا (ساگ) پیاز، لہسن، پالک، خرفہ، دھنیا وغیرہ[2]

موجودہ دور میں مزروعہ زمین حسب ذیل مقامات پر پائی جاتی ہیں۔

وادی بطحان، قباء، عوالی، وادی رانوناء، وادی قناۃ، وادی عقیق، آب پاشی کے لئے کنوؤں اور بندوں (ڈیم) کا پانی استعمال میں لایا جاتا ہے[3]۔

علامہ تبنونی نے چند مشہور باغات کا تذکرہ خصوصیت سے کیا ہے۔

حدیقہ الدادیہ، حدیقہ الزکی، السبیلے، بضاعہ، بُضیعہ، طرنادیہ الفروزیہ، الزینیہ، الدرویشیہ، بیرحاء، التوانیہ الجودیہ۔ الکاتبیہ اور السمانیہ[4]

مدینہ منورہ کی کھجوریں

اللہ جل جلالہ نے دیار رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پھلوں کو عجیب وغریب خاصیت، فوائد اور برکات سے نوازا ہے۔ یہ محض مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا کرشمہ ہے کہ پھلوں میں کثرت وبہتات اور گوناگوں فوائد پائے جاتے ہیں۔ یوں تو یہ شہر یوم تاسیس سے

---

[1] جزیرۃ العرب ندوی: ۲۰۹۔

[2] دائرۃ المعارف ج ۸ : ۳۳۵۔ المدینہ... الیوم ۲۲۵۔

[3] المدینہ.... الیوم ۲۲۵۔

[4] رحلۃ الجازیہ، ۲۵۸۔

Marfat.com

ہی نخلستان و گلستان بن گیا تھا۔ مگر اس کے حسن و رعنائی کو اس مقدس دعا:

اللھم بارك لنا فی اثمارنا نے دوبالا کر دیا۔ بالخصوص کھجور کی افزائش میں بے پناہ اضافہ ہوا جس سے دنیا جہان کے لوگ استفادہ کرنے لگے۔ شافئ مطلق نے جہاں اس کے پھلوں کو برکت کی فراوانی سے نوازا وہاں انہیں شفاء کی نعمت سے بھی بہرہ ور فرمایا۔ زمانہ قدیم سے کھجوروں کی کاشت پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی۔ اسی لئے اس شہر کی خصوصی پہچان کے طور پر اسے ارض نخل کہا گیا۔ یہاں کھجوروں کی بیشمار اقسام پائی جاتی ہیں۔ تاریخ کبیر میں ایک سو انتالیس اور خلاصۃ الوفاء میں ایک سو تیس قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ جب کہ الشیخ محمد صالح البلیہشی نے موجودہ دور میں کھجوروں کی بائیس اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) العنبرۃ (۲) العجوۃ (۳) السلبی (۴) الصفاوی (۵) الحلوہ (۶) البرنی (۷) البیض، (۸) الخشیمی (۹) الشفرہ (۱۰) روثانۃ الدینیۃ (۱۱) الربیعہ (۱۲) السویداء (۱۳) السکریہ (۱۴) السبع (۱۵) القنبر (۱۶) البطیرجل (۱۷) البرنجی (۱۸) البطایہ (۱۹) روثانۃ الشرق (۲۰) ام الخشب (۲۱) لونہ اور (۲۲) ریاعی۔[1]

مولف موصوف نے حسب ذیل مقامات پر کھجوروں کے باغات کا ذکر کیا ہے۔

قبا، قربان، عوالی، المطار، الخلیل، الزبیر، العیون، العنابس، حرۃ الشرقیہ، آبار علی، ابوبر لقیہ، سلطانہ، البرکہ، قریظہ اور المبعوث۔[2]

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ محبوب و مرغوب کھجور، عجوہ

عجوہ: تھی۔ علامہ ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ/۱۴۴۹ء امام ابن اثیر کا قول بیان کرتے ہیں۔

عجوہ، صیحانی سے مقدار میں بڑی ہے اور اس کا درخت مقصودِ کائنات صلی اللہ علیہ

---

[1] المدینہ ... الیوم ۱۲۶۔ [2] ایضاً

وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے لگایا تھا۔[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عجوہ جنت کی کھجوروں میں سے ہے اور یہ زہر کا تریاق ہے۔[2]

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو آدمی صبح نہار منہ سات عدد عجوہ کھجور کھالے تو اس پر سارا دن زہر اور جادو اثر نہیں کرے گا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ عالیہ (مدینہ منورہ کا وہ حصہ جو نجد کی طرف واقع ہے۔ جس کی حدود تین سے آٹھ میل تک ہیں[3]) کی عجوہ کھجور صبح نہار منہ کھانا باعث شفا موجب تریاق ہے[4]

امام نووی المتوفی ۶۷۶ھ/۱۲۷۷ء فرماتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا عجوہ کو دوسری تمام اقسام پر فضیلت دینا اور پھر سات کے عدد کے ساتھ مخصوص فرمایا۔ یہ امور اسرار میں سے ہیں جن کی حکمت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ لیکن آپ کے ارشاد پر ایمان لانا لازم ہے اور یہی اعتقاد رکھنا چاہیئے کہ عجوہ ہی کو برتری اور فضیلت حاصل ہے اور اس میں ضرور کوئی حکمت کارفرما ہے۔[5]

علامہ ابن قیم بیان کرتے ہیں۔

مدینہ منورہ کی عجوہ کھجور انتہائی مفید، لذیذ، مقوی اور پسندیدہ ہے۔ اور یہ پیٹ کے کیڑوں کی قاتل ہے۔[6]

---

[1] فتح الباری ج ۱۰ : ۲۳۸ [2] ترمذی شریف ج ۲، ابواب الطب ۲۷، ابن ماجہ ۲۴۷۔

[3] بخاری شریف ج ۶ : ۸۵۹ مسلم شریف ج ۲ : ۱۸۱ [4] شرح مسلم ج ۲ : ۱۸۱ [5] مسلم شریف ج ۲ ۱۸۱

[6] شرح مسلم ج ۲ : ۱۸۱ [7] فتح الباری ج ۱۰ : ۲۴۰۔

Marfat.com

ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دورانِ سر کے لئے عجوہ کھجوہ سات دانے نہار منہ کھانے کو فرماتی تھیں[1]

سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں بیمار ہوگیا، میری بیمار پرسی کے لئے رحمتِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے دستِ مبارک میرے سینہ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں محسوس کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تمہیں دل کا عارضہ ہے۔ پھر سات عدد عجوہ کھجور لے کر معجون بنائی اور استعمال کرنے کو فرمایا[2]

صخرۃ:۔ مدینہ منورہ کی کھجوروں میں صخرۃ بھی ہے۔ جس کے متعلق نبی الرحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ العجوۃ والصخرۃ من الجنۃ۔ عجوہ اور صخرۃ دونوں جنت کی کھجوروں میں سے ہیں[3]

برنی:۔ برنی کھجور بھی بہت شہرت رکھتی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ کھجوروں میں سے بہترین کھجور برنی ہے جو بیماری کو دور کرتی ہے اور اس میں کوئی مضر اثر نہیں ہے[4]

صیحانی:۔ علامہ سمھودی المتوفی ۹۱۱ھ/ ۱۵۰۵ء نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ کسی باغ سے گذر رہے تھے کہ کھجور کے ایک درخت نے آپ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی اس درخت کا پھل صیحانی کہلاتا ہے۔

صیحانی ایسی عدیم النظیر کھجور ہے کہ مدینہ منورہ کے سوا۔ دنیا کے کسی شہر میں اس کی پیداوار نہیں ہوتی ہے[6]

---

[1] وفاء الوفاء ج ۱: ۵۰۔

[2] ابوداؤد ج ۲: ۹۶ کتاب الطب

[3] ابن ماجہ شریف ۲۴۷۔

[4] کنز العمال ج ۱: ۲۶ جمع الفوائد ج ۲: ۱۳۱

[5] وفاء الوفا ج ۱: ۵۱۔

[6] آثار البلاد واخبار العباد: ۱۰۷۔

Marfat.com

سُخل (بیدانہ) بیانہ یہ اقسام بھی بکثرت پائی جاتی ہیں[1]، آج کل سُخل اذاں ملتی ہے

ام جروان: شیخ العرب والعجم المتوفی ۱۳۷۷ھ رقمطراز ہیں۔

اس زمانہ میں ام جروان جسے ہلیہ بھی کہا جاتا ہے۔ بہت کثرت سے کھائی جاتی ہے سوکھنے کے بعد یہ سیاہ اور سخت ہو جاتی ہے۔ اس کے دانے چھوٹے ہوتے ہیں اور سوکھنے کے بعد جلے ہوئے گڑ کا سا مزہ پیدا ہو جاتا ہے اس کی پیداوار بہت ہوتی ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے جب پہلے پہل قبا میں وارد ہوتے تو آپ کی خدمت میں کلثوم بن الہدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کا خوشہ پیش کیا تھا۔ وہ زمانہ تازہ کھجوروں کا تھا آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی تھی[2]

شیخ العرب والعجم مولانا حسین احمد مدنی تحریر کرتے ہیں کہ ۱۳۱۸ھ تک مسجد نبوی شریف کے صحن میں بھی کھجور کے چند درخت موجود تھے۔ جن کی کھجوریں انتہائی تبرک کے طور پر حاصل کی جاتی تھیں[3]

موصوف مزید لکھتے ہیں۔

مدینہ منورہ کی کھجوروں کو مدت تک محفوظ رکھنے کے لئے خاص اہتمام کیا جاتا ہے ان کو محفوظ رکھنے کے لئے مٹی کے مٹکے استعمال کئے جاتے ہیں۔ مگر یہ اتنے زیادہ مضبوط اور کارآمد نہیں ہوتے البتہ افریقہ کے شمال مغربی حصہ میں نہایت مضبوط اور چھوٹے منہ والے مٹکے بنتے ہیں۔ وہی مدینہ منورہ میں زیادہ تر استعمال کئے جاتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں کرایہ کے لئے مکانات پائے جاتے ہیں جن میں بڑے بڑے مغربی مٹکے نصب ہوتے ہیں ان مکانوں کا کرایہ سال بھر کا لیا جاتا ہے وہاں کے لوگوں کی آمدنی کے لئے یہ جائداد کا حکم رکھتے ہیں۔ کھجوروں کی جن اقسام کو کیڑا لگ جانے کا خوف

---

[1] نقش حیات ج ۱: ۶۸ [2] نقش حیات ج ۱: ۶۷ [3] نقشِ حیات ج ۱: ۱۰۲

Marfat.com

زیادہ ہوتا ہے۔ وہ کھجوریں ان مٹکوں میں بھر کر خوب دبا دی جاتی ہیں۔ پھر اُن پر ام جردان (ہلیلہ) کھجور بھر کر نمک بھر دیا جاتا ہے پھر مٹکوں کا منہ مٹی سے بند کر دیا جاتا ہے اس طرح کھجوریں سال سال دو دو سال تک بالکل محفوظ رہتی ہیں اور انہیں کیڑا نہیں لگتا۔[1]

شیخ موصوف بیان کرتے ہیں میں نے خطیب زمان حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں حجرہ مطہرہ کا غبار اور مسجد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تین کھجوریں پیش کیں۔ آپ نے غبار روضۂ انور کو سرمہ میں ڈال لیا اور وہ سرمہ روزانہ استعمال فرماتے تھے۔ اور تین کھجوروں کے تقریباً ۲۷ حصے کر کے تقسیم فرما دیئے مدینہ منورہ کی کھجوریں جو تقسیم کی گئیں اُن کے متعلق ہدایت فرمائی کہ ان کی گٹھلیاں پھینکی نہ جائیں۔ ان کو ہاون دستہ میں کوٹ کر رکھ لیا اور روزانہ اس میں سے تھوڑا سا پھانک لیا کرتے تھے۔[2]

بلدیہ

شہری نظم ونسق برقرار رکھنا لوگوں کی بنیادی ضروریات فراہم کرنا اور صفائی کا بندوبست کرنا بلدیہ کے دائرۂ اختیار میں ہوتا ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گوناگوں محاسن میں سے یہ بھی انتہائی قابل تحسین کارنامہ تھا کہ انہوں نے بلدیاتی اداروں کی داغ بیل ڈالی، شہری انتظامات کے ساتھ ساتھ پیدائش اور اموات کا اندراج مختلف قبائل کے انساب کا تحفظ، وظائف کی تقسیم اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر جیسے انتہائی اہم امور ان اداروں سے متعلق تھے۔

خلیفہ موصوف نے ۲۰ھ/۶۴۱ء میں اس نوعیت کا پہلا ادارہ مدینہ کرمیہ میں قائم کیا جسے "دار الحسبۃ" یعنی بلدیہ اور ادارہ کے رئیس کو "المحتسب" سے موسوم کیا۔ بعد ازاں امیر المومنین سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں مذکورہ نام

---

[1] حیات نقش ج ۱: ۶۷ [2] ایضاً ۱۰۳

Marfat.com

تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ پکارے جانے لگے۔ کہ دارالحسبۃ کا نام بلدیہ اور المحتسب کی بجائے رئیس البلدیہ کر دیا گیا۔

حالات اور ضروریات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ادارہ کی کارکردگی اور نظم ونسق میں بھی مناسب اصلاحات ہوتی رہیں اور ادارہ اپنی قابل تقلید خدمات اور حسن کارکردگی کے باعث ترقی پذیر رہا۔ خلافت عثمانی میں رئیس بلدیہ کے عہدہ پر حسب ذیل شخصیات فائز ہوئیں۔ علی محمد دیری، یوسف شصلی، محمد داغستانی، حسن العطار، محمد حمودہ، احمد صافی، خالد خاشقجی انور عشقی، محمد حسن سمان، زین العابدین مدنی، ذیاب ناصر، حمزہ غوث، شریف بک جمال محمد علی بک، نورالدین بک، السید جعفر حبشی، صالح شطلبہا اور اسلامی سلاطین اشراف میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ عطاس، حسن داغستانی، محمود عبدالجواد اور محمود حلوانی آلِ سعود کے عہد حکومت میں اس منصب پر ان حضرات کا تقرر ہوتا رہا ہے۔

۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء میں پہلا سعودی رئیس بلدیہ السید ذیاب ناصر مقرر ہوا۔ بعدازاں محمد حسن سمان، عبدالقادر غوث، مصطفیٰ عطار، آمین مدنی، محمد عبدالجواد، صالح البلخانی، علی حافظ، صالح عبداللہ فضائلی، عبدالقادر حسن طاہر اور صدقہ خاشقجی[1]

۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں بلدیہ کا نام تبدیل کر کے "امانۃ" اور رئیس بلدیہ کی جگہ "امین المدینۃ المنورہ" رکھ دیا گیا۔[2]

جب شہر کی آبادی دور دور تک پھیل گئی اور کام اور نظم کی مہمات میں اضافہ ہو گیا۔ تو انتظامی امور کو احسن طریقہ سے انجام دینے کی خاطر شہر کو پانچ وارڈوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ پانچ دفاتر قائم کر دیئے گئے۔ بلدیۃ الحرم، بلدیۃ الشرق، بلدیۃ القباء، بلدیۃ الغرب

---

[1] المدینہ ... ایوم ۱۶۵، المدینۃ المنورہ ۲۴۵ [2] المدینہ ... ایوم: ۱۶۵۔

Marfat.com

اور بلدیہ الشمال بھی[1]

صفائی کا انتظام

شہر کی صفائی پر مامور عملہ تین شفٹوں میں دن رات مصروف کار رہتا ہے، عام ایام میں ۲۰۰۰ افراد، ۸ مراقب اور ۶ مشرق ہوتے ہیں، اس تعداد میں حالات کے مطابق کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، البتہ حج کے ایام میں یہ تعداد دوگنا بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوجاتی ہے۔ صفائی کا سارا عملہ مسلمان ہی ہوتا ہے، سڑکوں، محلوں اور گلی کوچوں میں جابجا کوڑا کرکٹ ڈالنے کے لئے بڑے بڑے ۳۰۰۰ ڈرم رکھے ہوئے ہیں۔ جنہیں بلدیہ کی گاڑی آکر اٹھا لیتی ہے[2]

فائر بریگیڈ

مدینہ منورہ میں فائر بریگیڈ کا دفتر ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں قائم ہوا، یہ محکمہ وزارت داخلہ کے ماتحت ہے۔ اور شہری پولیس سے منسلک ہے۔ اس کے پہلے رئیس مصطفیٰ عطاس تھے ان کے پاس نہایت عمدہ قسم کی گاڑیاں ہوتی ہیں اور شہر میں متعدد دفاتر قائم ہیں[3]

ادارہ اوقاف مساجد

مدینہ طیبہ طاہرہ کی مساجد مقدسہ اور ان کے لئے وقف کردہ املاک کے نظم ونسق اور انتظام وانصرام کو برقرار رکھنے کی خاطر ترکی دور حکومت میں ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا جس

---

[1] المدینہ... الیوم: ۱۷۱ تا ۱۷۳۔

[2] المدینہ صدقہ حسن خاشقجی زیر عنوان وزراۃ شؤن البلدیہ ۱۲۰

[3] المدینہ... الیوم ۱۹۷۔

Marfat.com

کا نام "الخزینۃ الجلیلہ النبویہ" قرار پایا۔ اور اس کے پہلے رئیس السید حبیب احمد محمود تھے۔ بعدازیں سعودی عہد حکومت میں مذکورہ ادارہ کا نام "ادارۃ الاوقاف بالمدینۃ المنورۃ" تجویز ہوا۔ مساجد مدینہ کی ترامیم وتعمیر، انتظام وانصرام اور دیگر تمام وقف املاک بشمول ربا طیتں، باغات اور اراضی کے اس کے دائرہ اختیار میں ہیں۔ یہ ادارہ وزارت حج سے منسلک ہے۔ قیام ادارہ سے اب تک حسب ذیل حضرات مدیر کے عہدے پر فائز رہے ہیں۔

سید حسین طہ، سید عبدالعزیز اسعد، سید مصطفیٰ عطار، سید اسعد طہ، سید محمد عبدالرحمٰن اور سید اسعد شیرہ[1]

پولیس شہر میں امن وامان قائم رکھنے اور زائرین کو سہولت بہم پہنچانے نیز ٹریفک کا نظم ونسق چلانے کے لئے پولیس کا محکمہ بھی قائم کیا گیا ہے، اس محکمہ کو جدید ترین آلات فراہم کئے گئے ہیں مسجد نبوی شریف کو جانے والے راستوں اور زائرین کی عام گذرگاہوں میں ٹریفک کے نظام کو کنٹرول کرنے کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ شہر کے اندر متعدد پولیس سٹیشن قائم ہیں جیسا کہ:۔

(۱) شرطۃ الحرم النبوی الشریف — حرم کے قریب جنوب میں دفتر ہے

(۲) شرطۃ باب المجیدی — مدرسہ صقر الجزیرۃ کے قریب ابوذر روڈ پر

(۳) شرطۃ باب السلام (۴) شرطۃ المناخۃ (۵) شرطۃ ابی ذر (۶) شرطۃ قبا۔[2]

شفاخانے

۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء میں حسب ذیل ہسپتال موجود تھے جن میں نہایت عمدہ انتظام اور

---

[1] المدینۃ ۔۔۔۔ الیوم ۷۰ھ۔ [2] ایضاً ۱۷۷

Marfat.com

تمام امراض کا بلا معاوضہ علاج کیا جاتا ہے۔

مستشفی العام الجدید جس میں ۵۰۰ بستروں کا انتظام ہے۔
" الملک " " ۲۶۵ بستروں کا انتظام ہے۔
" الولادہ والاطفال " ۲۲۵ بستروں کا انتظام ہے۔
" العیون " ۵۰ بستروں کا انتظام ہے۔
" الحمیات " ۵۰ بستروں کا انتظام ہے۔
" الصدر " ۳۵ بستروں کا انتظام ہے۔
" امراض النفسیہ " ۳۵ بستروں کا انتظام ہے۔

الحاج محی الدین لکھتے ہیں۔

مدینہ منورہ میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے باب عنبریہ آتا ہے۔ اسے باب المدینہ بھی کہا جاتا ہے۔ باب عنبریہ کے ایک کنارے پر دو منزلہ وسیع و عریض عمارت ریلوے اسٹیشن مدینہ کی اب بھی موجود ہے۔ جو پائیداری و قدامت کی جیتی جاگتی یادگار ہے۔ مدینہ کی تاریخی بغاوت جس کا بانی مبانی کرنل لارنس (مشہور انگریز جاسوس) تھا۔ جس نے ترکوں کے خلاف عربوں کو برسہا برس اکسایا۔ ترکوں کی قائم کردہ ریلوے لائن دمشق سے مدینہ تک قائم تھی۔ لارنس نے عربوں کے ہاتھوں یہ ریلوے لائن اکھڑوا پھینکی۔ آثار قدیمہ کے طور پر ریلوے اسٹیشن، انجن، سواری گاڑی اور مال گاڑی کے شکستہ ڈبے خاموش نوحہ خواں اب بھی موجود ہیں[1]

ناپ و تول کے پیمانے

مکہ مکرمہ کے لوگ تجارت پیشہ اور مدینہ منورہ کے باشندے زراعت پیشہ تھے۔ اس

---

[1] آئینہ حرم ۱۷۶۔

Marfat.com

لئے معاملات میں دونوں شہروں میں ایک نمایاں فرق تھا۔ کہ مکہ مکرمہ میں وزن کے پیمانوں کا استعمال عام تھا جبکہ مدینہ منورہ میں ناپ یعنی مکیال کا رواج عام تھا۔ پیمانوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ کا اختلاف بھی ملتا ہے اس اختلاف سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکیال کے لئے اہلِ مدینہ کو اصل قرار دیا اور میزان کے لئے اہل مکہ کو۔

اہل مدینہ کے ناپ کے پیمانوں میں اہم پیمانے مُد ، صاع اور وسق تھے۔ مُد دو چلّو کے بقدر غلہ یا پانی کو کہتے تھے۔ یہ دو چلّو متوسط آدمی کے ہاتھوں کے بقدر پائے گئے ہیں۔ چار مُد کا ایک صاع اور ۶ صاع کا ایک وسق شمار کیا جاتا تھا۔

صاع اور مُد کی مقدار کے متعلق مختلف اقوال میں توازن پیدا کرنے کے بعد حسب ذیل صورت قریب تر سمجھی گئی ہے۔

ایک مد مساوی ہوگا ۵۴۴ گرام وزن کے گیہوں یا ۸۱۶ گرام پانی کے اور ایک صاع مساوی ہوگا ۲۱۷۶ گرام وزن کے گیہوں یا ۳۲۶۴ گرام پانی کے۔

درہم سکہ کے طور پر پہلے تولہ چاندی کی قیمت کا تھا اور وزن کے لحاظ سے پیمانہ بھی تھا، جو ۲،۹۷ گرام یعنی ½ تولہ وزن رکھتا تھا، سکہ کے طور پر دنیا کے ساتھ اور وزن کے طور پر اوقیہ اور رطل کے ساتھ شمار ہوتا تھا۔ علاوہ ازیں درہم میں ۶ دانق اور ۱۲ قیراط مانے جاتے تھے[1]

موجودہ دور میں مدینہ منورہ سمیت تمام سعودی عرب میں وزن کے لئے کلوگرام اور ناپ کے لئے کلومیٹر کا استعمال ہوتا ہے۔

---

[1] جزیرۃ العرب ندوی ۲۰۲، ۲۰۳۔

Marfat.com

مصادر وماخذ

نمبر شمار	اسماء کتب	اسماء مصنفین	المتوفی	مطبوعہ	سن طباعت
		الف			
۱	آثار البلاد واخبار العباد	امام زکریا بن محمد بن محمود قزوینی		بیروت	۱۳۸۰ھ، ۱۹۶۰ء
۲	آثار المدینہ	علامہ عبد القدوس الانصاری		مدینہ منورہ	۱۳۹۳ھ، ۱۹۷۰ء
۳	احسن التقاسیم	علامہ محمد بن ابی بکر البشاری	۳۷۵ھ ۹۸۵ء		
۴	اخبار القضاۃ	”محمد بن خلف بن حبّان	۳۰۶ھ ۹۱۸ء	قاہرہ	۱۳۶۶ھ، ۱۹۴۷ء
۵	اخبار المدینہ	امام محمد بن محمود بن النجار	۶۴۳ھ ۱۲۴۵ء	مکۃ المکرمہ	۱۴۰۱ھ ۱۹۸۱ء
۶	اخبار مکہ	امام ابوالولید ازرقی	۲۲۳ھ ۸۳۸ء	مکۃ المکرمۃ	
۷	ارشاد الساری	علامہ القسطلانی	۹۲۳ھ	مصر	
۸	ارض القرآن	علامہ سید سلیمان ندوی	۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء	دار الاشاعت کراچی	
۹	اسلامی ریاست	ڈاکٹر حمید اللہ		لاہور	
۱۰	اُسد الغابہ	امام علی بن محمد الجزری المعروف ابن اثیر	۶۳۰ھ، ۱۲۳۳ء	بیروت	
۱۱	الاصابہ فی تمیز الصحابہ	امام احمد بن علی بن محمد بن علی عسقلانی	۸۵۲ھ ۱۴۴۸ء	مکتبہ تجارۃ الکبری بیروت مکہ المکرمہ	۱۳۵۸ھ ۱۹۳۹ء
۱۲	انساب الاشراف	علامہ احمد بن یحیی البلاذری			
۱۳	انساب السمعانی	علامہ عبد الکریم بن ابوبکر السمعانی	۵۶۲ھ، ۱۱۶۶ء	بارہ بنکی یوپی ہند	
۱۴	آئینہ حرم	الحاج محی الدین قادری			

Marfat.com

نمبر شمار	اسماء کتب	اسماء مصنفین	المتوفی	مطبوعہ	سن طباعت
		ب۔ت۔ث			
۱۵	البدایہ والنہایہ	علامہ عماد الدین ابن کثیر دمشقی	۷۷۴ھ ۱۳۷۳ء	لاہور	
۱۶	بذل المجہود	علامہ خلیل احمد سہارنپوری	۱۳۴۷ھ ۱۹۲۸ء	ملتان	
۱۷	بزم اشرف کے چراغ	پروفیسر احمد سعید		لاہور	۱۹۷۵ء
۱۸	بلوغ الادب فی معرفت احوال العرب	سید محمود شکری الوسی		مصر	۱۳۴۲ھ ۱۹۲۴ء
۱۹	تاج العروس	علامہ سید محمد مرتضیٰ الحسینی زبیدی	۱۲۰۵ھ ۱۷۹۱ء	کویت	۱۳۸۵ھ ۱۹۶۵ء
۲۰	تاریخ اسلام	مولانا معین الدین ندوی		کراچی	۱۹۷۳ء
۲۱	تاریخ ابن خلدون	امام عبدالرحمٰن بن خلدون	۸۰۸ھ ۱۴۰۵ء	نفیس اکیڈمی کراچی	
۲۲	تاریخ ابوالفداء	علامہ اسماعیل بن کثیر	۷۳۲ھ ۱۳۳۳ء	مصر	
۲۳	تاریخ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب رضوی		دیوبند	۱۳۹۷ھ ۱۹۷۷ء
۲۴	تاریخ حرمین اردو	مولانا عبدالسلام ندوی		پاکستان	
۲۵	تاریخ حرمین عربی	عباس کرارہ		مکہ مکرمہ	
۲۶	تاریخ طبری مترجم	امام ابی جعفر بن جریر طبری	۳۱۰ھ ۹۲۲ء	کراچی	۱۹۶۷ء
۲۷	تاریخ عرب قبل الاسلام	ڈاکٹر جواد علی		بغداد	۱۳۷۲ھ ۱۹۵۳ء
۲۸	تاریخ کامل ابن اثیر	علامہ علی بن ابی الکرم محمد بن محمد المعروف ابن اثیر	۶۳۰ھ ۱۲۳۳ء	مصر	۱۲۹۰ء
۲۹	تاریخ مکہ ومدینہ	الشیخ احمد ابراہیم الشریف		قاہرہ	۱۹۶۵ء
۳۰	تاریخ یعقوبی	علامہ احمد بن ابی یعقوب	۲۹۲ھ ۹۰۵ء	نجف	۱۳۵۸ء

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com